نگران اعلیٰ: وسیم طاہر ڈھکو

03457462919

بانی: زیب النسا

مدیر اعلیٰ: نزہت جبیں ضیاء

ایڈیٹر: ندیم عباس ڈھکو

03225494228

مینجمنٹ آفیسر: ریحانہ اعجاز / فاطمہ

نائب ایڈیٹر / چیف ایڈیٹر: آبرِو نبیلہ اقبال / سحرش نقوی

نوٹ

تمام مصنفین ، قارئین اور شعراء حضرات سے درخواست ہے کہ وہ داستانِ دل کی تحاریر کے سلسلے میں چیف ایڈیٹر اور ایڈیٹر کے علاوہ کسی سے لین دین مت کریں۔تمام تحاریر نیک نیتی کی بنیاد پر مفت شائع کی جاتیں ہیں۔۔ اور کوئی آپ سے پیسوں کے عوض ہمارا نام لے کر تحریر مانگے تو اسے ہرگز اپنا سرمایہ مت دیں اور ادارے کو فوری اطلاع کریں

دسمبر 2016

شمارہ: 09

خط و کتابت کا پتہ: ندیم عباس ڈھکو، چک نمبر 5/79 L ڈاکخانہ 5/78 L تحصیل و ضلع ساہیوال

فون نمبر 03225494228 ہمارا ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

ماہنامہ داستان دل دسمبر 2016 کی جھلکیاں

پاکستان کا واحد ادارہ جو نیو لکھنے والوں کو موقعہ فراہم کر رہا ہے

نائب چیف ایڈیٹر سحرش علی نقوی
نائب ایڈیٹر آبرو نبیلہ اقبال

ادارئیہ 2
آوڈین سکمین
چلو دنیا کی سیر کریں
آبرو نبیلہ اقبال 4
انٹرویو
افشاں شاہد 219
تم ملے
ریما نور رضوان 105
مختصر کہانیاں
16
وفا ہم نبھائیں گے
مہوش ملک 113
محبت نامے
27
انٹرویو 414
نوشین اقبال نوشی
پھندا
نشاء ایمان 121
آرزوں کے سنگ سنگ
نبیلہ نازش راؤ 43
تعلیم سے ہو گئی روشنی
ندا مقصود 125
طواف زادی
راحیلہ منظر 63
انٹرویو 531
ڈی۔ایس۔پی ارباب
محبتوں کی اداس شامیں
کبرٰی نوید 142
خمیازہ
ثمینہ طاہر بٹ 75
اسے روگ کس نے لگایا
نور عدن شاہ 149
فرسا شناسائی
آفرین خان مخری 93
انٹرویو
انچارج سونیا چوہدری
بے وفا
رمضان پریمی 191
پہلا قدم
نور لعین ولی 100
دھوکہ
صدف ایمان 196

ماہنامہ داستان دل دسمبر 2016 کی جھلکیاں

پاکستان کا واحد ادارہ جو نیو لکھنے والوں کو موقعہ فراہم کر رہا ہے

تعارف
بنتِ رحمان

اقتباسِ ناول
ملائکہ خاں 461

گداگر
محمد نواز 200

دل کی آواز
سحرش علی نقوی

کوئی حال نہیں
227

سوہنی دھرتی
فہمیدی غوری 209

ناکارہ انگوٹھی
محمد تنویر بنوری 232

ضیاء شہد چوک
اذکہ جاوید 212

لطیفے
ریحانہ اعجاز 523

تحریروں کا گلدستہ
نئے لکھنے والوں کا سلسلہ 292

امریتا پریم اور اس کا عشق
اویس قرنی شاہین 235

لازوال آخری قسط
محمد شعیب

مکافات عمل
راشدہ عمران 244

شاعری پیغام
528

بیوٹی پالر
آمنہ رشید 426

ماں کے عنوان پر
گروپ میں مقابلے کی تحریر 248

میری ڈائری کا ورق
دیا خاں بلوچ 436

زندگی کی حقیقت
عریشہ سہیل 247

آفس منیجر
ریحانہ اعجاز فاطمہ میمن

اقوال زریں
443

اماں مجھے سکول جانا ہے
ضیاء المجید ضائی 223

پسندیدہ اشعار
449

جنت کا راستہ*از حرا طاہر

قرآن و حدیث کی روشنی میں..

جنت میں جانے کیلئے کتنے اور کون کونسے راستے ہیں؟

اگر ہم قرآن مجید کی ان آیات کا بغور مطالعہ کر لیں تو اس بات کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے...

یہ حدیں اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ہیں اور* جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا اسے اللہ تعالیٰ جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے

)سورۃ النساء(13 :

اے ایمان والو !فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبارِ انجام کے بہت اچھا ہے

)سورۃ النساء(59 :

اور جو بھی* اللہ تعالیٰ کی اور رسول کی فرمانبرداری کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے، جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں

)سورۃ النساء(69 :

قرآن کی آیات کے بعد) طوالت سے بچتے ہوئے صرف (ایک حدیث پیشِ خدمت ہے

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم) بعض صحابہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لائنیں دائیں اور دو بائیں کھینچیں، پھر اپنا ہاتھ درمیانی) سیدھی (لائن پر رکھا اور فرمایا: یہ اللہ کا راستہ ہے اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی :اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم)سیدھا (ہے، سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو !کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی) الأنعام(153 :

)سنن ابن ماجہ(11 :

اس میں ہر صاحبِ دل کے لئے عبرت ہے اور اس کے لئے جو دل سے متوجہ ہو کر کان لگائے اور وہ حاضر ہو

)سورۃ ق(37 :واللہ تعالیٰ اعلم

اسلام و علیکم۔

دوستو' کیسے ہو امید کرتا ہوں کہ خریت سے ہوں گے اس وقت دسمبر کا شمارہ "ماں نمبر" آپ کی آنکھوں کے سامنے ہیے امید کرتا ہوں کے پہلے کی طرح آپکو پسند آئے گا بہت سی کمی تھی رسالے میں جو ہم نے کوشش کی ہے کہ اس دفعہ پوری کی جائے۔ ہم کہاں تک کامیاب ہوئے یہ آپ کے محبت نامہ سے ہمیں معلوم ہو جائے گا۔ خیر یہ باتیں تو ہمشہ ہی ہوتی رہتی ہیں کیوں نہ آج دل کی باتیں کی جائے۔۔ کبھی کبھی تو سوچتا ہوں کہ کاش یہ دل نہ ہوتا اور پھر سوچتا ہوں کہ کاش یہ کاش لفظ ہی نہ ہوتا زندگی میں۔۔۔ دوستو' زندگی تو درد کا ہی نام ہے اس میں ہر موڑ پر ہر پل، ہر سانس پر درد دینے والے ملتے ہیں تو کیا ان کے ڈر سے ہم ملنا کسی سے چھوڑ دیں، کیا ہم نے ہمشہ ایسے جینا ہے کیا اتنے کمزور انسان ہیں کہ ہم اپنے آپ پر اعتبار نہیں کر سکتے۔ اک مضبوط انسان بن کر جینا چاہیے ہر مشکل کا سامنا کرنا چاہیے ۔بزدلوں کی طرح جینے کا کیا فائدہ، جینا تو ایسے چاہیے کہ مرنے کے بعد بھی دنیا اچھے لفظوں میں یاد کرے۔ چند پل کبھی خود کو دے کر تنہائی میں سوچنا کہ اس زندگی کا کیا مقصد ہے جس زندگی کے جذباتی فیصلے کر کے جو لوگ جا چکے ہیں دنیا کیا کہتی ہے ان کے والدین کو وہ والدین جو خود بھوکے رہے کر بھی تمھیں کھانا کھا لتے ہیں خود دھوپ میں رہے کر تمھارے لیے سایہ ڈھونڈتے ہیں وہ والدین جو زمانے بھر سے تمھاری خاطر منہ موڑ لیتے ہیں اور ہم کیا ان کو اسکا صلہ دیتے ہیں ؟؟؟؟؟؟ کبھی سوچا؟؟؟ نہیں کیوں کہ ہمارے پاس ان کے لیے ٹائم ہی کہاں، ہم دنیا کے کاموں میں اتنے مصروف ہو گئے ہیں کہ ہمیں کچھ یاد نہیں یاد ہے تو فیس بک کا کوڈ یا ہے نیو فلم کا یاد ہے۔۔۔۔۔۔۔ ارے

اے انسان تو کیا کر رہا ہے تو آیا کس مقصد کے لیے ہے یہ دنیا سدا آباد نہیں رہنی مگر ماں کی دعا ہمشہ تمہارے ساتھ رہے گی اور وہ ہی تمھاری آخرت کی نجات کا سبب بنے گی۔۔ خدا کے لیے اک پل کے لیے اپنے آپ سے تنہائی میں بات کرنے کی کوشش کرنا شاہد اندر کا مرا ہوا انسان زندہ ہو جائے۔۔۔ اگر زندہ ہو جائے ماں کے قدموں میں گرِ جانا اور معافی مانگنا۔۔۔ بے شک ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔۔۔ اور جو اس وقت ماں سے دور ہیں پلیز اک بار ماں سے بات کر لو دنیا کے کاموں میں اتنے کھو گئے ہو کے ماں کو ناراض کر کے منانا ہی بھول گئے ہو ارے ان سے پوچھو جن کے اوپر یہ سایہ نہیں ہوتا در بدر کی ٹھوکریں کھاتے ہیں ان کو سینے سے لگانے والا کوئی نہیں ہوتا ان کا درد ان کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر دیتا ہے۔۔۔ پردیس میں رہنے والے ماں آج بھی تمھارا انتظار کرتی ہے ہزار بار دروازے کی طرف دیکھتی ہے کہ نہ جانے کب اس کا بیٹا آئے گا مگر بیٹا دنیا کی رنگ برنگی مصروفیت میں اتنا مشغول ہو گیا ہے کہ اسے ماں یاد ہی نہی رہی۔۔۔۔ اللہ نہ کرئے کہ والدین کا سایہ کبھی ہمارے سر سے اٹھے اللہ سب کے والدین کو ہمشہ ہنستا مسکراتا رکھے۔۔۔ آمین

تو آیئے مل کر دسمبر کا شمارہ ماں نمبر پڑھتے ہیں،،، پڑھ کر اپنی رائے لازمی سینڈ کرنا انتظار رہے گا

جو مجھے نہیں سمجھتے وہ اتنا سمجھ لیں کہ مجھے کامیاب ہونا ہے

ذرا سا انسان اور ماں کے قدموں کی خاک۔۔۔۔۔۔۔

آپ سب کا اپنا

ندیم عباس ڈھکو

چلو دنیا کی سیر کریں

آبروِ نبیلہ اقبال

دنیا بھر میں سیر وسیاحت پسندیدہ مشغلہ ہوتا ہے تاہم اچھی اور منفرد جگہوں کا انتخاب اتنا بھی آسان نہیں۔ داستانِ دل کی جانب سے آپ تمام قارئین کے لیے ایک نیا اور دلچسپ شروع کیا جا رہا ہے جس میں ہم کروائیں گے آپ کو سیر دنیا کی۔۔۔

آپ کی خدمت میں یہاں چند مقامات کی تصاویر پیش کر رہے ہیں جو کہ کسی تحریر کے محتاج نہیں کیونکہ ان تصاویر میں چھپا قدرت کا حُسن اپنی کہانی خود بیان کر رہا ہے۔

Neelum Valley
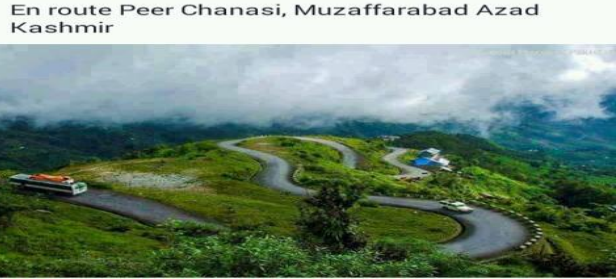
En route Peer Chanasi, Muzaffarabad Azad Kashmir

جی احباب یہ تصاویر پاکستان کی شہ رگ کشمیر جنت نظیر کے خوبصورت مقامات کی ہیں۔

اِن علاقوں کی خوبصورتی دیکھتے ہی دل پر قابو نہیں رہتا۔ دیکھنے پڑھنے یا سننے والی کی سب سے پہلی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اِن علاقوں تک رَسائی حاصل کرلے۔ اور اِن قدرتی نظاروں سے لطف اندوز ہو سکے۔

قارئین اِس بار آپ کو ہم کشمیر کے کچھ مقامات کی سیر کرواتے ہیں۔ ویسے مجھے یہ کہنے کی قطعاً ضرورت نہیں کہ چلیں آپ تصور کریں آپ اس وقت کشمیر کی سیر کیلیے روانہ ہو رہے ہیں کیونکہ جیسے جیسے آپ یہ پڑھتے جائیں گے آپ تخیلات میں خود کو کشمیر میں محسوس کریں گے۔

چلیں وادی نیلم کی سیر کو چلتے ہیں۔

وادی نیلم کا مختصر تعارف:

آزاد کشمیر کے دارالحکومت مظفر آباد کے شمال کی جانب چھلہ بانڈی پل سے شروع ہو کر تاؤبٹ تک 240 کلومیٹر کی مسافت پر پھیلی ہوئی حسین و جمیل وادی کا نام نیلم ہے۔ یہ وادی اپنے نام کی طرح خوبصورت ہے۔ وادی نیلم کا شمار پاکستانی کشمیر کی خوبصورت ترین وادیوں میں ہوتا ہے جہاں دریا، صاف اور ٹھنڈے پانی کے بڑے بڑے نالے، چشمے، جنگلات اور سرسبز پہاڑ ہیں۔ جا بجا بہتے پانی اور بلند پہاڑوں سے گرتی آبشاریں ہیں جن کے تیز دھار دودھیا پانی سڑک کے اوپر سے بہے چلے جاتے ہیں اور بڑے بڑے پتھروں سے سر پٹختے آخر دریائے نیلم کے مٹیالے پانیوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔

اگر آپ ٹھنڈے میٹھے چشموں، جھاگ اڑاتے شوریدہ پانیوں، اور بلندی سے گرتی آبشاروں کو دیکھنا چاہتے ہیں تو اس وادی سے بہتر مقام شاید ہی کوئی اور ہو۔ اس وادی کا صدر مقام اٹھ مقام ہے۔ وادی دو تحصیلوں اٹھمقام اور شاردا پر مشتمل ہے۔ مظفر آباد سے شاردا تک سڑک ٹھیک حالت میں موجود ہے مگر اس سے آگے ٹوٹا پھوٹا، بل کھاتا، کچا، اور کہیں سے پتھریلا جیپ روڈ ہے جو آخری گاؤں تاؤبٹ تک جاتا ہے۔

یہ علاقہ آزادی سے قبل دراوہ کہلاتا تھا۔ آزاد حکومت کے قیام کے 9 سال بعد 1956 میں قائم حکومت کی کابینہ میٹنگ میں غازیء کشمیر سید محمد امین گیلانی نے کشن گنگا دریا کا نام دریائے نیلم اور دراوہ کا نام وادی نیلم تجویز کیا اور کابینہ کے فیصلے کے مطابق یہ نام تبدیل کر دیے گئے۔ یوں کل کا دراوہ آج کی وادیء نیلم ہے۔

پسِ منظر:

یوں تو میرے آباؤ واجداد کا تعلق کشمیر سے ہی ہے مگر تعلیم کی غرض سے عرصہ دراز پہلے میرے والدین نے وہاں سے ہجرت کر لی۔ لیکن پڑھائی کی وجہ سے کبھی جانے کا اتفاق نہ ہو سکا کہ میں والدین کے ساتھ کشمیر لمبے عرصے کے لیے جا سکتی۔ تعلیمی سلسلے میں پہلی بار کشمیر میں راولا کوٹ اور نیریاں شریف جانے کا اتفاق ہوا۔ اور وہی سے سیر وسیاحت کا شوق پیدا ہوا۔ نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں کے طفیل میں بہت سے مقامات کی سیر کر چکی تھیں۔

یونیورسٹی کی طالبہ تھی جب ہمالیہ کے دامن میں بسی دور دراز کی اس انسانی بستی کا بلاوا میرے نام آیا یونیورسٹی میں سب نے کہا کہ آبرو نبیلہ آپ ہمارے ساتھ ضرور جائیں گی آپ مختلف مقامات کی سیر وسیاحت پہ جا چکی ہیں اب یونیورسٹی کے لاسٹ سمسٹرز چل رہے ہیں ہم سب کشمیر ضرور جائیں گے، یوں ہمارا ٹرپ تولی پیر کی طرف روانہ ہوا اور میں پہنچتے ہی لگا میں کسی اور ہی دنیا میں ہوں۔ ایک سیکنڈ میں بدلتے موسم کی خوبصورتی پہلے بھلا کہاں دیکھی تھی۔ مجھے لگا جیسے میں بادلوں میں کھڑی ہوں چلتے بادلوں میں۔۔۔۔

وہاں سے واپس میرے لیے اتنا آسان نہیں رہا تھا لیکن آنا بھی ضروری تھا کیونکہ یونیورسٹی ٹرپ تھا اور اجازت صرف ایک دن کی تھی۔ وہاں سے واپس آنے کے بعد ہم طلباء بہت عرصہ تک اُس خوبصورت وادی کے حُسن کی قید سے آزاد نہ ہو سکے۔

وادی نیلم:

پھر ایک بار مجھ سے کسی نے وادی نیلم کا تذکرہ کیا۔ وادی نیلم کشمیر کے خوبصورت مقامات میں پہلے نمبر پہ ہے۔ چلیں قارئین وادی نیلم کے سفر پہ چلتے ہیں اب.....

راولپنڈی سے کشمیر کے سرسبز پہاڑوں میں گم گاڑی جہلم پہنچی تو دریا کے پل پر کھڑے ہو کر میں نے جہلم کے پانیوں کو دیکھا۔ مٹی رنگے پانی سست روی سے بہہ رہے تھے۔ میں اسی دریا کو دیکھنے وہاں جا رہی تھی جہاں سے یہ پاکستان کے زیرِ انتظام ریاست جموں و کشمیر کی حدود میں داخل ہوتا ہے۔ یہاں تو یہ دھیما دھیما بہے جا رہا تھا مگر وہاں پہاڑوں میں شور مچاتا، غصیلا، جھاگ اڑاتا، تنگ دروں میں بہتا سبز پانیوں کا دریا ہے۔ جہلم عرف نیلم عرف کشن گنگا۔ گاڑی کے اندر گانے کی آواز گونج رہی تھی

"ساغر سے گہرا ہے پیار ہمارا"۔
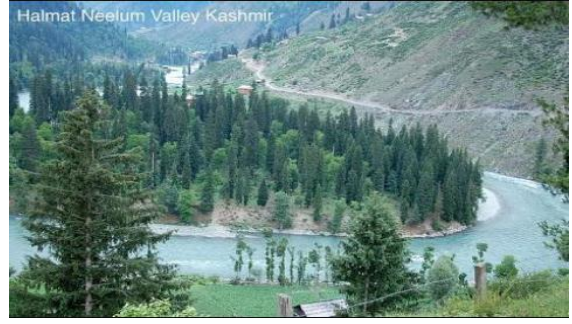
گاڑی نے مظفر آباد کی راہ لی۔ کوہالہ سے مظفر آباد تک کا سفر تنگ سی مگر ٹھنڈی سڑک پر جاری رہا۔ درختوں کے سایوں میں گاڑی چلتی رہی۔ ارد گرد پہاڑوں پر نئی نویلی شوخ رنگی گھاس اگ آئی تھی۔ ہرے کچور منظر تھے۔ اس ہریالی میں جگہ جگہ سڑک کے اطراف لگے انار کے بوٹے نظر آتے جن پر سرخ کلیاں کھلی ہوئی تھیں۔ ایسے سبزے میں سرخ پھول کھِلے دیکھ کر دل میں عجب سی لہر دوڑ جاتی ہے۔ انہی مناظر کو دیکھتے دیکھتے مظفر آباد آ گیا۔ دریائے نیلم کا پل پار کیا تو میں نے گاڑی کو چھوڑا اور جیپ لے لی۔ میری منزل وادی نیلم تھی۔

اس دن دریائے نیلم کے ساتھ ساتھ چلی تو یہ سوچ رہی تھی کہ دریا دو ملکوں کی سرحد بَنا کیسے اطمینان سے بہے جا رہا ہے۔ ایک طرف پاکستان تھا دوسری طرف ہندوستان۔ نوسیری کے مقام پر نیلم جہلم ہائیڈل پراجیکٹ شروع ہے جہاں پاکستان دریائے نیلم پر ڈیم تعمیر کر رہا ہے۔ وادی کا صدر مقام اٹھمقام آیا تو بازار میں ہجوم تھا۔ ہجوم سے گاڑی نکلی تو کیرن آ گیا۔ دریا پر بنے پل کے پار جو کشمیر تھا اس پر ہندوستان کی حکومت قائم تھی۔

موسیقی سے کبھی کوئی خاص شغف نہیں رہا بہت ہی کم مجھے کوئی موسیقی پسند آتی ہے۔ لیکن ان خوبصورت وادیوں کے ساتھ موسیقی بَھلی محسوس ہو رہی تھی۔ میں اور میرے بہن بھائی, قدرت کی حسین مقامات میں کھوئے ہوئے تھے۔ ڈرائیور نے ٹیپ ریکارڈر کی آواز آہستہ کی اور بڑے بھائی سے گفتگو میں مشغول تھا۔ دریا کے دونوں اطراف میں پائی جانے والی ریاستوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں تھا۔ خوراک بھی ایک سی ہے۔ رنگ و نسل بھی ایک۔ بیچ میں بہتا دریا بھی ایک۔ اوپر سے گزرتا بادل بھی ایک۔ بس پرچم بدل جاتا

ہے۔ سرکار بدل جاتی ہے۔ دل بدل جاتے ہیں۔ ڈرائیور اپنی بات کہہ چکا تو اس نے ٹیپ ریکارڈر کی آواز پھر اونچی کر دی۔ گاڑی میں گانا گونج رہا تھا

"کہیں دو دِل جو مل جاتے بگڑ تا زمانے کا۔"
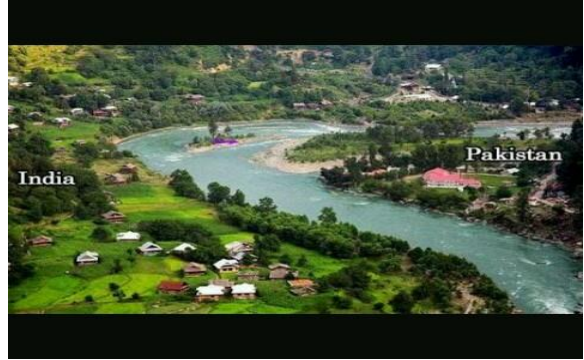
دواریاں کا قصبہ آیا۔ یہیں سے رتی گلی جھیل کو راستہ نکلتا ہے۔ رتی گلی جہاں قدرت نے سبز گھاس کا مخملی قالین بچھا کر اس پر پیلے، نیلے اور نارنجی رنگوں سے گلکاری کر کے جھیل کے نیلے پانیوں کے اطراف میں ایسے منظر سجا دیے ہیں۔ کہ اس جھیل جس کو دیکھنے کی چاہ میں انسان سب کچھ لٹا دے تو بھی خسارے کا احساس نہ ہو۔

گاڑی آگے بڑھتی گئی۔ تھوڑا آگے ایک سڑک پہاڑ کے اوپر چڑھتی جاتی ہے جو اپر نیلم گاؤں میں جا نکلتی ہے۔ شاید اس گاؤں کے نام کی وجہ سے ساری وادی کا نام نیلم رکھا گیا۔ شاردا آیا۔

شاردا تک قدرے شہری ماحول وادی پر چھایا رہتا ہے اور اشیائے ضرورت فراوانی اور آسانی سے مل جاتی ہیں۔ شاردا کے آگے کے مقامات دیہی علاقے ہیں۔ سڑک بھی شاردا تک ہی ٹھیک ہے اس سے آگے بہت خستہ حالت میں ہے۔ دریائے نیلم اس مقام پر قدرے چوڑا بہتا رہتا ہے۔ شاردا ضلع نیلم کا دوسرا سب ڈویژن ہے۔ یہ خطہ زمانہ قدیم میں علم و دانش کا مرکز رہا ہے۔ دریا کے پل کو پار کر کے دوسری طرف جائیں تو وہاں کھنڈر نما قلعے کے آثار ملتے ہیں۔ یہ قلعہ نہیں بلکہ دانش گاہ تھی۔

sharda ,neelum valley

Rati galiii

بعض مؤرخین کے مطابق شاردا ہندو مندر کا نام تھا۔ کیا شاردا مندر تھا یا دانش گاہ تھی؟ اس پر اب بھی تحقیق ہو رہی ہے۔ اکیسویں صدی میں دریائے نیلم کے کنارے آباد یہ گاؤں شاردا اب صرف سیاحت کے حوالے سے ہی جانا جاتا ہے۔ دریائے نیلم اس گاؤں کے چرنوں کو چھوتا ہوا خاموشی کے ساتھ گزر جاتا ہے۔

سفر پھر سے شروع ہوا۔ سڑک ختم ہوئی اور کچا راستہ شروع ہوا جس پر سے جگہ جگہ کوئی پہاڑی چشمہ تیز بہتا راہ میں پڑ جاتا۔ جیپ پانیوں کو عبور کرتی اور پھر ہچکولے لیتی اپنی منزل کو گامزن رہتی۔ پہاڑوں سے دھوپ ڈھل رہی تھی۔ چیڑ کے لمبے سائے مزید لمبے ہو چلے تھے۔ جیپ جب کیل میں داخل ہوئی تو نم زدہ مٹی سے معطر ہوا نے استقبال کیا جو سارے علاقے میں پھیلی تھی۔

بابا جان کے کسی دوست کا کیل میں گھر تھا۔ ہمیں وہاں رکنا تھا جس میں صرف فیض چاچا رہتے تھے وہ وہاں کی دیکھ بھال کرتے تھے لیکن اُن کی حیثیت ایک مالک کی سی تھی۔ اگلے دن صبح ماحول کی خوبصورتی سے لطف اندوز ہونے کے بعد ناشتہ کر کے میں اپنے کمرے سے ملحقہ بالکونی میں شام کی مانند پڑتی ہلکی دھوپ میں بیٹھ کر وادی کی چھل پہل دیکھنے لگی۔ اور عزم کیا کہ زندگی رہی تو بار بار یہاں آؤں گی۔

نیچے ایک پہاڑی ڈھلوان، جس کے اطراف لکڑی کے شہتیروں کا حاشیہ لگا ہوا تھا، کے بیچ کچے نم راستے پر عورتیں اپنے سروں پر پیتل اور سلور کے مٹکے اٹھائے وقفے وقفے سے گزرتیں۔ ان گھڑوں میں پانی ہوتا۔ راستے کے آغاز پر ایک صاف شفاف پانی کی نالی تھی جس کے اوپر لکڑی کا شہتیر ڈالا ہوا تھا، اسی نالی کے کنارے اور شہتیر کے اوپر چند عورتیں کپڑے دھونے میں مصروف تھیں۔ وہیں برابر سے دو دو کر کے عورتیں پانی سے گھڑے بھرتیں اور کچے راستے پر چڑھائی چڑھتے اپنے اپنے گھروں کی راہ لیتیں۔

اسی گھاٹ کے ساتھ ایک کھیت، جس کی حاشیہ بندی لکڑی کے چوپٹوں سے کی گئی تھی، میں دو بچیاں گول گول گھومتیں اور کچھ دیر میں چکر کھا کر مٹی پر گر جاتیں، پھر دیر تک کھِلکھلا کر ہنستی رہتیں۔ کچھ بڑی بچیاں اور بچے سکول جانے کے لیے پُرعزم تھے۔

میری بالکونی کے بالکل نیچے ایک کھیت میں بے شمار ڈینڈ لائن اگے تھے۔ ڈینڈ لائن پر ڈھلتے سورج کی کرنیں پڑ رہیں تھیں جن کی وجہ سے ان کے ریشے کناروں سے جگمگاتے نظر آ رہے تھے۔ دائیں ہاتھ وادی میں گھروں کی چمنیوں سے دھواں نکل رہا تھ۔ جیپ روڈ سے کبھی کبھار کوئی جیپ یا موٹر سائیکل گزرتی۔ دن ایسا ہی گزرتا گیا کچھ دیر میں غروب ہوتے سورج کی آخری آخری کرنیں بادل کے ان دو ٹکروں کے چہروں پر گلال ملنے لگیں جو روئی کے بڑے سے گالے جیسے محسوس ہوتے کب سے آسمان پر ٹھہرے تھے۔ سرخی نے آسمان کو رنگا تو وادی میں سردی بڑھنے لگی۔ چمنیوں سے دھواں مزید اٹھنے لگا۔ رات کے کھانے کی تیاری ہو رہی تھی۔ سردی بڑھتی گئی۔ اندھیرا پھیلنے لگا۔ وادی ٹمٹمانے لگی۔ میں جو ان مناظر میں قید ہو چکی تھی بہن بھائی کی آواز پہ اندر کمرے کی طرف رُخ کیا۔

رات 10 بجے بالکونی پر دوبارہ آئی۔ اب آسمان پر تارے تھے۔ چاند کی آخری تاریخیں تھیں۔ کالی سیاہ رات تھی۔ خاموشی وادی میں گونج رہی تھی۔ صرف نالی میں بہتے پانی کی آواز تھی یا اپنی دھڑکن کی۔ چمنیاں ٹھنڈی پڑ چکیں تھیں۔ بستی پر نیند اتر چکی تھی۔ کیل میں اوس پڑنے لگی تو تارے بھی مدھم ہونے لگے۔ دور کہیں سے کتوں کے بھونکنے کی آواز آئی۔ چپ وادی میں بھونکتے کتے ماحول کو پراسرار بناتے جا رہے تھے۔ بہن نے آکر کہا آپی سو جائیں آ کے ہم کل بھی یہیں ہیں باقی کل دیکھ لیجیے گا کمرے میں آکر بستر پر لیٹی تو نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی مگر آنکھیں بند کیں تو کیل کی ساری وادی آنکھوں کے پردے پر گھومنے لگی۔ پھر انہی مناظر میں کھوئی میں نیند کی وادیوں میں چلی گئی۔

اگلی صبح کی پہلی کرنوں کے ساتھ ہم نے کیل کو چھوڑا۔ چاچا فیض نے ایک راہنما ڈرائیور کے ساتھ ہمیں روانہ کیا۔ جیپ دشوار گزار کچے راستے پر ہچکولے کھاتی رہی۔ فوجی چوکیوں میں اندراج ہوتا رہا۔ دریائے نیلم ایک مقام پر سڑک کے پہلو کے ساتھ آلگا۔ دریا سے محض ایک فٹ اونچے راستے پر جیپ فراٹے بھرتی گزر رہی تھی۔ پھر ایک آبشار کا سامنا ہوا جس کے پانی سڑک پر گر رہے تھے۔ جیپ نے آبشار کو پار کیا تو ٹھنڈی پھوار چہرے کو بھگو گئی۔

دریائے نیلم کے کنارے کنارے چلتی سڑک نے پھر اونچائی بھرنا شروع کی اور جیپ اوپر کو اٹھتی چلی گئی۔ دریا کہیں نیچے رہ گیا۔ آگے سرداری، پھلوائی، اور ہلت کی بستیاں تھیں، اور کہیں آخر میں تاؤبٹ تھا جہاں گاڑی نے رک جانا تھا، جو سفر کا آخری پڑاؤ تھا، جس

کے آگے سڑک ختم تھی۔ اس دن ہم کیل سے چلے تو ایک بات نوٹ کی کہ وادی کے ان علاقوں میں عورتیں محنت کش ہیں، کھیتوں میں کام کرتی ہیں، مال مویشی سنبھالتی ہیں اور ایک خاص بات کہ کام کرتے ہوئے بھی بڑا سا دوپٹہ لپیٹے رہتی ہیں۔

راستے میں جگہ جگہ خانہ بدوشوں کے قافلے ملے۔ بکر والوں کے قبیلے اپنے مال مویشیوں اور خاندان کے ساتھ مسلسل سفر میں تھے۔ جیپ کا شور سن کر بھیڑ بکریاں راستہ چھوڑ دیتیں۔ سفر جاری رہا۔ جگہ جگہ سڑک سے بہتے چشمے راہ میں آتے رہے۔ جیپ ان دودھیا پانیوں کو روندتی گزرتی رہی۔ کچھ خانہ بدوش لڑکیاں ہارن کی آواز سن کر ٹھٹکی، مڑ کر دیکھا اور شرم کے مارے چہرے کا نقاب بنالیا۔ یوں تو میں خود بھی الحمد اللہ پردہ کرتی ہوں اور چاہے فیملی کے ساتھ ہوں لیکن کوئی ایک بھی اجنبی ہوں تو پردہ میں رہتی ہوں۔ خیر میں اور میری بہنیں وہاں کچھ دیر رُکی اُن خوبصورت آنکھوں والی ماہ جبینوں سے ملی اور بہت خوشگوار احساس ہوا۔

پھر جام گڑھ۔ ہجرت زدوں کی بستی۔

کیل سے نکل کر چار گھنٹوں کے ہچکولے کھاتے سفر کے بعد تاؤبٹ آیا۔ ایک کٹا ہوا الگ تھلگ پہاڑی گاؤں۔ لکڑی کے بنے خاص طرزِ تعمیر کے مکانات تھے۔ کھیتوں کے اطراف لکڑی کی باڑیں لگی تھیں جو شاید زمین کی حد بندی کی غرض سے لگائی گئی تھیں۔ دریائے نیلم وادی کے بیچ تیز بہے جا رہا تھا۔ کھیتوں کی تیاری میں لوگ مگن تھے۔ بچے گھروں کی کھڑکیوں سے جھانکتے اور مسافر کو دیکھ کر ہاتھ ہلانے لگتے۔ بزرگ چھوٹی چھوٹی دکانوں کے باہر جمع ہو کر بیٹھے تھے۔ سرخ آنچل کھیتوں میں لہرا رہے تھے۔ شب بسری کا ٹھکانہ آج یہی گاؤں تھا۔ جہاں فیض چاچا کی بیٹی رہتی تھی جو کہ بیاہ کہ اپنے ماموں کہ گھر ہی آئی تھی۔

اگلے دن چلتے چلتے پہاڑوں کے دامن میں ایک کھلا سا مقام آیا جہاں درہ برزل کی طرف سے آتا گجر نالہ گگئی نالے میں مل جاتا ہے۔ یہ دونوں مل کر بہنے لگتے ہیں اور اپنے پانیوں کو تاؤبٹ کے مقام پر دریائے نیلم کے سپرد کر دیتے ہیں۔

چلتے چلتے ہم کافی دور پہنچے تو گاؤں والوں میں سے ایک بندہ بولا "آگے کدھر جاتے ہو آگے تو کوئی آبادی نہیں یہاں سے واپس تاؤبٹ جاؤ۔" بھائی نے واپس چلنے کے لیے سب سے کہا۔ واپس مڑنے سے پہلے میں نے ہاتھ ماتھے پر رکھ کر آنکھوں کو سورج کی روشنی سے بچاتے درہ برزل کی برفوں پر آخری نگاہ ڈالی۔ دور بہت دور برف پوش چوٹیاں تھیں جو برفوں سے لدی پڑی تھیں۔ یہ درہ برزل کی چوٹیاں تھیں۔ ان کے آگے گلگت بلتستان کا ضلع استور تھا۔

میرے نامہ ءاعمال میں کشمیر کی آخری انسانی آبادی کے سفر کے آگے تمام شد لکھا جا چکا تھا۔ لیکن اب سیاحت کا شوق قدرت کے حسین مناظر دیکھنا گویا فرض ہو گیا ہو۔ میرے ہتھیلی پر سفر کی لکیر پھیلتی جا رہی تھی۔ بھائی واپس جا رہے تھے وقت دیکھا تو اندازہ ہوا کہ نمازِ عصر پڑھ لی جائے ورنہ قضا ہو جائے گی۔ بھائی کو نماز کا کہہ کہ مزید اُس خوبصورت وادی میں کچھ پل رُکنے کو مل گئے۔ سوچا یہ کیسا ممکن ہے اللہ کی تخلیق کردہ خوبصورت وادیوں میں کھو کر اُس کی یاد سے فراموش ہو جاؤں ویسے تو میری عادت ہے کہ وضو کر کے گھر سے نکلتی ہوں لیکن وادی میں قریب ہی چشمہ دیکھ کہ دل بے قرار ہو گیا تازہ وضو کیا اور نمازِ عصر کی ادائیگی کی۔ پیشانی کشمیر کی خاک سے مَس ہوئی۔ سوچا کیا پتہ کونسا سجدہ خالق کو پسند آ جائے۔ وہی سجدہ جو ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات۔
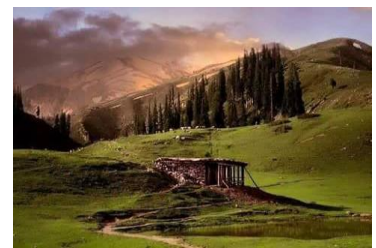
کشمیر بہت خوبصورت ہے۔ جبھی کشمیر کو جنت نظیر کہا جاتا ہے میں نے اتنا ہی دیکھا جتنا میرے بس میں تھا۔ کنٹرول لائن کے پار کیا ہے، شاید نہیں یقیناً بہت سا حُسن لیکن درد کی جو داستانیں رقم ہیں اُن سے ہم بے خبر نہیں لیکن اِس وقت صرف دعا ہے کہ پاک پروردگار ہمارے کنٹرول پار مسلمان بہن بھائیوں پہ اپنا کرم فرما۔ اُن کو جلد آزادی نصیب عطا فرما۔

اِس بات کے ساتھ وادی کے اُس پار سے اجازت چاہی کہ "میرے وطن تیری جنت میں آئیں گے اک دن" انشاءاللہ

اور پھر واپسی کے سفر کی جانب رواں ہو گئیں۔

آبرو نبیلہ اقبال کو اب اجازت دیں اللہ نے چاہا تو انشاءاللہ پھر ملاقات ہو گی ایک نئے سفر کے ساتھ۔ اپنی رائے کا اظہار ضرور کیجیئے گا ۔ آپ کے تبصرے کی منتظر

جزاک اللہ

پہلا نمبر

چانس

" میں تین چار دن سے اسے نوٹ کر رہا تھا-

وہ گم صم سا تھا اور اس کا دھیان بھی کام میں نہ لگ رہا تھا

تیرا دھیان آج کل کدھر ہے شرفو! تو کام میں دل نہیں لگا رہا سارے گاہکوں کو میں ہی دیکھ رہا ہوں-"

میں کچھ سوچ رہا تھا چاچا-

"شرفو نے اک آہ بھر کر کہا-

کیا سوچ رہا تھا-؟"

میں نے سبزیوں پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے پوچھا؟؟

یہی کہ مجھے بھی کوئی چانس مل جاتا شکل وصورت تو میری بھی اچھی ہے-اگر میں سبزی فروش کی بجائے چائے والا ہوتا"

از قلم لبنا غزل

دوسرا نمبر

غریب کی سوچ

"کاش کل میں بھی زکریا ایکسپریس میں موجود ہوتا"

"کیوں---"

"یہ خبر دیکھو---کل زکریا ایکسپریس فرید ایکسپریس سے ٹکرا گئی 22 افراد جاں بحق ہوگئے"

"اللہ رحم فرمائے---

ارے--تم کیا کہہ رہے تھے--"

"میں کہہ رہا تھا میں بھی زکریا ایکسپریس میں ہوتا"

"خدا کا خوف کرو۔۔۔ تم بھی مر جاتے"

"اچھا ہوتا مر جاتا۔۔۔

حکومت جان بحق ہونے والوں کے اہل خانہ کو

15 لاکھ روپے دے رہی ہے۔۔۔

میں مر جاتا تو میرے گھر والوں کو بھی 15 لاکھ مل

جاتے۔۔

اور میری بیٹیوں کی شادی بھی دھوم دھام سے ہو

جاتی۔۔۔" وہ حسرت سے بولا۔

از قلم نجمہ شاہین

دوسرا نمبر

بڑے بھیا

اماں بڑے بھیا سے کہو نا مجھے سکول جانے کی اجازت

دے دیں..

اماں نے جلدی سے ڈر کے ادھر ادھر دیکھا اور

میرے منہ پہ ھاتھ رکھ دیا..

پاگلے. بھائی نے سن لیا تو تجھے قتل کر دے گا.

تو نھیں جانتی کیا؟

کہ وہ لڑکیوں کی پڑھائی کے کتنا خلاف ھے

بہت دھوم دھام سے میری شادی ھوئی اور جلد ھی

ان پڑھ ھونے کے ناکردہ جرم میں طلاق بھی ھو گئی

اج برسوں بعد

میں جس اسکول میں ماسی لگی ھوئی ھوں.

وھاں کی پرنسپل میری بھتیجی ھے

بڑے بھیا کی بیٹی___

از قلم: گل ارباب

تیسرا نمبر

غریب باپ کی خوشی

آج میں بے حد خوشی کے عالم میں اپنے گھر کی طرف

جا رہا تھا

مجھے لگ رہا تھا کے میں نے دنیا فتح کر لی ہو آج سے

پورے چھ ماہ پہلے میری رانی نے انتہائی معصومیت سے

مجھ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا

بابا آپ میرے لیے اڑنے والی گڑیا لیکر آئیں گئے

میری دوست کے پاپا تولائے ہیں ہاں بیٹا، میں روز کھلی ہاتھ گھر آتا

اور اسکی آنکھوں کی چمک کم ہوتے دیکھتا تھا چھ ماہ کی محنت اور بچت سے آج میں نے پورے 3000 کی اڑنے والی گڑیا لی اور گھر میں داخل ہوا تو رانی کی خوشی دیدنی تھی

از قلم: شمائلہ زاہد کراچی

لکیریں

از قلم فاطمہ میمن ..

بابا میری قسمت میں کیا لکھا ہے؟

اسنے اپنا ہاتھ اگے بڑھاتے ہوئے کہا..

تمہارے ہاتھ کی لکیریں بتاتی ہیں تم ایک شاطر اور لالچی انسان ہو..

تمہارے دل میں کسی کے لیے کوئی رحم نہیں..

تمہیں غریبوں سے نفرت اور دولت سے محبت ہے..

جھوٹ بولنا تمہارا شوق اور مو بلغہ آرائی میں تمہیں مہارت حاصل ہے..

وہ حیرت سے اسکی باتیں سن رہا تھا.

یہ بابا تو واقعی اسکے بارے میں سب جانتا ہے.

اسنے دل میں سوچا...

بابا اپنے یہ تو بتایا نہیں کہ میں مستقبل میں کیا بنوں گا..

اسنے پوچھا..

بیٹا تم مستقبل کے سیاستدان ہو.

بلاعنوان

"کل وسیم بھائی تمہاری ہر بات پر جی جی کر رہے تھے ۔مجھے تو بڑا رشک آیا۔سنا ہے، پچھلے چھ ماہ سے تمہارا اور ان کا کوئی جھگڑا ابھی نہیں ہوا۔

اب وہ شاپنگ بھی تمہیں کھلے دل سے کراتے ہیں۔

کیا گھول کر پلایا ہے انہیں؟"

سارا فون پر پوچھ رہی تھی۔ میں زور سے ہنسی۔

"تعویذ گھول کر پلایا ہے۔" "تعویذ....وہ کہاں سے لیا؟"

"'گوگل پیر' سے۔" "مطلب...؟" میں نے اسے بات سمجھائی۔

"مجھے بھی 'پیر صاحب' کا پتہ دو۔ میں نے بھی میاں کا دل جیتنا ہے۔" میں نے اسے ویب ایڈریس سینڈ کر دیا...

از قلم ناظم بخاری.

تمارے بابا سے انگیجمنٹ ہو گی فون پر باتیں ہونے لگیں, لیکن تماری دادی کو وہ بات اچھی نہیں لگی.

شادی کے بعد قدم قدم پر زلیل ہونا اب عام سے بات ہو گی. بیٹا چاہیت سے زیادہ حالات میں ڈھالنا حقیقی زندگی کا نام ہیں

از قلم: خدیجہ کشمیری

میری چاہیت

زندگی چڑیوں کی چہچاہٹ سے بھرپور پھولوں کی خوشبوں سے گوندی میری زندگی حاے کیا دن تھے

ماں پھر آگے بتاؤنا؟؟؟؟

ٹھیک ہے ضدی نہیں بن جانا, میری جان میری طرح.

ساس یعنی تماری دادی کو میری شرارتیں اچھی لگتی تھی میکے میں میری ہنسی سے مطلب رونی صورت رکھنے پر سب پریشان.

صبر

دل تھا کہ گھبرائے جا رہا تھا.

نا جانے کس پیش آمد آندھی کا غبار دل کو لپیٹ میں لیے تھا.

وہ دعا کرتی، تو کبھی مضطرب سی نماز پڑھنے لگتی.

اس نے سلام پھیرا تو نظر اپنی بیٹی کے پرنم چہرے پہ پڑی.

اس نے ہلکے سے ہاتھ دبایا اور کہا: سب کچھ اللہ کا ہے نا ماں؟

ماں: ہاں بیشک بیٹی

اس نے اپنی امانت واپس لے لی ماں!!

ماں: اناللہ وانا الیہ راجعون. اے اللہ میں تیری رضا میں راضی ہوں. الحمدللہ علی کل حال!

نا کوئی نوحہ... نا ماتم.... نم آنکھیں... خاموش لب... راضی برضا!

از قلم: عروسہ حیا طوالت

رانگ نمبر

وہ فون ھاتھ میں لیئے ساکت بیٹھی تھی.

ایسا کیسے ھو سکتا ھے؟؟؟

ابھی تو خوابوں کی تعبیر پانی تھی آج اک مدت کے بعد تو اسے اذن_رضامندی ملا تھا اس رشتے کے لئے, اسے چھ سال کا عرصہ مدت ھی لگا.

مگر یہ اس کے کانوں نے کیا سنا؟؟؟

عبیر ایسا نھیں ھو سکتا میں تم سے کیسے شادی کر سکتا ھوں

تم نے کیسے سوچ لیا میں اک رانگ نمبر سے شادی کروں گا؟؟

جس سے میں ملا بھی نھیں.

ھیلو! عبیر تم سن رھی ھو؟؟

مگر وقت جیسے اک لفظ پہ آ کے ٹھر گیا تھا "رانگ نمبر"...

از قلم: اقراء اقی

آخری خواہش

بیٹا مجھے تم سے کچھ کہنا تھا

اسے تم میری التجا سمجھ لو.

ماں جی آپ حکم کریں التجا نہیں بیٹے کے لہجے میں اپنی ماں کے لئے پیار ھی پیار تھا.

بیٹا میں چاہتی ھوں مرنے سے پہلے ایک بار وہ در دیکھ لوں جسے دیکھنا ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے مجھے ایک بار وہ میٹھا مدینہ دکھا دو.

جی ماں جی میں آپکو بتانے ھی والا تھا کے کمپنی میں میں نے ایک قرنداذی میں حصّہ لیا تھا اس میں میرے 2 عمرے کے ٹکٹ نکلے ہیں

اگلے مہینے رمضان شریف کا مبارک مہینہ ہم وہیں گزاریں گے بیٹے نے خوشی خوشی ماں کو بتایا.

ماں کی آنکھوں میں تشکر سے آنسو آ گئے اور وہ اسی وقت اپنے رب کے حضور سجدہ شکر بجالائی.

از قلم ثناء شہزاد

پیار کا حق

اس شام کی پہر روتی عمارہ

کیا زندگی ہے میری۔؟؟ عمارہ سوچتے سوچتے سو گئی تھی۔۔ عمارہ اور حاشر کی پھر سے جھڑپ ہوئی تھی جھڑپ کے دوران عمارہ بھی جواباً بہت کچھ کہہ گئی تھی جس پر اسے احساس ندامت تھی۔

مگر عمارہ کی ہتھیلی پر یہ آخری نمودار ہونے والا قیمتی موتی اسے بہت کچھ سمجھا گیا تھا۔۔۔ جھڑپ ڈانٹ ڈپٹ۔۔

تو زندگی کا حصہ ہوتا ہے۔

جو ہم سے بے حد پیار کریں۔۔

اتنا تو حق حاصل ہوتا ہے اسے۔۔۔

عمارہ نے سوچتے ہوئے نیند کی گاڑی پکڑی تھی۔

حاشر نے عمارہ کی کلاس لی تھی۔

اپنے سے دور جاتے دیکھ اور سماجی سرگرمیوں میں عمارہ کا بڑھتا رجحان حاشر میں کشمکش پیدا کر رہے تھے

زارا صدف قمر

ادھوری محبت

وہ جاتی سردیوں کی ایک اداس شام تھی کچے رستے پر

درخت تھے وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل

کھڑے تھے اسنے لڑکی سے پوچھا! تم کیا چاہتی ہو؟

اسکے سوال کی گونج اسکے کانوں میں آنے لگی "

تم کیا چاہتی ہو۔۔۔؟ دل نے جواب دیا

"صرف تمہارا ساتھ۔

پوری کائینات نے کہا" تمہارا ساتھ،۔۔۔

اسنے نظریں اٹھا کر کہا

"میں چاہتی ہوں تم اچھی زندگی گزارو کسی اچھی لڑکی

سے شادی کرلو،

لڑکے نے دکھ سے اسے دیکھا اور بولا "

جب مجھے لگے گا کہ میں زندہ ہوں

پھر اچھی زندگی گزاروں گا۔۔

وہ مڑا اور مخالف سمت چلا گیا

از قلم رضوانہ صدیقی۔ملتان

محروم حق

.ربیہ کہاں مر گئی؟؟

ائی برتن دھو رہی تھی

مرتی بھی نہیں۔۔کنیزہ نے کہا

ربیہ تین سال کی تھی ماں فوت ہوگئی ربیہ ماں کے

بنیادی پیار سے محروم ہو گی باپ نے بیٹی کی خاطر

دوسری شادی کرلی اس نے رنگ دکھانا شروع کر دیا

اور ربیہ کو تعلیم جسے حق سے محروم رکھا۔۔

تانے سن سن کے ربیہ بیمار رہنے لگی پتہ چلا کے دل کا

وال بند ہے علاج کے بجائے کام چور کا الزام ملا ایک

رات حقیقی ماں آئی اور ربیہ کی روح کو پیار کا حق دیتے

ہوئے ساتھ لے گئی

از قلم مظہر حسین

غربت

"باجی مجھے رکھ لیں خدا کے لیے"

میں نے ڈاکٹر کے کمرے کا دروازہ کھولا تو کسی کی منت بھری آواز سنی۔

میں نظر انداز کر کے سیٹ پہ بیٹھ گئی۔

"دیکھو ایسے نہیں ہوتا جب تک کوئی بیماری نہ ہو"

ڈاکٹر اسکو کہہ کر میری طرف متوجہ ہوئی۔

مگر اسنے پھر منت کرنی شروع کر دی

۔"باجی میرا میاں کہتا ہے اسکو دست ہیں داخل کر لو"

ڈاکٹر نے گہری سانس لی اور پرچی پہ کچھ لکھ کے اسکو بھیجا

۔میری طرف مڑ کہ کہنے لگی

"جب گھر میں کھانا کم پڑتا ہے یہ ہسپتال آجاتی ہے"

از قلم زرمینہ مریم

بیشک اللہ ہے

فری بر آمدے میں بیٹھی نازیہ سے فون پر بات کر رہی تھی نازیہ کہہ رہی تھی کہ سب کہہ رہے ہیں کہ تم بہنوں کے رشتے نہیں ہو رہے ہیں

تم سے آٹھ دس سال چھوٹی لڑکیوں کے رشتے ہو گئے

میں کچھ کہے بنا ہی باہر صحن میں آگئی اور اوپر آسمان کو دیکھ کر اللہ کو پکارا اور کہا کہ تو کہاں ہے کیوں نہیں سن رہا اور وہ آواز کسی نے نہیں سنی صرف اللہ نے سنی اور جواب آیا

۔۔اللہ اول آخر۔۔

یہ تین لفظ صاف آسمان پر سفید رنگ میں لکھے نظر آئے اور میرے منہ سے بیشک

تو ہے کے بجائے

سبحان اللہ

کا ورد جاری ہو گیا مجھ پر حیبت طاری تھی میری آنکھ سبحان اللہ کہتے کھلی اور فری نے میری بڑبڑاہٹ سن کر جھنجھوڑا کر پوچھا کیا ہوا تمہیں؟؟

میں خواب سے جاگ گئی اور کہا بیشک تو ہے

از قلم فرشتے مریم

میسج

"ہیلپ می پلیززز.....

مس فرح"

مس فرح ٹیبلٹ کی اسکرین سکرول کرتی خاصی
مصروف رکھتی تھیں..
"کل اسمبلی میں میرا 'میسج ڈے' ہے...
کیا میسج دوں بچوں کو...؟؟؟؟"
مس فرح واٹس ایپ کے بعد فیس بک اکاءونٹ کھول
چکی تھیں.
لائکس اور کمنٹس کا ایک بڑا ذخیرہ آپ لوڈ کرنے میں
محو تھیں۔۔
وہ ناامیدی سے اٹھنے لگی۔
"جسٹ آمنٹ....."
مس فرح اسکرین سے نظریں ہٹائے بنا بولیں.
وہ بادل ناخواستہ بیٹھ گئ۔
"ہاں...تم میسج دینا.....'
موبائل اور انٹرنیٹ کی بجائے کتاب سے دوستی
بڑھائیں..!""
اسکی مصروفیت ہنوز جاری تھی..
وہ اسے حیرت وصدمے سے دیکھتی رہ گئ....!!!

از قلم: نیلم شہزادی...کوٹ مومن

غریب کا بچہ

وہ خوانچے والا اسکول کے گیٹ کے باہر آدھی چھٹی کا
انتظار کر رہا تھا۔
اس کے خوانچے پر سموسے اور پیٹیز وغیرہ رکھے تھے
اور چاروں طرف مٹی دھول اڑ رہی تھی۔ٹریفک کا
دھواں اور کاربن۔
"تمہیں معلوم ہے تم مٹی اور دھوئیں سے آلودہ یہ
چیزیں بچوں کو کھلاتے ہو۔
وہ بیمار پڑ سکتے ہیں۔
"مجھ سے نہ رہا گیا تو میں نے کہہ دیا۔
وہ ہنس کر بولا۔"کوئی فرق نہیں پڑتا صاب! یہ
سرکاری اسکول ہے غریب بچوں کا۔
اور غریب کا بچہ بڑا ڈھیٹ اور پکا ہوتا ہے نازک نہیں
جو چھوٹی چھوٹی باتوں سے بیمار پڑ جائے
از قلم: لبنی غزل

دوسری شادی

ب بیٹا! تم یا کیا کر رہی ہو' اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہی ہو...

کیوں اُسے دوسری شادی کیلیے اکساری ہو..

دیکھنا پچھتاؤ گی" ابا نے سمجھایا"

ابھی تم مضبوط قوت اردی کا مظاہرا کر رہی ہو، لیکن وقت گزرے گا تو تم حقوق و فرائض کی تقسم میں ٹوٹ کر رہا جاؤ گی"

مجھے کوئی شکوہ نہ ہو گا" عالیہ گویا چٹان بنی ہوئی تھی۔

"اللہ تمہیں ہمت دیے"

بہن نے سنا تو کہتی۔ یہ محبت جو وقار تم پہ لٹارہا ہے وہ سب کسی اور کی جھولی میں لٹا کر کہاں سکون پا سکو گی۔

"میں خود غرض نہیں بننا چاہتی اپنی کمزوری کو کھلے دل سے قبول کرتی ہوں

اولاد کی خوشی اُن کا حق ہے میں بھی خالی نہیں رہوں گی وقار کی اولاد میری ہی اولاد ہو گی"

از قلم آمنہ رشید

نیکی

سحرش علی نقوی

باپ پانچ سالہ بیٹی پنکی سے ...

"میں نے سنا میری گڑیا نے آج کام والی ماسی سے بد تمیزی کی ہے.. میری گڑیا نیکی کمایا کرو... جیسے آپکی مما نیکیاں کماتی ہیں غریبوں کی مدد کر کے.. غریبوں کی مدد کرنے کا بہت ثواب ہوتا ہے.. آپکی مما کی طرح آپ بھی بہت سارا ثواب کمایا کرو۔

پنکی معصومیت سے بولی.....

ٹھیک ہے بابا جانی میں بھی مما کی طرح بہت ساری نیکی کماؤں گی... میں ابھی اپنے سارے ٹوٹے ہوئے کھلونے اور پھٹے ہوئے پرانے کپڑے جمع کر کے کام والی ماسی کو دیتی ہوں

داستان دل کی ٹیم سے رابطہ کا ذریعہ

فیس بک:03377017753

ای میل:abbasnadeem283@gmail.com

واٹس اپ:03225494228

تین نصیحتیں

ایک دفع مشہور تابعی حضرت سعید بن جنید نے
خواجہ حسن بصری سے عرض کیا کے
مجھے کوئی نصیحت فرمائیں.

آپ نے فرمایا: تین چیزوں سے ہمیشہ بچتے رہو

اول یہ کے بادشاہوں سے میل جول نہ رکھنا
کیونکے اس کا انجام بالعموم اچھا نہیں ہوتا- بادشاہ
خواکتنا ہی شفیق اور مہربان کیوں نہ ہو اسکو آنکھ
بدلتے دیر نہیں لگتی-

دوسری یہ کے کسی نہ محرم عورت کے ساتھ خلوت
میں نہ بیٹھنا خواوہ اپنے زمانے میں کی رابعہ بصری ہی
کیوں نہ ہو اور خواتواسے تعلیم ہی کیوں نہ دیتا ہو-
تیسری یہ کے مزامیر (آلات موسیقی) سے پرہیز
کرنا کیونکے ان سے دل کابو میں نہیں رہتا
اورانسان لرزش کھاجاتا ہے

ندامقصود. لاہور

عزت

ماں باپ کی عزت، پاؤں تلے روندتے ہوئے اس نے
گھر سے بھاگ کر شادی کرلی۔۔۔۔۔۔۔
ماں باپ جیتے جی مر گئے۔۔۔۔
باقی گھر والوں نے بھی اس پر فاتحہ پڑھ لی۔۔۔
وقت پلٹا۔۔۔۔۔۔
جس کے لئے گھر سے بھاگی تھی اس نے بھی آنکھیں
پھیر لی۔۔۔۔۔۔
سسرال والے جی بھر کے ظلم کرتے۔۔۔۔۔ وہ چپ
چاپ سہتی رہتی۔۔۔
بات بے بات بھاگی ہوئی لڑکی کا طعنہ سنتی۔۔۔۔
نہ اِدھر کی رہی نہ اُدھر کی۔۔۔۔
سچ ہے۔۔۔
عزت ماں باپ کی دعاؤں کے سائے میں رخصت
ہونے میں ہے۔۔۔۔۔
گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی کی کوئی عزت نہیں رہتی

جویریہ سعید اعوان د بھارہ کہو، اسلام آباد۔

کیسے ہیں آپ سب امید کرتا ہوں کہ خریت سے ہوں گے دسمبر کا شمارہ آپ سب احباب کی آنکھوں کے سامنے ہے امید کرتے ہیں کہ آپ کو پسند آیا ہو گا ہمیں آپکے محبت نامے کا شدت سے انتظار رہے گا تو آیئے مل کر محبت نامے پڑھتے ہیں

پہلا محبت نامہ ہمیں سعودی عرب سے مکہ مکرم سے موصول ہوا ہے

اسلام علیکم...

آج میں پہلی بار تبصرہ لکھ رہی ھوں ورنہ آج تک تو دوسروں کے پڑھتی آرہی ھوں۔"داستان دل" یکم اپریل سے پڑھتی آرہی ھوں (ماہ اگست کا شمار گمشدہ تھا) ماشاء اللہ سے کافی ترقی کر چکا ھے اور بہت سے لوگوں کا پسندیدہ ڈائجسٹ بن چکا ھے،، دلی دعا ھے کے یہ جلد ہی مارکیٹ میں آجائے۔ماہ نومبر کا شمار میرے لیے بہار ثابت ھوا پورا پڑھا ذرا بھی بور نھی ہوئی کیونکہ یہ تھا ہی اتنا اچھا، بلکہ کافی کچھ سکھنے کو ملا۔

سیدھا میں محمد شعیب کا ناول "لازاول" پڑھنے گئی کیوں کے اس کی اگلی قسط کا بے چنی سے انتظار رہتا ھے اور ہر قسط کی طرح اس بار کی قسط بھی لاجواب تھی یہ ناول پڑھ کر کافی کچھ سکھنے کو ملا، لیکن ہمارا نفس ہمارا پیچھا نھی چھوڑ تا ھم ایک

قدم سیدھے راستے کی طرح بڑھاتے ہیں تو نفس دو قدم پیچھے ڈھکیل لیتا ھے، ہاں تو جب پوری قسط پڑھنے کے بعد نیچے لکھے الفاظ پڑھ کے اداسی سی ھوئی کے اگلی قسط آخری ھے۔

"ندیم" بھائی آپ سے ایک گزارش ہے کہ کسی بھی ناول کی قسط شعائع کرنے سے پہلے اوپر چند سطروں سے پہلی قسط کا خلاصہ کر دیا کرے اور دوسری گزارش ھے کے "لازاول" کے ختم ھونے پہ آپ محمد شعیب کا ہی ناول "مہر نہ ملا" یا عمیرہ احمد کا ناول پیر کامل شعائع کرے اس کے بدلے۔ اور آخر میں بہت بہت شکریہ اتنے خوبصورت ڈائجسٹ کے لیے۔

(نوموکومو۔ مکہ مکرم)

(بہت شکریہ اتنی محبت کا اظہار کرنے کا انشاء اللہ جلد مارکیٹ میں داستان دل آرہا ہے اور آپکی رائے پر انشاء اللہ عمل کیا جائے گا اور ہمشہ آتے رہنا۔ اور آپ خود لکھنے کی کوشش کریں آپ بھی لکھ سکتے ہیں کیا میں امید کروں کے آپکا ناول بھی مجھے موصول ہو گا۔ ایڈیٹر)

عائشہ آپکی یہ تحریر بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے. اس قدر عمدہ تحریر لکھی ہے آپ نے. شعیب بھائی کا ناول بہترین تھا. ساہیوال کے نعت خواں کا نام بھی غلط ٹائپ ہوا تھا جسے دیکھ کر مجھے بے حد افسوس بھی ہوا. علی رضا بھائی اپنے فرائض بہت احسن انداز میں دے رہے ہیں. پیا سحر، واجد شیخ، صبا احمد، اقصی سحر، نیلم شہزادی، گل ارباب، محسن عتیق، مومل عروش، عائشہ انصاری اور آمنہ رشید آپ سب ابھی محنت جاری رکھیں. آپکو مزید بہتری کی ضرورت ہے. عید کا احوال کسی نے بھی کچھ خاص نہیں لکھا. عریشہ سہیل نے رانا زاہد کا کا فلمی قائدہ جو منتخب کیا تھا بہت خوب تھا. پارس میمن، علشبہ، تنزیلہ، فاطمہ، رافعہ، عشوارانا، گلشن خان اور احمد قریشی کے تبصرے خوب تھے. کبری نوید کا شاعری کا انتخاب بہت خوب تھا. حافظہ ردا فاطمہ کا میں مشکور ہوں جنہوں نے میری شاعری کو پسند کیا. آبرو نبیلہ اقبال کی شاعری بھی قدرے بہتر تھی. شیر علی شیر امریکہ والے بھائی کا اپنی شاعری بھیجنے کے لئے بہت بہت شکریہ. ریحانہ اعجاز بھی اچھی شاعری کر لیتی ہیں. سحرش علی نقوی اور زلقدر فاطمہ آپ دونوں بھی بہت عمدہ لکھتی ہیں. ملائکہ خان

راولپنڈی آپ بہت اچھاورک کر رہی ہیں. سلامت رہیے. انچارج علی رضا، ریمانور رضوان، سحرش علی نقوی، مہوش ملک، اور آبرو نبیلہ اقبال آپ سب بہت احسن انداز میں اپنے فرائض سر انجام دے رہے ہیں. آپ سب سے ہم کو بہت سی امیدیں وابستہ ہیں. محبت نامے پڑھ کر تو بہت ہی خوشی ہوئی. قارئین میں سے مسکان نور کا میں مشکور ہوں جنہوں نے اتنی توجہ سے داستان دل کو پڑھا اور اپنا تبصرہ بھی بھیجا. امید ہے کہ آپ ہمارا یونہی ساتھ دیتی رہیں گی. آبرو نبیلہ اقبال نے بہت اچھا تبصرہ لکھا ہے. کبری نوید کا تبصرہ کافی حد تک بہتر تھا. حقیقت پر مبنی میری تحریر "بورڈ ٹاپر" کیسی تھی. اپنے خیالات کا اظہار ضرور کیجیے گا. اور داستان دل ٹیم سے گزارش ہے کہ تعارفی سلسلہ میں میرا تعارف جو بھیجا تھا وہ تو شامل کر دیں. ظالمو! اسامہ زایروی کو کبھی اسامہ زاہری اور کبھی اسامہ راہوری لکھ رہے ہو. خدا کے واسطے اتنے نام مت دیں مجھ کو ہاہاہاہا. امید ہے کہ اگلی بار شمارے میں ایسی غلطیاں نظر نہیں آئیں گی. آخر میں داستان دل کی پوری ٹیم کا شکر گزار ہوں.

(اسامہ زاہروی ڈسکہ سیالکوٹ)

(میرے پیارے بھائی سب سے پہلے تو معافی چاہتے ہیں انشاء اللہ اپکی رائے پر عمل ہو گا اور آئندہ شمارے پر تبصرہ لازمی کرنا انتظار رہے گا اور امید ہے کہ آپکے تمام شکوے دور ہو گئے ہوں گے۔ایڈیٹر)

اسلام و علیکم۔۔۔'

میرا داستان دل سے اکتوبر میں تعارف ہوا۔۔۔ تبصرہ کیا کروں۔۔۔ نومبر کا پہلا شمارہ اپلوڈ کیا۔۔۔ بہت ہی روایتی اور خوبصورت انداز سے آغاز تھا۔ حمد باری تعالی اور نعت پاک بہت خوبصورت موتیوں سے الفاظ کا چناؤ کیا گیا تھا۔۔۔ اور حرا طاہر کی تحریر "درود شریف کی اہمیت اور فضائل" بہت ہی اعلی تحریر لگی۔ بہت ہی اچھا لگا رسالہ۔۔۔ دلچسپ ناول اور سبق آموز کہانیاں، کمال شاعری نظمیں اور غزلیں سب کچھ بہت ہی پسند آیا۔ نور مختصر تبصرہ کرے گی۔۔۔۔۔۔ اصل میں سارا ڈائجسٹ بہت پسند آیا۔۔۔ مجھے لگتا کہ یہ نئے لکھاریوں کے لیے ایک بہترین پلیٹ فارم ہے۔۔۔ جو نو آموز لکھنے والے لوگ ہیں۔۔۔۔ ان کے لیے داستان دل کی شکل میں ایک بہترین حوصلہ افزائی

کا جگمگا تا ہوا دیا ہے۔ پتا اس دور میں لکھنے والے اس لیے بھی لکھنے سے گریز کرتے کہ کون سا کسی نے پڑھنا ہے یا کسی کے پاس ٹائم ہے۔۔۔ تو لفظوں کی اہمیت نہ ختم ہو جائے کہیں۔۔۔۔۔۔ پر نور ایک بات بتائے کہ الفاظ کی اہمیت کبھی ختم نہیں ہوتی۔۔۔۔۔۔ خوبصورت الفاظ ہمیشہ تاروں کی مانند جگمگاتے رہتے ہیں۔۔۔۔ میری دعا ہے کہ یہ رسالہ بہت۔۔۔۔ بہت زیادہ ترقی کرے۔ (آمین)

(نور بخاری)

(ہمشہ پھولوں کی طرح مسکراتی رہو نور۔ بہت اچھا لگا آپکے الفاظ پڑھ کر اب ہمشہ ناطہ قائم رکھنا داستان دل کے صفحات ہمشہ آپکے لفظوں کے انتظار کریں گے شکریہ۔ ایڈیٹر)

....

داستان دل سے مجھے اچھا رسپونس مل رہا ہے امید کرتی ہوں یہاں کی ٹیم کافی اچھا ورک کرتی نظر آرہی ہیں۔۔۔ آگے بھی جاری وساری رکھیں اسی طرح اور میں نے ابھی کافی کچھ جاننا باقی ہیں اس ڈائجسٹ کے متعلق۔۔۔ آنلائین ریکوڈینگ بھی سنی دلچسپ پہلو ہوتے ہیں۔۔۔ ندیم صاحب نے کافی انجوائے کیا۔۔۔۔ اللہ آپکے داستان دل کو ہر دل کی آواز بنائے۔۔۔ اور کئی بجھتے ہوئے دلوں کو جگادے۔۔۔ روتے ہوئے مکھڑوں کو مہکا دے ۔۔۔۔ ایسی کہانیاں جو سبق آموز ہو۔۔۔ مجھے ریما نور رضوان کی قلم سے دلی لگاو ہے۔۔ قلم کی بات کی جائیں تو ۔۔۔ علی رضا کی قلم سے ملاقات بھی اچھی لگی۔۔۔ ماشا اللہ اللہ نے اتنے کم عمر میں روشن دماغی صلاحیت سے نوازا ہیں ۔۔۔ سحر ش علی نقوی جی بہت خوب ہیں آپ اینڈ ریحانہ اعجاز کی تمام کاوش پسند آتی ہیں۔۔۔۔۔ میرا مقصد کسی کی دلازاری ہر گز نہیں مگر بہت معازرت کے ساتھ کہنا چاہتی ہوں۔۔۔ کہ میں آپ لوگوں کو بس اتنا ہی جان پائی ہوں وقت کی قلت ہوتی ہیں اور ہر روز پر لگا کے آگے بھاگتا دیکھائی دیتا ہیں۔۔۔۔ شکریہ۔

(صدف قمر)

(نوازش ہمشہ دعاؤں کے گلدستے ارسال کرتے رہنا۔۔ آپکی رائے پر ریمانور کی تحریر کو اس دفعہ پھر شامل کرلیا ہے ہمشہ رائے سے نوازتے رہنا۔ ایڈیٹر)

داستان دل کی ساری ٹیم کو میرا پیار بھرا اسلام.... قبول کریں... امید کرتی ھوں کہ سب خریت سے ھونگے....اور دعا کرتی ھوں
کہ اللہ سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین. داستان دل واحد ڈائجسٹ ھے کہ جس کے لیے میں اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کے ضرور پڑھتی ھوں. دعا ھے کہ خدا اس کو ترقی کی راہ پہ گامزن رکھے...اور سر ندیم کا تھہ دل سے شکریہ ادا کرتی ھوں کہ انھوں نے ھمیں اتنا اچھا ڈائجسٹ دیا. اور ایسا ڈائجسٹ کہ جس میں ھر چیز پڑھنے کو مل جاتی ھے.. اب چلتے ھیں ڈائجسٹ پہ تبصرے کی طرف...ٹائیٹل اچھا تھا. اس کے بعد حمد و نعت سے مستفید ھوئے...آؤ دین سکھے میں درود شریف کی اھمیت سے استفادہ حاصل کیا... اس کے بعد فاطمہ عبد الخالق سے ملاقات کی ان سے بات کر کہ بھر مزہ آیا..... مختصر کھانیاں سب کی بھت اچھی تھیں. آبروؤ اور گل ارباب کی کھانی پسند آئی...نور بخاری کی سٹوری "آؤ خود کو بدلیں" سپر سٹوری غلط راستہ ریمانور رضوان ھی سٹوری پڑھ کر بھت دکھ ھوا... آج کل کے پیار کچھ نھیں ھوتا... صرف اپنے ھی اپنے ھوتے ھیں....اور سٹوریز سبق آموز تھی. کوئی کوئی نہ سبق تھا اگر کوئی سمجھے تو......ھاں جی داستان دل کی شاعری کی بات کی جائے تو بھت کمال کی شاعری ھوتی ھے میں کم از کم تین چار دفعہ پڑھتی ھو پھر بھی دل نھیں بھرتا.... کھانے پکانے کے معاملے میں اناڑی ھو اس کو صرف دیکھا اور بس اس کی بعد بیوٹی ٹیپس سے بھت کچھ سیکھا بھی اور آزمایہ بھی تبصرے سب کے بھت پسند آئیں.
اب میں جاؤ اس سے پھلے کہ آپ سب لوگ مجھے جانے کا بولو.... داستان دل کی ساری ٹیم آبروؤ اور سحرش کے لیے بھت سی دعائیں جن کی محنت اور کاوشوں کی وجہ سے داستان دل ھر ماہ ملتا ھیں اللہ سے دعا ھے کہ ان کو مزید ترقی عطا

فرمائیں اور کامیابیاں عطا کریں... آمین.. اوکے زندگی نے وفا کی تو اگلے ماہ پھر ملے گئے اک نئے جوش اور ولولے کے ساتھ تب تک رکھے اپنا اور اپنے سے جوڑے ھر انسان کا خیال.. اللہ حافظ دعاؤں کی طلبگار

(ملائکہ خان. راولپنڈی)

(ارے ارے ملائکہ اتنی جلدی میں تبصرہ لکھنے کی کیا وجہ۔۔اتنا چھوٹا ہمارا داستان دل تو نہی جتنا چھوٹا تبصرہ کیا تحویل تبصرے کا انتظار رہے گا۔آپ کا ورق بہت اچھا ہے۔ہمشہ مسکراتے رہو۔ایڈیٹر)

اوے آگے سے ہٹ جاؤ

جگہ بناؤ،

ارے بھائی کوئی چائے پانی لاؤ

اتنی سخت بھدر کی گرمی میں وہ کہاں منڈی بہاؤالدین کے جنوب مغرب کے بہت پیارے شہر گوجرہ سے تشریف لے کر ادھر آپ کے داستان دل میں اپنے دکھ بانٹنے اور سکھ پانے آے ہیں اور دیکھو کوئی پروٹوکول ہی نہیں، کتنی زیادتی ہے،، اگر لڑکی ہوتا تو ضرور زور پڑتا مگر کیا کروں،، پاپا کا اکلوتا بیٹا ہوں،، لڑکی بننے کی اکٹنگ بھی کی تو ابا حضور سے جوتے پڑیں گے، آپ لوگ بھی کہیں گے زبان تو عورتوں جتنی ہی لمبی ہے، کافی دیر سے بڑبڑ کیئے جا رہا ہے نہ جان نہ پہچان میں تیرا مہمان، تو سنیے مجھے حماد کہتے ہیں، حماد ظفر ہادی اور ہم آپ کے داستان دل پے تبصرہ کرنے آے ہیں آپ بھی کہیں گے گھر میں دوسری دفع سالن تو ملتا اور یہاں ہادی صاحب تبصرہ کر رہے ہیں،، ارے ایسی کوئی بات نہیں گھر سے سالن ملے نہ ملے باتیں سننے کو ضرور مل جاتی ہیں جن کی چٹنی بنا کے میں اپنے قارائین کو پیش کر دیتا ہوں۔۔تو اب کافی ہو گئی چٹنی اسلام علیکم محترم جناب ایڈیٹر صاحب امید کرتا ہوں خیریت سے ہوں گے آپکا داستان دل، دل کو جا لگا، سارے کا سارا پڑھ کے دم لیا مگر اپنی تحریر نہ پا کر دل روہانسا ہو گیا، ندیم عباس کی سٹوری، محمد شعیب،

نزہت جبیں، راحیلہ منظر اور شہزاد سلطان کی سٹوریز نے دل جیت لیا،، منظور بھائی کا انٹرویو بہت اچھا تھا، باقی تمام سلسلے بہت اچھے جا رہے ہیں تمام پڑھنے والوں کو سلام،،

(حماد ظفر ہادی۔ گوجرہ)

(ہادی بھائی بہت بڑی ناانصافی کی ہے داستان دل پر اتنا چھوٹا تبصرہ اچھی بات نہیں یہ۔۔ چلو ہم آپ سے ناراض ہیں ۔ہمشہ میں اپنوں سے ناراض ہی رہتا ہوں کیونکہ ان پر مجھے مان ہوتا ہے۔۔۔ انداز بیان کیا کہنے یار ہمشہ اس انداز سے ہی آنا۔ شکریہ ایڈیٹر)

اسلام وعلیکم ورحمتہ اللہ ماہنامہ داستانِ دل نومبر جیسے ہی پاک سوسائٹی پہ اپلوڈ ہوا فوراًہی ڈاؤنلوڈ کرلیا۔ اور پڑھنا شروع کردیا۔ حمد و نعت، درودِ پاک کی فضیلت سے مستفید ہوئے۔ نیلم شہزادی، لبنیٰ غزل، گل ارباب، سحرش علی نقوی، عریشہ سہیل، اُسامہ زہراوی کی تحریریں معاشرے کے بہت سے پہلوؤں کی عکاسی کرتی ہیں۔ ریمانور نے ایک اصلاحی کہانی لکھی۔ ہر لڑکی کو اپنی عزت وو قار کا خیال خود رکھنا چاہیے۔ ریما میری بہت پیاری دوست بھی ہیں ان کی تحریر پڑھ کہ مجھے ایک شعر یاد آگیا جو میں نے کہیں پڑھا تھا۔

یہ رانجھا اِس صدی کا ہے ذرا محتاط رہنا تم

اُٹھا کے فائدہ تیرا یہ پھر سے ہِیر بدلے گا

نبیلہ نازش راؤ کی تحریر ہمارے معاشرے میں کی ایک روتی سسکتی مرتے خوابوں کی تحریر تھی جہاں نہ صرف خواب مرتے ہیں بلکہ ہم بھی بعض اوقات خوابوں کے ساتھ مر جاتے ہیں اور دفن کر دیے جاتے ہیں۔ شمع حفیظ، خدیجہ کشمیری کی مختصر تحریریں بھی اچھی تھی۔ صبا احمد کی ہلکی پھلکی سی تحریر اعتبار ہو تم اچھی لگی۔ ساہیوال کے نعت خواں کا انٹرویو پڑھ کہ بہت اچھا لگا۔ ثناواجد کا عینک والا جن پہ تبصرہ پڑھ کہ اپنا بچپن یاد آگیا، دل باغ باغ ہو گیا۔ ایک انتہائی نازک پہلو پہ فرحت اشتیاق کی تحریر اُڑاری پہ ریحانہ اعجاز کا تبصرہ بہت خوب تھا۔ شاعری مقابلے میں حصہ لینے والے تمام احباب نے بھی بہت معیاری اشعار لکھے۔ ندیم عباس ڈھکو صاحب میں آپ کی تہہِ دل سے ممنون ہو کہ آپ نے

خاکسار کو داستانِ دل کی نائب مدیرہ ہونے کا اعزاز دیا۔ اللہ پاک آپ کو اور آپ کے ڈائجسٹ کو کامیابیاں و کامرانیوں سے سرفراز فرمائے۔ داستانِ دل کی تمام قارئین اور ٹیم کے لیے نیک تمنائیں۔۔۔ سدا خوش رہیں۔ زندگی کے ہر قدم پہ کامیابی آپکا مقدر رہو۔ آمین جزاک اللہ

(آبروِ نبیلہ اقبال)

(بہت شکریہ۔ میرے لیے اعزاز کی بات ہے کہ میری ٹیم میں آپ جیسے خوش اخلاق شامل ہیں، داستان دل پر تبصرہ پر مشکور ہوں آپکا۔ اور داستان دل میں تحریر لوگوں کی رائے پر شامل کرتے ہیں جیسے کہ ریما کی تحریر کو پسند کیا جا رہا ہے اس لیے ان کو دوبارہ جگہ جلدی مل رہی ہے آپ کس کی تحریریں پڑھنا چاہتے ہیں آپنے محبت نامے میں ان کا حوالہ ضرور دیا کریں تاکہ ادارے کو راہنمائی ہو تحریریں انتخاب کرنے میں۔۔۔۔۔۔ ایڈیٹر)

اسلام علیکم پہلی بار جب داستان دل پڑھا مزہ آگیا اب تو نئے مہینے کا انتظار رہتا ہے کہ کب نیا مہینہ شروع ہو گا اور کب داستان دل ہاتھ میں آئے گا ماشاء اللہ بہت اچھا جا رہا ہے داستان دل سب سے اچھی بات تو یہ ہے داستاں دل کی اس میں سب کو موقع مل رہا ہے نومبر کی ساری کہانیاں اچھی تھی لیکن مجھے سب سے بیسٹ آسیہ شاہین کا آفسانہ مسافت لگا

(ناز خان)

(بہت شکریہ آپکا ہمشہ خوش رہو۔۔۔ داستان دل پر تحویل تبصرے کا انتظار رہے گا۔ ایڈیٹر)

اسلام و علیکم !!نزہت آپی اور ندیم عباص صاحب۔ !!۔ داستانِ دل کی ساری ٹیم کو میری طرف سے بہت بہت مبارک ہو۔ اتنی جلدی، اپنے جرئیدے کے معیار کو اتنی بلندی پر لے جانا کوئی معمولی بات نہیں۔ آپ سب کی شبانہ روز محنت اور خلوص پرچے کے لفظ لفظ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ ماشا اللہ۔ اللہ آپکو اور زیادہ ترقی اور کامیابیاں عطا کرے۔ آمین۔ میں نے آپکو اپنی چند کہانیاں ارسال کی ہیں۔ آپ انہیں دیکھ لیجئے گا اگر مناسب لگیں تو جگہ بھی ضرور

دیجیئے گا مجھے خوشی ہو گی۔ اب میں آتی ہوں ستمبر کے داستانِ دل کی طرف (اپکی کہانیاں شائع باری باری ہوتی رہے گی سب سے پہلے نعت رسول مقبول ﷺ آمولانا ظفر علی) اور (حفیظ تائب) کے کلام میں دل اور روح کو منور کیا۔ ماشا اللہ۔ عمدہ کلام، بے حد عمدہ انتخاب۔ جزاک اللہ۔ اور اسکے بعد آگیا اداریہ۔۔ ندیم عباس۔۔۔ اتنا درد۔ اتنا دکھ۔۔ بیٹا جی، یہ زندگی ہے اور اس میں اتار چڑھاؤ تو آتے رہتے ہیں۔ آپ ابھی سے اپنے دل میں درد اور رف درد کو بسالاگے تو آگے چل کر کیا کرو گے۔؟ یہ زندگی اللہ کی دی ہوئی بہت خوبصورت نعمت ہے۔ الحمد للہ۔ اسے خوشی اور سکون کے ساتھ گذارنا ہی ہمارا فرض ہے۔ آپ بہت بہادر بچے ہیں۔ میں نے آپکی تحریریں جواب عرض اور سچی کہانیاں میں بھی پڑھی ہیں اور مجھے تب بھی محسوس ہوتا تھا کی آپ بہت زیادہ احساس دل رکھتے ہیں۔ اور آج آپکا اداریہ اور آپکی تحریر "شامِ تنہائی" پڑھ کر یقین واثق ہو گیا کہ جو میں سوچ رہی تھی وہ ٹھیک ہی تھا۔ بیٹا جی، آپ سے درخوست ہے کہ اپنی احساسیت کو تھوڑا سا کنٹرول کر لیں تو سب ٹھیک ہو جائے گا انشا اللہ۔ ویسے، آپکے ناول شام تنہائی نے رلایا بہت۔ ایک عام سی لو اسٹوری سے شروع ہونے والی کہانی کا انجام اسقدر دلدوز اور اندوہناک بھی ہو سکتا ہے۔؟ آپ نے بہت اچھا لکھا۔ ماشا اللہ۔۔ اداریئے کے بعد (نزہت آپی) کی باتیں پڑھیں۔ انکی باتیں بھی انکی شخصیت کی طرح نرم نرم اور دل کو چھونے والی تھی۔ زبردست۔ پھر سامنے آئین عنبرین دین کی خوبصورت باتیں لیئے۔ بسمہ اللہ۔ کے فوائد بہت اچھے طریقے سے سمجھاتی ہوئی۔ جزاک اللہ۔ اور جناب پھر ملاقات ہوئی (ڈاکٹر منظور اکبر صاحب) سے۔ ان کی تحریریں بھی نگاہ سے گذر چکی ہیں۔ ماشا اللہ۔ مگر جس طرح انہوں نے اپنے جھنگ کی سیر کرائی مزہ آگیا۔ (اپ لاہور کی کب کروا رہے ہیں ہم کو سیر)۔ اس بار کے داستانِ دل میں افسانے آٹھ تھے، اور کیا خوب تھے۔ سبحان اللہ۔ (عفت بھٹی) کی (ہار) دل کو چھو لینے والی تحریر رہی۔ ہمارے معاشرے کی دکھتی رگ پر جس طرح عفت نے ہاتھ رکھا، انکا ہی خاصہ ہے۔ جمیل سے شبو تک کے سفر میں جمیل کے ساتھ ساتھ ہمارے پاؤں بھی شل ہوئے اور ہمت بھی کئی بار ٹوٹی۔ بہت خوب عفت۔ (ربیعہ احمد) کا (میرا گھر۔) عورت کی ازلی خواہش اور حق پر

مبنی خوبصورت کہانی۔ یہ بالکل سچ ہے کہ ہم اپنی بہنوں بیٹیوں کے کان میں شروع سے ہی یہ بات ضرور ڈالتے ہیں کہ جو بھی کرنا ہے اپنے گھر جا کر کرنا۔ اپنی ہر خوہش اپنے گھر ہی جا کر پوری کرنا، مگر ہوتا یہ ہے کہ وہ اپنا گھر عورت کی قسمت میں ہوتا بہت کم ہے۔ ویلڈن ربیعہ ویلڈن۔۔۔(شہزاد سلطان کیف)کا(ماں میں پردیسی)پردیسیوں کے دکھوں اور تنہائیوں کی مُنہ بولتی کہانی۔ بہت عمدہ۔(شعیب ملک)کا(لازوال)اپنے نام کی طرح خوبصورت اور لازوال کہانی، ابھی تکمیل کے مراحل میں ہے۔ مکمل تبصرہ انشااللہ تحریر مکمل ہونے پر۔(داستان ابھی باقی ہے۔)فاطمہ عبدالحق کا خوبصورت آرٹیکل نظریئہ پاکستان اور اساسِ پاکستان پر ایک خوبصورت تحریر۔ جزاک اللہ فاطمہ۔(عفت بھٹی)کا(زرد پتے)نیک اور عمدہ تحریر۔ ابھی اسکی پہلی قسط پڑھی ہے۔ انشااللہ کہانی پوری ہونے پر تبصرہ بھی مکمل کروں گی۔(ماوراخان)کا(اک ورق زندگی کا)ایک اور دکھی کہانی۔ خونی رشتوں میں احساس اور مروت نہ ہو تو پھر ہر (بی)کو ایسے ہی جان کی بازی لگانی پڑتی ہے۔ ویلڈن۔(راحیلہ منظر)کا(لال گلاب)بھی اچھا تھا، مگر اس میں ایڈیٹنگ کی بہت غلطیاں تھیں۔ کہانی اچھی تھی۔(محسن عتیق)کا آرٹیکل(اٹھ بھی جاؤ کہیں دیر نہ ہو جائے)کشمیر اور کشمیر کاز پر لکھی جانے والے خوبصورت اور حساس تحریر۔ بہت خوب محسن صاحب۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔(نبیلہ نازش راؤ)کا(درد محبت)محبت اور چاہت، وفا اور بے وفائی کے رنگوں سے سجی خسین تحریر۔ بہت اعلیٰ اسلوب اور انداز بیان۔ جزاک اللہ نبیلہ۔(ذیشان)کا(آرٹیکل)(ماں)ماں سے محبت اور ماں کی عظمت کا شاہکار۔ واہ۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔(قربانی بنام آزادی)(محمد جواد)کا آرٹیکل بھی مثال رہا۔ انہوں نے جن حقائق کا ذکر اپنی تحریر میں کیا ہمیں ان پر تہہ دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ واقعی، ہماری نئی نسل تعمیری کام کرنے کی بجائے اپنا زیادہ وقت سوشل میڈیا کو ہی دینا پسند کرتے ہیں۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ ابھی بھی وقت ہے، ہم اپنے آپ کو سنبھال لیں کیوں کہ یہ آزادی ہمیں کسی نے لپیٹ میں رکھ کر نہیں پیش کر دی تھی۔ اس لیئے ہمارے اباؤ اجداد نے بیمثال قربانیاں دی ہیں۔ پھر کہیں جا کر یہ پیاری وطن ہمیں نصیب ہوا ہے۔ جزاک اللہ محمد احمد صاحب۔(فاطمہ ایم اے خان)کی بے یقینی سی

بے یقینی) بھی نئی نسل کی بیر ارویوں پر لکھی گئی ایک عمدہ تحریر۔ مگر یہ افسانہ تھا۔ مکمل ناول نہیں۔ بہر حال جو بھی تھا اچھا اور سبق آموز تھا۔ عشق زادی۔ علی حسنین۔ سفید خون محسن علی نیلا رومال یونس ناز۔ سچی خوشی۔ پیا سحر روشنی کا سفر شازیہ کریم۔ اور تمام مستقل سلسلے۔ سب کے سب بہت اچھے رہے۔ ماشااللہ۔ اللہ اسی طرح داستانِ دل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی سے نوازے آمین ثم آمین۔۔ اور اسکے ساتھ ہی میں اب آپ سب سے اجازت چاہتی ہوں۔ اگلے ماہ نئی کہانی اور نیئے تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی۔ انشااللہ۔ تب تک اپنا خیال رکھئے گا اور ان سب کا بھی جو آپ کا خیال رکھتے ہیں۔ آپ سے محبت کرتے ہیں۔ خوش رہیئے، سلامت رہیئے پھر ملاقات ہو گی۔ تب تک کے لیئے فی امان اللہ۔۔ اللہ حافظ۔۔

(ثمینہ طاہر بٹ۔۔ لاہور۔)

(کیا بات ہے اپ کا تبصرہ پڑھ کر ہماری ٹیم کو یقین ہو گیا کہ ہم کامیاب ہو گے ہیں،، ہمیشہ حاضری دیتے رہنا غیر حاضری نہیں چلے گی۔ ایڈیٹر)

ایڈیٹر ندیم عباس ڈھکو صاحب

السلام علیکم! خیریت مطلوب ہے۔ میں نے داستان دل کا شمارہ ماہ اکتوبر پڑھا ہے۔ تمام سلسلے بہت اچھے شروع کئے ہیں۔ تمام مضامین کو بہت خوبصورت انداز میں ترتیب دیا ہے۔ جس پر تمام داستان دل کی ٹیم کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

جس طرح آپ کی ٹیم محنت میں مشغول ہے انشااللہ بہت جلد داستان دل پورے پاکستان کا شمارہ ہو گا۔

انٹرویو میں بانو قدسیہ جی کا اظہار خیال اور اُن کی ادبی خدمات کے بارے میں معلومات اور گفتگو بہت پسند آئی۔ یہ سلسلہ جاری رکھیں اور ہر ماہ کسی ادبی شخصیت کے بارے میں ضرور لکھیں۔ اگر آپ آئندہ کسی شمارے میں انور

مقصود صاحب کا انٹر یو پیش کریں تو بہت اچھا لگے گا۔ انسانوں کے سلسلہ بہت اچھے ہیں اس سے غوری کی دل چسپی پڑھتی ہے اس میں اگر نئے لکھنے والوں کو بھی موقعہ دیں۔ بڑی مہربانی ہو گی۔

جناب ندیم عباس ڈھکو صاحب میری طرف سے ایک مشورہ ہے کہ آپ جس طرح پیش تک پر پوسٹنگ کر رہے ہیں جس کا بہت اچھا رزلٹ کو رہا ہے اس طرح اگر آپ پر بھی وڈیو کلب بنا کر داستان دل کے بارے میں معلومات پوسٹ کریں تو یقیناً اور زیادہ اچھا رسپائس ملے گا۔

جہلم شہر میں ٹک کانر شوروم کے جانب شاید حمید، گلشن شاید اور شاید سے رابطہ کریں۔ تو جہلم کے لوگوں کو بھی داستان دل پڑھنے کو میسر ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ دستان دل کو بہت ترقی دے (آمین(

والسلام

(شوکت علی قمر(

(بہت شکریہ بھائی جان۔۔جی آپکے تعاون کے مشکور ہیں۔ ہمشہ ساتھ دیتے رہنا۔ شکریہ۔ ایڈیٹر)

اسلام و علیکم سر

میں نے آپ کو اپنی پہلی تحریر ارسال کر دی ہے۔ پہلی بار کہانی امیل کی ہے اس لیے ایک ایک کر کے صفحات سینڈ کیے ہیں امید ہے کے نمبرنگ کی وجہ سی پڑھنے میں مسلہ نہیں ہو گا کہانی پڑھ کر اپنی رائے سے ضرور آگاہ کیجیے گا داستان دل آنے والے وقتوں میں ادب کی دنیا میں ایک علی مقام حاصل کرے گا انشاءاللہ۔

اکتوبر کا شمارہ زبردست تھا. انواع واقسام کے عنوان ایک گلدستہ کی مانند اکٹھے کیے معلوم ہو رہے ہیں

(ہاجرہ عمران خان)

(جی بہت شکریہ۔ آپکی تحریر بہت جلد انشاء اللہ داستان دل میں شامل کرلی جائے گی۔ اور پک سے سینڈ کی ہوئی ہم شامل نہیں کرتے اس کے لیے سوری۔۔۔ ہمشہ خوش رہو۔ ایڈیٹر)

اسلام و علیکم

میں نے ایک جگہ پڑھا کہ داستانِ دل نئے لکھاریوں کو ایک بہترین پلیٹ فارم مہیا کر رہا ہے تو پڑھ کر خوشی ہوئی۔ میں بھی ایک لکھاری ہوں میں نے بہت سی غزلیں لکھ رکھی ہیں لیکن اشاعت کا موقعہ نہ مل سکا۔ اس کے ساتھ ساتھ میں شارٹ سٹوریز بھی لکھتا ہوں میں آپ کو ایک غزل سینڈ کر رہا ہوں۔ برائے مہربانی اس کو دیکھ لینا ۔ اس کے علاوہ بھی میرے پاس بہت سارا مواد ہے بس آپ کی حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے۔ اگر میری غزل اشاعت کے قابل ہوئی تو برائے مہربانی مجھے جوابی ای میل کر دیں گے تو بڑی مہربانی ہو گی

(نوید اشرف)

(جی اپ سینڈ کر دیں انشاءللہ آپکو جگہ ملے گی۔۔ ہمارا مقصد ہی نیو لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا ہے شکریہ۔ ایڈیٹر)

داستان دل بہت اچھا ڈائجسٹ ، نومبر کا شمارا بہت اچھا لگا پڑھ کر ،، سب سے پہلے فرح بھٹو کا انٹرویو پڑھ کر بہت اچھا لگا ان کے بارے میں جانا اور خود میں بھی ہمت آئی لکھنے کی ، آبرو نبیلہ اقبال کی بہت اچھی

تحریر پہلا جھوٹ ، سبق ملتا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا بچہ جھوٹ نہ بولے تو خود ان کے ساتھ سچ بولے ، سچ بولنے کی شروعات خود سے کرے ،۔ نیلم شہزادی کی تحریر کردار بہت اچھی کاوش اپنے وطن کے لے اپنے حصے کا کردار ادا کرو ،۔ لبنیٰ غزل کی فیس بک رائٹر اچھی کاوش ،۔ اور سحرش علی نقوی کی تحریر بہت اچھی دل کو لگی ایک پل کے لے تو دل اداس ہو گیا کہ ساری عمر باپ نے پیسے کما کر بیٹے کو پڑھایا اور بیٹے نے کیا صلہ دیا ،۔ ریما نور راضون کی غلط راستے بہت بہت اچھی تحریر پڑ کے بہت اچھا لگا۔ اللہ سب کو کامیاب کرے اور داستان دل کو بہت بہت ترقی دے آمین

(ہماطاہر ٹوبہ ٹیک سنگھ)

(بہت شکریہ آپکا ہمشہ خوش رہو اور ہمشہ لکھتے رہنا۔ آپکی تحریر کا شدت سے انتظار رہے گا۔ ایڈیٹر)

اسلام وعلیکم ،،میں نے نومبر کا شمارہ پڑھا ہر بار کی طرح اس بار بھی معیاری تھا سب ہی رائٹرز نے اپنے قلم کے جادو سے خوب چار چاند لگا دیے اور ان رائٹرز کو ہی دیکھ کر مجھے بھی لکھنے کا شوق پیدا ہوا اوراپنی تحریر ارسال کر دی ہے داستان دل میں اس رسالے کی خاص بات یہ ہے کہ اس نے تھوڑے ہی وقت میں اپنی مقبولیت کا لوہا منوایا ہے اور ہمیں بھی تو ان کے نیک کام میں ساتھ دینا چاہئے نہ ،،ویسے تو تمام سٹوریز اچھی تھیں پر میں ابھی ان رائٹرز کی کاوشوں پر تبصرہ کرنے کے قابل نہیں دعا ہے کے اللہ تعالیٰ ہمارے اس رسالے کو اور بلندیوں پر پہنچاے آمین ،واسلام،

(عمیر عارف ساہی شہر کنجاہ)

(بہت شکریہ کہ آپ نے قلم کو اٹھالیا ہم ہمشہ آپکو جگہ دیں گے آپ بس لکھتے جاؤ۔۔اب قلم سے ہمشہ کے لیے ناطہ قائم رکھنا۔مجھے بہت خوشی ہوئی آپ نے داستان دل کو دیکھ کر قلم کو تھامیری خواہش ہے کہ سب پڑھنے والے قلم کو تھامئیں۔۔۔مجھے انتظار ہے۔ایڈیٹر)

محترم ومکرم ندیم عباس ڈھکو,نگران اعلی,مدیر اعلی بڑی آپا نزہت جبیں ضیاء دیگر اسٹاف داستان دل اینڈ ریڈ دورائٹرز کو چاہتوں محبتوں اسلام اور دعا کہ خدائے ذوالجلال آپ سب کو صحت کاملہ و لمبی عمر نصیب فرمائے) آمین۔میں تو اول روز سے ہی داستان دل کا حصہ ہوں پہلے ہی شمارے میں میری تحریر ""محبت صدا غم دیتی ہے ""لگی تھی ... داستان دل نے خوب ترقی کی ما شاءاللہ 8 صفحات سے 405 صفحات کی شکل میں نومبر کا شمارہ اپلوڈ ہوا ہے...... یہ سب ندیم محنت و لگن کا منہ بولتا ثبوت ہے ویلڈن ندیم خدا آپ کی محنت ولگن کو اعلی صلہ دے داستان دل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے)آمین(نومبر کے شمارے کے محبت نامے کی محفل میں فہیم ملک جوگی,اسامہ زاھری,بدیع الجمال,آبرو نبیلہ اقبال,نیلم شہزادی ودیگر ساتھیوں نے شاندار تبصرے کیے ..گڈ لک....کہانیوں کی طرف سے سلسلہ وار ناول ٹاپ کلاس رہے ویلڈن شعیب.......... ننھی سی خواھش شمع حفیظ,, بلا عنواں" ڈئیر پیاسحر "ویلڈن سبق اموز تحریر تھی ویلڈن نیکسٹ بھی ایسی ہی سٹوریاں لائیگا..اعتبار ہو تم,,,,,مکافات عمل,,,,, دردشت,,, تلخ حقیقت,,,,پیکر سادگی باقی تحاریر بھی لاجواب تھیں ۔اسکن پرابلم ,, ملاقاتی سلسلہ,,اقوال زریں,,اشعار,, مسکراھٹیں,, تعارف, کیچن,, سبھی سلسلوں کا موجود ہونا ہر لحاظ سے شمارے

کے مکمل ہونے کا ثبوت ہے ویلڈن ندیم و اسٹاف داستان دل,,نیک تمنائیں, خلوص دل سے دعائیں ہمیشہ داستان دل کے ساتھ ہیں.

خدا آپ کو سدا سلامت رکھے آمین

محمد ندیم عباس میواتی پتوکی

(پیارے ہم نام۔۔اب غیر حاضری نہیں چلے گی۔۔ جلدی سے تحریر ارسال کر دو۔اور آپکے گروپ ممبر نظر نہیں آئے مجھے انتظار رہے گا مکمل ٹیم کا۔ہمشہ تحویل تبصرہ کرتے رہنا،ایڈیٹر)

یہ تھے اس دفعہ کے محبت نامے انشاءاللہ پھر جنوری میں یہاں ملاقات ہوگئی آپ بھی اس محفل کا حصہ لازمی بنے مجھے انتظار رہے گا شامل ہونے کا طریقہ بتاتا چلوں ڈاک،ای میل۔ فیس بک۔واٹس اپ ان سب ذریعے سے آپ شامل ہوسکتے ہیں آپ مسیج میں اردو فونٹ میں محبت نامہ لکھ کہ واٹس اپ / فیس بک کرسکتے ہیں شکریہ

آپ سب کا اپنا

ندیم عباس ڈھکو

ای میل:abbasnadeem283@gmail.com

واٹس اپ:03225494228

فیس بک:03377017753(dastan e dil digest)

ذکیہ! چل رہی ہو اسپتال؟ عادلہ نے برش سے بال بناتے ہوئے کہا۔

"کہاں؟" ذکیہ نے پوچھا۔

"تم کو نہیں پتا کہ۔۔۔۔۔ مہرین کی بھابی کے یہاں بیٹا ہوا ہے۔" عادلہ نے اسے بتایا۔

"غریب کی سسرال والوں نے پہلے چار بیٹیاں ہونے پر اس کا ناک میں دم کیا ہوا تھا۔ اس کے شوہر نے دھمکی دے دی تھی کہ اگر چوتھی بھی لڑکی ہوئی تو اسے طلاق دے دے گا۔"

"بیٹا یہ نہیں کہنا چاہیے یہ تو اللہ کی دین ہے۔ کیا کبھی یہ سنا ہے کہ آلو کا بیج لگائے اور سرسوں کاٹے۔"

ماسی نے جھاڑو دیتے ہوئے رُک کر کہا۔

"بس بس ماسی تم کو تو ہر مسئلہ پر قائل کرنا آتا ہے۔ اگر تمہارے والدین تم کو وکیل بناتے تو آج تم شہر کی سب سے کامیاب وکیل ہوتیں۔" ذکیہ نے کہا۔

"ارے بیٹا ایسی قسمت کہاں کہ پڑھ لکھ سکتی۔"

"اگر تم کہو تو نئی روشنی اسکول میں تمہارا نام لکھوا دیں۔" ذکیہ نے پوچھا۔

"نہ بیٹا نہ۔ اب میرا چل چلاؤ کا وقت ہے جو ذرا سی مہلت اللہ نے دی تو حج کر آؤں۔ بڑی بیگم کے پاس میں نے اپنی ساری عمر کی کمائی رکھوائی ہے۔ بس دعا کرو کہ لبیک ہو جائے۔"

"ماسی! بہت دنوں سے تمہاری بیٹی تم سے ملنے نہیں آئی؟" عادلہ نے سوال کیا۔

"اب تم سے کیا چھپاؤں بیٹا! جب بھی وہ میرے پاس آتی ہے۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ میکے جارہی ہو تو خالی ہاتھ واپس نہ آنا۔ کبھی کسی چیز کی فرمائش تو کبھی کسی چیز کی فرمائش۔ بس جب بھی آئی روتی ہوئی آتی ہے۔ اور میں جتنا جمع کرتی ہوں اس کی سسرال والوں کی فرمائش پر خرچ ہو جاتا ہے۔ دیکھو جی کرنے کی آرزو پوری ہوتی ہے کہ یونہی اللہ کے گھر سے بلاوا آجائے گا"

"وہ تو خیر ہے کہ اس کی سسرال والے چھوٹی چھوٹی چیزوں کی فرمائش کرتے ہیں۔ مہرین غریب تو پڑھی لکھی ہے۔ اور ایک نجی بنک میں جاب بھی کرتی ہے۔ پھر بھی جب وہ میکے آتی تو اس سے کہا جاتا کہ بھائی باپ کے گھر سے خالی ہاتھ نہ آنا۔ کبھی ڈرائے مشین تو کبھی اے سی کی فرمائش کی جاتی۔ جب تک اس کے والد زندہ رہے اس کی فرمائش پوری کرتے رہے۔ اب وہ اس لیے اپنے میکے نہیں جانے دی جاتی ہے کہ باپ کے مرنے کے بعد کہیں وہ اپنی تنخواہ سے اپنے میکے والوں کو نہ کچھ دے آئے۔" عادلہ نے مہرین پر ترس کھایا۔

"اس لیے تو میرا شادی کرنے کو دل نہیں چاہتا۔" ذکیہ چمک کر بولی۔

"چلو پہلے مہرین کی بھابی کو دیکھ لیتے ہیں۔ پھر وہیں سے انار کلی روڈ نکل جائیں گے۔" عادلہ نے کہا۔

"کب تک شادی کرنے کا ارادہ ہے؟" عادلہ نے پوچھا۔

"اس دو ماہ میں۔ جاڑوں کی چھٹیوں میں یہ اپنے گھر سدھا جائیں گی۔" ذکیہ نے اشارہ کیا۔

"شادی اپنوں میں ہے یا غیروں میں؟" امر نے پوچھا۔

"بس خالہ کا بیٹا ہے اور انہی کی بیٹی چھوٹے بھیا کے لیے مانگ لی ہے۔" ذکیہ نے بتایا۔

"یعنی وٹہ سٹہ کیا جارہا ہے۔" نویرا بولی۔

"ہاں جی! امی نے بھائی جان کی شادی غیروں میں کی مگر انہوں نے ہم لوگوں کو اپنوں سے کاٹ کر رکھ دیا۔ ہر ایک

سے اپنی تعریف اور سسرال والوں کی برائیاں کرتی ہیں۔ اپنی معصومیت کے قصے رو رو کر سب کو سناتی ہیں۔ حالانکہ وہ اتنی آزاد ہیں کہ جب جہاں دل چاہتا ہے۔ جاتی آتی ہیں۔ کوئی ان پر پابندی اور نہ کوئی روک ٹوک ہے۔ ہر برے اور آڑے وقت میں ہم ہی لوگوں سے کام لیتی ہیں مگر کیا مجال جو ہماری تعریف کریں۔ بلکہ ہر بات میں وہ کوئی ایسا پہلو تلاش کر لیتی ہیں کہ ہم لوگوں کے اچھے سے اچھے کام کا اثر زائل کر دیں۔ بھائی جان کے سامنے تو وہ ہم لوگوں کی کبھی تعریف ہی نہیں کرتی ہیں۔ کوئی تقریب ہوتی ہے تو وہ اپنے رشتہ داروں کی طرف سے بڑے تحفے تحائف دلواتی ہیں اور سسرال والوں کے تحفے خواہ کتنے قیمتی ہوں۔ کسی سے تذکرہ تک نہیں کرتی ہیں۔ کسی طرف سے وہ پڑھی لکھی تو لگتی نہیں ہیں۔ ہماری بات ان سے ان کی بات ہم سے کر کے ایک دوسرے سے بد دل کر دیتی ہیں۔ محلے والی لڑکیوں کے کتنے ہی رشتے ان کی اسی حماقت سے ختم ہو گئے مگر جب وہ لڑکیاں زیادہ عمر کی ہو جائیں تو ان کے جال باپ کی ہمدردی میں رشتہ ڈھونڈا کرتی ہیں اور ان کی قسمت پر افسوس کی کرتی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ایسا کیوں کرتی ہیں۔" ذکیہ نے لمبی سانس لے کر کہا۔

"بس بس غیبت کرنا بڑی بات ہے۔" عادلہ نے بات کاٹی۔

"تو پھر تم لوگ ایک دن ان کو پکڑ کر بات صاف کیوں نہیں کر لیتی ہو۔" عادلہ نے مشورہ دیا۔

"ارے تم جانتی ہو انہیں وہ صاف مکر جاتی ہیں بس ان کو اپنی تعریفیں کرنے میں تو بڑا مزا آتا ہے۔ مگر دوسروں کے لیے وہ چاہتی ہیں کہ سب کی ڈور ان کے ہاتھ میں رہے۔ جب ان کا جی چاہے وہ ڈور ہلائیں اور جس کو جس سے دل چاہے لڑا دیں۔ جس کو دل چاہے بد ظن کر دیں مگر اب آہستہ آہستہ لوگ انہیں سمجھتے جا رہے ہیں۔ ایک وقت وہ آئے گا جب سب پر ان کا جھوٹ کھلے گا تو خود ہی وہ سب کی نظروں سے گر جائیں گی۔" ذکیہ نے کہا۔

"بس اب اٹھاؤ شاپنگ بیگ اور گاڑی میں بیٹھو بابا کو آٹھ بجے گاڑی چاہیے ہے۔ اس سے پہلے ہم لوگوں کو واپس آ جانا چاہیے۔" عادلہ نے بتایا۔

بازار سے واپسی پر ذکیہ نے ممی کو فینسی چیزیں دکھائیں اور گنگناتی ہوئی کچن کی طرف چل دی۔

"کتنا دوپٹہ رہ گیا ہے؟" ذکیہ نے ممی سے کہا۔ "مجھے تو بھوک لگ رہی ہے۔

"دو شادیاں ایک ساتھ کرنے میں کام بڑھ جاتا ہے۔ سسرال والوں کا اصرار نہ ہوتا تو میں علیحدہ علیحدہ دونوں شادیاں کرتی مگر ایک ہی گھر میں دونوں کی ہے۔ اس لیے ان ہی کی بات ماننا پڑی۔" ممی دوپٹہ تہ کرتے ہوئے بولیں۔

"تمہاری تو تنہا ہو گی بنو! کچھ دن گھر داری سمجھ لو تو پتا چلے گا کہ کام کیسے ہوتا ہے۔ بہت آرام کر لیا تم نے۔" عادلہ نے ذکیہ سے کہا جو ٹیبل پر برتن لگا رہی تھی۔

"جب سے آپ کی شادی طے ہوئی ہے۔ امی نے گھر کا بجٹ میرے حوالے کر دیا ہے۔ میں تو حیران ہوں کہ آپ کس طرح چلاتی تھیں۔ کبھی کچھ نہیں ہے تو کبھی کچھ نہیں میں تو ابھی سے تنگ آگئی ہوں۔" ذکیہ نے گلاس رکھتے ہوئے کہا۔

"اس طرح کام نہیں چلے گا۔ جہاں اندھی کمائی نہ ہوا اور ہم۔۔۔۔ جیسے نوکری پیشہ لوگ ہوں تو بڑی پلاننگ سے بجٹ بنانا پڑتا ہے کہ آخری تاریخوں میں بھی پہلی تاریخ کی طرح ایمرجنسی ہو جائے تو کچھ نہ کچھ نکل آئے۔" عادلہ نے ذکیہ کو سمجھایا۔

"وہ کیسے؟" ذکیہ نے پوچھا۔

"آج کل تو شادی اور مہمانوں کی وجہ سے اضافی اخراجات ہیں۔ ویسے عام دنوں میں تم یہ کرنا کہ پہلے ایک مخصوص رقم تمام بلوں کی الگ کر دینا۔ بجلی، گیس، فون، اخبار دودھ والا ماسی وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے بعد جو اشیاء پورے ماہ اکٹھا آتی ہیں وہ راشن میں شامل ہیں۔ اس کے بعد جو رقم بچے۔ اس کی چار ہفتے کے حساب سے چاروں لفافوں میں رکھ دینا۔ ہر ہفتہ ایک لفافے کی رقم نکالنا۔ جس سے پھل اور سبزی وغیرہ ایسی دوسری چیزیں ہوں کہ اگر ایک ہفتے سے پہلے خرچ ہو جائے تو ایک آدھ دن غیر ضروری اشیاء نہ آئیں تو کوئی خرچ نہیں مگر دوسرا لفافہ دوسرے ہفتے ہیں نکالنا تا

کہ آخر ماہ میں بجٹ آوٹ نہ ہو۔کوشش یہی کرنا کہ پہلا لفافہ نو تاریخ تک دوسرا17 تک تیسرا25 اور30 تاریخ تک چل جائے گا۔اگر کوئی ایمرجنسی ہو جائے تو بابا سے کہہ کر اور ایسا ورنہ ایک مخصوص رقم کافی ہوتی ہے۔اس طرح ہر وقت بابا کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانا پڑے گا۔کسی مہینے بچت ہو تو اسے بنک میں جمع کر دینا تاکہ وقت ضرورت کام آ سکے۔ارے ہاں تم اپنی پاکٹ منی بھی اسی میں نکالنا۔"عادلہ نے ذکیہ کو سمجھایا۔

"اچھا بابا تم یہ بتاؤ کہ مایوں میں جو شرٹ تم پہنو گی اس پر مشینی کام کروایا کہ نہیں؟"

"اگر سادہ اوڑھ لوں تو کوئی حرج ہے!"عادلہ آہستہ سے بولی۔

"نہ۔۔۔نہ!میں سادہ دوپٹہ نہیں اوڑھنے دوں گی۔اگر یہ بات ہے تو تم چھوٹے بھیا کی بری سنبھالو اور میں تمہارے سارے دوپٹوں پر پیکو کروادوں گی ورنہ تم چپکے سے سارے دوپٹے تہہ کر کے رکھ لو گی۔"ذکیہ نے شرارت سے کہا۔

"اے لڑکیو کیا ہنگامہ مچا رکھا ہے۔"ممی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"دیکھیں ممی یہ اپنی مایوں پر سادہ دوپٹہ اوڑھنے کو کہہ رہی ہیں۔"ذکیہ نے شکایت کی۔

"نہیں بیٹی سب لوگ ماں کے سلیقے کو کہیں گے۔اب میں کس کس سے صفائی پیش کروں گی کہ میری بیٹی سادگی پسند ہے۔یہی تو موقع ہوتا ہے اوڑھنے پہننے کا پھر بال بچوں میں پڑ کر کہاں ہوش رہتا ہے۔"ممی نے عادلہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پیار سے کہا۔

"چھوٹے بھیا کی بیوی کے ہر سوٹ اور دوپٹے پر ذکیہ نے وہ کام بننے کو دیے ہیں کہ بس جب بل ادا کیجئے گا تو مزہ آ جائے گا۔"عادلہ نے شوخی سے کہا۔

"بیٹا بری بھاری جوڑوں کی دی جاتی ہے۔"ممی نے ہنس کر فیصلہ سنا دیا۔

"چلیں تھیں شکایت کرنے۔"ذکیہ نے منہ چڑایا۔

"میں تو ممی کی مالی حالت کا اندازہ کر رہی تھی۔"عادلہ نے جواب دیا۔

"اللہ تمہارے بابا کی صحت اچھی رکھے۔ انہی کے دم سے سب کچھ ہے۔ میں کیا اور میری مالی حالت کیا۔ خدا نے مجھے ایسا شوہر عطا کیا ہے جس پر میں جتنا ناز کروں کم ہے۔ انہوں نے کبھی باہر فضول خرچی نہیں کی۔ حتیٰ کہ سگریٹ تک نہ پی بس جو کچھ ملا اسے اپنے گھر اور بچوں پر خرچ کیا اور برے بھلے وقتوں کے لیے اٹھار کھا جو آج میں شادیوں پر خرچ کر رہی ہوں۔ آج کل کی مہنگائی میں شادی کرنا اور مکان بنانا بہت مشکل کام ہیں۔ تمہارے بابا نے یہ دونوں کام اسی لیے اچھی طرح کیے کے ہمیشہ انہوں نے دوراندیشی سے کام لیا۔" ممی نے کہا۔

"چھوٹے بھیا نے اپنی شادی کے لے کتنا روپیہ دیا ہے؟" ذکیہ نے پوچھا۔

"تمہارے بابا اور چھوٹے بھیا نے کچھ چیک خالی سائن کر کے دے دیے ہیں۔ شادی کے بعد میں ان لوگوں کی چیک بک ان کو واپس کر دوں گی۔ میں اب کیا کروں گی۔" ممی نے کہا۔

"جب چھوٹے بھیا کی بیوی آ کر یہ چاہے گی چیک بک اس کے حوالے کی جائے تو پھر آپ اپنی بسر سے نہ جلیے گا۔" ذکیہ شرارت سے بولی۔

"نہیں بھی! میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو تصوراتی طور سے مظلومیت کی بیماری میں مبتلا ہوتی ہیں یعنی جب خود بہو ہوں، تب بھی اپنا اقتدار چاہیں اور جب ساس بنیں تو بھی! بہت سی عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ جب خود بہو کے روپ میں ہوتی ہیں تو بڑھوں کے بارے میں یہ فتویٰ دیتی ہیں۔ بس اب وہ اللہ اللہ کریں۔ انہیں کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں مگر جب وہ خود ساس بنتی ہیں تو چاہتی ہیں کہ بہو گھر سنبھالے اور خود گھر سے باہر رہیں۔ انسان کو ہر روپ میں اپنے آپ کو اعتدال کی راہ پر گامزن رکھنا چاہیے۔ عمر کے تقاضوں کے لحاظ سے اپنے اپنے فرائض نبھانا چاہیں تو کوئی مسئلہ ہی نہ پیدا ہو گا۔" ممی نے لڑکیوں کو سمجھایا۔

واہ کیا بات ہے۔ ممی ہر بات کا مثبت پہلو سوچتی ہیں۔"

ذکیہ نے ڈش سے سالن نکالتے ہوئے کہا۔

"سنا ہے، خالہ جان مزاج کی تیز ہیں اور ادھر ہماری آپی اللہ میاں کی گائے ہیں۔ ان کو شیر بنانا چاہتا ہوں مگر یہ دمی ثابت ہوں گی۔" چھوٹے بھیا بھی بولے۔

"کس کو شیر بنایا جا رہا ہے؟" بابا جی اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے بولے۔

"ممی کہہ رہی تھیں کہ آپ نے ان پر بہت ظلم ڈھائے ہیں۔" ذکیہ نے جھوٹ بولا۔

"بیٹا! میں تمہاری ممی کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اگر میں ان پر ظلم ڈھاتا۔ تب بھی وہ تم لوگوں سے میری شکایت نہ کرتیں۔" بابا نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"ذہنی ہم آہنگی ہو تو ایسی ہو کہ کوئی ایک دوسرے کے خلاف کتنا ہی بھڑکائے مگر یقین نہ کرے ہمارے بابا کی جگہ کوئی اور شوہر ہوتا تو اسی بات پر اپنی بیوی سے لڑ پڑتا مگر بابا نے ہم لوگوں کو لاجواب کر دیا۔ ذکیہ نے کہا۔

"بیٹا! ایسے مرد نادان ہوتے ہیں جو اپنی رفیق حیات سے مقابلہ ضد اور بحث کرتے ہیں۔ عورت سے مقابلہ کرنا تو بزدلی کی نشانی ہے۔ مقابلہ تو دشمن سے کیا جاتا ہے۔ بیوی تو مرد کی بہترین دوست ہوتی ہے اور دوست تو ہمدردی اور محبت کا مستحق ہوتا ہے۔ نہ کہ ضد اور بحث کا۔ جو لوگ اس نکتے کو سمجھ لیتے ہیں... وہاں کبھی لڑائیاں نہیں ہوتیں ہیں۔" بابا نے سمجھایا۔

"اچھا اچھا! آپ کھانا کھایئے۔ سب مردوں کا ظرف آپ جیسا نہیں ہوتا ہے۔" ممی نے چکن کا ڈونگا بابا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آج کی عورت کمزور نہیں ہے۔ وہ اپنی دو روٹی خود کما کر کھا سکتی ہے۔ مگر ممتا اسے اندر سے کمزور کر دیتی ہے۔ بس جو لوگ عورت کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ ہی مقابلہ کرتے ہیں۔ اس کو نیچا دکھانے کے لیے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں اس کی محبت اور وفا کا ساری عمر امتحان لیتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ کبھی کبھی وہ اپنی بھڑکائی ہوئی آگ کی لپیٹ میں خود بھی آجاتے ہیں۔ اور اپنا پورا خاندان داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ ایسے لوگ نقصان ہی اٹھاتے ہیں۔ فائدہ نہیں

حاصل کر سکتے ہیں۔" بابا دھیمے دھیمے لہجے میں جو بات کرتے سب کے دلوں میں گھر کر لیتی تھی۔

" مگر یہ بات سب لوگ کیوں نہیں سمجھتے جو آپ مدد ہو کر کہہ رہے ہیں۔" ذکیہ بولی۔

" جس طرح ہر شخص کی صورت مختلف ہوتی ہے۔ ذہن اور سوچنے کا انداز بھی مختلف ہوتا ہے مجھے تو تم سویٹ ڈش اٹھا دو۔ آج ٹیبل پر بڑی کڑوی باتیں ہو رہی ہیں۔" بابا نے کہا اس کے بعد محفل برخواست ہو گئی۔

سارا مکان روشنیوں سے منور ہو رہا تھا۔ ہر طرف رنگ و نور کی بارش نے ماحول کو بڑا دلکش کر دیا تھا۔ آج عادلہ کی رسم مہندی تھی۔ لڑکیاں گانوں پر لڈی کی پریکٹس کر رہی تھیں۔ قہقہوں اور چیخ و پکار سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ مہندی کے تھال لڑکیاں سجا رہی تھیں۔ لڑکے آرکسٹر پر کوئی دھن ترتیب دے رہے تھے۔ ڈفلی ڈھولک اور سازینہ ساتھ لے کر جانا تھا۔ مقابلہ سخت بہت سخت تھا۔ کیونکہ دوسری طرف بھی گانے کے شوقین موجود تھے۔ گیٹ کے باہر گاڑیاں قطار میں کھڑی تھیں۔ بس چند لوگوں کا اور انتظار تھا۔ رات آٹھ بجے تک سب مہمان اکٹھا ہوئے تو یہ قافلہ روانہ ہوا۔ گھر پر ماسی اور ممی دلہن کے پاس رُک گئیں۔

رات بارہ بجے ایک گاڑی آئی اور اس میں سے چند نقاب پوش ہتھیاروں سے لیس اتر کر گیٹ کے چوکیدار کی جانب بڑھے۔ ابھی وہ اپنا ہتھیار سنبھالنے بھی نہ پایا تھا کہ ایک بے آواز شعلے نے اسے ٹھنڈا کر دیا۔ اس کے بعد وہ لوگ رنگ و روشنی کے اس مقدس ہالے میں اتر گئے۔ جو بابل کے ارمانوں کا گہوارہ تھا۔ ظالم سب کے بے خبر سونے کا فائدہ اٹھا کر تمام قیمتی اشیاء جمع کر کے لے گئے۔ پتا نہیں یہ چوروں کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں گھر میں داخل ہوتے ہوئے وہ کمرا مل گیا جہاں تمام قیمتی اشیاء بند تھیں۔ یا گھر والوں کی خوش قسمتی جو کئی دن مسلسل جاگنے کے بعد ایسے بے خبر ہوئے تھے کہ جہیز کا سامان لوٹنے والوں کی آمد پر بھی وہ ایسا سوتے رہے کہ خود لٹنے سے بچ گئے ورنہ کوئی بھی مزاحمت کرتا تو دوسرا بے آواز شعلہ اس کی زندگی کا بھی چراغ گل کر دیتا۔

دو بجے رات کو جب مہندی سے سب گھر واپس آئے تو چوکیدار کو گیٹ پر خون میں نہایا دیکھ کر اندر کی حالت کا اندازہ

کرنے کے لیے سب بھاگے جہاں گھر کے دروازوں کے لاک بڑی صفائی سے کھولے گئے تھے۔ ایک کمرے میں ممی اور عادلہ محوخواب تھیں َانہیں سوتا دیکھ کر سب جہیز والے کمرے میں گئے۔ جہاں الماریاں کھلی پڑی تھیں اور تمام اثار اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ کچھ بھی نہ بچا ہو گا۔ بابا تو سر کو پکڑ کر ایسا بیٹھے کہ باقی سب لوگ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ بھائی جان فون کر طرف متوجہ ہوئے۔ ذکیہ نے عادلہ کے پاس جا کر ممی کو جگایا۔ سب اس سانحے پر حیران تھے جس نے ان سب کے اعصاب کو شل کر کے رکھ دیا تھا۔ کل عادلہ کا جہیز سسرال جانے والا تھا۔ اور آج یہ حادثہ رونما ہو گیا۔ صبح ہونے میں چند گھنٹے باقی تھی۔ ذکیہ کی حالت غیر تھی۔ آنکھوں میں آنسو بھرے وہ ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہی تھی۔ آنکھیں دھندلا جائیں تو ہر چیز ہیولا نظر آنے لگتی ہے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ممی بابا کے گلے لگ کر اتنا روئے کہ آنکھیں صاف ہو جائیں مگر وہ باوجود کوشش کے ایسا نہ کر سکی۔ عادلہ بھی سب کی چیخ وپکار سے اٹھ چکی تھی۔ ایک پُر اسرار ماحول اس کے استقبال کے لیے منتظر تھا۔ وہ جلدی سے ذکیہ کے پاس آئی جو غم سے نڈھال دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی جیسے ہی عادلہ اس کے قریب آئی۔ وہ اس کے گلے لگ کر اتنا روئی کہ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ معلوم کرنے پر پتا چلا کہ بابل کے ارمان کوئی لوٹ کر لے گیا ہے تو اس کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ اس کے ممی بابا کے دل پر کیا گزری ہو گی جنہوں نے اس کے پیدا ہوتے ہی بچت کی اسکیموں میں روپیہ لگانا شروع کر دیا تھا۔EFU کی رقم پر رقم پر جو قرض اس کی شادی کے لیے لیا گیا تھا۔ وہ بھی سب ختم ہو چکا تھا۔ ممی کے آنسو تو گالوں سے بہہ کر دوپٹے میں جذب ہو رہے تھے۔ مگر بابا کا صبر دیکھنے کے قابل تھا۔ وہ چوکیدار کے تمیبر و تکفین کی فکر میں تھے اور خود کو اس کا مجرم سمجھ رہے تھے۔ صبح ہوئی تو چوری کی رپوٹ اور چوکیدار کی لاش کے انتظامات میں سب لگ گئے۔ ضابطے کی کاروائی بھی ضروری تھی۔

بارات والے دن سب وسیع و عریض لان میں بیٹھے تھے۔ سامنے ہی اسٹیج پر دلہن دولہا بیٹھے تھے۔ کلیوں کی مانند لڑکیاں ہاتھ میں پھولوں کے ہار لیے آنی والی سمدھنوں کے گلے میں ہار پہناتی جا رہی تھیں۔ مبارک سلامت کے شور

اور لڑکے لڑکیوں کے قہقہوں سے بے جان گھاس کے لان کو بھی زندگی کی موجودگی کا احساس ہو گیا ہو گا۔ تمام، طعام اور رخصتی تک مووی کیمرے میں محفوظ کرنے کے بعد سب اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

صبح ذکیہ نے اٹھ کر اپنی نئی نویلی بھابی کے لیے ٹرالی سجانے کا بندوبست شروع کر دیا۔ وہ فروٹ باسکٹ بڑے سیلقے سے سنوارتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ بڑی بھابی کے لیے یہی سب عادلہ نے کیا تھا مگر بعد میں سب بھول جاتے ہیں۔

"ارے لڑکی رات کو سوئی بھی تھی یا نہیں۔" ممی خوب صورت فروٹ باسکٹ اور مکھن کا گلاب دیکھ کر اس سے سیلقے سے مرعوب ہوئیں۔ "شاباش بیٹی اسے کہتے ہیں سیلقہ۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

"ارے ممی یہ کیا چیز ہے۔ آگے آگے دیکھیں میں کیسے کیسے پکوان پکاتی ہوں آپ کے لیے کہ آپ آپی کو بھول جائیے گا۔" ذکیہ اترا کر بولی۔

"مگر بیٹی ایک بات کا خیال رکھنا کہ بڑی بھاوج کو یہ نہ احساس ہو کہ تم چھوٹی بھاوج کو زیادہ چاہتی ہو۔ لڑکی غیر ہو یا اپنی جب اپنے ماں باپ بہن بھائی چھوڑ کر پرائے گھر آتی ہے۔ تو پہلے اسے ایسی محبت دی جاتی ہے کہ وہ اپنوں کو بھول جائے۔ تب ہی وہ نئے ماحول میں جذب ہونے کی کوشش کرتی ہے۔" ممی نے اسے سمجھایا۔

"آپ کی انہی نوازشوں نے تو ان کا دماغ آسمان پر پہنچا دیا ہے۔ نہ کوئی ان کو کسی بات پر ٹوکنے والا ہے جو دل چاہتا ہے کرتی ہیں پھر بھی اپنے آپ کو مظلوم ثابت کرتی ہیں۔ حد تو یہ ہے شوہر بچوں کی بیماری تک میں ان کا خیال نہیں کرتی ہیں۔"

"بیٹی جیسا ہم کریں گے اس کا اجر اللہ تعالیٰ ہمیں دے گا۔ دوسروں سے بلاوجہ الجھنے سے کیا فائدہ؟" ممی نے نصیحت کی۔

"مگر ہر بات کی حد ہوتی ہے۔ جب اور جہاں دل چاہا جاتی ہیں جو جس کو دل چاہا دیتی ہیں۔ سسرال والے آئیں تو نوکرانی کی جلدی چھٹی کر دی۔ جاتی ہے کہ جو رہے وہ خود کام کرے۔ خدمت سسرال والوں سے لیتی ہیں اور گن

میکے والوں کے گائے جاتی ہیں۔ مگر کیا مجال ہے جو کوئی ان کو کچھ کہہ سکے اپنے آپ پر مظلومیت طاری کر لینا بھی ایک ذہنی بیماری ہے، جو سچ مچ مظلوم ہوتا ہے۔ وہ اس طرح من مانی نہیں کر سکتا۔ اس پر تو ہزاروں پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ وہ اپنی مرضی سے نہ سو سکتا ہے نہ جاگ سکتا ہے۔ ہر لمحہ دوسروں کی خواہش کا تابع ہوتا ہے۔

وہ گھڑی سوئیاں دیکھ کر اپنے اوقات کار کا تعین کرتا ہے مگر جو نیس جانتے۔ وہ سب کیسے برداشت کر سکتے ہیں جس نے کبھی صبر کا پھل ہی نہ چکھا ہو تو اس کا ذائقہ کیا بتا سکتا ہے۔

"بس بس بیٹا! یہ نہ دیکھا کرو کہ کون کیا کرتا ہے۔ بس یہ دیکھا کرو کہ تمہارا کیا فرض ہے اور تمہیں کیا کرنا چاہیے؟

"ممی اسے سمجھا کر چلی گئیں تو وہ ٹرالی لے کر دلہن کے کمرے کے پاس آئی اور آہستہ سے دستک دی۔

"دروازہ کُھلا ہے۔" بھیا کی آواز آئی۔

"اسی طرح اپنے دل کے دروازے بھی ہمیشہ ہم غریبوں کے لیے کھلے رکھیے گا۔" ذکیہ نے موقع ملتے ہی اپنے دل کی بات کہہ دی۔

"بھئی تم خواہ مخواہ بڑی بھابی کے رنگ دیکھ کر خوف زدہ ہو گئیں۔ یہ میری بیوی ہے اگر مجھے چاہے گی تو میرے گھر والوں سے بھی محبت کرے گی ورنہ میں سمجھوں گا کہ یہ مجھے بھی نہیں چاہتی ہے۔" بھیا بولے۔

"یہ بات ہوئی نا کیوں بھابی؟" ذکیہ سیب کاٹتے ہوئے بولی۔

"اس میں کیا شک ہے۔" چھوٹی بھابی نے مسکرا کر کہا۔

"آپ لوگ ناشتہ کر کے تیار ہو جائیں۔ ہمیں آپی کو لینے جانا ہے۔" ذکیہ جاتے ہوئے بولی۔

گیٹ پر کال بیل کی آواز سن کر ماسی نے دروازہ کھولا تو چھوٹی بھابی کے میکے سے گاڑی آئی تھی۔ ماسی ان لوگوں کو ڈرائنگ روم میں بیٹھا کر اندر اطلاع کرنے چلی گئی۔

"ارے بیٹا! اتنا بڑا ٹفن کیریر کیوں لے آئے؟" ممی نے چھوٹی بھابی کے بھائی سے سوال کیا؟

"یہ ممی نے بھیجا ہے۔ یہ ہماری بہن کا ناشتہ ہے۔" دلہن کا بھائی بولا۔

"یہ تو غیروں میں ہوتا ہے۔ وہ اپنی ہی خالہ کے گھر آئی ہے۔ اس کی کیا ضرورت تھی۔" ممی نے کہا۔

"جو اپنی بیٹی کو چاہتا ہے۔ وہ اس کی ناک کا بھی خیال کرتا ہے۔ خواہ اپنوں میں جائے یا غیروں میں۔" بھائی نے بڑے تیکھے انداز میں کہا اس کے لہجے کی کاٹ کو محسوس کر کے ممی کسی انجانے اندیشے سے پریشان ہو گئیں۔ ان کی بیٹی تو خالی ہاتھ گئی ہے۔ خدا جانے اس پر کتنے تیر چلائے گئے ہوں گے۔ اپنے خیالات کو جھٹک کر وہ مہمان نوازی میں لگ گئیں۔ بظاہر وہ ذکیہ کی سجائی ہوئی ٹرالی گھسیٹ کر لا رہی تھیں مگر دماغ حاضر نہ تھا۔ وہ خیالوں میں اپنی عادلہ کے پاس پہنچی ہوئی تھیں۔ وہ عادلہ جو بے قصور تھی۔ جس کا جہیز ایک رات چور ڈاکو لے گئے تھے انہیں کیا پتا تھا کہ بڑے لوگ اتنی چھوٹی باتیں بھی کر سکتے ہیں۔ وہ اپنی نیک سیرت بیٹی کو خوشیوں کے لیے دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہی تھیں مگر بھائی کے جملے کی بازگشت نے ان کے دماغ میں ہلچل پیدا کر دی تھی۔ وہ جلد از جلد جاننا چاہتی تھیں کہ ان کی عادلہ کا سسرال والوں نے کس طرح استقبال کیا۔

"ذکیہ بیٹی! جلدی سے تیار ہو کر بسن کو لے آؤ۔" ممی نے ذکیہ کو کہا۔

بس میں بیٹی بیس منٹ میں تیار ہوئی۔" وہ باتھ روم جاتے ہوئے بولی۔

آگے پیچھے دونوں گاڑیاں روانہ ہوئیں۔ راستے میں رُک کر ذکیہ نے مٹھائی خریدی اور عادلہ کی سُسرال کی طرف گاڑی موڑ دی۔

عادلہ اپنے کمرے میں تنہا بیٹھی تھی۔ ارے تم ابھی تک یونہی بیٹھی ہو۔ کسی نے تم کو تیار بھی نہ کیا۔ ذکیہ نے عادلہ کے زرد چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سب اپنے اپنے کاموں میں لگے تھے۔ عادلہ نے اصل بات چھپائی۔

مگر تمہارے گھر اتنے نوکر چاکر ہیں کہ سب بیٹھے مکھیاں مار رہے ہیں۔ مجھے تو کوئی کام کرتا ہوا نظر نہیں آ رہا ہے۔ اچھا یہ

بتاؤناشتہ بھی کیایابھوکی بیٹھی ہواب تک۔ذکیہ نے پوچھا۔

عادلہ نے جلدی سے باتھ روم کارُخ کیاجہاں اس نے اپنے آنسوؤں کے خزانے کوخالی کیااورمنہ دھوکراس طرح ذکیہ کے سامنے آئی کہ جیسے وہ بہت خوش ہو۔ذکیہ اس کی سرخ آنکھوں اورناک سے بہت کچھ اندازہ لگالیا تھا۔مگر کچھ بولنااس نے بھی مناسب نہ سمجھا۔زبان جھوٹ بول سکتی ہے۔مگرچہرہ دل کاترجمان ہوتا ہے۔

عادلہ کوتیارکرکے ذکیہ گھروالوں سے بسن کولے جانے کی اجازت لینے آئی توکسی نے گیٹ تک آنے کی زحمت بھی گوارہ نہ کی۔وہ بجھے دل سے بسن کوگاڑی میں بیٹھاکرخودبھی بیٹھ گئی۔سارے راستے وہ خاموشی سے گاڑی ڈرائیوکرتی رہی۔عادلہ نے بھی اسے نہ چھیڑا۔جب لوگوں کے رویے سب کچھ بتادیں۔توکہنے کے لیے رہ ہی کیاجاتا ہے۔عادلہ قسمت کی ستم ظریفی پرحیران تھی کہ اس کے میکے والے اس کوایک بلندہستی سمجھتے تھے۔جہیزکے بغیربھی سسرال میں اس کاوالہانہ استقبال ہوگا۔اس کی سلیقہ شعاری کے سب گُن گائیں گے۔اس کے حسن سلوک کے چاروں طرف چرچے ہوں گے مگراسے تواس کی سلیقہ شعاری اورمحبت ورواداری دکھانے کاموقع ہی نہ دیاگیا۔وہ مجرم تھی نہ ملازم پھربھی اسی جگہ کھڑی تھی جہاں اسے صفائی کاموقع دیے بغیرکھڑاکردیاگیاتھاصرف سزاسنانے کے لیے!

ہری مرچ کی خوشبوآملیٹ میں سے اس کی پسندکے مطابق نکل رہی تھی مگرآج اس کوپسندیدہ ڈش بھی اپنی طرف مائل نہ کرسکی اوروہ ایک کپ چائے پی کراٹھ گئی۔اپنے کمرے میں لیٹی وہ خیالوں میں ڈوبی اپنے آپ سے مخاطب تھی۔اسے اس کی ماں نے اپنی ماں جائی کے حوالے کیاتھا۔مگرکسے پتاتھااپنے غیروں سے بھی بدترنکلیں گے۔اگراس کاجہیزکھویاتھاتواس میں اس کی کیاخطاتھی۔اگربڑی بھابی چاہیں تواس کی خدمت کے بدلے اپناایک سیٹ ہی اس کو دے دیتیں۔اسے یادآیاکہ وہ کس کس طرح غیرہوکران کاحکم بجالاتی۔ان کے کپڑے سی سی کردیتی۔اوران کے میکے والوں کی خاطرمدارات پرکیسے اپنارات دن کاچین وآرام تباہ کرتی۔ان کی خوشی کواپنی خوشی اوران کے بچوں کو اپنے بچے سمجھ کرپالنے کاکچھ توصلہ دیتں۔وہ جب اپناگھربسانے چلی تووہ ہرفرض سے سبکدوش ہوگئیں۔جس کے گھر
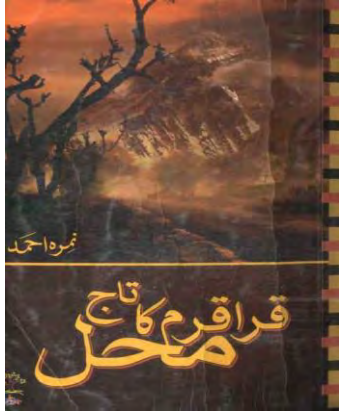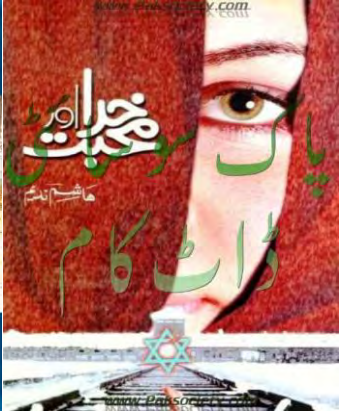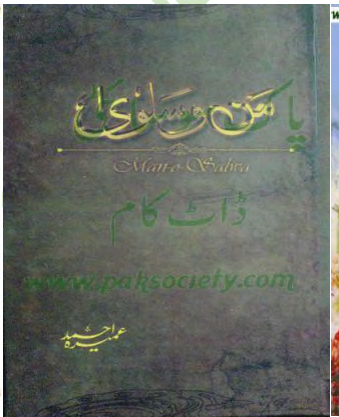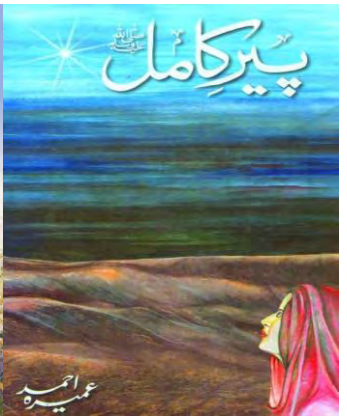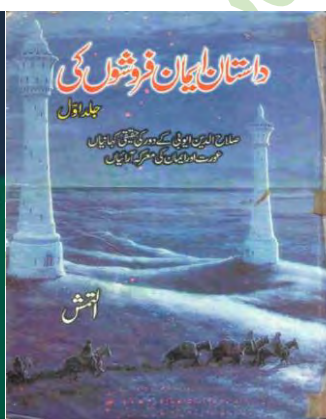
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

سے ہر کام ہوا۔ وہ یہ کہہ کر بری الزمہ ہو جائے کہ ہمیں کچھ بتایا نہ گیا۔ عقل رکھنے والے ان پر ہنستے مگر وہ تو اپنی اپنی عنیک سے سب کو دیکھتی تھیں۔ یہی وہ چاہتی تھیں کہ سب ان کی عنیک لگا کر چھوٹے حروف کو بڑا دیکھیں لیکن دنیا اتنی نادان نہ تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ انہیں کسی کا بستا گھر اچھا نہیں لگتا۔ انہیں سارے پتے استعمال کرنے کے باوجود اس میں کامیابی نہ ہو سکی کہ اس کا گھر نہ بسے۔ ممی جو ہر کام کرنے کی عادی تھیں۔ اس کے ہاتھ اپنی زندگی میں ہی پیلے کر دیے۔ اب یہ اس کا نصیب تھا کہ بنتی بات بگڑ گئی۔ سوچتے سوچتے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ وہ گہری نیند سو گئی۔

کافی دیر بعد اس کی آنکھ کھلی تو سب کھانے پر اس کا انتظار کر رہے تھے۔ منہ ہاتھ دھو کر وہ آئی تو بابا ممی نے گہری نظروں سے اس کو دیکھا۔

"آج موسم کیسا ہے؟" بابا نے اپنے مخصوص لہجے میں اس سے دریافت کیا۔

"بادل بڑے گہرے نظر آرہے ہیں۔" ذکیہ نے جواب دیا۔

"کھاؤ بیٹی! یہ ڈش ذکیہ نے تمہارے لیے خاص طور پر بنائی ہے۔" ممی نے ڈش پیش کرتے ہوئے کہا۔

وہ تھوڑا سا کھانا اپنی پلیٹ میں رکھ کر پھر خیالوں میں کھو گئی۔

جب انسان اندر سے ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے تو باہر والے بھی اندرونی کیفیت کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔ اس کی غیر شعوری حرکتوں سے سب ہی نے اس کی بے چینی کو محسوس کر لیا۔ کوئی کچھ نہ بولا۔ کسی نے کچھ نہ کہا۔ سب نے خاموشی کی زبان سے سب کچھ کہہ لیا۔ سب کچھ سمجھ لیا۔

"اے خدا مجھے ثابت قدم رکھنا مجھے حوصلہ دینا کہ میں اپنے ماں باپ کی عزت اور اپنا گھر بنانے کے درمیان جو خاردار تار راستے میں آئے اسے بحسن و خوبی پار کر سکوں۔" عادلہ نے رب سے ضرور التجا کی۔

آج سب منتظر تھے کہ کوئی عادلہ کو لینے آئے گا۔ مگر کوئی نہ آیا۔ دو دن گزر گئے تیسرے دن ولیمہ تھا مگر صبح کے میگزین میں سب نے خبر پڑھ لی کہ عادلہ کی سسرال کی طرف سے ولیمہ ملتوی کر دیا گیا ہے۔ اب سب کی سمجھ میں آیا

کہ ان لوگوں کے کیا ارادے ہیں۔ بابا ممی تو خبر پڑھ کر گم صم ہو گئے۔ مگر چھوٹے بھیا سے نہ رہا گیا۔ انہیں تو اس قدر غصہ آیا کہ وہ اپنی بیوی کو اس کے گھر بھیجنے پر آمادہ ہو گئے۔ ممی بابا لاکھ سمجھایا کہ اس بے چاری کی کیا خطا جو بدلے میں اس کو میکے بجھوا رہے ہو۔

"مگر میری بہن کی کیا خطا تھی۔" بھیا پیر پٹخ کر بولے۔ چھوٹی بھابی میکے جاتے ہوئے اتنا رو رہی تھیں کہ سسرال آتے وقت بھی نہ روئی تھیں۔ سب نے چھوٹے بھیا کو اپنا فیصلہ بدلنے کے لیے کہا مگر وہ نہ مانے۔ اسی وقت گاڑی میں بٹھا کر ان کے گھر چھوڑ آئے۔

"آخر میرا قصور کیا ہے۔ یہ تو بتا دیجیے نئی دلہن گڑ گڑائی۔

"تمہاری طرح عادلہ کا بھی کوئی قصور نہیں۔ تم دونوں حالات کا شکار ہو اور تم کو ہی اپنے والدین کو فیصلہ بدلنے پر مجبور کرنا ہے ورنہ دونوں طرف ایک ہی جیسا فیصلہ کیا جائے گا۔ تم پڑھی لکھی اور سمجھ دار لڑکی ہو۔ تم اس مسئلہ کو جب ہی حل کر سکو گی۔ جب تمہارے اوپر وہ ہی گزرے گا جو آج عادلہ پر گزر رہی ہے۔ میں اپنے رویہ پر تم سے شرمندہ ہوں مگر مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ پلیز مجھے غلط نہ سمجھو! چھوٹے بھیا دلہن کو اس کے گھر کے باہر اُتار کر چلے گئے۔

ایک ہفتہ بعد عادلہ کے سسرال سے فون آیا کہ اپنی بسن کو پہنچا دو۔ مصالحت کا یہ انداز کسی کو بھی نہ بھایا مگر عقل مندی کا تقاضا یہی تھا کہ معاملے کو اور نہ الجھنے دیا جائے۔ چھوٹے بھیا نے اعلیٰ ظرفی سے کام لیتے ہوئے عادلہ کو اس کے گھر چھوڑا اور اپنی دلہن کو خود اپنے ساتھ لے کر گھر آ گئے۔ چھوٹے بھیا کی وجہ سے وقتی طور پر تو مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ مگر دلوں میں لگی ہوئی پھانس کو نہ نکالا جا سکا۔ عادلہ کا شوہر بذات خود عادلہ کو بہت چاہتا تھا۔ مگر گھر والوں کے آگے بے بس تھا۔ کچھ لوگ بڑے قد و قامت کے ساتھ بڑا چھوٹا سا دل رکھتے ہیں۔ اندر سے اتنا کمزور کہ نہ وہ اپنا حق کسی سے چھین سکتے ہیں اور نہ دوسروں کو ان کا حق دلوا سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ زندگی کے ترازو کے پلڑے اس اس طرح اوپر نیچے ہوتے رہتے ہیں کہ انسان کو زندگی ہی میں بار بار مر کر جینا پڑتا ہے۔

عادلہ جب سے سسرال آئی تھی اس کے دوستوں نے نئی دلہن کی دعوتوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ ر روز رات کا کھانا کسی دوست کے گھر ہوتا۔ زندگی اتنی مصروف ہو گئی کہ عادلہ سارے دکھ بھول گئی۔ مگر اسے کیا پتا تھا کہ ابھی اسے کتنے امتحانوں سے گزرنا ہے۔

ایک دن یہ لوگ کسی کی دعوت سے واپس آئے تو عادلہ کی بڑی نند نے ندیم کو اپنے کمرے میں بلا کر کہا۔

"ندیم! میں دیکھ رہی ہوں کہ تم نے دلہن کو بہت سر چڑھا کر رکھا ہے۔"

"نہیں باجی! یہ بات نہیں ہے۔ شادی کے ابتدائی دنوں میں آپ لوگوں نے جو کیا۔ اس کی وجہ سے وہ سمی سمی سی لگتی ہے۔ وہ بہت نیک اور سمجھ دار لڑکی ہے۔" ندیم نے بیوی کی طرف داری کی۔

"سیانے کہتے ہیں کہ پیر کی جوتی کو سر پر نہیں رکھنا چاہیے اسے پیر میں ہی رکھنا چاہیے۔"

بڑی باجی بولیں۔

"تو کیا شریک حیات پیر کی جوتی بھی ہو سکتی ہے۔؟" ندیم نے ان سے سوال کیا۔

"تو کیا.... نصیبوں والیاں شریک حیات ہوتی ہیں اور منحوس لڑکیاں جو سبز قدم لے کر آئیں انہیں پیر کی جوتی کہا جاتا ہے۔ خدا نہ کرے جو اس کی نحوست کا سایہ ہمارے گھر پر پڑے۔" بڑی باجی تو ہم پرستی میں بہت آگے نکل گئیں۔

"اماں جان کی ہی ضد تھی کہ بسن کی لڑکی لائیں گے۔ اب اسی میں کیڑے نکل آئے۔" ندیم نے ان کو قائل کرنا چاہا۔

"مگر اس کی نحوست کا اندازہ تو ہمیں جب ہوا کہ شادی سے چوبیس گھنٹے پہلے اس کا جہیز چوری ہو گیا۔ خدا جانے آگے آگے کیا گل کھلائے گی۔" بڑی باجی ہار نہیں مانیں۔

"دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی مگر ہم مسلمانوں کی اس تو ہم پرستی نے ہم کو کہیں کا نہیں چھوڑا۔ ہم ابھی تک بھول بھلیوں میں بھٹک رہے ہیں۔" ندیم الجھ گیا۔

تم یہ نہ سمجھو کہ تمہارے شادی ہو گئی تو تم کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ میں آج بھی تم کو ایک سے ایک لڑکی دلا سکتی

ہوں۔ اگر عادلہ سے تمہاری نہیں بنتی تو تم مجھ سے اپنا درد نہ چھپاؤ۔

آپ کو غلط فہمی ہوئی۔ ایسی کوئی بات نہیں عادلہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ اس کی سادگی اور شرافت کو آپ اس کی بے وقوفی نہ سمجھیں۔ اگر کوئی مروت واوادری کا ثبوت پیش کرے تو ہمیں بھی اس کا جواب اسی اسپرٹ سے دینا چاہیے نہ کہ ناجائز فائدہ اٹھائیں۔ ندیم نے بڑی باجی کو سمجھایا۔

"غیرت بھی بڑی بات ہوتی ہے۔ جب ایک دفعہ ہم نے اس کو مسترد کر دیا تو پھر وہ ہمارے گھر کیوں آئی۔ تمہاری بہن کو اگر واپس نہ بھیجتے تو آج تمہارے پہلو میں نئی دلہن بیٹھی ہوتی۔ اور ہمارا گھر جہیز سے بھرا ہوتا۔"

"آخر ان لوگوں نے ہمیں کیا سمجھا تھا۔ جہیز چوری ہو گیا تھا تو دوسرا آسکتا تھا۔ یہ تو ہماری سخت توہین کی گئی ہے کچھ نہ دے کر۔" بڑی باجی غصہ سے بولیں۔

"اپنی بہن کا گھر جان کر وہ لوگ زیر بار نہ ہوئے اور جہاں تک مسترد کرنے کا تعلق ہے تو یہ کام شادی سے پہلے تو کیا جا سکتا ہے۔ مگر شادی کے بعد کسی کی قسمت سے نہیں کھیلنا چاہیے۔" ندیم بولا۔

"میں خوب سمجھتی ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ تمہیں کچھ پڑھ کر پلا دیا ہے۔ بڑی باجی چیخ کر بولیں۔

"آپ کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئے گی۔ مجھے تو اجازت دیجیے۔" ندیم اٹھتے ہوئے بولا۔

"اماں جان! یہ تو غضب ہو گیا کہ جہیز تنکا نہ لانے پر اتنے نخرے اٹھائے جا رہے ہیں۔ جو کہیں دامن بھر کر آتی تو کیا کرتے ندیم میاں۔ بڑی باجی سر پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

"اب تم ہی کوئی ترکیب سوچو، ورنہ لڑکا تو ہاتھ سے گیا۔

اس کی ماں بھی اپنے شوہر کو الو کھلا دیا تھا۔ لڑکی کو بھی وہ ہی منتر سکھا کہ بھیجا ہو گا۔ اماں جان بولیں۔

"ایک ترکیب سمجھ میں آئی ہے۔ وہ یہ کہ ندیم میاں تو دن بھر آفس میں رہتے ہیں ان کو کیا پتا۔ گھر میں کون کام کرتا ہے جس وقت ندیم آفس سے آئے۔ آپ ان کو کھانا چائے پیش کریں اور عادلہ کو ادھر ادھر بھیج کر چکے سے ندیم کے

کان میں یہ بات ڈال لیے کہ وہ کام نہیں کرتی ہے۔ بڑی باجی بولیں۔

"اگر عادلہ نے اصیلت بتادی تو!" اماں جان گھبرائیں۔

"تو کہہ دیں۔ کہ وہ جھوٹ بولتی ہے۔ میں آپ کو باتوں کی گواہ بن جاؤں گی۔ ایک طرف دو عقل مندی، دوسری طرف ٹانگ برابر کی اکیلی لڑکی کیا ہمارے سامنے دم خم رکھتی ہے۔ میں بھی جب تک ندیم سے اس کو جوتے نہ پڑواؤں تو میرا نام بھی انواری بیگم نہیں۔" بڑی باجی حسد کی آگ میں جلی بھنی جارہی تھیں۔

"کیوں میرا بڑھاپے میں منہ کالا کراؤ گی۔" اماں بولیں۔

"دوسری ترکیب اور ہے وہ یہ کہ کسی طرح ندیم کو دوسری شادی کے لالچ میں رکھا جائے۔ یعنی کسی ایسے گھر ندیم کا آنا جانا شروع کیا جائے جہاں بیوی سے اچھی لڑکیاں ہوں اور ذراسی تیز بھی تاکہ اس کا عادلہ سے لگاؤ ختم ہو جائے اور دوسری کے چکر میں آجائے۔ باجی نے اماں جان کو سمجھایا۔

"یعنی ایک نہ شد دو شد۔ اماں جان گھبرا کر بولیں۔

"ارے اماں! سچ مچ دوسری کون کرے گا۔ ندیم میاں تو اتنے سیدھے ہیں کہ ایک ہی نے انہیں چت کر دیا۔ دوسری تو انہیں لے اُڑے گی۔ یہ کھیل تو اس لیے کھیلا جارہا ہے کہ اوپر سے بیوی کا بھوت اتارا جاسکے ورنہ آپ اس مکان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گی۔ بڑی باجی نے اپنا خدشہ ظاہر کر ہی دیا۔

"وہ کیسے؟" اماں سوالیہ نشان بن گئیں۔

"وہ ایسے کہ ہمارے ندیم بھائی جس پر فدا ہوتے ہیں۔ اس پر اپنا سب کچھ وار۔۔۔ دیتے ہیں۔ آپ نے دیکھا نہیں چار دن میں کیا بیوی کی طرف داری کر رہے تھے۔ بڑی باجی نے سرگوشی کی

"یہ تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔" اماں جان سر ہلا کر بولیں۔

ایک شام کو ندیم آفس سے آکر اماں جان کے پاس بیٹھا تو بڑی باجی بھی آگئیں۔

"اوفوہ! کیا گندگی کچن سے نکالی ہے۔ تمہاری بیوی نے جب سے کام شروع کیا ہے ہر طرف برتن پھیلے نظر آتے ہیں۔ کیا فائدہ ایسی شادی کا جو ایک فرد اور کام بڑھانے والا بڑھ جائے۔" بڑی باجی نے شکایت کی۔

"ارے کام کیسا وہ تو بیگم بنی ڈائجسٹ پڑھا کرتی ہے۔" اماں جان نے لقمہ دیا۔

"مگر اس کے نام تو کوئی ڈائجسٹ نہیں آتا۔ آپ کے نا دو تین ڈائجسٹ آتے ہیں۔" ندیم بولا

"مجھے کہاں فرصت، وہ ہی لے جاتی ہے پڑھنے کے لیے۔" اماں جان گھبرا گئیں۔

"ابھی میں جا کر عادلہ سے کہتا ہوں، پھر آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہ ملے گا۔" ندیم نے کہا۔

"نہ نہ نہ۔ تم اس سے نہ کہنا، ورنہ وہ تم کو جھوٹ موٹ اپنے کام گنانے بیٹھ جائے گی اور تم سمجھو گے کہ جیسے سارا کام وہ ہی کرتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نواب زادی نے ہم لوگوں کو زر خرید لونڈی سمجھ رکھا ہے کہ خود ٹھاٹ سے پڑی سوتی رہتی ہے یا پڑھتی رہتی ہے۔" بڑی باجی نے مکارانہ انداز میں کہا۔

"ارے باجی! آپ پریشان نہ ہوں۔ میں عادلہ کو سمجھالوں گا۔" ندیم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"عادلہ! یہ میں کیا سن رہا ہوں کہ کئی ماہ ہونے کے باوجود ابھی تک گھر کا کام کاج نہیں سنبھالا گیا۔ اونچی آواز میں بولا۔

"یہ آج آپ کیا کہہ رہے ہیں اگرچہ ہم لوگ رات کو دعوتوں میں جاتے ہیں۔ اس کے باوجود میں رات تک کا کھانا پکا کر رکھ جاتی ہوں۔" عادلہ نے صفائی پیش کی۔

"اماں جان اور بڑی باجی بزرگ ہو کر جھوٹ بولیں گی؟"

"تو کیا میں آپ سے جھوٹ بولوں گی؟" عادلہ نے احتجاج کیا۔

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا کروں۔ میں تو روز روز کی شکایتوں سے تنگ آ گیا ہوں۔ ندیم غصے سے پیر پٹختا ہوا اکیلا ہی گھر سے چلا گیا وہ تیار ہو کر بیٹھی رہ گئی۔

ندیم رات گئے دوستوں کے ساتھ گپ لگا کر آیا تو عادلہ سے بات کیے بغیر کروٹ لے کر سو گیا۔ عادلہ آنے والے

خطرات کی بو سونگھ کر سسک سسک کر رو دی۔ یہ کیسا دکھ تھا جس میں وہ کسی کو شامل بھی نہ کر سکتی تھی۔ دل کے درد نے آنکھوں کے راستے نکاسی کر لی ورنہ دماغ کی رگ پھٹ جاتیں۔

ایک دن آفس جاتے وقت ندیم عادلہ سے کہہ گیا کہ شام کو اچھے سے ہوٹل میں لنچ کرنے جائیں گے۔

شام سے پہلے جلدی جلدی عادلہ۔۔۔ سارا کم ختم کر کے خود بھی تیار ہو گئی، بڑی باجی نے اس کو تیار دیکھا تو خود بھی تیار ہو گئیں۔ ندیم آفس سے آ کر اماں جان کو معلوم کرنے گیا تو بڑی باجی نے فرمائش کی کہ ان کی پہلی کی ساس کے قل میں انہیں پہنچا دیا جائے۔ عادلہ ہوٹل جانے کو تیار تھی۔ اور بڑی باجی قل خوانی میں جانے پر معر تھیں۔ جو کمزور تھا.... وہ رو کر بیٹھ گیا۔ طاقتور قل میں چلا گیا پھر اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا کہ بڑی باجی عادلہ کو تیار دیکھ کر خود بھی کہیں نہ کہیں جانے کے لیے تیار ہو جاتیں۔ اس روز روز کے جھگڑے سے تنگ آ کر ندیم نے ڈرائیور رکھ لیا جو پہلے بڑی باجی اور اماں کا حکم بجالاتا پھر عادلہ اور ندیم جاتے مگر بڑی باجی کو عادلہ کا آنا جانا ایک آنکھ نہ بھاتا۔ اس طرح اماں جان اکیلی ہو جاتی تھیں۔ یا گھر اکیلا رہتا تو چوری کا ڈر ہوتا۔ عادلہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، ندیم کے کانوں میں عادلہ کی کسی نہ کسی زیادتی کی کوئی داستان روز ڈال دی جاتی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اپنی صفائی میں وہ کس کو گواہ بنائے، ندیم ہر بار یہی جواب دیتے کہ بزرگ جھوٹ نہیں بولا کرتے، عادلہ اس جواب پر بے بس ہو جاتی جب ندیم کی بر اعتمادی اور غصہ سے تجاوز کر گیا تو، عادلہ اپنے گھر چلی گئی مگر اس دفعہ اس نے چھوٹے بھیا کی بیوی کو واپس نہیں جانے دیا۔ وہ اپنے ماں جائے کا گھر ہنستا بستا دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ بڑی بھابی کی طرح پیار کرنے والوں سے حسد نہ کرتی تھی۔ وہ اماں جان اور بڑی باجی کو دکھانا چاہتی تھی کہ اعلیٰ ظرفی کسے کہتے ہیں۔ شرافت کا معیار کیا ہوتا ہے؟

عادلہ کے گھر والے پریشان تھے کہ ندیم ملنے بھی نہیں آتا، آخر عادلہ کا کیا بنے گا ادھر ندیم جب کبھی عادلہ کو لانے کی بات ماں سے کرتا، وہ یہی جواب دیتیں کہ وہ خود گئی ہے خود ہی آ جائے گی، ہم کیوں اپنی ناک نیچی کریں۔ بے ضمیر لوگ جب اپنی ناک کی بلندی اور دوسروں کی، ناک نیچی کر کے دکھانے پر تُل جاتے ہیں تو پھر ان سے کوئی نہیں جیت

سکتا ہے۔

چند ماہ تک چھوٹے بھیا کی بیوی نے عادلہ کی بربادی کا یک طرفہ تماشا دیکھا پھر اس سے نہ رہا گیا اس نے اپنے بھائی ندیم کو فون پر سب کچھ بتادیا۔ اس کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ عادلہ اور اس کے گھر والوں نے اس بدلہ لینے کے بجائے کس پیار ومحبت سے اس کو رکھا ہے، ندیم کو جب اپنی ہی بہن سے اصلیت کا پتا چلا تو اسے شدید صدمہ پہنچا۔ ایک طرف مہنیوں کی شکست وریخت نے اس کے اعصاب پر برا اثر ڈالا تھا۔ دوسری طرف حقیقت معلوم ہونے پر وہ اپنے آپ کو عادلہ کا مجرم سمجھنے لگا۔ شرمندگی کی وجہ سے وہ عادلہ کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے باہر جانے کا پروگرام بنالیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی غلطیوں کی معافی مانگ لے، لیکن خود میں اتنی ہمت نہیں پاتا تھا۔ اس نے گھر چھوڑ دیا تھا۔ اس گھر کے درو دیوار سے اسے وحشت ہوتی، اماں اور بڑی باجی نے اس کے لیے دنیا بنائی تھی، وہ تو کسی تیسری دنیا کا باسی بن گیا تھا۔ اس دن بھی وہ سارا وقت آوارہ گردی کرتا رہا، بار بار دل چاہتا کہ عادلہ کے پاس جائے لیکن ہر بار اپنی زیادتیوں نے اس کے قدم روک دیے، شام کو وہ ہوٹل کے کمرے میں نڈھال سا بیڈ پر اوندھا لیٹا تھا۔ اس نے جوتے بھی نہیں اتارے تھے، اپنے قدموں پر کسی کے ہاتھوں کا لمس محسوس کر کے وہ چونکا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا عادلہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"عادلہ تم مجھے معاف کر دو، میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔"

عادلہ دُکھ سے مسکرائی، "ندیم! میں تم سے تو ناراض نہیں تھی، پھر تم نے مجھے اور خود کو کیوں سزا دی۔ میں نے حالات ٹھیک کرنے کی کوشش کرنے کے بجائے فرار کا راستہ اختیار کیا۔ اب وہی غلطی تم کر رہے، مجھے بھابی نے بتایا کہ تم ملک چھوڑ کر جا رہے ہو، ہم اپنا گھر، اپنے والدین کو نہیں چھوڑیں گے، ایک نا ایک دن انہیں اپنی غلطیوں کا خود ہی احساس ہو گا۔"

عادلہ کہہ رہی تھی اور وہ حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ حالات نے اس خیالات کو کتنی پختگی عطا کر دی تھی۔ واقعی اگر وہ

سمجھ داری سے کام لیتا تو حالات بدلنا مشکل تو نہ تھا، بڑی باجی اور اماں جان کی باتوں پر آنکھیں بند کر کے یقین کرنے کے بجائے اسے حالات کا تجزیہ کرنا چاہیے تھا۔ اس نے عادلہ کا ہاتھ تھام لیا اور ایک نئی زندگی اور خوشگوار اور کامیاب زندگی ان کی منتظر تھی۔

ختم شُد

میں نے جیسے ہی گھر سے باہر قدم نکالا بہت سے بچوں نے مجھے گھیر لیا سب مجھے کہنے لگے اسے ہاتھ مت گھانا یہ اپنی ماں کی طرح ناپاک ہے اگر ہم اسے چھوٹے گے تو ہمارے ہاتھ بھی ناپاک ہو جائیں گے۔۔۔ نہیں ہے میری ماں ناپاک میں زور سے چلایا۔ ایک بچہ بولا میرے ابو کہتے ہیں تمہارے ماں ایک طوائف ہے ۔تم ایک طوائف کی ناجائز اولاد ہو ایک دوسرا بچہ بولا اور طوائف زادوں کا کوئی دوست نہیں ہوتا ہاہاہاہا۔۔۔ ہی ہی ہی سب بچے مجھ پر ہنس رہے تھے۔

یک دم میری آنکھ کھلی اور میں ہڑبڑ کر اٹھ بیٹھا آس پاس دیکھا کوئی نہیں تھا سوائے میری بیوی کے نائٹ بلب کی مدھم سی روشنی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی دیوار پر لگے کلاک کی ٹک ٹک کمرے میں پھیلے سکون کو توڑ رہی تھی کچھ پلوں بعد جب میرے حواس بحال سوئے تو مجھے احساس ہوا یہ خواب تھا میں نے پانی پینے کی غرض سے کلاس اٹھایا گلاس کی آواز سے میری بیوی کی آنکھ کھل گئی بولی کی ہوارات کے اس وقت کیوں جاگ رہے ہو کچھ نہیں ہوا تم سو جاؤ۔

اتنا کہہ کر میں کھڑکی کے پاس آ کھڑا ہوا یونہی میں نے کھڑکی کے ہٹ کھولے ایک ٹھنڈی ہوا کا جھونکا جسم کو چھو کر گزر گیا دل کو کچھ سکون سا محسوس ہوا کھڑی کی کے ہٹ باہر روز کی طرف کھلتے تھے بالکل ویسے ہی جیسے اس گھر کے جیسے میں سالوں پہلے چھوڑ چکا تھا اور کبھی پہلے مڑ کر نہیں دیکھا تھا کبھی یہ پتہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی میری ناپاک ماں زندگہ بھی ہے یا ۔۔۔کچھ سوچتے سوچتے میری سوچ ٹھہر گئی۔ میں اس

سوچ کو جھٹلا کر خواب کے متعلق سوچنے لگا۔
یہ خواب نہیں تھا ایک حقیقت تھی میری زندگی کی
سب سے بڑی اور تلخ حقیقت۔ جیسے میں کبھی
فراموش نہیں کر سکتا تھا آج برسوں گزر جانے کے
بعد بھی میرے بچپن نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔
میں ایک ناپاک ماں کا بیٹا ہوں جب بچے مجھے کہتے تو
میں بھاگا بھاگا گھر آتا۔ آکر دروازے کی کنڈی لگا لینا
سارے بچے مجھے چھڑاتے ہوئے میرے گھر کے
دروازے تک آتے۔ جب آوازیں آنا بند ہو جاتیں
تو میں دیرے سے کمرے کی کھڑکی کھول کر باہر جھانکتا
اور پھر وہی کھڑکی میں بیٹھ کر ماں کا انتظار کرنے لگتا
ایک کمرے کی چھت ہمارا گھر تھا جس میں اپنی ماں کے
ساتھ رہتا تھا ماں کیا کام کرتی تھی کہاں جاتی تھی مجھے
کچھ پتہ نہیں تھا بس وہ جانے سے پہلے اتنا کہہ کر جاتی
میرے آنے سے پہلے گھر سے باہر نہیں نکلنا۔ جب
ماں گھر آتی تو میں ماں سے کئی سوال کرتا۔ ماں تو کہاں
گئی تھی۔۔۔ پھر میں ماں کو بتاتا۔ ماں آج پھر بچوں نے
آپکو ناپاک بولا ہے ماں تو مجھے بتاتی کیوں نہیں سب

تجھے ناپاک کیوں کہتے ہیں میرے پوچھنے پر ماں کہتی تو
کسی کی باتوں پر دھیان نہ دیا کر اور تمہیں کون کہتا
ہے گھر سے باہر نکل میں تمہیں منع کر کے جاتی ہوں نا
میں کہتا ماں میں اکیلا گھر بور ہو جاتا ہوں اور ماں گلی
میں کوئی بھی مجھ سے دوستی نہیں کرتا سب کہتے ہیں
میں ایک طوائف زادہ ہوں۔ ماں یہ طوائف زادہ کیا
ہوتا ہے۔ میرے اتنا کہنے پر ماں مجھے اکثر ڈانٹتی اور
کہتی کون کہتا ہے تو طوائف زادہ ہے۔ تو تو مرا بہت
لاڈلہ بیٹا ہے۔ پھر میں ماں سے کہتا ماں تو ایسا کہا کر۔
مجھے اپنے ساتھ کام پر لے جایا کر۔ میں بھی وہی کام
کروں گا جو تو کرتی ہے تو ماں کہتی نہیں تم ایسی جگہ
نہیں جا سکتے وہ جگہ بہت گندی ہے تو میں کہتا ماں تو تم
ایسی گندی جگہ کام کیوں کرتی ہوں۔ چھوڑ دے نا ایسی
گندی جگہ کام کرنا پھر تمہیں کوئی ناپاک بھی نہیں کہے
گا اور میرے بہت سے دوست بن جائیں گے۔ تو ماں
کہتی کوئی بھی شوق سے گندی جگہ کام نہیں کرتا میری
مجوری ہے بیٹا ہاں مگر بہت جلد ہم یہ گلی چھوڑ کر چلے
جائیں گے کسی دوسری جگہ جہاں تمہارے بہت سے

دوست ہو نگے۔ میں اکثر ماں کی باتوں کو سمجھ نہیں پاتا تھا۔

ایک شام ایسا ہوا ایک آدمی گاڑی لے کر آیا اور ماں اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر چلی گئی اور باہر سے دروازہ بند کر گئی میں کھڑکی میں بیٹھ کر ماں کا انتظار کر نے لگا اور وہی بیٹھے سو گیا جب آنکھ کھلی تو خود کو بستر پر پایا اور ماں پھر سے تیار ہو رہی تھی۔ کام پر جانے کے لیے آج میں نے دل میں سوچا میں ماں کا پیچھا کروں گا وہ جگہ دیکھوں گا جہاں ماں کام کرتی ہے اور پھر میں چوری سے ماں کے پاس چلا جایا کروں گا۔ جب ماں گھرے سے نکلی تو میں ماں کے پیچھے نکل کھڑا ہوا اماں کا پیچھا کرنے کے بعد میں نے جو دیکھا تھا اس کے بعد کبھی میرے قدم گھر کی طرف نہیں روئے تھے ہاں میں گھر سے بھاگ آیا تھا۔ بھاگتے بھاگتے میں ٹھوکر کھا کر گہرا تھا اور گہرتے ہی بہوش ہو گیا۔ تھا ہوش میں آنے کے بعد جب لوگوں نے مجھ سے پوچھا میں کون ہو تو میں سہم سا یوں گیا ابھی لوگ میرے چہرے سے پڑھ میں گے کہ میں ایک ناپاک ماں کا بیٹا ہوں۔ ایک آدمی نے پوچھا تمہاری ماں کہاں ہے تو میرے منہ سے نکلا تھا میری ماں مر چکی ہے۔ مر اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ میں نے پل میں اپنی زندہ ماں کو مار دیا تھا اس کے دس سال کے پیار کو بھلا دیا تھا۔۔۔ جب لوگوں نے سنا میری ماں مر چکی ہے اور میں لاوارث ہوں تو لوگوں نے مجھے چائلڈ ہوم پہنچا دیا تھا جہاں پر میری عمر کے اور بھی بہت سے بچے تھے یہاں پر میرے بہت سے دوست بھی بن گئے اور کوئی مجھے یہ نہیں کہتا تھا میں ایک ناپاک ماں کا بیٹا ہوں۔ یہاں میں بھول گیا میری کوئی ماں بھی ہے۔ چونکہ میں سب بچوں بڑا تھا مجھے سب بچوں کا انچارج بنا دیا گیا میں پوری توجہ سے کام کرنے لگا۔ ماہ و سال کیسے گزرے پتہ ہی نہ چلا۔ پھر ایک دن ایسا آیا میری ذہانت کی وجہ سے مجھے پورے چائلڈر ہوم کا مینجر بنا دیا گیا۔ مالک کی غیر موجودگی میں سارا کام میں دیکھتا۔۔۔ میرا مالک مجھ سے بہت خوش تھا وہ مجھے اپنا بیٹا مانتا تھا۔

پھر ایک دن ایسا آیا میں شادی کے بندھن میں بندھ گیا میری مہک سے شادی ہو گئی میری مہک سے

ملاقات ایک گٹ ٹو گیدر میرج ایونٹ میں ہوئی تھی
یہ میرج الونٹ میرے مالک نے ارینج کیا تھا وہ اکثر
ایسے ایونٹ اوگنائز کرتا رہتا تھا وہ بہت سخی دل انسان
تھا۔اس سارے پروگرام کا کام میری نگرانی میں ہو رہا
تھا۔ساری سیکورٹی میں خود دیکھ رہا تھا۔ایک ورکر نے
مجھے آکر کہا۔باہر ایک لڑکی کھڑی ہے اور اس کا کہنا
ہے وہ بیوٹیشن کے ساتھ ہے وہ کچھ کام کی وجہ سے
لیت ہو گئی میں نے اس ورکر سے کہا چلو میں خود دیکھتا
ہوں جب میں نے پہلی بار مہک کو دیکھا تھا وہ بہت
گھبرائی ہوئی تھی۔اور سہمی ہوئی کھڑی تھی دور
کھڑے دو چار لوگ اسکی طرف دیکھ رہے تھے وہ ان
کی نظروں سے بچنے کے لیے خود میں سیمٹی جا رہی
تھی بار بار سر پر دوپٹہ ٹھیک کر رہی تھی۔جب میں
اس کے پاس گیا تھا لوگوں کی نظروں کا زاویہ بدل
گیا تھا۔پھر اس نے مجھے اپنے لیٹ ہونے کی وجہ بتائی
اور میرے ساتھ چلتے ہوئے اندر تک آئی تھی۔پھر
مجھے تھیکس بولتے ہوئے دلہن سیشن میں چلی گئی
جہاں پر سب دہنے تیار ہو رہیں تھیں۔میں کچھ دیر
اسی جگہ کھڑا رہا پھر اپنے کام میں لگ گیا۔ہاں مگر آج
پہلی بار میرے ساتھ ایسا ہوا تھا میں نے کسی عورت
کے بارے میں رُک کر سوچا تھا ورنہ مجھے عورت نام
سے نفرت تھی۔دوسری بار میری مہک سے فون پر
بات ہوئی تھی کچھ پے منٹ کرنا باقی تھی۔اس سلسلے
میں میں نے بار لر کال کی تھی اتنا ضا کال مہک نے
رسیو کی تھی شاید اس میں خدا کی کوئی مرضی شامل
تھی جو دوسرے دن مہک ایک لڑکی کے ساتھ میرے
آفس میں موجود تھی نجانے میں اتنا خوش کیوں تھا
میری یہ خوشی میری آنکھوں سے بیاں ہو رہی تھی
جیسے مہک نے بخوبی سمجھ لیا تھا۔میری تیسری ملاقات
مہک سے ایک بس سینڈ پر ہوئی تھی اس بار بھی وہ اسی
کفیت میں کھڑی تھی لوگوں کی نظروں سے چھپتی ہوئی
جیسے ہی اسکی نظر مجھ پر پڑی وہ میرے پاس آکر کھڑی
ہو گئی تھی سلام دعا کے بعد اس نے اس سے کہا تھا
جب لوگوں کی نظروں سے اتنا گھبراتی ہو تو گھر سے
اکیلی کیوں نکلتی ہو۔جواب میں مہک نے کہا تھا میری
مجبوری ہے میں شوق سے نہیں اکیلی آتی جاتی۔

پھر اس نے بتایا تھا اس کا دنیا میں کوئی اور نہیں ہے۔

مہک کے منہ سے یہ الفاظ سن کر مجھے میرے برسوں پہلے کہے الفاظ یاد آ گئے تھے تو کیا مہک بھی میری طرح لیکن دوسرے ہی پل میں نے اس خیال کو جھٹلا دیا۔

ہماری دوستی کی شروعات ہو چکی تھی۔

مہک نے اپنی زندگی کا ہر سچ مجھے بتایا تھا میں بھی بے چین رہنے لگا جب تک اپنے دل کی ہر بات مہک سے شعر نہ کر لیتا دل کو سکون نہیں ملتا تھا۔ یہ دوستی کب پیار میں بدل گئی پتہ ہی نہ چلا تھا دوسری طرف مہک کا بھی یہی حال تھا جب مہک نے اپنے دل کا حال بتایا تو مین خوشی سے جھوم اٹھا تھا پھر ہم نے دنوں نے شادی کا فیصلہ کیا تھا۔ میں نے مہک کو سب کچھ سچ سچ بتایا تھا۔ لیکن ہیں بتایا تو یہ کہ میری ماں کون تھی میں کسی حال میں مہک کو یہ نہیں بتانا نہیں چاہتا تھا میری ماں ایک طوائف زردی تھی۔۔۔

آپ بھی تک سوئے نہیں مہک نے چپکے سے آ کر میرے کندھے پر سر رکھا تو میں خیالوں کی دنیا سے واپس لوٹ آیا۔ کہا آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں مہک نے بہت پیار سے پوچھا تھا۔ نہیں تو مہک میں کیوں تم سے کچھ چھپاؤں گا۔ لیکن مہک بولی ہماری شادی کو دو ماہ کا عرصہ ہو گیا ہے میں نے ان دو ماہ میں نوٹ کیا ہے آپ اکثر نیند میں بے چینی سے کروٹیں بدل رہے ہوتے ہیں۔ جیسے آپ کوئی بہت بھیانک خواب دیکھ رہے ہو۔۔۔ میں ایک دم گھبرا گیا کہی مہک کو میرے ماضی کے بارے میں پتہ تو نہیں چل گیا پھر مجھے یہ سوچ کر تسلی ہوئی مہک کیسے جان سکتی ہے۔ جبکہ میری زندگی کا یہ راز سوائے میرے کوئی اور نہیں جانتا۔ میں چاہ کر بھی مہک کو کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا کبھیف سوچتا بتا دوں پھر دوسرے ہی پل یہ سوچ کر دل دھل جاتا اگر مہک مجھے چھوڑ کر چلی گئی تو۔۔۔ میرے اندر کا بچہ مجھے نہ بتانے پر مجبور کر دیتا ۔۔۔ اس واقع کے دوسرے روز اچانک میری رات میں آنکھ کھلی میں نے دیکھا مہک بستر پر نہیں تھی مجھے باہر سے سرگوشیوں کی آواز سنائی دی میں نے دیکھا مہک کسی سے فون پر بات کر رہی ہے۔ مہک کہہ رہی

تھی کل میں آپ سے ملنے آ رہی ہوں۔ پہلے میں آپ
کے منع کرنے پر نہیں آئی لین اب میں رکنے والی
نہیں بھلے کچھ بھی ہو جائے اتنا کہہ کر مہک نے کال
کٹ کر دی تھی مہک کے کمرے میں آنے سے پہلے
میں آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ مہک بھی چپکے سے
آ کر لیٹ گئی میں نے محسوس کیا کل کے بعد سے مہک
ایک پل کے لیے سوئی نہیں تھی۔
دل چاہا مہک سے پوچھوں کیا بات ہے کون ہے وہ جس
کیلیے وہ اتنی بے چین ہے پھر سوچا نہیں کل وہ جب
جائے گی تو خود بتائے گی۔ دل میں خیال آیا مہک نے تو
کہا تھا اس کا دنیا میں کوئی اور نہیں ہے۔ نا ماں، نا باپ،
نہ بہن نہ بھائی تو پھر آج کس کے لیے وہ رات بھر نہیں
سوئی دل میں طرح طرح کے خیال آنے لگے نہیں
میری مہک ایسی نہیں ہے اس نے مجھ سے کچھ نہیں
چھپایا اپنی زندگی کا ہر راز بتایا ہے۔ کئی سوالوں میں
الجھے الجھے صبح ہو گئی اور پھر صبح سے دن ہو گیا میں
انتظار میں تھا مہک مجھے بتائے گی لیکن مہک نے مجھے
کہا اسے باہر جانا ہے کچھ ضروری کام ہے شام تک لوٹ
آؤں گی میں مہک پر شک نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن جب
میں نے مہک کے بار لر کال کی تو پتہ چلا مہک بار لر گئی
ہی نہیں مہک کسی اور سے ملنے گئی تھی وہ بھی مجھے
جھوٹ بول کر۔ آخر کس سے مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔
نا چاہتے ہوئے بھی میری سوچ کا دائرہ غلط طرف جا رہا
تھا جو میں ہرگز نہیں چاہتا تھا۔
گھر واپس آنے پر مہک نے بتایا یا اسے کچھ دن اور
بار لے جانا ہے۔ کچھ پرانے کسٹمر ہیں وہ صرف اسی
سے ٹریٹ منٹ چاہتے ہیں میں نے مہک کو جانے سے
نہیں روکا۔ مگر دل میں فیصلہ کیا کل کو مہک کے پیچھے
جاؤں گا اور دیکھوں گا وہ کس سے ملنے جاتی ہے
دوسرے دن میں نے مہک کا پیچھا کیا تھا۔ مہک نے
بازار سے تھوڑے پھل خریدے تھے اور کچھ میڈیسن
بھی مہک آٹوز سے اتر کر ایک گلی میں داخل ہو گئی گلی
بہت سنسان سی اور تنگ تھی گلی میں کوئی نہیں تھا جیسے
گھروں میں کوئی رہتا ہی نہ ہو۔
کچھ گھر چھوڑ کر مہک ایک گھر میں داخل ہو گئی۔ اسے
میری خوش قسمتی سمجھ لیں یا بد قسمتی مہک دروازہ کھلا

چھوڑ گئی تھی میں جب اندر داخل ہوا دیکھا سارے گھر میں اندھیرے ہے صرف ایک کمرے میں روشنی تھی میں روزنی کی سمت بڑھنے لگا روشنی کے پاس پہنچ کر کھڑکی کے پاس میرے قدم رُک گئے اندر سے مہک کے رونے کی آواز آرہی تھی۔

مہک کہہ رہی تھی میں نے آپکے کہنے آج تک کسی کو نہیں بتایا میرا ابھی اس دنیا میں کوئی ہے یہاں تک کہ اپنے شوہر کو بھی نہیں اسے بھی میں نے آپکے کہنے پر یہی کہا میں لاوارث ہوں ایک ماں کے ہوتے ہوئے میری آج تک بنا ماں کی جی رہی ہوں لیکن بہت ہو گیا اب میں کسی سے نہیں ڈروں گی۔ بھلے دنیا مجھے کچھ بھی کہے میں ایک طوائف کی بیٹی ہوں مجھے کوئی پرواہ نہیں آپ میری ماں ہو میں بس اتنا جانتی ہوں۔

مہک بول رہی تھی اور مجھے پیروں تلے زمین نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔ نہیں مہک تمہیں میری قسم ہے تم کسی کو نہیں بتاؤ گی کہ میں تمہاری ماں ہوں۔ کمرے سے آنے والی دوسری آواز مجھے کچھ جانی پہچانی سی لگی کان لگا کر سنا تو دوسری عورت کہہ رہی تھی۔

مہک تم کسی کو نہیں بتاؤ گی میں تمہاری ماں ہوں ایک ایسی بدنصیب ماں جسکی ناپاک کی وجہ سے اس کا بیٹا اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نہیں چاہتی لوگ تمہیں بھی طعنے دیں اور تم بھی مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ۔

مہک آج میں تمہیں تمہارے سب سوالوں کے جواب دیتی ہوں جو تم بچپن سے پوچھتی آرہی ہوں ہاں مہک میرے ان آنسوؤں کی وجہ کوئی اور نہیں میرا بیٹا ایک دن میں گھر لوٹی وہ گھر پر نہیں تھا وہ یہ برداشت نہیں کر پایا مسافر کی طرح دروازے کی دہلیز پر گرنے والا تھا جن ہاتھوں نے بسم اللہ کہہ کر مجھے گرنے سے بچایا تھا وہ ہاتھ کسی اور کے نہیں میری ماں کے تھے۔۔۔ میری سماعتوں سے پہلی آواز ٹکرائی تھی بیٹا سنبھل کے۔۔۔ اور دوسری آواز میری بیوی کی تھی۔

وہ کہہ رہی تھی آپ آپ یہاں کیسے۔۔۔

اس کے بعد مجھے ہر آواز سنائی دینا بند ہو گئی سنائی دے رہی تھی تو بس ایک آواز اور وہ تھی میرے ضمیر کی جو کہہ رہا تھا۔

میری ماں ناپاک نہیں ہے۔ نہ کبھی۔۔۔ ناپاک تھی۔
میں رو رہا تھا اور میرے ساتھ میری کل جنت۔
کوئی اسے کہے وہ ایک طوائف کا بیٹا ہے اگر وہ میرے
پاس ہوتا تو مُن اسے سب سچ بتاتی۔ مہک میں ایک
طوائف ضرور تھی۔ میں نے ایک کوٹھے پر ہی جنم لیا
تھا لیکن میرا پیٹا نا جائز نہیں تھا میں نے اس کے باپ
سے چھپ کر نکاح کیا تھا ہر وقت آنے پر اس کے
باپ نے مجھے یہ کہہ کر دھکا دیا اس کے سماج میں ایک
طوائف کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے اس سے بہت بڑی
غلطی ہو گئی مجھ سے نکاح کر کے۔۔۔
میں نے یہ بات سب سے چھپائی تھی کسی کو کیا بتاتی
لیکن جب ہمارے کوٹے پر سکو پتہ چلا تھا میں ماں بننے
والی ہوں تو سب نے مجھے برا کہنے کی بجائے خوشی
منائی۔ سب خوش تھے ان کے کوٹھے پر ایک اور لڑکی
کا آضافہ ہونے والا ہے۔ سب لڑکی ہونے کی دعائیں
مانگنے لگے لیکن مہک میں روز خدا کے سامنے گڑ گڑا کر
دعا مانگتی کہ اے خدا تو مجھے بیٹی نہیں دینا میں اپنی اولاد
کو طوائف بنتے نہیں دیکھ سکتی تھی میری ماں تو مجھے
پیدا کر کے مر گئی لیکن میں ایسا نہیں چاہتی تھی۔ اور
پھر خدا نے میری دعائیں سن لیں اور مجھے بیٹا دے
دیا۔
میں دل ہی دل میں بہت خوش تھی لیکن کوٹھے پر سب
مجھے نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے کیونکہ بیٹے کی
پیدائش کے بعد میری لاپرواہی کی وجہ سے میرا جسم نا
چنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس لئے میں نے ناچنا چھوڑ
دیا تھا پھر میں نے فیصلہ کیا میں اب کوٹھے پر نہیں
رہوں گی میرے ایک چاہنے والے نے مجھے ایک
مکان کا گھرے دیا میں اپنے بیٹے کے ساتھ اُدھر رہنے
لگی لیکن پیٹ کی پیاس بجھانے کے لیے مجھے کوٹھے پر
جانا پڑتا کبھی کبھار میرا کوئی پرستا آجاتا اور مجھے
تھوڑے پیسے مل جاتے یونہی کئی سال گزر گئے میرا
بیٹا دس سال کا ہو گیا تھا سب کچھ سمجھنے لگا تھا مجھ سے
بہت سوال کرتا میں ہر بار اسے ڈانٹتی تھی۔
مہک اپنی دنوں تیری ماں کو کوئی کوٹھے پر فروخت کر
گیا تھا کسی نے تمہاری ماں کے ساتھ بے وفائی کی تھی۔
کوٹھے کی مالکن نے صرف اس لئے تیری ماں کو خریدا

تھا۔ کیونکہ وہ ماں بننے والی تھی۔ کوٹھے کی مالکن نے
تمام چیک اپ کے بعد تیری ماں کو خرید اتھا۔ وہ جان
گئی تھی تیری ماں کے پیٹ میں لڑکی ہے۔
تمہاری ماں ایک اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی
میں نے اسے بہت سمجھایا تھا وہ اپنے گھر لوٹ جائے
لیکن وہ نہیں مانی اور مجھ سے وعدہ لیا اگر اسے کچھ ہو گیا
تو میں تمہارا خیلار کھوں تمہیں اس دلدل سے بچالوں
میں نے تمہاری ماں کو کچھ بھی ایسا ویسا کرنے سے منع
کیا تھا وہ میری بات مان گئی تھی لیکن وہ چاہتی تھی
تیرے پیدا ہونے کے بعد میں تمہیں لے کر کہی
غائب ہو جاؤں اسی لئے میں نے ایک آدمی کو راز میں
لے کر یہ گھر بھی دیکھ لیا تھا جہاں مجھے چھپ کر رہنا
تھا۔ تیری پیدائش سے دو دن پہلے میں گھر لوٹی تو میرا
بیٹا گھر پر نہیں تھا میں نے ہر جگہ تلاش کیا گلی کے سب
بچوں سے پوچھا لیکن وہ کہی نہیں ملا تھا سب کہنے لگے
ایک بیٹا کب تک یہ برداشت کرتا کہ وہ ایک طوائف
کا بیٹا ہے۔
اسی لئے وہ گھر چھوڑ کر بھاگ گیا میں کیسے بتاتی سکو میں
جیسی بھی ہوں ایک ماں ہوں وہ میرے جگہ کا ٹکڑا تھا
میری جان تھا میرا سب کچھ تھا لیکن اُس ظالم سماج نے
اسے مجھ سے چھین لیا تھا لیکن دنیا والے کب یہ سمجھتے
ہیں ان کے نزدیک ایک طوائف کا کوئی وجود نہیں
ہوتا۔ پھر بھلے وہ ایک بہن ہو بیٹی ہو یا پھر ای ماں
ہو۔۔۔
تیری پیدائش پر کوٹھے پر بہت سا ناچ گانا ہوا سب
تمہیں ہاتھوں ہاتھ لے رہے تھے کوئی کہہ رہا تھا تو بڑی
ہو کر کمال کی ناچنے والی بنے گی کوئی کہہ رہا تھا۔ تمہاری
آنکھیں کتنی پیاری ہیں ان کی ادائیں ہر مرد کا دل جیت
لیا کریں گی۔ لیکن ان سب کے درمیاں کوئی تھا جو میر
ی طرف بہت امید کے ساتھ دیکھ رہا تھا وہ تمہاری ماں
تھی پھر دوسرے دن رات کے اندھیرے میں تیری
ماں نے تمہیں میرے حوالے کرتے ہوئے کہا تھا
میری مہک کو اس ظالم دنیا سے بچالینا آپی میں اپنی
غلطی کی سزا اس معصوم کو نہیں دینا چاہتی میں نے تو
تمہاری ماں کو بھی ساتھ آنے کا کہا تھا لیکن وہ نہیں مانی
تھی۔ بولی میں نے گھر سے بھاگ کر اپنی ماں کا دل

دکھایا اب میں اپنی مہک سے دور رہ کر اپنی غلطی کا ازلہ کروں گی۔۔۔اس دن کے بعد تمہاری ماں کے ساتھ کیا سلوک ہوا ہو گا خدا جانتا ہے میں صرف اتنا جانتی ہوں اس دن کے بعد میں کبھی اس طرف پلٹ کر نہیں گئی اور یہاں اس گھر میں آ کر رہنے لگی یہاں مجھے کوئی نہیں پہچانتا تھا۔ اندر سے آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔ سوائے سیسکیوں کی آوازوں کے میرے اندر کچھ ٹوٹا تھا بہت زور سے۔۔۔کہا نہیں معلوم؟ میں ایک لٹے مسافر کی طرح دروازے کی دہلیز پر گرنے والا تھا جن ہاتھوں نے بسم اللہ کہہ کر مجھے گرنے سے بچایا تھا وہ ہاتھ کسی اور کے نہیں میری ماں کے تھے میری سماعتوں سے پہلی آواز ٹکرائی تھی۔ بیٹا سنبھل کے۔۔۔

اور دوسری آواز میری بیوی کی تھی وہ کہہ رہی تھی۔

آپ؟ آپ یہاں کیسے؟

اس کے بعد مجھے ہر آواز سنائی دینا بند ہو گئی سنائی دے رہی تھی تو صرف ایک آواز اور وہ تھی میرے ضمیر کی جو کہہ رہا تھا۔
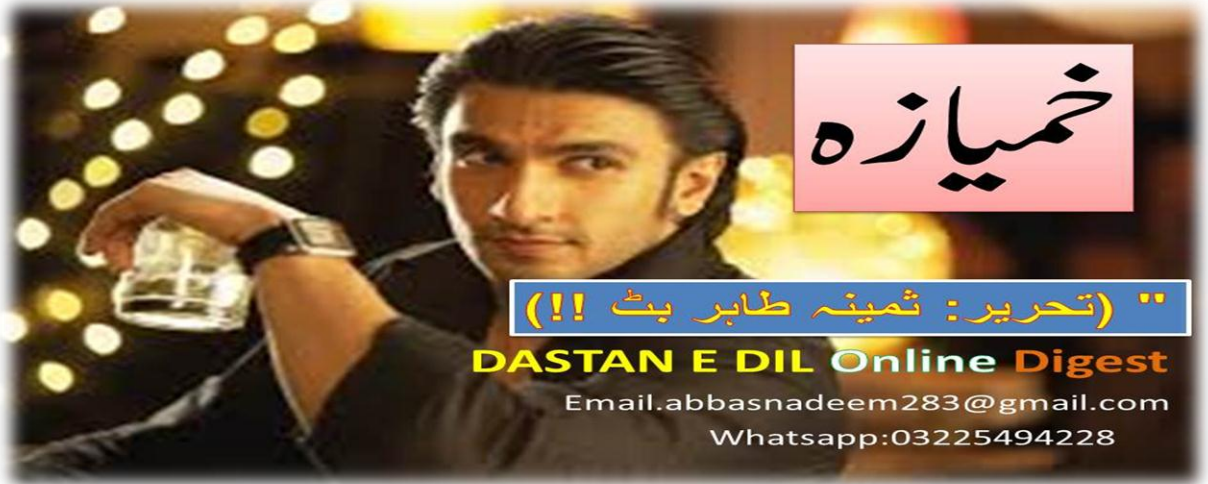
میری ماں ناپاک نہیں ہے اور کبھی ناپاک تھی۔۔۔

میں رو رہا تھا اور میرے ساتھ میری جنت بھی رو رہی تھی۔۔۔

آوائل جون کی تپتی دوپہر تھی۔ گرمی کا وہ عالم، چیل بھی انڈہ چھوڑ کر بھاگ جائے۔ سڑکیں سنسان اور گلیاں جیسے ایکدم ویران ہو گئی تھیں۔ انسان تو انسان۔۔ چرند پرند بھی اس جلتے بلتے موسم کی سختی اور دھوپ کی تپش سے بچنے کے لیے کونوں کھدروں میں پناہ لے چکے تھے۔ ایسے میں بڑے سے بڑا جگرے والا بھی قبرستان کے نام پر ہی ہول اٹھتا ہو گا۔۔ مگر بچپن تو پھر بچپن ہی ہے۔۔ اسے نہ کسی کا ڈر۔۔ نہ کسی کا خوف۔۔ نہ آنے والے وقت کا خیال۔۔ اور نہ ہی گذرتے وقت کی پرواہ۔۔ اس تپتی، سلگتی دوپہر میں شہر کے سب سے پرانے اور بڑے قبرستان میں ایک طرف الگ تھلگ سے بنے احاطے میں چند بچے چھپن چھپائی کھلنے میں مشغول تھے۔ یہ احاطہ قبرستان سے ذراہٹ کے بنا ہوا تھا۔ بیشمار گھنے درختوں کے جھنڈوں کی وجہ سے یہاں قدرے سکون تھا۔ اس گرم ترین موسم میں بھی یہاں اچھی خاصی ٹھنڈک کا احساس ہو رہا تھا۔۔ اور اسی وجہ سے وہ بچے ہر طرف سے بینیاز ہو کر اپنے کھیل میں مگن نظر آرہے تھے۔ وہ قریبی محلے کے رہائیشی شبیر صاحب کے خاندان کے بچے تھے۔ شبیر صاحب کی اکلوتی چھوٹی بہن لاہور بیاہی ہوئی تھی۔ بچوں کو جیسے ہی گرمیوں کی چھٹیاں ہوتیں، یا تو وہ بچوں کیساتھ اپنے دونوں بھائیوں کی طرف فیصل آباد چلی آتیں۔ یا پھر انکے بھتیجے۔ بھتیجیاں ان سے ملنے لاہور چلے جاتے۔ شبیر صاحب، اور پھر سب ملکر خوب دھما چوکڑی مچاتے۔ اور یہ ان سبکا برسوں پرانا معمول تھا۔ اس بار بھی ناھید بچوں کیساتھ چھٹیاں گذارنے آئی ہوئی تھیں۔ اور اس

وقت وہ سب بچے ماؤں سے نظر بچا کر کھلنے کو دنے کو قبرستان آن دھمکے تھے۔۔"شاہ میر۔۔شاہ میر۔۔!!باہر آجاؤ یار۔۔ہم ہار گیئے، تم جیت گئیے۔۔بس اب فوراً باہر آجاؤ۔!!" عرفان اپنے پھپھوزاد شاہ میر کو ڈھونڈنے کی ہر کوشش میں ناکام ہونے کے بعد باآواز بلند اپنی شکست کا اقرار کرتے ہوئے پکارا تھا، تاکہ وہ جہاں کہیں بھی ہو، جیت جانے کی خوشی اسے باہر کھینچ لائے۔۔مگر اسکے تمام کزنز سمیت اسکی یہ کوشش بھی ناکام ثابت ہوئی تھی کیونکہ شاہ میر کہیں سے بھی آتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔۔"دیکھا۔۔۔میں نے تم لوگوں کو پہلے ہی منع کیا تھاناں کہ اس بھری دوپہر میں اس سنسان، ویران جگہ پر کھلینے کا پروگرام مت بناؤ۔۔مگر تم لوگوں نے میری ایک نہیں سنی۔۔اب دیکھاناں، ہو گیاناں شاہ میر گم۔۔اب ہم پھپھو کو کیا جواب دیں گے۔۔ہائے۔۔میری تو کبھی کوئی سنتا ہی نہیں۔۔اور امی۔۔ابو۔۔ تایا ابو۔۔ہائے میرے اللہ۔۔۔امی تو میرا قیمہ بنادیں گی۔۔اب میں کیا کروں۔۔۔یہ سب سے بڑا ہونا بھی نرا عذاب ہی ہے۔اب ان سب کے سوالوں کے جواب بھی مجھے ہی دینے پڑی گے اور سب سے زیادہ مار بھی مجھے ہی کھانی پڑے گی۔۔میرے اللہ۔۔شاہ میر کو واپس بھیج دے۔۔ورنہ میرے خیر نہیں۔!!" شاہ میر کی گمشدگی نے سب سے زیادہ ربیعہ کے ہاتھ پیر پھلائے تھے۔وہ ان سب کزنز میں سب سے بڑی تھی۔۔اور جتنی بڑی تھی، اتنی ہی دبو اور شرمیلی بھی تھی۔ماں کو سب سے زیادہ رعب بھی اس پر ہی تھا اور اسکے ساتھ ساتھ چھوٹے بہن بھائیوں کی بہت سی ذمہ داریاں بھی اسی کے سر تھیں۔۔اسکے چھوٹے بہن بھائی اسے سے بہت مختلف اور شرارتی تھے۔ربیعہ بیچاری اکثر اب سب کی شرارتوں کی بھینٹ چڑھ جاتی اور پھر نتیجاًماں کی صلواتیں کو دھموکے اسکا مقدر بنے رہتے تھے۔یہی وجہ تھی شاہ میر کے اچانک غائب ہو جانے پر وہ سب سے زیادہ حواس باختہ ہو رہی تھی۔۔"عرفان۔۔ہارون۔۔خدا کے واسطے ڈھونڈو کہیں سے شاہ میر کو۔۔اگر وہ نہ ملا تو ماموں، مامی جان تو بعد میں کوئی ایکشن لیں گے۔۔امی تو یہ خبر سنتے ہی بیہوش ہو جائیں گی۔۔اور پھر ابو۔۔۔ابو ہمیں کبھی بھی فیصل آباد نہیں آنے دیں گے۔۔اوہ خدایا۔۔ہ کیا کریں اب۔۔ارے۔۔کچھ تو کرو تم لوگ۔۔اب ایسے کیوں کھڑے ہو گئے ہو بت بنکر۔۔!!" ربیعہ کا واویلا ابھی ختم نہیں

ہوا تھا کہ ماہ رخ دہایاں دینے لگی۔ اسکا حال بھی کچھ ربیعہ جیسا ہی تھا۔۔ بڑی بہن ہونے کے ناطے شاہ میر جیسے چلبلے بھائی کی ذمہ داری خود بخود ہی اسکے ناتواں شانوں پر آن پڑی تھی۔ اور اسی لیئے زیادہ پوچھ گچھ بھی اسی سے ہوتی تھی۔

۔"ارے بچو۔۔!! آج پھر تم لوگ آ گئیے ادھر شور مچانے کے لیئے۔۔؟؟ منع کیا تھا ناں تم لوگوں کو کہ ادھر مت آنا۔ ۔لیکن تم لوگ بھی ناں۔۔۔ باز نہیں آتے شرارتیں کرنے سے۔۔ لگتا ہوں میں تم لوگوں کی شکائیت بڑے میر صاحب سے۔۔ اب وہ ہی تم لوگوں کو ٹھیک کریں گے۔۔ میری تو ایک نہیں سنتے ہو تم لوگ۔" قبرستان کے پرانے رکھوالے منگو بابا نے انہیں پریشان حال ادھر سے ادھر دوڑتے دیکھا تو انکی گوشمالی کرنے انکے سر پر جا پہنچے اور بغیر کچھ دیکھے انہیں ڈانٹنے لگے۔۔ اسی اثنا میں انکی نظر روتی ہوئی ربیعہ اور ماہ رخ پر پڑی تو وہ چونک گئے۔۔ "ارے بیٹا۔۔۔ تم دونوں روکیوں رہی ہو۔۔؟؟ کیا ہوا۔۔؟؟ کہیں چوٹ ووٹ تو نہیں لگوا لی تم نے۔۔!!" منگو بابا ربیعہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے تشویش بھرے انداز سے پوچھا تو وہ اور زیادہ شدت سے رونے لگی۔۔ "نہیں بابا۔۔!! چوٹ تو نہیں لگی ابھی۔۔ لیکن لگیں گی ضرور۔۔ اور وہ بھی بہت زیادہ۔۔ ظاہر ہے جب ہم لوگ شاہ میر کے بغیر گھر واپس جائیں گے تو امی اور مامیوں کے سوالوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔۔ اور جب ہمارے پاس کوئی جواب ہی نہیں ہو گا تو پھر ہمیں انکی ڈانٹ بھی کھانی پڑی گی اور مار بھی۔۔ تو پھر طوٹیں تو بہت آئیں گی ناں۔!!" ربیعہ کی جگہ ماہ رخ نے بسورتے ہوئے معصومیت سے منگو بابا کو جواب دیا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگے۔۔ "کیا مطلب۔۔؟؟ شاہ میر کہاں گیا۔۔؟؟" بابا بے پریشانی سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ان سے استفسار کیا تو سب کے سر جھک گئے۔۔ "بابا۔۔ شاہ میر گم ہو گیا ہے۔ ہم نے اسے ہر جگہ دیکھ لیا۔۔ مگر اسکا کوئی اتا پتا ہی نہیں مل رہا۔۔ ہمیں بہت ڈر لگ رہا ہے بابا۔۔ اگر وہ نہ ملا تو۔۔۔؟؟؟" عرفان نے فکر اور پریشانی سے کہا تو ربیعہ اور ماہ رخ کے رونے کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ بابا ساری صورتِ حال جان کر بہر پریشان ہو گئے۔ انہوں نے سب بچوں کو ساتھ لیا اور ایکبار پھر شاہ میر کی تلاش میں قبرستان میں بھاگ ڈور شروع کر دی۔۔ وہ سب دو دو کی ٹولیوں میں بٹ گئیے اور یہاں وہاں شاہ یر کو آوازیں دیتے، گھومنے لگے۔

انہیں اس طرح بھاگتے دوڑتے کافی دیر ہو چکی تھی۔۔اور جیسے جیسے وقت گذر تا جا رہا تھا، انکی پریشانی میں اضافہ ہو تا جا رہا تھا۔شاہ میر کے نہ ملنے کی پریشانی کے ساتھ ساتھ اب انہیں اپنی اپنی ماؤں کے جاگ جانے کا خوف بھی ستانے لگا ۔منگو بابا کی فکر اور پریشانی کا عالم ہی جدا تھا۔انہیں کسی انہونی کے ہونے کا احساس شدت سے ستا رہا تھا۔۔مگر وہ کچھ بھی کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔۔اسلئے میر و کے بخیر و عافیت مل جانے کی دعائیں کرتے اسے تلاش کر رہے رتھے۔کافی دیر کی دوڑ دھوپ کے بعد آخر کار انہیں شاہ میر مل ہی گیا۔وہ احاطے کے باہر، کافی دور درختوں کے جھنڈ کے پاس گھٹنوں میں سر دیئے چپ چاپ بیٹھا نظر آ رہا تھا۔اسے اس طرح اچانک اپنے سامنے دیکھ کر وہ سب اتنے خوش ہوئے کہ اس سے یوں پراسرار انداز میں غائیب ہو جانے اور پھر آپوں آپ ہی مل جانے کے بارے میں اس سے کچھ پوچھنا انہیں یاد ہی نہیں رہا۔۔مگر منگو بابا اسے اس طرح۔۔اور اس جگہ دیکھ کر حد سے زیادہ پریشان نظر آنے لگے تھے۔۔"شاہ میر پُتر۔۔!!تم یہاں کیسے آ گئے۔۔؟؟ابھی تو ہم یہاں سے ہو کر گئے ہیں۔۔تم کہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے۔اور اب اس طرح۔۔اچانک۔۔کہاں تھے تم بیٹا۔۔تمہیں ہماری آوازیں بھی سنائی نہیں دے رہی تھیں کیا۔۔؟؟"منگو بابا نے شاہ میر کا بازو پکڑ کر اسے اٹھاتے ہوئے حیرت اور پریشانی سے پوچھا تو وہ سر اٹھا کر انہیں عجیب خالی خالی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔اسکی آنکھیں غیر معمولی سرخ ہو رہی تھیں۔اور چہرہ بھی لال بھبھو کا ہو رہا تھا۔بال اور کپڑے اس طرح بھیگے ہوئے تھے جیسے ابھی ابھی کپڑوں سمیت نہا کر آیا ہو۔منگو بابا اسکی حالت دیکھ کر چونک گئیے۔انکے ماتھے پر تفکر کی لکیریں ابھر آئیں۔وہ پریشانی کے عالم میں بار بار احاطے کی طرف دیکھتے اور پھر میر و کو دیکھ کر تاسف سے سر جھٹکتے۔سب بچے شاہ میر کے مل جانے کی خوشی سے پھولے سما رہے تھے اس لیے اسکی ظاہری حالت کی تبدیلی کا کسی نے نوٹس بھی نہیں لیا، اور اسے ساتھ لئیے خوشی خوشی اچھلتے کودتے گھر واپسی کی راہ لی۔

۔"ربیعہ پُتر۔۔!!مجھے کچھ اچھے آثار نظر نہیں آ رہے۔۔میں اسی لئیے تم لوگوں کو منع کرتا تھا کہ بھری دوپہروں میں یہاں مت آیا کرو۔۔مگر تم لوگ بھی ناں۔۔اللہ خیر ہی کرے۔۔اب جانے کیا ہونے والا ہے۔۔مجھے شاہ میر پُتر کی

بہت فکر ہو رہی ہے۔ میں بڑے میر صاحب سے بات کرتا ہوں۔۔ مجھے خطرے کی بو آ رہی ہے بیٹا۔۔ اللہ تم سب کو اپنی امان میں رکھے۔۔ اب تم لوگ اپنے گھر جاؤ۔۔ اور آئندہ ادھر مت آنا۔۔ سمجھی۔!!" شاہ میر کی خالی خالی اجنبی نگاہیں دیکھ کر بابا نے اپنی پریشانی کا اظہار ربیعہ سے کچھ اس طرح کیا کہ وہ بھی پریشان ہو گئی۔ بابا کی باتوں نے اس کے دل میں خوف سا بھر دیا تھا۔ وہ سب کو ڈانٹتی ڈپٹتی واپس گھر لے گئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جلد ہی منگو بابا کے خوف نے پوری میر فیملی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ شام تک شاہ میر سخت بخار میں مبتلا ہو چکا تھا۔ اسکا جسم ایسے جل رہا تھا جیسے بھٹی۔ سارے گھر والے اسکی حالت دیکھ کر پریشان ہو چکے تھے، اور اسے پریشانی میں شبیر میر صاحب نے لاہور فون کر کے رضا میر صاحب کو بھی مطلع کر دیا۔ رضا میر کو اپنے دونوں بچوں سے شدید قسم کی محبت تھی۔ انہیں جیسے ہی میرو کی خرابیِ صحت کی اطلاع ملی، وہ فوراً بھاگے چلے آئے۔ انہوں نے جب بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو انکا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔ انہوں نے اسی وقت شاہ میر کو گاڑی میں ڈالا اور واپس لاہور بھاگے۔ پھر شہر کے سب سے بڑے ہسپتال میں شاہ میر کو ایڈمٹ کروا دیا گیا۔۔ مگر مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوا کی۔۔ کے مصداق ہر کوشش رائیگاں جاتی دکھائی دے رہی تھی۔ میرو کی حالت کسی طرح بھی سنبھلنے میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ چپ چاپ گم صم سا بیٹھا خلاؤں میں جانے کیا ڈھونڈ تا رہتا تھا۔۔ لیکن جب اسے دورہ پڑتا، تو وہ کسی کے قابو میں آتا تھا۔ چلا چلا کر سارا ہاسپٹل سر پر اٹھا لیتا۔ نہ ڈاکٹرز کے قابو آتا اور نہ ہی پیرا میڈیکل اسٹاف اسے سنبھال پاتے۔ اس گیارہ سالہ لڑکے کے وجود میں جیسے چالیس آدمیوں کی طاقت بھر جاتی۔۔ نہ اس پر کوئی دوائی اثر کر رہی تھی اور نہ ہی کسی انجیکشن کا کوئی ری ایکشن ہو پا رہا تھا۔ اسکے گھر والوں کے ساتھ ساتھ ہاسپٹل کا عملہ بھی اسکی حالت دیکھ دیکھ کر حد سے زیادہ پریشان ہو چکا تھا۔ مگر کسی کی سمجھ میں نہ اسکی بیماری آ رہی تھی اور نہ ہی کو یہ علاج سجھائی دے رہا تھا۔ ڈاکٹرز کے بورڈ روز اسکا تفصیلی معائنہ کرتے، مختلف ٹیسٹ اور دوائیں تجوز کرتے۔۔ مگر سب بے سود۔۔ میرو کو جب فِٹس پڑتے تو پھر جب تک وہ نڈھال اور بیدم ہو کر خود ہی بیہوش نہ ہو جاتا، کوئی اسے قابو نہ کر

سکتا تھا۔ رضا میر اپنے اکلوتے لاڈلے بیٹے کی یہ حالت دیکھ دیکھ کر آٹھ آٹھ آنسو روتے تھے۔ ناھید اور ماہ رخ کا بھی پریشانی اور فکر کے مارے برا حال ہو چکا تھا۔ ان سب کی زندگیوں کا رخ ایکدم تبدیل ہو کر رہ گیا تھا۔ شاہ میر سب کی آنکھ کا تارہ تھا۔ سب کا بے حد لاڈلا اور چلبلا سا لڑکا، جو نہ صرف انکے لیئے بلکہ پورے میر خاندان کے لیئے خاص مقام رکھتا تھا۔ وہ پورے خاندان کی رونق اور جان تھا۔ اور اب اسکی یہ ردی حالت دیکھ دیکھ کو وہ سب ہی بے جان ہوئے جا رہے تھے۔۔ "رضا میر صاحب۔۔!! ہم سے جو کچھ بھی ہو سکتا تھا ہم کر چکے۔ اب اس سے آگے ہماری ڈاکٹری، ہماری سائینس۔۔ سب بے بس ہو چکی ہیں۔۔ آپ شاہ میر بیٹے کو گھر لے جائیں۔ اس کے لیئے دعا کریں کہ دعا میں بڑی طاقت ہے۔ ہم بھی آپکے بیٹے کے لیئے دعا گو ہیں کہ وہ جلد صحت یاب ہو جائے۔۔ مگر ہم اب اس سے زیادہ آپکی مدد نہیں کر سکتے۔!!" پندرہ دن تک ہر طرح کو ناکام کوششیں کرنے کے بعد ڈاکٹرز کے بورڈ نے ایک طرح سے انہیں جواب دے دیا تھا۔۔ اور اس خبر نے تو میر فیملی کے صحیح معنوں میں ہوش اڑا دیئے تھاے۔ ناھید اور ماہ رخ کے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ اور رضا میر کو تو ایسے لگتا تھا کہ جیسے انکی کمر ہی ٹوٹ گئی ہو۔ خاندان کے چھوٹے بڑے سب میرو کے لیئے جہاں دل سے دعا گو تھے۔ اور وہیں انہیں تسلی دلاسے بھی دیتے تھے۔۔ مگر میرو کی حالت دیکھ دیکھ کر وہ تینوں دن بدن بجھتے جا رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ "اللہ۔۔۔ اللہ۔۔۔۔ مجھے معاف کر دے اللہ۔۔۔ یا اللہ۔۔ غلطی ہو گئی مجھ سے۔۔ معافی۔۔۔ معافی۔۔ اللہ معافی۔!!"۔ شاہ میر کی چیخوں سے سارا گھر گونج رہا تھا۔ دو ماہ سے اوپر ہو چکے تھے، ہر طرح کا علاج کروایا جا چکا تھا۔۔ دم درود۔۔ جھاڑ پھونک۔۔ تعویذ دھاگے۔۔ مگر سب بے سود۔۔ کچھ بھی کام نہیں آ رہا تھا۔ شاہ میر کی حالت دن بدن بگڑتی جا رہی تھی۔ اسکی یہ حالت دیکھ دیکھ کر سب کانوں کو ہاتھ لگاتے تھے۔ اور تو اور ماہ رخ سمیت خاندان کے سارے بچے اپنی چوکڑیاں بھول چکے تھے۔ شاہ میر کے جنون اور دیوانگی نے ان سے جیسے انکی ساری شوخیاں۔۔ ساری شرارتیں ہی چھین لی تھیں۔ میر فیملی میں ہر طرف ڈر اور خوف کا راج سا ہو چکا تھا۔۔ اس وقت بھی رضا میر صاحب جمعہ کے نماز ادا

کر کے مسجد سے آئے تھے اور بے حد مایوسی کے عالم میں سر جھکائے بے سدھ لیٹے شاہ میر کے سرہانے بیٹھے تھے۔

اسکے دوسری طرف ناھید بیٹھی تلاوت کر رہی تھیں، اور اسی کمرے کے ایک کونے میں ماہ رخ جائے نماز بچھائے، رو رو کر اللہ سے اپنے چھوٹے بھائی کی زندگی، تندرستی اور سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھی۔۔ "بھائی جان۔۔!! کھانا یہیں لے آؤں یا ڈائننگ ٹیبل پر لگا دوں۔۔؟؟" انکی پرانی خاندانی ملازمہ جمیلہ، (جنہیں بچے خالہ بی کہتے تھے)۔ نے اندر آ کر رضا میر صاحب سے پوچھا تو انہوں نے نفی میں سر ہلا کر منع کر دیا۔ "لیکن۔۔ بھائی جان۔۔!! باجی نے بھی صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ اور ماہ رخ بیچاری تو۔۔۔۔!!!!"۔ "اللہ۔۔۔ اللہ۔۔۔ معافی۔۔ اللہ معاف کر دے۔۔ اللہ۔۔ اللہ۔۔!!" ابھی خالہ بی کا جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ شاہ میر کی حالت بگڑنے لگی۔ وہ دونوں ہاتھ جوڑے کمرے میں جابجا لگے قرانی آیات کے قطعوں اور خطاطی کی اعلیٰ پینٹنگز کے سامنے جھکتا چلا جا رہا تھا۔۔ جیسے جیسے اسی گریہ وزاری میں اضافہ ہو رہا تھا ویسے ویسے اسکی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اسکے خلق سے کربناک چیخیں برامد ہونے لگیں۔ اسکا جسم بستر سے دو دو فٹ اچھل رہا تھا۔ رضا میر اور ناھید کے ساتھ جمیلہ بھی اسے قابو کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔۔ مگر بے سود۔۔ وہ ان تینوں کے بس میں نہیں آ رہا تھا۔ اسکا شور اور ناھید۔ ماہ رخ کی چیخیں سنکر گھر کے دوسرے ملازمیں بھی بھاگے چلے آئے تھے۔ (یہ جمیلہ کے شوہر منور اور بیٹا انور تھے)۔ اب وہ دونوں بھی انکے ساتھ مل کر میرو کو قابو کرنے کی کوششیں کرنے لگے، مگر اس میں جانے اتنی طاقت کہاں سے آ گئی تھی کہ سب اسکے سامنے بے بس نظر آ رہے تھے۔ اسکی حالت نے ناھید اور ماہ رخ سمیت جمیلہ بی کی بھی چیخیں نکلوا دیں تھیں۔ وہ تینوں بری طرح سے روتے ہوئے میرو کو تڑپتا دیکھ رہی تھیں۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اسکا سر ایکدم پورے کا پورا گھوم گیا۔ اس طرح کہ اسکا چہرہ اسی پشت کی طرف چلا گیا اور بالوں سے بھری گدی سینے کی طرف آ گئی۔۔ ایسے۔۔ جیسے وہ کوئی انسان نہیں چابی والا کھلونا ہو۔ شاہ میر کی یہ گت دیکھ کر ناھید اور ماہ رخ کی دلدوز چیخیں نکلیں اور پھر وہ دونوں وہیں بیہوش ہو کر گر گئیں۔ جمیلہ بی کا بھی خوف کے مارے برا حال تھا۔ وہ تھر تھر کانپ رہی

تھیں، مگر جی کڑا کر کے خود کو سنبھالتی فوراً ناھید اور موہ رخ کی طرف لپکی تھیں۔ رضا میر، منور اور انور اس افتاد پر خوف اور دہشت کے ساتھ ساتھ عجیب طرح کی اذیت میں بھی مبتلا ہو چکے تھے۔ مگر پھر بھی خود کو کمپوز کرتے ہوئے مسلسل میر و کو سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔۔ "نہیں چھوڑوں گا۔۔ کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔۔ ایک ایک سے بدلہ لونگا۔۔ چن چن کر ماروں گا تم سب کو۔۔ کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔!!" گیارہ سالہ شاہ میر کے مُنہہ سے نکلنے والی آواز، ہر گز بھی گیارہ سالہ بچے کی تو نہیں تھی۔۔ "کون ہو تم۔۔؟؟ اور کیا بگاڑا ہے میرے بچے نے تمہارا۔۔؟؟ کیوں پیچھے پڑ گئے ہو اس معصوم کے۔۔؟؟ تمہیں اللہ کا واسطہ ہے جان چھوڑ دو ہماری۔۔ ارے۔۔ ہماری تو کسی انسان سے بھی کبھی کوئی دشمنی نہیں رہی تو پھر کسی دوسرے مخلوق سے دشمنی کیسے مول لے سکتے ہیں ہم بھلا۔۔؟؟۔" رضا میر سے تو پہلے ہی بیٹے کی حالت نہیں دیکھی جا رہی تھی، اس پر یہ نئی افتاد۔۔ انکے صبر کا پیمانہ جیسے لبریز ہی ہو گیا اس لیئے وہ ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے پھٹ سے پڑے تھے۔۔ "اب کیوں معافیاں مانگ رہے ہو۔۔؟؟ پہلے تو اپنے بچوں کو کھلی چھوٹ دیتے ہو۔۔ انہیں تمیز تہذیب سکھانے کی بجائے، الٹا لاڈ پیار میں اسقدر بگاڑ دیتے ہو کہ یہ چھوٹے بڑے کی تمیز ہی بھول جاتے ہیں۔ نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں۔ بے ادب، بد تمیز اور بیہودہ ہو جاتے ہیں۔۔ اور تم لوگ۔۔ تم لوگ انکی ایسی حرکتوں کو انکی معصوم شرارتیں سمجھ کر خوش ہوتے رہتے ہو۔۔ ارے واہ۔۔ کسی جان گئی اور آپکی ادا ٹھہری۔۔؟؟۔ بس۔۔ بہت کر لیا میں نے برداشت۔۔ مگر اب۔۔ اب اور نہیں۔ اب تو سزا ملے گی۔۔ اور مل کر ہی رہے گی۔۔ اس لڑکے کو تو میں نے نہیں چھوڑنا۔۔ اور اسکے بعد اب سب بچوں کی باری بھی آئے گی جو بھری دوپہروں میں سنسان قبرستانوں کو کھیل کا میدان سمجھ کر کدکڑے لگاتے پھرتے ہیں۔!!"۔"

بس۔۔ عبد الجلال بس۔۔!! بہت ہو گیا۔ ان بچوں کی غلطی سے زیادہ تم انہیں سزا دے چکے ہو۔ اب کیا جان لو گے ان معصوموں کی۔۔؟؟" اسی بھاری آوانز میں شاہ میر کے مُنہہ سے نکلنے والے ہولناک انکشافات نے رضا میر کی ریڑھ میں سنسناہٹ سی دوڑا دی تھی۔ ابھی وہ اس حملے سے سنبھلے بھی نہ تھے کہ دروازے کی جانب سے ابھرنے والے آواز

نے انکے ساتھ ساتھ سب کا رخ دروازے کی جانب موڑ دیا۔شاہ میر نے بھی چونک کر کھلے دروازے کی طرف دیکھا تھا۔شاہ میر کے دونوں ماموں، شبیر میر اور رشید میر دہلیز سے چند قدم آگے کھڑے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ان دونوں کے ساتھ ایک دراز قد جوان کھڑا تھا۔ جس نے آسمانی رنگ کا سادہ سا لباس پہن رکھا تھا۔ سر پر سفید عمامہ باندھا ہوا تھا اور اسکی سیاہ گھنی داڑھی اسکے نورانی چہرے پر سجی تھی۔اس نوجوان کے پورے وجود سے نور کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔۔ خصوصی طور پر اسکی روشن چمکدار آنکھیں۔۔ جن سے نکلنے والی روشنی کی لہر نے شاہ میر کو پریشان سا کر کے رکھ دیا تھا۔۔"اوہ۔۔ عبدالکریم۔۔!!تو آ ہی گئے تم پھر میرا راستہ کاٹنے کے لئے۔۔ منع کیا تھا ناں میں نے تمہیں کہ میرا پیچھا چھوڑ دو۔۔ میں کسی کو بھی معاف نہیں کرنے والا۔۔۔ نہیں۔۔ ہرگز نہیں۔۔!!۔"عبدا کریم کے سنجیدہ انداز سے کئے گئے سوال کے جوا میں۔شاہ میر کے مُنہ سے پھر وہی گھن گرج سے بھرپور بھاری آواز برامد ہوئی تھی۔اور پھر اسکے ساتھ ہی شاہ کی حالت پھر بگڑنے لگی۔اور بری طرح سے چیخ، چلا رہا تھا۔اپنی جگہ سے اچھل اچھل جا رہا تھا۔اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اسکی گردن ایکبار پھر پیچھے کو جا لگی۔اسکی حالت نے ایکبار پر سب کے رونگٹے کھڑے کر دئے تھے۔ناھید اور ماہ رخ جو چند لمحے پہلے ہی ہوش میں آئی تھیں ایکبار پھر چیخنے لگی تھیں۔۔"بھائی جان میرا بچہ۔۔۔ہائے میرا میرو۔۔ بھائی جان۔۔ میرے بچے کو بچا لیں۔۔ بھائی جان۔۔!!"ناھید تڑپ تڑپ کر روتی ہوئی بھائیوں کی سمت لپکی تھیں اور پھر اسی طرح روتے کرلاتے انکی بانہوں میں ہی جھول گئیں تھیں۔کچھ یہی حال ماہ رخ کا بھی تھا۔۔"محمد شبیر صاحب۔۔!!آپ ان بیبیوں کا باہر لے جائیں۔اور جب تک میں نہ کہوں انہیں اندر مت بلائیے گا۔۔اور ہاں۔ایک گلاس پانی کا منگوا دیں مجھے۔!!۔"عبدالکریم نامی نوجوان نے بیڈ کے پاس پڑی کرسی پر اطمیان سے بیٹھتے ہوئے کہا تو شاہ میر نے بے چینی سے پہلو بدلہ اور پھر بے حد غصے سے انہیں گھورنے لگا۔۔"عبدالکریم۔۔!!تم نے سنا نہیں۔۔؟؟میں نے کیا کہا ہے تم سے۔۔ جاؤ، چلے جاؤ اور انہیں انکے حال پر چھوڑ دو۔ میں اپنا بدلہ لئے بغیر یہاں سے نہیں جاؤنگا۔!!۔"عبدالجلال کی بھاری آواز ایکبار پھر شاہ میر کے خلق سے برامد ہوئی تھی۔ مگر عبدالکریم پر

اسکا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ اسی اطمینان سے بیٹھے اس پانی پر دم کر رہے تھے جو منور نے انہیں لا کر دیا تھا۔۔" عبد الجلال۔۔!!ضد چھوڑ دو۔ کیا ملے گا تمہیں ان سے بدلہ لے کر۔۔؟؟ یہ بچے تو نادان ہیں۔۔ مگر تم تو سمجھدار ہو ناں۔۔ جانتے ہو ناں اچھی طرح سے کہ انتقام اور بدلے کی راہ کس قدر خطرناک ہوتی ہے۔۔ مسلمان ہو ناں تم بھی۔۔ اللہ اور اسکی نبی آخر الزمان کے ماننے والے۔۔ تو پھر تم اپنے پیارے نبی ﷺ کا فرمان کیسے بھول سکتے ہو۔۔؟؟ بدلہ لینے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی معاف کر دینا سب سے اعلیٰ اور افضل عمل ہے۔۔ تو اب تم بھی انکی نادانی کو بھول کر انہیں معاف کر دو۔۔ اور لو۔۔ یہ پانی پی لو۔۔ اسکی برکت سے تمہارا غصہ بھی کم ہو جائے گا اور تمہیں فیصلہ کرنے میں بھی آسانی ہو گی۔!!"عبد الکریم نے دم کیا ہوا پانی شاہ میر کی طرف بڑھاتے ہوئے رسان سے کہا تو وہ بغیر پلک جھپکائے، اسی طرح غصے سے انہیں گھورتا چلا گیا۔۔"عبد الجلال۔۔۔ غصہ تھوک دو۔۔ اور میرا کہنا مان لو۔۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔" اسکی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر عبد الکریم نے پھر کہا تو وہ بھڑک سا گیا۔۔"نہیں۔۔ ہرگز نہیں۔۔ انکی غلطی اتنی بھی معمولی نہیں تھی کہ میں اسے نادانی سمجھ کر بھول جاؤں۔۔ سزا تو میں انہیں دے کر ہی رہوں گا تاکہ یہ لوگ کچھ تو سبق سیکھیں۔"عبد اجلال نے رضا میر اور انکے قریب کھڑے شبیر صاحب اور رشید میر کو بری طرح گھورتے ہوئے کہا تو وہ بے بسی اور تاسف کے عالم میں سر جھکا کر رہ گئے۔۔"تم ٹھیک کہہ رہے ہو عبد الجلال۔۔ مگر ایکبار میری بھی مان لو۔۔ کیونکہ یہ تو تم بھی جانتے ہو کہ ہم انسانوں کی طرح تمہاری بھی کچھ حدود مقرر ہیں۔ اگر تم ان سے تجاوز کرو گے تو بلاشبہ نافرمانوں میں شمار ہو گے۔۔ اور تم ایک اچھے اور نیک قبیلے سے تعلق رکھتے ہو۔ نیکوکاروں میں شمار ہوتا ہے تمہارا اور تمہارے بزرگوں کا۔۔ تو کیا تم چاہو گے کہ ایک معمولی سے غصے اور انتقام کی وجہ سے تم دھتکار دئے جاؤ۔۔ اور پھر تمہاری وجہ سے تمہارا قبیلہ بدنام ہو جائے۔۔؟؟ کیا تم ایسا پسند کرو گے عبد الجلال۔۔؟؟ بتاؤ مجھے۔۔ کیا یہ سب تمہیں اچھا لگے گا۔۔؟؟۔!!"۔"تم ٹھیک کہہ رہے ہو عبد اکریم۔۔!!میں واقعی نہیں چاہتا کہ میں اپنی حدود سے تجاوز کر کے نافرمان اور گستاخ بن جاؤں۔۔ اپنے غصے اور انتقام کی آگ میں

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

اپنے معزز قبیلے کا نام بدنام کر ڈالوں۔۔ مگر میں کیا کرتا۔۔؟؟ تم خود انصاف کرو عبد اکریم۔۔ میں نے کئی بار منع کیا تھا انہیں۔۔ منگو بابا کے ہاتھ کئی بار ان لوگوں کو پیغام بجھوائے کہ اپنے بچوں کو کنٹرول میں رکھیں۔۔ انکا خیال رکھیں۔ منگو بابا نے ان بڑوں کو متنبع کرنے کے ساتھ ساتھ اب بچوں کو بھی کئی بار منع کیا تھا کہ یہ لوگ قبرستان میں کھیلنے کا دنے مت آیا کریں۔۔ قبرستان کھیل کا میدان نہیں ہوتا۔۔ یہ تو جائے عبرت ہے، یہاں آکر تو سبکی مستیاں، سبکی شرارتیں دم توڑ دیتی ہیں۔۔ مگر یہ بچے۔۔ یہ شرارتی اور نافرمان بچے کسی کی سنتے ہی نہیں۔۔ بلکہ، میں تو کہاں گا کہ ان بچوں کے ساتھ ساتھ انکے والدین کا بھی برابر کا قصور ہے۔۔ خاص طور سے انکی مائیں۔۔ جو خود تو گرمیوں کی بھری دوپہروں میں پنکھے چلا کر، ٹھنڈے نیم تاریک کمرے بند کر کے سو جاتی ہیں۔ اور اپنے بچوں کو باہر نکال دیتی ہیں۔۔ آوارہ گردی کرنے اور لور لور پھرنے کے لیئے۔۔ اور ایسا کرتے ہوئے انہیں لمحہ بھر کو بھی خیال نہیں آتا کہ ان سے زیادہ حفاظت کی ضرورت ان معصوموں کو ہوتی ہے۔ یہ پھول سے کومل اور نازک بچے۔۔ ذرا سی بے توجہی اور بے احتیاطی سے جھلس کر رہ جاتے ہیں۔۔ مرجھا جاتے ہیں۔۔۔ مگر یہ عورتیں۔۔۔ ان بیوقوف عورتوں کو تو سوائے باتیں بھگارنے اور سونے سے ہی فرصت نہیں ملتی، تو یہ کیا رکھیں گی اب پھولوں اور کلیوں کا خیال۔۔ اسی لیئے یہ خود بھی نقصان اٹھاتی ہیں اور انکی لاپرواہی کی وجہ سے انکے بچے بھی ناگہانی مصیبتوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔۔ اب بھی یہی ہوا ہے۔۔ ہمارے بار بات منع کرنے کے باوجود جب یہ انسان اور انکے بچے باز نہیں آئے تو پھر مجوراً مجھے خود انکی گوشمالی کے لئے میدان میں اترنا پڑا۔!!" عبدالجلال کا غصہ کسی طرح کم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔ کمرے میں موجود سب افرد سر جھکائے مجرموں کی طرح کھڑے تھے۔ کمرے کی دہلیز کے باہر ناھید اور جمیلہ برستی آنکھوں سے شاہ میر کو دیکھ رہی تھیں جو غصے سے بوتا ہوا انہیں ہی گھور رہا تھا۔ شاہ میر کے مُنہہ سے ساری بات سنکر انکا سر بھی شرم سے جھک گیا تھا۔ "ٹھیک ہے عبد الجال۔۔۔ تم جو بھی کہہ رہے ہو بالکل ٹھیک ہے۔۔ مگر یہ بھی تو دیکھوناں کہ بچوں کو کوئی کتنا باندھ کرر کھ سکتا ہے۔ بچپن تو بچپن ہی ہے عبد الجلال۔۔ یہ تو ہوا کے جھونکے کی طرح ہوتا ہے۔۔ شرارت

اور مستی سے بھرپور۔۔اور پھر اگر بچے شرارتیں نہیں کریں گے تو انہیں بچہ کون کہے گا۔۔تم مانو یا نہ مانو مگر بچے تو سب کے ہی سانجھے ہوتے ہیں۔۔اور ہمارے بچوں کی طرح تمہارے بچے بھی ایسے ہی شرارتیں کرتے ہیں۔۔ہمارے بچوں کی طرح تمہارے بچے بھی کھلتے کودتے بڑے ہوتے ہیں۔۔گرتے پڑتے ہی سب کچھ سیکھتے ہیں۔۔تو پھر تم ان بچوں کئی غلطی کی انہیں اتنی بڑی سزا کیوں دینا چاہتے ہو۔۔جبکہ تمہارے بچے بھی تو غلطیاں کرتے ہی ہیں ناں۔۔انہیں تو تم معمولی سرزنش کر کے چھوڑ دیتے ہو۔۔تو پھر انہیں کیوں نہیں۔۔؟؟"عبدالکریم نے نرمی سے سمجھانے والے انداز میں کہا تو عبدالجلال (شاہ میر) انہیں دیکھ کر رہ گیا۔۔"غلطی۔۔۔تم اسے غلطی کہہ رہے ہو عبدالکریم۔۔؟؟انہوں نے غلطی نہیں گناہ کیا ہے۔۔گناہ۔۔اور معافی صرف غلطی اور نادانی کی ملتی ہے۔۔گناہ کی تو سزا ہوتی ہے۔۔اور میں انہیں انکے گناہ کی سزا دینے ہی آیا ہوں۔۔تم جو بار بار انکی حمائت کرتے جا رہے ہو۔۔تمہیں اندازہ بھی نہیں کہ انہوں نے کیا کیا ہے۔؟؟ارے۔۔یہ تو ہم بھی مانتے ہیں کہ بچے سبکے سانجھے ہوتے ہیں۔۔اور کھیلنا کودنا۔۔شرارتیں کرنا۔۔بچوں کا پیدائیشی حق ہوتا ہے۔۔اسی لئے انکی معمولی شرارتوں اور کوتاہیوں کو ہم نے کبھی دیکھا بھی نہیں۔۔اپنے بچوں کی طرح انہیں بھی بچہ سمجھتے ہوئے ہنس کر نظر انداز کر دیا کرتے ہیں۔۔کیونکہ بچے تو ہمیں بھی بہت اچھے لگتے ہیں۔۔چاہے وہ انسانوں کے ہوں یا ہم جنوں کے۔۔اور پھر ہماری طرح یہ بھی تو اللہ کی مخلوق ہیں۔۔اور اللہ کی مخلوق کو تنگ کرنے کی نہ ہمیں اجازت ہے اور نہ ہی حکم۔۔۔ہمیں بھی امن اور سکون سے رہنا بہت پسند ہے۔۔مگر اس روز۔۔۔اس روز تو حد ہی ہو گئی تھی عبدالکریم۔۔۔ان شرارتی بچوں نے مل کر پہلے تو احاطے والے مزار شریف پر خوب دھما چوکڑی مچائی۔۔ہمارا سکون برباد کر کے رکھ دیا اور پھر رہتی کسر اس لڑکے نے پوری کر دی۔۔۔یہ جھنڈ والے احاطے میں گندے جوتوں سمیت گھستا چلا آیا۔۔تمہیں پتا ہے۔۔وہاں درسِ قران پاک ہو رہا تھا۔۔اس قدر مقدس محفل، اتنا پاک ماحول اور ایسے میں یہ نالائق چھپنے کے چکروں میں محفل میں گھس آیا۔۔اپنے غلیظ جوتوں سے ساری چاندنیاں گندی کر دیں۔اپنے دھیان بیٹھے درس سنتے ہمارے معزز مہمانوں کے ہاتھ

پاؤں کچل کر رکھ دیئے۔۔اور پھر اسی پر بس نہیں کیا۔۔اندھادھند دوڑتا ہوا سیدھا قاضی صاحب کو میں گھستا چلا گیا ۔۔اب بتاؤ تم خود ہی بھلا۔۔کیا یہ غلطی تھی اس قابل کہ میں اسے معاف کر دیتا۔۔بلکہ میں تو اسے گناہ ہی سمجھتا ہوں۔۔معزز قاضی صاحب کی اس قدر بے عزتی کی اس لڑکے نے اور تم کہہ رہے ہو کہ یہ سب انکی غلطی تھی۔!!" عبدالجلال کا جلال ایک بار پھر عود کر آیا تھا۔۔"میں مانتا ہوں عبدالجلال۔۔تم جو کہہ رہے ہو سب درست ہے۔۔مگر اب تو ان سے غلطی ہو گئی ناں۔۔یہ بچے ہیں اور انیں کیا پتا تھا کہ تم لوگوں کی محفل ہو رہی ہے وہاں۔۔دیکھنے میں تو وہ جگہ خالی اور سنسان ہی دکھائی دے رہی تھی ناں۔۔اس لیے شاہ میر کو اندازہ نہیں ہو پایا ہو گا۔۔اور ویسے بھی یہاں تو بڑے بڑے سب کچھ دیکھتے بوجھتے جان بوجھ کر دوسروں کا نقصان کر جاتے ہیں۔۔یہ تو پھر بچے ہیں۔۔نادان ہیں۔۔مگر تم تو دانا و بینا ہو ناں۔۔تم اپنی دانائی کا ثبوت دو اور انہیں ایکبار معاف کر دو انہیں۔۔میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اب اس خاندان کا کوئی بچہ کبھی بھی کھلنے کودنے کے لیے ویرانوں اور قبرستانوں کا رخ نہیں کرے گا۔کیوں شبیر صاحب۔۔میں نے ٹھیک کہاناں۔۔؟؟"عبدالکریم نے شبیر میر کی سمت دیکھتے ہوئے مان بھرے انداز میں کہا تو فوراً آگے بڑھے۔۔"جی جناب۔۔آپ درست فرمارہے ہیں۔اس خاندان کا بزرگ ہونے کے ناطے میں اپنی ذمہ داری پر وعدہ کرتا ہوں کہ اب ہمارا کوئی بھی بچہ، کبھی بھی بلاوجہ اور اکیلا سنسان اور ویران جگہوں میں نہیں جائے گا۔۔یہ میرا وعدہ ہے آپ سے۔۔!!"شبیر میر نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے جھک کر وعدہ کیا تو شاہ میر انہیں دیکھنے لگا۔ ۔"لو عبدالجلال۔۔اب تو یہ پانی پی لو۔۔اور یقین رکھو کہ اب ایسا کچھ نہیں ہو گا انشااللہ۔۔اب ان لوگوں کی طرف سے تمہیں کبھی کوئی شکائت نہیں ملے گی۔!!"عبدالکریم نے مسکراتے ہوئے پانی کا گلاس ایکبار پھر آگے بڑھاتے ہوئے نرمی سے کہا۔۔"ٹھیک ہے عبدالکریم۔۔!!اگر یہ لوگ پکا وعدہ کرتے ہیں تو پھر میں بھی انہیں آخری موقع ضرور دونگا۔میں انہیں معاف کرنے کو تیار ہوں۔۔لیکن اب اگر ان کی طرف پھر کوئی ایسی ویسی حرکت ہوئی تو ذمہ دار یہ خود ہوں گے۔۔" !!عبدالجلال (شاہ میر) نے انکے ہاتھ سے پانی کا گلاس پکڑتے ہوئے کہا تو سب کے رکے

سانس جیسے بحال ہونے لگے۔ پھر ان کی نگاہوں کے سامنے ایک اور کرشمہ ہوا۔ شاہ میر نے گلاس اپنے چہرے کے سامنے کیا اور اس میں موجود پانی یکلخت ایسے غائب ہو گیا جیسے کیسی نے ایک سانس میں ہی اسٹرا سے کھینچ لیا ہو۔۔" ٹھیک ہے عبدالکریم۔۔ جا رہا ہوں میں۔۔ اور وہ بھی صرف تمہارے کہنے پر۔۔ ویسے بھی ایک بات تو تم نے ٹھیک ہی کہی۔۔ نہ سارے انسان ایک جیسے ہوتے ہیں اور ناں ہی سارے جنات۔ ہر جگہ ہر طرح کے لوگ موجود ہوتے ہیں۔۔ اچھے، نیک اور صالح بھی اور شرارتی، بد تمیز اور مغرور بھی۔۔ اور رہی شبیر میر صاحب اور انکے خاندان کی بات تو یہ لوگ واقعی اچھے اور نیک انسان ہیں۔ رحمدل اور مخلص۔۔ یاد رکھنا میر صاحب، آپ لوگوں کی اسی نیکدلی اور عاجزی نے آپکو بچانے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔۔ اللہ نے آپ لوگوں پر اپنی خاص عنایات، خاص رحمتیں نازل فرمائی ہیں، اور اسکی ان عنایات کو اسکی راہ میں ایسے ہی خرچ کرتے رہا کریں۔۔ دنیا اور آخرت میں فلاح اور کامرانی پائیں گے آپ لوگ۔ میں اب جا رہا ہوں۔۔ آپ اس امید پر کہ آپ اپنا وعدہ ہمیشہ یاد رکھیں گے۔!"۔ شاہ میر نے خالی گلاس واپس عبدالکریم کی طرف بڑھاتے ہوئے صلح جو انداز سے کہا تو سب نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے انہیں بھرپور یقین دلایا تھا۔۔ "لیکن، ان لوگوں کو کیسے پتا چلے گا عبدالجلال کہ تم نے انہیں معاف کر دیا اور شاہ میر کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے چلے گئیے۔۔؟؟ تم جاتے جاتے اپنی کوئی نشانی دیتے جاؤ تا کہ ان لوگوں کو اطمینان ہو جائے اور انہیں یقین آ جائے کہ تم نے انہیں معاف کر دیا۔ "عبدالکریم نے گلاس پکڑتے ہوئے میر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔۔ "اچھا۔۔ تو پھر اللہ نگہبان۔۔ لو، میں چلا۔۔!!" شاہ میر کے مُنہ سے گڑگڑاتی عبدالجلال کی آواز برامد ہوئی اور اسکے ساتھ ہی وہ لہرا کر ایک طرف لڑھک گیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے کمرے میں موجود واحد دیوار گیر کھڑکی کے سامنے پڑا بھاری دبیز پردہ ایکدم ہوا میں بلند ہوتا چلا گیا۔ اور پھر پوری طرح ایسے اوپر اٹھ گیا کہ چھت کے ساتھ جا لگا۔ اسکے ساتھ ہی بند کھڑکی کا شیشہ زوردار آواز کے ساتھ تڑخ گیا، یو جیسے کوئی بھاری بھرکم گیند دور سے اڑتی آئی ہو اور پوری قوت کے ساتھ شیشے سے ٹکرا گئی ہو۔ سب دم بخود کھڑے یہ سب ہوتا دیکھتے ہی رہ گئے۔۔ "رضا میر

صاحب۔۔!! آپکا بیٹا ماشا اللہ اب بالکل ٹھیک ہے۔ اب آپ لوگوں کو بہت احتیاط سے کام لینا ہو گا۔ آئندہ کوشش کیجئے گا کہ بچے ایسی خطرناک جگہوں کے قریب سے بھی نہ گذرنے پائیں۔۔ آپ پر اللہ کی مہربانی ہوگئی ہے۔ اب آپ بھی اپنا وعدہ ہمیشہ یاد رکھئے گا۔" جیسے ہی شاہ میر کو ہوش آیا، عبد الکریم صاحب نے اسکا ہاتھ رضا میر کے ہاتھ میں دیتے ہوئے نرمی سے کہا تو فرطِ مسرت سے سب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ عبد الکریم نے ماہ نور کو بھی اندر بلوایا۔ ناھید اور جمیلہ بی بھی اسکے ساتھ ہی آ گئیں تھیں۔ انہوں نے مزید پانی منگوا کر اس پر دم کیا اور پھر وہ پانی دونوں بچوں کو پلایا گیا۔ اسکے علاوہ انہوں نے ناھید اور رضا میر کو پڑھنے کے لیئے کچھ آیات اور وظیفے بھی بتائے۔ وہ سب انک ٕدل سے ممنون ہو رہے تھے۔۔ "ہم آپکا یہ احسان کیسے اتار پائیں گے عبد الکریم صاحب۔ آپ کو تو اللہ پاک نے ہمارے لیئے فرشتہ بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ہمیں بتائیں کہ ہم آپکی کیا خدمت کر سکتے ہیں۔!!" رضا میر صاحب نے انکے ہاتھ چومتے ہوئے بھیگے لہجے سے کہا تو وہ مسکرانے لگے۔۔ "نہیں۔۔ نہیں رضا صاحب۔۔!! ایسا مت کہیں۔ میں بھی اللہ کا ایک معمولی سا بندہ ہی ہوں اور اس کے حکم پر ہی آپ کی مدد کرنے آیا ہوں۔ آپ مجھے شرمندہ مت کریں۔ مجھے آپکی دعاؤں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں چاہیئے۔۔ آپ بس میرے حق میں دعا کر دیا کیجئے۔ میرے لئے یہی بہت ہے۔۔ ہاں البتہ، جیسا کہ عبد الجلال نے کہا کہ آپ رحمدل اور نیک انسان ہیں۔ پھر اللہ پاک نے آپکو بہت نواز رکھا ہے۔ اسکی خاص رحمت ہے آپ سب پر۔۔ آپ بس اسکی دی ہوئی نعمتوں سے ہمیشہ اسکی مخلوق کی مدد کرتے رہئے گا، جس طرح پہلے بھی کرتے آئے ہیں۔ حقداروں کو انکا حق اسی طرح ادا کرنے میں جیسے پہلے گرم جوشی اور جلدی کا مظاہرہ کرتے آئے ہیں، بس اسی طرح اپے اس چلن کو برقرار رکھئے گا۔۔ بس، یہی ہماری خدمت ہے۔۔۔ اب اجازت دیجئے۔۔ ہمیں اللہ کے بندوں کی خدمت کرنے کہیں اور پہنچنا ہے۔!!" عبد الکریم باری باری ان سب سے ہاتھ ملا کر باہر نکلے تو رشید میر کے ساتھ ساتھ رضا اور منور بھی انکے پیچھے لپکے۔ رشید میر نے انہیں انکی مطلوبہ جگہ تک چھوڑنے کی پیشکش بھی کی مگر وہ نرمی سے انہیں منع کرتے ہوئے اکیلے ہی باہر چلے گئے۔۔

-----------------------------"رضا۔۔!!ہم تم سے بہت شرمندہ ہیں کہ ہم ان بچوں کے ماموں ہونے کا حق بھی ٹھیک سے ادا نہیں کر پائے۔ یہ بچے ہم سے ملنے اتنی دور آتے ہیں، تو انکی حفاظت کرنا بھی ہماری ہی ذمہ داری ہے۔ مگر بھائی، ہم سے چوک ہو گئی۔ منگو نے ہمیں بارہا اشاروں کنائیوں میں سمجھانے کی کوشش کی، مگر ہم نے اسکی کسی بات کو کبھی قابلِ توجہ ہی نہ سمجھا اور نہ ہی کسی قسم کی کوئی احتیاط کی۔۔بس ہمیشہ یہ ہی سوچتے رہے کہ ابھی یہ سب بچے ہیں۔ ذرا بڑے ہو جائیں گے تو خود ہی سمجھ جائیں گے۔۔اور پھر ہمارے دل میں یہ خیال بھی تھا کہ اگر اس عمر یہ شرارتیں نہیں کریں گے تو پھر کیا بڑھاپے میں کریں گے۔۔مگر ہم غلط تھے۔۔ہمارا خیال غلط تھا۔۔ہماری ذرا سی لاپرواہی اور ان بچوں کی ذرا سی شرارت کی وجہ سے ہمارے میرو کی یہ حالت ہو جائے گی۔۔ایسا تو ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔۔ بخدا اگر ہمیں ذرا سا بھی اندازہ ہو جاتا تو ہم ایسی لاپرواہی کبھی نہ کرتے۔۔ہمیں معاف کر دو رضا۔۔ہماری وجہ سے تمہیں یہ تکلیف برداشت کرنی پڑی، اتنی اذیت، اتنا دکھ جھیلنا پڑا۔۔ہمیں معاف کر دو یار۔!!"شبیر اور رشید میر نے بہن بہنوئی کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے معافی مانگی تو وہ تڑپ کر رہ گئے۔۔

"ارے نہیں بھائی جان۔۔!!آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔۔؟؟یہ سب تکلیفیں تو ہماری قسمت میں لکھی تھیں شائد۔ یہ اللہ کی آزمائیش تھی۔ اور اور شکر ہے مولیٰ پاک کا کہ اسکی مدد سے ہم اس آزمائیش سے بخیر و خوبی نکل بھی آئے۔ آپ ہم سے معافی مانگ کر ہمیں شرمندہ مت کریں پلیز۔!!"۔"اور ویسے بھی بھائی جان۔۔!!ہمارا بچہ اللہ کے فضل سے ٹھیک ہو گیا۔۔ ہمیں اور کچھ نہیں چاہئے۔۔اسکا بڑا احسان ہے ہم پر۔۔اور ہاں۔۔یہ عبد الکریم صاحب کہاں سے ملے آپکو۔۔؟؟انہیں تو واقعی اللہ نے ہمارے لیے فرشتہ ہی بنا کر بھیجا تھا۔۔اللہ بھلا کرے انکا، میرا تو رواں رواں انکے لئے دعا گو ہے۔!!۔"شبیر اور رشید صاحب کی جزباتی باتوں نے ماحول کو ایکبار پھر بوجھل کر دیا تھا۔ رضا میر اور ناھید انہیں شرمندہ دیکھ کر خود بھی شرمندہ ہو رہے تھے۔ اس لئے دونوں نے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی۔ اور اسی وقت ناھید نے عبد الکریم کا بھی پوچھ لیا۔۔"تم ٹھیک کہہ رہی ہو ناھید۔۔اللہ نے واقعی اس فرشتے کو ہماری مدد

کے لئے ہی بھیجا تھا۔۔ انہیں منگو میرے پاس لایا تھا۔ وہ غریب بھی میرو کی حالت کا سنکر بہت پریشان تھا۔ پھر آج صبح ہی صبح وہ انہیں لئے میرے پاس چلا آیا۔ میں نے انکے پوچھنے پر میرو کی حالت کا بتایا تو وہ فوراً ہمارے ساتھ یہاں آنے کو تیار ہو گئے۔ اللہ انکا بھلا کرے۔ بڑے ہی نیکدل انسان ہیں۔ اور میری تو اب یہ دعا ہے کہ اللہ ہمیں اپنا وعدہ نبھانے کی توفیق ادا کرے۔ ہم اپنے بچوں کی اچھی تربیت کر سکیں اور انہیں سکھا سکیں کہ خود بھی امن اور سکون سے رہیں اور اللہ کی ساری مخلوق کو بھی امن اور سکون سے رہنے دیں۔۔ ورنہ کوئی ہلکی سے کوتاہی ایسی بڑی مصبت بنکر ہم پر پھر ٹوٹ سکتی ہے کہ ہم اسکا خمیازہ ہی بھگتے رہ جائیں۔!!".. شبیر میر نے اس طرح سے کہا کہ سب ایکبار پھر دہل کر رہ گئے۔

-- قارعین کرام۔!! یہ نہ تو کوئی قصہ ہے اور نہ کہانی۔ اسے آپ آپ بیتی بھی کہہ سکتے ہیں جگ بیتی بھی۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جسے میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے ظہور پذیر ہوتے دیکھا۔ اور سچ کہوں تو اسکی دہشت سے ابھی تک خود کو آزاد نہیں کر پائی۔۔ ابھی بھی بھری دوپہروں میں سنسان جگہوں، ویران قبرستانوں کے پاس سے گذرتے ہوئے ایک انجانا سا خوف میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ پیدا کر دیتا ہے۔۔ گو کہ اس واقعے کو بیتے بھی کئی سال گذر چکے۔۔ اس کی ہیبت اور اسکے اثرات ابھی بھی باقی ہیں۔ اس دن کے بعد سے ہماری فیملی کا کوئی بھی بچہ کبھی بھی تنہا، ویران اور اجاڑ جگہ پر نہیں گیا۔۔ ہم نے اس بات کا ہمیشہ خیال رکھا کہ ہمارے بزرگ جو وعدہ کر گئےتھے، ہم اسے اچھی طرح نبھا سکیں۔۔ اور اب یہی ذمہ داری ہماری اگلی نسل تک منتقل ہو چکی ہے۔۔ اب ہمارے بچے اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ انکی ذات سے کسی دوسرے کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، چاہے وہ انسان ہو، اللہ کی کوئی اور مخلوق۔۔ آپ بھی خیال رکھئے گا۔ کہ کہیں آپکے بچوں سے بھی کوئی ایسی غلطی۔ کوئی ایسی خطا نہ سرزد ہو جائے جسکا خمیازہ آپکے پورے خاندان کو بھرنا پڑ جائے اور کھیل ہی کھیل میں بات اتنی نہ بگڑ جائے کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔۔ اپنا اور اپنے بچوں کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ اللہ کی بنائی تمام مخلوق کا خیال رکھنا بھی ہم سب کا فرض ہے۔ اللہ رب العزت نے ہم انسانوں کو اشرف المخلوقات کا

درجہ عطا کیا ہے۔اور اسی وجہ سے ہم پر ذمہ داری بھی زیادہ عائید ہوتی ہے کہ ہم اس شرف کے تمام تقاضوں کو اچھے طریقے سے نبھاہیں۔اور اپنا فرض نہ صرف پہچانیں بلکہ اس پر دل وجان سے عمل بھی کریں۔یہ ہی انسانیت کا تقاضا ہے اور یہ ہی انسانیت کی معراج۔۔۔۔۔۔۔(ثمینہ طاہر بٹ!!)

داستان دل بہت جلد مارکیٹ میں آرہا ہے اگر آپ خریدنا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔پہلا شمارہ عشق نمبر ہوگا اس کے آج ہی اپنی تحریریں سینڈ کردو۔سب رائٹر اک ساتھ اپنی زیادہ تحریریں سینڈ کرسکتے ہیں تاکہ ان کا نمبر جلدی لگ جائے شکریہ ایڈیٹر 03225494228

داستان دل بہت جلد مارکیٹ آرہا ہے جس کے سلسلہ وار ناول کون کون لکھنا چاہتا ہے جلدی سے لکھ کر ارسال کردیں ۔داستان دل کا لنک اپنے ادبی دوستوں سے لازمی شئیر کریں۔اور ہمیں اپنی ٹیم کے لیے ادبی شوق رکھنے والے لوگوں کی ضرورت ہے خواہشمند ہم سے رابطہ کریں اور داستان دل کی مکمل معلومات کے لیے اور ہمارے فیس بک گروپ کی معلومات کے لیے 03225494228 واٹس اپ پر اپنا نام لکھ کر سینڈ کردیں آپکو ہر اپ ڈیٹ انبکس میں سینڈ کردی جائے گی شکریہ

یہ کیا۔۔۔؟ کیسی حالت بنائی ہوئی ہے تم نے؟ پاؤں سے سر تک اس کا مکمل جائزہ لیتے ہوئے عمار نے حیرت سے پوچھا تھا۔ مگر اس کے جواب دینے سے پہلے ہی عمار کی نظر اسکے کندھے پے لگے گہرے سرخ لپ سٹک کے نشان پر پڑی تو بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

اوہ تو یہ بات ہے۔ وہ معنی خیزی سے بولا سفیر اسکی نظروں کا مفہوم جان گیا تھا عمار کو گھورتے ہوئے سامنے ٹیبل پر پڑا جگ اٹھا کر منہ سے لگا لیا ایک ہی سانس میں تقریباً آدھا جگ خالی کر گیا اس میں سہنے والی کونسی بات ہے پہلی بار ایسا تو نہی ہوا۔۔بے پروائی سے بولا۔

ہاں پہلی بار ایسا نہیں ہو رہا یہ تو معمول بنتا جا رہا ہے آئے دن تمہاری نئی گرل فرینڈز کا عادی ہو گیا ہوں۔

اچھی بات ہے نہ۔۔۔ سفیر ڈھٹائی سے بولا یہ بتا رات کو ہی تو مل کر آیا ہے اور پھر ابھی پھر کون ہے؟

پانیہ تھی فیس بک پے بہت تنگ کر رہی تھی بار بار ملنے کا اصرار سوچا اسکی بھی خواہش پوری کر دوں۔ سفیر منہ سے بتاتے ہوئے سامنے پڑے چپس کھانے لگا۔

یار چھوڑ مجھے بھوک لگی ہے میں نے اپنی لیئے خریدے عمار نے پیکٹ چھپٹ لیا کچھ تو کھانے دے اور لا دوں گا یار۔۔۔

تجھے لڑکیوں سے فرصت ملے تو کھانے کو کچھ لیے۔۔۔اور ہاں سن لو آج تمہیں جنز ہر گز نہیں دوں گا انہی کپڑوں میں اپنی ممی کے سامنے جانا۔۔۔

عمار نے اپنے طور اسے بہت اہم اطلاع دی تھی اور تھی بھی بہت اہم صبح ہی تو مما سے کہہ کر یہ سفید کاٹن کا سوٹ پریس کروایا تھا۔ جس پے اب بے شمار شیکنس پڑ چکی تھیں پر ابلم یہ شکنیں نہیں سرخ دھبہ تھا جو اکثر کسی نہ کسی مینہ کی آمد کی وجہ سے اسکے کپڑوں سے لگ جاتا اور وہ عمار کی منتیں کر کے اسکی جیز شرٹ پہن لیتا جو کہ اسکے اونے لمبے قد اور کشادہ کندھوں کی وجہ سے بامشکل فیٹنگ میں آجاتی مما کے پوچھنے پر طرح طرح کر بہانے کر کہہ دیتا دوست کی پہنی Siwmming کرتے کپڑے خراب ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔

سفید اٹھ کر الماری کی طرف بڑھ گیا آج منتیں نہ کر اجلدی میں ہوں مما کی کالز آرہی ہیں۔۔۔

نہیں یار میں نے نہیں دینی۔۔۔عمار اس سے پہلے ہی الماری تک جا پہنچا۔۔۔

شام تک لوٹا دوں گا بس۔۔۔

یہ بات سراسر جھوٹی ہے جو یقیناً یہ جھوٹ تو نے لڑکیوں کے ساتھ رہ کر ہی سکھیے ہیں پہلے بھی کہا تھا اور واپس نہیں کی گندے کپڑوں میں سر رضا نے میری انسلٹ کی تھی ساری کلاس فیلوز کے سامنے

پلیز یار اور پہن لینا ت۔۔۔

نہیں میری ایک جینز پڑی ہے جس کو کل میں نے مزمل (روم میٹ) سے بڑی مشکل سے دو چٹکی مانگ کی دھویا اور شرٹ کا فکر گہرا ہے وہ پورے ہفتے کی پہنی ہوئی کل بھی وہی پہنوں گا۔

اف۔۔۔یار کل چھٹی کی لینا میرا ٹائم ویسٹ نہ کرو ماموں کو ایئر پورٹ سے پک کرنا ہے۔ مگر عمار ے نے مضبوطی سے پٹ تھاما جیسے اس میں کپڑے نہیں قیمتی خزانہ پڑا ہو۔ سفیر میں سریس ہوں تو تو بھاری جیب رکھتا ہے نئی لے کر پہن لے میری ساری شرٹس کی سلائی خراب کر دی اپنے وزن پے توجہ دے کیا آئیڈیا ہے یہ لے پہلے تو جا کر خرید لے

تیرے پاس ٹائم ہے مجھے یہ دے دے سفیر نوٹ نکال کر گننے لگا او کہا کیا یاد کرے گا سر رضا کے سامنے ولیلوں بڑھ جا ئے گی اور ایک آدھ لڑکی لفٹ کرا دے گی۔ پیسے تھما تا کھینچ کر سامنے سے ہٹھایا۔

مجھے نہیں چاہیے عمار نے جلدی سے پیسے اسکی طرف اچھالے اور اور کپڑے چھننے کے لیے لپکا مگر سفیر صوفے کے اوپر سے چھلانگ لگا کر واش روم میں گھس گیا۔

ناچار عمار کو بکھرے نوٹ سیمٹنا پڑے ملک نواز احمد اور صدیقہ کے تین بچے تھے سفیر بڑا بیٹا اور دو بیٹاں بریرہ اور زینیرہ۔ زمینوں کے سلسلے میں کسی پرانی دشمنی کی وجہ سے نواز احمد کی وفات سفیر کے لڑکپن میں یہی ہو گئی تھی صدیقہ بیگم نے اس غم کو بڑی مشکل سے برداشت کر کہ اپنی زندگی بچوں کے لیے وقف کر دی چونکہ سفیر بڑا تھا جلدی یہی ذمہ داریوں کا بوجھ اس کے سر آ گیا پڑھائی کے ساتھ ساتھ زمینوں کی دیکھ بھال بھی کرتا، زنیرہ میں اسکی جان تھی وہ اس سے بہت پیاری تھی بے حد اعتماد تھا اس پہ اسے بھی اپنے بھائی سے بے حد لگاؤ تھا اسکی ہر فرمائش پوری کرتا زینیرہ ابھی انٹر کر رہی تھی جبکہ بریرہ سے وہ کھینچا کھینچا سا رہتا کیونکہ اس نے نواز کے قاتلوں کی فیملی میں سے یہی ایک لڑکے سے پسند کی شادی کی۔ سفیر نے بریرہ کے شوہر سے بدلہ لینے کے لیے اس کی فیملی کی ہر چھوٹی بڑی لڑکی سے افیر چلایا بدلے کی آگ میں کئی لڑکیوں کی عزت کو روندتا چلا گیا او پھر یہ اس کا معمول بن گیا عمار سے سفیر کی دوستی کافی گہری تھی عمار مالی حالت میں کمزور تھا سفیر نے ہمیشہ اسکی مدد کی تھی ایک ماں تھی باپ کا انتقال ہو گیا۔

سفیر اکثر اس سے کہتا پرسنالٹی بناورنہ کوئی بیٹی دینا تو دور کی بات ملازم بھی نہیں رکھے گا آہستہ آہستہ وہ بھی سفیر کے رنگ میں ڈھلنے لگا۔

سفیر جب بھی گاؤں جاتا عمار کو ساتھ لے جاتا بہت بار گاؤں کی لڑکیوں کی آفر کی وہ انکار کر کہ کہتا خود تو شہری جیناؤں کے اسیر ہو میرے لیے یہی ملی۔ تب سفیر کہتا شہر کی کوئی ڈھونڈ آگے ہلپ کروں گا عمار آجکل اسی کام میں مصروف ہو گیا۔

عمار کو جلد ہی ایک لڑکی پسند آگئی جو پیار ہونے کے ساتھ ساتھ بہت مغرور تھی کالج جاتے ہوئے عمار نے اس کا پیچھا کیا تھا اور سفیر کہ کہنے پر اپنا نمبر اسکے سامنے پھینک کر بائیک زن سے آگے لے گیا مگر بے سود کہ اُسی روڈ پے چیٹھی ویسے کی ویسے پڑی تھی۔۔۔

کالج کی لڑکیاں بڑا نخرا دیکھاتی ہیں عمار کو غصہ آ گیا۔

ہاہاہا۔۔۔ ایک لڑکی نہیں پٹا سکتا اور دیکھنے چلا بڑے بڑے بزنس کے خواب سفیر نے خاصا مزاک اُڑایا۔۔۔

تو بڑا ایکسپرٹ ہے نہ تو کوئی طریقہ بتا دے اس مغرور کو وہ سبق سکھاؤں یاد رکھے زندگی بھر اوکے طریقہ میں بتا تا ہوں آگے کام کرنا تیرا کام چل ٹھیک ہے بتا؟ عمار بک بند کر کے پوری طرح متوجہ ہوا۔۔۔

مگر ایک شرط۔۔۔ کیا شرط؟ عمار چڑ کر بولا۔۔۔

میرا حصہ بھی۔۔۔۔ سفیر بائیں آنکھ دبا کر بولا اوکے ساتھ چلنا تو بھی ویسے بھی تیرے بغیر کب کوئی کام کیا۔۔۔

کرنے کے قابل بھی نہیں۔۔۔ غیرت دلائی تو یہ عظیم کام کر لیتا ہے کافی ہے اب بتا کوئی حل؟

کالج کی کوئی خالہ ہو تو لالچ دلا کر لڑکی ہاتھوں میں لائی جا سکتی ہے۔ سفیر نے سوچتے ہوئے کہا مگر کیسے؟

چوکیدار کو پیسے دے کر خالہ کا نمبر مانگ اسے بتا لڑکی کا اسے کہنا منہ مانگے دیں گے۔ کسی طرح لڑکی کو اپنے گھر بلا کر کام کرا دے میرے پاس اتنے نہیں ہیں۔ عمار کو پیسوں کی فکر ہوئی۔۔۔

میں دوں گا دوست کے لیے اتنا تو کر سکتا ہوں تھنکیس یار۔۔۔

صدیقہ بیگم نے زینرہ کے رشتے کے متعلق بات کی کہ ان کا بھانجا سلجھا ہوا لڑکا ہے مگر سفیر چاہتا وہ مزید پڑھے ابھی چھوٹی ہے لیکن ان کے بے حد اصرار پر سوچنے کا ٹائم مانگا کہ دوست سے ملکر واپس آکر تفصیل سے بات کرے گا۔

عمارہ کی کال ڈراپ کر کے وہ سوٹ سلیکٹ کرنے لگا۔ عمار نے بتایا کہ بہت جلد بات بنی وہ حیران تھا چوکیدار تو جیسے تیار بیٹھا تھا اسکے آنٹی جو سب سے بڑا مسئلہ لگ رہی تھی اس سے بھی زیادہ آسانی سے مان گئی بلکہ اس نے بتایا کہ وہ بہت

سے لڑکیوں کے عوض بھاری رقم لے چکی ہے۔

آنٹی نے ٹائم بتایا کہ مقررہ وقت پے آنا بڑی مشکل سے مانی لڑکی رحم کھا کر آئی ہے۔بیٹی کی مدد کہہ کر بلایا گھر پر وہ ٹھیک ٹائم پر پہنچ گئے۔

کوئی دروازے کو بری طرح پیٹ رہا تھا۔۔۔

کیسی آواز ہے یہ؟ سفیر نے پوچھا۔۔۔

وہی لڑکی ہے مان نہیں رہی تھی تو بند کرنا پڑا اس نے پیسوں کے لیے ہاتھ بڑھایا یا سفیر نے تھا دیئے تو چابی دے دی۔۔

تم پکڑی گئی تو؟ سفیر نے پوچھا۔۔

میرا ایک ٹھکانہ نہیں۔

سفیرے نے عمار کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔۔

عمار اندر آیا تو وہ سامنے بیٹھی تھی عمار کو دیکھ کر تیزی سیدھی ہو گئی۔۔۔

کون ہو تم کیوں آئے ہو یہاں؟ وہ چلائی وہ بلا کی حسن تھی نقاب کے بغیر تو۔۔۔

وہ اُسے دیکھتا چلا گیا۔۔۔

چلے جاؤں یہاں سے پوری قوت سے دکھا دیا اتنی مشکل سے تو تم تک رسائی ملی اتنی آسانی سے کیسے چلا جاؤں؟ وہ ڈھٹائی سے آگے بڑھا خبردار جو آگے بڑھے قریب آنے کی کوشش مت کرو تم جانتے نہیں میں کس فیملی سے تعلق رکھتی ہوں میرا بھائی مار ڈالے گا تمہیں۔۔۔ تم۔۔۔ ذلیل انسان چیخ کر شیشے کا گلاس اٹھا کر اسکی طرف اچھلا جس کو عمار نے بڑی سہولت سے کیچ کر لیا۔۔۔

عمار کو اس کا یوں چلانا لطف دے رہا تھا۔۔۔

وہ چلا رہی تھی مگر اس نے پروانہ کی بے حس بن گیا سفیر کی کہی باتیں سوچتے ہوئے آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ تھام لیا

لڑکی نے بہت زور سے اپنے دانت اس کے ہاتھ پر گڑھ دیئے درد کی ایک لہر اٹھی تھی۔۔۔

جنگلی لڑکی اسے بے حد غصہ آیا منہ پے زور کا تماچہ جڑ دیا۔ وہ رونے لگی مگر عمار کو ذرا ابرابر پرواہ نہیں ہوئی وہ کیوں رحم کرے اتنی رقم لگائی اس نے اسے ریجکٹ کیا وہ بدلہ لے گا۔

وہ منتیں کرتی رہی خدا کے واسطے دیئے مگر عمار نے ایک نہ سنی جی بھر کر اس کا غرور خاک میں ملا دیا۔۔۔

عمار باہر آیا تو سفیر آنٹی سے ہنسی مزاک میں مصروف تھا۔ اسے دیکھا تو کھڑا ہو گیا۔

یہ کیا۔۔۔ زخم کیوں؟

جنگلی نے کاٹا ہے عمار ہاتھ کو انگلیوں سے سہلاتے ہوئے بولا۔۔۔

جلدی چا تو میں نے آج امی کی طرف جانا ہے۔ سفیر مسکرا کر کمرے کی طرف بڑھ گیا ہنڈل پے دکھ کر آدھا دروازہ کھلا ہی تھا کہ عمار کی آواز پے ہنڈل پے ہاتھ رکھے گردن گھما کر متوجہ ہوا۔ عمار ہم وا کھلے دروازے سے نظر آتی لڑکی کو دیکھتے ہوئے آنکھ دبا کر بولا۔۔۔

ذرا سنبھل کر ہے بڑی لڑاکا قسم۔۔۔

سفیر ہنستے ہنستے مڑا اسکی نظر سامنے بیٹھی لڑکی پر ٹھہر گئی۔۔۔ اسکی ہنسی ایک دم سے جیسے کسی عریب نے پی لی۔۔۔

وہ کمبل میں لپٹی تھی۔۔ سہمی کوئی اور نہیں۔۔۔ عمار۔۔۔

سفیر چیخ کر پیچھے مڑا۔۔

عمار تیزی سے اسکی طرف بڑھا آنٹی قریب آگئی۔۔۔

عمار۔۔۔ وہ دھاڑا یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ وہ ساکت سا عمار کو دیکھنے لگا جیسے کوئی بھاری چیز اسکے سر سے ٹکرا گئی ہو۔۔ زمین گھومتی محسوس ہونے لگی اور پھر وہ پوری قوت سے چلایا تھا۔۔

عمار۔۔۔ یہ۔۔۔ زنیرہ ہے یہ میر بہن زنیرہ ہے۔۔ آنٹی یہ میری بہن ہے پاگلوں کی طرح چلاتے ہوئے سامنے پڑا جگ

اٹھا کر پوری قوت سے آنٹی کے سر پے دے مارا چیخ تھی جو تینوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلی تھی عمار شاکڈ تھا۔۔

سفیر زور زور سے قہقہے لگانے لگا عمار دیکھو میں نے زنیرہ کو مار دیا دیکھو میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے مار دیا۔۔

زنیرہ مر گئی۔۔

ہنستے ہنستے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا عمار نے اسے شدت سے گلے لگا لیا بے تحاشہ رونے لگا۔۔

سفیر سوری سکتے ہوئے بامشکل کہا۔۔ میں زنیرہ سے آج ہی نکاح کر لوں گا۔ میں اس غلطی کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔۔

دروازے پے ٹھہری زنیرہ بے ہوش ہو کر گری تھی۔۔

سفیر مکمل پاگل پن کی حالت میں چلا گیا دور کھڑی قسمت اس پے مسکرا رہی تھی بالکل اسی طرح جس طرح وہ کسی کو درد کی آخری حد تک لے جانے کا بعد مسکراتا تھا۔۔

روح فرسا شنہا سائی۔۔ پڑھنے کے بعد اگر کسی کو کوئی بھی بات کوئی بھی الفاظ ناگوار گزرے تو انتہائی دلی معذرت مگر یہ افسانہ حقیقت پر مبنی ہے جس میں کردار کے نام اور کچھ تبدیلیاں کر کے تحریر کیا اس حقیقت کو دیکھنے کے بعد مجبور ہو گئی کہ اس پے قلم اٹھاؤں دعاؤں کی التماس کے ساتھ خدا حافظ

آفرین خان میری

یہ کیا گھور گھور کے خلاؤں میں کچھ تلاش کر رہی ہو؟ خدا کیلئے مزید کچھ ایجاد مت کر دینا، پہلے ہی بچے بیچارے پڑھ پڑھ کے آدھے رہنے لگ گئے ہیں۔ پہلے تو پڑھنا اور سمجھنا ہوتا تھا اب تو رٹا چلتا ہے جتنا اچھا رٹا اتنے اچھے نمبر اور جن کو بیماری ہو سمجھ کے پڑھنے کے بعد اپنی مارنے کی وہ پھنس جاتے ہیں بیچارے، اپنی سارہ میٹرک میں ہے اور روز کھپ (پریشان) رہی ہوتی ہے کے اسکی سائنس تو سائنس اردو، اسلامیات وغیرہ کی ٹیچرز کو بھی لفظ بہ لفظ چاہیئے ہوتا ہے سب۔ آگے وہ بات جاری رکھتی جو اگر سر نہ گھوم گیا ہوتا کہ رجسٹر جو ساتھ بیٹھی ضویا نے اسکے سر میں مارا تھا وہ خاصہ زوردار تھا، دن میں تارے کیسے نظر آتے ہیں کی ایک بے مثال وضاحت تھی جو آج سے پہلے سمجھ نہی آسکی تھی۔ کچھ سمبھلتے ہوئے دہائی دی کہ خود تو کچھ تلاش کر نہیں سکی تو مجھے دن دہاڑے تارے دکھانے کی کیا تک بنتی ہے بھلا؟ یہ بھی کوئی انسانیت ہے، پاکستانی عوام ہی ہوئی نہ تم بھی کہ خود کچھ نہ کر سکو تو بندوق دوسروں کے سر پر۔۔۔۔۔ اگر تم ایک بھی لفظ اور بولی بخت! تو میں بھول جاؤں گی کے ہم کہاں بیٹھے ہیں اور اتنے زور سے رجسٹر زور ماروں گی کے تم کوئی نیا سیارہ یا ستارہ ایجاد کر ہی لو، حد ہو گئی یعنی کہ ایک بندہ پہلے ہی پریشان ہو اوپر سے تمہاری باتیں دماغ کو پلپلا کر دیں کہ ایک ہی مرتبہ ہو جائے جو بھی ہونا ہے۔ اسکے انداز پے اپنے قہقہے کو بمشکل روکتی وہ سوچ رہی تھی شکر ہے کے چپ شاہ کا روزہ تو کھلا سو فوراً ہی بولی کے اچھا اب کوئی فضول بات نہی، تم بتاؤ کیا ہوا ہے؟ کیوں دکھیاری ہیروئین کا روپ دھارے ہوئے ہو؟ نہ ٹھیک سے بول رہی ہو، نہ کھا، پی رہی ہو، جبکہ نا تمہارا کوئی ٹیسٹ خراب ہوا ہے نہ ہی کسی ٹیچر

سے کوئی ڈانٹ پڑی ہے اور نہ ہی آنٹی نے کچھ کہا اور سب سے خوفناک کے نہ ہی میں نے کوئی چھٹی کرنے کی غلطی کی ہے وہ اپنا سامان سمیٹ چکی تھی اور گھورنے کا انداز ایسا تھا کے تم بولتی رہو، میں جا رہی ہوں جس نے بخت کی مسلسل چلتی زبان کو روکا تھا اور وہ باقی سب بھول کے اسے زبردستی بٹھا رہی تھی اور جو باتیں وہ اسکے مزاج کو بحال کرنے کے لئے کر رہی تھی وہ چھوڑ کے ایک دم بولی تھی کے تمھارے پاس دس منٹ ہیں، فوراً شروع ہو جاؤ کے کیا ہوا ہے ورنہ غصے میں آنے کا آغاز تمہاری طرف سے ہوا ہے پہلے یہ مت بھولنا اب۔۔ اور وہ جو اتنی دیر سے اسے سنجیدہ دیکھنا چاہ رہی تھی تھوڑی گھبرائی کے بخت کا غصہ واقعی اسکو ڈرانے کو کافی ہوتا تھا۔ سو بولنے کی ٹھانی! تم جانتی ہو بخت مجھے کیا چیز پریشان کر رہی ہے تم ساتھ ہی تھیں جب ہم نے دو گروپس کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھا اور سنا تھا بظاہر وہ کوئی بہت بڑی بات نہیں تھی مگر تمہارے اور میرے لیے تو تھی ناں اور ہر محب وطن کے لیے۔۔ یار وہ کیسے ایک دوسرے کی دھجیاں اڑانے کی کوشش کر رہی تھیں ساری کہ تمہارے شہر والے ہمارا حق کھا گئے، ہمارے پاس نا تعلیم کا وہ معیار ہے نہ کوئی نوکریاں، نہ اچھے بازار، غاصب ہو تم لوگ۔۔۔ اور دوسرے گروپ کی لڑکیاں، وہ بھی تو کچھ اسی قسم کی باتیں کر رہی تھیں کہ تم لوگ زندہ تو رہتے ہو، وہاں امن وامان نام کی کوئی چیز نہیں، کوئی پتہ نہیں ہوتا کون، کب کس طرف سے آتی گولی کا نشانہ بن جائے، تمھارے شہر کے لوگ تھوڑا ہی مرتے ہیں، مرتے تو ہم ہیں تو اگر ہمارے پاس کچھ زیادہ ہے تو اس پے بھی تم لوگوں کو اعتراض ہے۔۔ یعنی نہ تم لوگ کام کرو، نہ تمہارے لوگوں کو کچھ ہو پھر بھی سب چاہیئے۔۔ اور پھر لڑائی شروع اور ہمارے میڈیا کے ہاتھ ایک گرما گرم نئی خبر آ گئی جسکو وہ خوب مرچ مصالحے لگا کر پیش کر رہے تھے اور کچھ ٹیچرز نے نوٹس لیا بھی تو اس انداز میں کے آپ فزکس ڈپارٹمنٹ کی ہیں اور یہاں لاء ڈپاٹمنٹ میں آ کر یوں بحث کرنے کا مطلب؟ آئندہ آپ اس ڈپاٹمنٹ میں نظر نہ آئیں تو اچھا ہو گا، اور ایسا ہی لاء ڈپارٹمنٹ کے ایچ اوڈی نے فزکس ڈپاٹمنٹ کے گروپ کو بولا ساتھ ہی دونوں طرف تنبیہہ کے اب آپ ان لوگوں سے ملنے سے اجتناب برتیے گا۔ کسی نے کچھ نہی سمجھایا کے کیا صرف ایک شہر ہمارا ہے، یہ کیا میری میری کر رہی ہیں

آپ لوگ۔۔ یہ کسی ایک فرد کا نہیں سب پاکستانیوں کا ہے، آپ لوگوں میں سے کسی ایک کا شہر الگ کر دیا جائے خدانخواستہ تو اسکی انفرادی حیثیت کیا ہو گی۔۔ کچھ بتائیے۔ بخت! کوئی بھی کچھ نہیں بولا میں اور تم بھی نہیں کہ ان لوگوں کو جنہیں آزادی کی قدر کرنا نہی سکھائی گئی بس "میری" اور "تمہاری" تک رکھا گیا ہے اگر انہوں نے کچھ بولا ہے تو اس کے لیے بنیاد اسی طرح تو فراہم کی گئی جسکو اس نہج پے آکے بھی نہیں روکنے کی کوشش تو کجا، تقوئیت دی گئی۔۔ تو بس مجھے لگتا ہے کے ہماری بنیادوں کو کھوکھلا کیا جا رہا ہے۔ کم از کم ایچ او ڈی صاحب کو کوئی مثبت بات کرنی چاہیئے تھی کہ مقابلہ نفرت میں نہ بدلے مگر انہوں نے غور بھی نہ کیا۔۔ شدت کرب سے سرخ چہرہ آنسو بس بہہ ہی جاتے جو وہ اکیلی ہوتیں دونوں تو، مگر اس وقت تو ڈپارٹمنٹ بیٹھی تھیں۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد بخت بولی تھی آواز میں نمی بھی شامل تھی کہ وطن سے محبت تو گھول کے پلائی گئی تھی دونوں کو۔۔ ضوئی ہم لوگ کر سکتے ہیں ناں کچھ نہ کچھ تو اب دوسروں کا انتظار کیے بغیر ہم خود ہی کچھ کرنا شروع کرتے ہیں۔ مما، آنٹی اور ابا کو دعا پے لگاتے ہیں، اور کل ان گروپس سے مل کر صلح کروانے کی اور پاکستانی ہونے کا احساس دلانے کی کوشش کرتے ہیں، تیمور بھائی کو ساتھ ملاتے ہیں اپنی اس کوشش میں اور میڈیا پے گرم اس خبر کو ٹھنڈا کروانے کی تگ و دو کرتے ہیں مجھے یقین ہے کے ایک قدم ہمارا ہو گا تو دوسرا قدم ہمارے پیچھے اور لوگ اٹھائیں گے۔ پاکستان سے محبت صرف ہم ہی تک محدود تھوڑا ہی ہے۔۔ بلکل ٹھیک کہا آپنے، آپ دونوں جب مڑ کے دیکھیں گی تو کافی لوگ آپکے ہم قدم ہونگے انشاءاللہ۔۔ وہ جو ایک دوسرے کے ساتھ مگن انداز میں اپنے دکھ بانٹ رہی تھیں آواز پے ہڑبڑا کے مڑیں تو سامنے سر اسید کھڑے تھے جنکے لیکچر کا وقت انکی باتوں میں نکل گیا تھا جسکا انہیں احساس ہی نہی ہوا وہ فوراً اٹھیں اور معذرت خواہانہ انداز میں بولیں۔۔ سوری سر لیکچر کا وقت کب ہوا اور کب ختم ہوا ہمیں پتہ ہی نہیں چلا، جس پر وہ دھیمے سے مسکرائے اور بولے کے اچھا ہوا کے آپ لوگوں نے لیکچر نہیں لیا، ویسے آج لیکچر ہوا ہی نہی مجھے کچھ کام کے سلسلے میں جانا تھا۔۔ آپ دونوں کبھی چھٹی نہیں کرتیں اور اچھی بچیاں بھی ہیں تو یہاں سے گزرتے ہوئے آپ لوگوں کو پریشان دیکھ کر اس

طرف آیا کہ پوچھ لوں آپکو کوئی مدد تو نہیں چاہیئے مگر آپ دونوں اتنی مگن تھیں اتنے خوبصورت سے غم میں کہ مجھے بھی وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا۔ خیر! اگر مجھے بہت ضروری کام سے نہ جانا ہوتا تو اسی وقت آپکو ایک ٹیم سے ملواتا جو اسی قسم کا کام کرنا چاہتی ہے جس میں آپ مجھے بھی شامل سمجھیں۔ آپ لوگ کل کلاس شروع ہونے سے آدھا گھنٹہ پہلے میرے آفس آیئے گا تو میں آپکو باقی لوگوں سے ملوا دوں گا اور ہم لوگ اپنی پہلی حکمت عملی بھی طے کریں گے کے شروعات کہاں سے کی جائے، انشاءاللہ ہم اس میں اپنی سوچ سے زیادہ کامیاب ہونگے۔۔ پر سوچ انداز میں بات مکمل کرتے وہ اللہ حافظ کہتے وہ آگے بڑھے ہی تھے کہ ایک دم پلٹے۔۔ وہ دونوں جواب تک حیران سی کھڑی تھیں پھر سے متوجہ ہوئیں تو سر نے پوچھا کے آپکی اس وقت میں کوئی کلاس تو نہیں ہوتی؟ تو دونوں نے سکتے کی سی کیفیت سے نکلتے ہوئے ساتھ ہی جواب دیا" نہیں "تو سر انکے ساتھ بولنے پے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ سر کے جانے کے بعد انہوں ایک دوسرے کی طرف دیکھا اس طرح دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں کہ دیکھا" صرف لڑنے اور الگ ہونے والے نہیں رہ گئے ابھی جڑ کے رہنے اور جوڑ کے رکھنے والے بہت ہیں"۔ وہ اس عزم کے ساتھ اٹھی تھیں کہ جب بھی کوئی دو گروہ اس ملک کی بنیادوں کو جانتے بوجھتے یا انجانے میں کھوکھلا کرنے کی کوشش کریں گے تو انکے روکنے اور سمجھانے کے لیے دو گروہ اور بھی سامنے آئیں گے۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کیشت ویراں سے

ذرہ نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

غزل

درد سینے میں اتارے میں نے

یوں ہی دن رات گزارے میں نے

سب نفعے ہی اُسے دے بھیجے مگر

رکھ لیے پاس خسارے میں نے

عمر ساری یہ ہی اک کام کیا

خط ہی سمبھالے تمھارے میں نے

آو گے شب کو کہا تھا تم نے

رات کاٹی گنے تارے میں نے

کب ہنسا ہوں مرے لوگوں دل میں

کب کہیں بال سنوارے میں نے

عبد المنان صابر، بسال، اٹک

تم دن کے آفتاب کے سامنے بھی آزاد ہو۔ تم رات کے چاند ستاروں کے سامنے بھی آزاد ہو۔ تم وہاں بھی آزاد ہو جہاں نہ سورج ہے نہ چاند ہے نہ ستارا ہے۔ بلکہ کائنات کی طرف آنکھیں بند رکھنے کے بعد بھی آزاد ہو۔ لیکن تم غلام ہو تو اس چیز کے سامنے جس سے تم محبت کرتے ہو۔

مژگان کو شاہنواز کا مسیج ملا تھا۔ جیسے پڑھتے ہوئے مژگان شرم وحیا سے سرخ ہو گئی تھی۔ یوں اچانک اتنی چاہت پا کر مژگان بہت ہی شاد و مسرور تھی۔ مژگان کو اپنی اور شاہنواز کی پہلی ملاقات یاد آگئی تھی۔

ماشاءاللہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مژگان حیدر ولاج میں انٹر ہی ہوئی تھی کہ اک مردانہ آواز مژگان کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ مژگان گھبرا کر پیچھے ہوئی تھی۔ مژگان مین گیٹ سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ شاہنواز باہر آرہا تھا۔ مژگان نے نگاہیں اٹھا کر مقابل کو دیکھا تھا۔ وہ ڈیشنگ، ہینڈسم، گڈلکنگ فارنر تھا۔ شاہنواز مژگان کے نہایت حسین و دلکش سراپے میں گم تھا۔ دبلی پتلی لمبی سی میدے جیسی سفید دمکتی رنگت۔ گھنگریالے لمبے گھنے بال۔ دھانی اور کاپر کے امتزاج کے شیفون بوتیک سوٹ میں اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ شاہنواز کی نظریں اس پر سے ہٹنے سے انکاری تھیں۔ مژگان کی پلکیں جھکتی اٹھتی مژگان تذبذب کا شکار تھی۔

السلام علیکم۔ پریٹی گرل۔۔۔۔۔۔۔۔۔ شاہنواز نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

کون ہیں آپ۔۔۔۔۔۔۔۔؟ شاہنواز دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

مژگان الجھن میں تھی کہ کون ہے یہ۔۔۔۔۔۔؟؟

ملکہ عالیہ! کچھ تو کہیے۔۔۔۔۔؟شاہنواز دلنشن انداز میں بولا تھا مژگان کا دل بے ساختہ زوروں سے دھڑکا تھا۔

وہ۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔۔۔۔مژگان ہکلا گئی تھی۔

ہین۔۔۔وہ وہ وہ کیا۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟شاہنواز اس کی حالت سے حظ اٹھا رہا تھا۔

مجھے شافعہ سے ملنا ہے۔مژگان نے دوسری جانب دیکھتے ہوئے روانی میں کہا تھا۔

شافعہ!گھر میں نہ ہوں تو۔۔۔۔۔۔۔۔شاہنواز مژگان کے قریب آکر آہستگی سے کہا تھا۔میں بعد میں آجاؤ نگی۔۔۔۔۔۔۔۔مژگان جھٹ واپس مڑی تھی۔

آپ کا پیارا سا نام جاننے کی جسارت کر سکتا ہوں۔امید ہے آپکا نام آپکی طرح بے حد حسین و خوبصورت ہو گا۔

شاہنواز پہلی نظر والی محبت کا شکار ہو گیا تھا۔ایسا نہ تھا کہ شاہنواز نے پہلی بار کوئی حسین لڑکی دیکھی تھی۔وہ گذشتہ چار سال سے بزنس کی وجہ سے یورپ میں تھا۔وہاں تو حسن جگہ جگہ بکھرا پڑا تھا۔لیکن مژگان کی طرح کسی بھی لڑکی نے دل پہ دستک نہ دی تھی۔دل کے اندر جو جذبات ابھر رہے تھے شاہنواز خود انجان تھا کہ یہ کیا اور کیوں ہو رہا ہے۔؟؟

میر انام مژگان ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مژگان نے کافی دیر بعد کہا تھا۔

مژگان کو شاہنواز نہ جانے کیوں اپنا اپنا سا لگ رہا تھا۔بہت ہی خوبصورت نام ہے۔پہلی بار سنا ہے۔شاہنواز ستائشی انداز میں بولا تھا۔

مژگان شرمگیں مسکان مسکا دی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ارے مژگان!تم۔۔۔۔۔۔۔۔!شافعہ مژگان کو یوں اسطرح اچانک اپنے گھر دیکھ کر حیران تھی۔

شافعہ!کیسی ہے یار۔۔۔۔۔؟؟مژگان شاہنواز کے برابر سے بڑی تیزی سے گذری تھی۔میں ٹھیک ہوں۔تو کیسے آگئی۔؟شافعہ دریافت کرنے لگی تھی۔اوف اووووو۔۔۔۔واپس چلی جاؤں کیا؟مژگان خفگی سے بولتی ہوئی جانے کو پلٹی تھی۔

ارے نہیں نہیں یار۔۔۔۔شافعہ نے اسے جاتا دیکھ کر روکا تھا۔

یار آج بھائی بھابھی کو لینے گئے ہیں۔ میرا دل نہیں چاہ رہا تھا بھابھی کے گھر جانے کا تو بھائی کو کہہ دیا کہ مجھے شافعہ کے گھر چھوڑ جائیں۔ ہم مل کر اسٹڈی کر لینگے۔ اسی لیے آگئی۔۔۔۔۔۔ مژگان اسے تفصیلا بتانے لگی تھی۔

شافعہ! یہ کون ہیں۔۔۔۔۔۔؟ شاہنواز نے انجان بننے کی ایکٹنگ کی تھی۔ مژگان نے شاہنواز کو حیرانگی سے دیکھا تھا۔ جیسے کہہ رہی ہو کہ ابھی تو نام بتایا تھا۔

یہ میری خاص دوست مژگان وجاہت حسین ہے۔ ابھی کچھ سال پہلے ہی یونیورسٹی میں ہی ہماری بہت اچھی دوستی ہوئی ہے۔ شافعہ شاہنواز کو بتانے لگی تھی۔

مس مژگان آپکی جتنی منفرد خوبصورت۔ حسین ہیں آپ کا نام بھی آپ ہی طرح منفرد اور خوبصورت ہے۔ اور آپکی فیملی میں کون کون ہے۔ شاہنواز نے مژگان کے دلکش سراپے کو نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے شہد آگیں لہجے میں کہا تھا۔ مژگان کو شاہنواز کے لب ولہجے میں کچھ چاہت سی محسوس ہوئی تھی۔ نجانے کیوں مژگان کا دل شاہنواز کی جانب ہمک رہا تھا۔ شاہنواز کی پر شوخ چاہت لٹاتی نگاہیں خود پر جمی مژگان کو طمانیت کا احساس دلا رہیں تھیں۔

جی۔ میں میرے بھائی، بھابھی، اور ان کے دو نٹ کھٹ چلبلے شرارتی سے بچے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مژگان مزید کچھ کہنے والی ہی تھی کہ شافعہ نے مژگان کو روم میں چلنے کا کہہ دیا تھا۔ شافعہ کو شاہنواز کا مژگان سے بات کرنا سخت ناگوار گزر رہا تھا۔

یار تو بتا کر آجاتی تو میں تجھے باہر گیٹ پر ہی مل جاتی۔۔۔۔

شافعہ روم میں اکر بھی پہلے چار دفعہ کی کہی ہوئی بات دہرا رہی تھی۔

شافعہ! کیا بات ہے تجھے میرا آنا اچھا نہیں لگا نہ۔۔۔۔۔۔ مژگان سنجیدگی سے استفسار کرنے لگی تھی۔

ارے نہیں نہیں۔۔۔۔۔ شافعہ نے جھٹ نفی کی تھی۔

خدشہ تھا مژگان ناراض نہ ہو جائے۔ شافعہ کو بس مژگان کا شاہنواز سے ملنا اکھڑ رہا تھا۔ شافعہ نے شاہنواز کو دیکھا تھا وہ بہت خوش لگ رہا تھا۔ دل میں کہیں کچھ غلط ہو رہا ہیکہ الارم بج رہا تھا۔ شافعہ دل کی باتیں نظر انداز کرتی مژگان کے ساتھ باتوں میں مشغول ہو گئی تھی۔

شافعہ! تمھیں یونیورسٹی میں ڈراپ کر دونگا۔ نہیں شاہنواز۔ میں خود چلی جاؤنگی۔ شافعہ نے مسکرا کر صاف انکار کر دیا تھا۔

اچھا ٹھیک ہے۔ میں تمھیں لینے آجاؤنگا۔ اب انکار نہ کرنا۔ شاہنواز کہتا ہوا باہر لان میں چلا گیا تھا۔

شاہنواز مژگان سے ملنا چاہتا تھا۔ شاہنواز کا دل مژگان سے ملنے کو بے چین وبے تاب تھا۔ یونیورسٹی سے واپسی پر شاہنواز شافعہ کو لینے پہنچ چکا تھا۔ شافعہ کے سامژگان بھی تھی۔ دونوں باتوں میں مشغول چلتی ہوئی گیٹ کی جانب آرہیں تھیں۔ شاہنواز یک ٹک مژگان کو دیکھ رہا تھا۔ بلیک عبایا جرسی کا جس پر بلیک نگوں کا کام ہوا تھا۔ جھلملا تھا۔ پیچ کالر کا اسکارف جس پر وائٹ نگوں کا کام ہوا تھا۔ پیچ کالر کے اسکارف کے ہالے میں مژگان کا صبیح چہرہ دمک رہا تھا۔ شنگرفی لب کسی بات پر مسکرا، رہے تھے تو گال میں پڑھنے والے گڑھے نہ مزید خوبصورتی میں اضافہ کر دیا تھا۔

السلام علیکم مس مژگان! شاہنواز نے مہذب انداز میں سلام کیا تھا

مژگان کا دل دھڑکا تھا شاہنواز وارفتگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

وعلیکم السلام! مژگان نے پلکیں جھکا کر جواب دیا تھا۔ شافعہ کو ان دونوں کا اک دوسروے تکنا سخت ناگوار گزر رہا تھا۔

شاہنواز! جلدی چلو دیر ہو رہی ہے۔ شافعہ نے تیز آواز میں کہا تھا دونوں کی محویت ٹوٹی تھی۔ مژگان نے جھینپ کر منہ دوسری جانب کر لیا تھا۔

ہاں چلو شافعہ۔ شاہنواز گڑبڑا کر بولا تھا۔

مس مژگان! آپ کیسے جائیگی۔ شاہنواز کو یکدم اس کی فکر ہوئی تھی۔ وہ آج بھائی نہیں آسکیں گے تو میں پوائنٹ سے جاونگی۔

آپ کو میں ڈراپ کر دیتا ہوں آجائیں ہمارے ساتھ، نہ نہ کیجئے گا۔ شاہنواز نے جھٹ کہا تھا۔۔ مژگان مسکر دی تھی۔ شافعہ کو مارے غصے سے منہ سرخ ہو گیا تھا۔ مژگان کی بھابھی ملنسار اچھی عادت واخلاق کی مالک تھیں۔

شافعہ، شاہنواز کو زبردستی گھر میں بلا لیا تھا۔

دال چاول پکے ہوئے تھے جلدی سے ٹیبل سجادی تھی۔شافعہ کو کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔سر درد کا بہانہ کر کے جلدی ہی شافعہ وہاں سے آگئی تھی۔شاہنواز کا دل نہیں چاہ رہا تھا واپس کا وہ مژگان کی بھابھی سے خوب باتیں کر رہا تھا۔

۔۔۔شافعہ کو اپنی عزیز سہیلی سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔کیونکہ شافعہ شاہنواز کو بچپن سے ہی چاہتی تھی۔شاہنواز کا مژگان کی جانب جھکاؤ محسوس کر رہی تھی۔تو اپنی سب سے پیاری دوست ہی اپنی رقیب لگ رہی تھی۔

مژگان!تم نے مجھ سے میرے بچپن کے پیار کو چھین لیا میں تمھیں کبھی معاف نہیں کرونگی۔شافعہ نے غم وغصے سائڈ ٹیبل پر رکھا خوبصورت لیمپ اٹھا کر دیوار پر مارا تھا۔کانچ کا لیمپ چور چور ہو گیا تھا۔

مما!میں شافعہ کی سہیلی مژگان کو چاہنے لگا ہوں۔اسے اپنانا چاہتا ہوں۔

شاہنواز ماں کی گود میں سر رکھے لیٹا تھا۔اور آنکھیں موندھے ماں کو دلی کیفیت سے آگاہ کر رہا تھا۔ہوں۔تم تو بہت ہوشیار نکلے۔شاہنواز۔ماں نے مسکرا کر کہا تھا۔مما!پندرہ دن پہلے وہ گھر آئی تھی اور بس میں تو پہلی نظر والی محبت کا شکا،ہو گیا ہوں۔میں اسے ہی سوچتا رہتا ہوں کسی کام میں دل نہیں لگتا،مما جلد از جلد مژگان کو میرا بنا دیں۔شاہنواز ملتجی ہوا تھا۔

باولا ہو گیا تو تو۔۔۔۔۔۔رخسانہ بیگم اسکی باتوں پر ہنس رہی تھی۔

مما!آپ مذاق سمجھ رہیں ہیں۔میں سنجیدہ ہوں۔

شاہنواز!میری اور تمھاری پسند مشترکہ ہے۔مجھے مژگان بہت پسند ہے۔رخسانہ بیگم نے آہستگی سے کہا تھا۔

کیا مما سچ۔۔۔۔۔۔شاہنواز تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔اور پھر پورے گھر میں سب کو یہ بات پتہ چل گئی کہ رخسانہ بیگم کو شافعہ کی دوست مژگان پسند آگئی ہے جلد ہی وہ شاہنواز کے لیے مژگان کا،ہاتھ مانگنے جائیں گی۔شافعہ کو جس بات کا خدشہ تھا وہ بات ہو چکی تھی۔شافعہ کو مژگان سے نفرت ہو رہی تھی۔وہ یہی سوچتی کہ کاش میں مژگان سے دوستی نہ کرتی تو شاہنواز میرا ہوتا۔مژگان نے مجھ سے میرے شاہنواز کو چھین لیا ہے

مژگان!تم لوگوں کے یہاں خاندان سے باہر شادی کرنے کا رواج تو نہیں نہ۔۔۔شافعہ اور وہ یونیورسٹی کے کینٹین میں بیٹھی فرنچ فرائز کھا رہی تھیں۔شافعہ نے ادھر ادھر کی باتوں کے دوران پوچھا تھا۔ارے نہیں یار ہمارے یہاں تو

ایسی کوئی پابندی نہیں رشتہ آتا ہے گھر والوں کو سب صحیح لگتا ہے مطلب لڑکا، کاروبار، گھرانہ تو بس پھر شادی ہو جاتی ہے۔ تو کیوں پوچھ رہی ہے۔ مژگان اسے بتا رہی تھی۔ وجہ بھی پوچھ لی تھی۔ شافعہ نے ٹال دیا تھا۔۔۔

شاہنواز! تم بھی میری دوست کی خوبصورتی میں گم ہو کر محبت کر بیٹھے۔ شافعہ آج رخسانہ بیگم کے پورشن میں آئی تھی۔ وہ ہے ہی اسقدر حسین کہ کوئی بھی دیوانہ ہو جائے۔ شاہنواز کا لہجہ ستائشی تھا۔ شافعہ نے غصہ ضبط کیا تھا۔

شاہنواز! اک بات بتادوں۔ کل کلاں تمھیں پتہ چلے گا تو مجھے ہی برا کہو گے کہ سب کچھ پتہ ہوتے ہوئے میں نے تم سے سچائی چھپائی۔

ایسی کیا بات ہے بتاؤ۔ ؟؟ شاہنواز اسے سنجیدہ دیکھ کر چونکا تھا۔

مژگان میری خاص دوست ہے میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔

اس نے تمہیں جان بوجھ کر اپنی اداؤں سے رجھایا ہے۔ وہ تو امیر لڑکوں سے دوستی کرنا پسند کرتی ہے۔ گھومنا پھرنا اور چند دن گزارنے کے بعد چھوڑ دیتی ہے۔ شافعہ پر اعتماد لہجے میں جھوٹ کہہ رہی تھی۔

نہیں۔ وہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔ شاہنواز نے فوراً نفی میں سر ہلایا تھا

شاہنواز! میں اسکی دوست ہوں۔۔۔۔۔۔۔ شافعہ نے جتایا تھا۔

میرا دل اس بات پر اعتبار نہیں کر رہا۔ شاہنواز صاف انکاری تھا۔

ہمم۔ تو اتنا بھروسہ ہے اس مژگان پر۔۔۔۔۔۔۔

میں یہ بھروسہ توڑ کر رہونگی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ شافعہ کے ذہن میں سازش جاری تھی۔ وہ شاہنواز کے روم سے آگئی تھی۔ پی سی آن کیا سیل فون کی تصاویر وہاں شیئر کیں۔ کھٹ کھٹ شافعہ کی انگلیاں مصروف عمل تھیں۔

مژگان! تم ایسی نہیں ہو سکتیں۔۔۔۔۔ پہلی نظر میں اگر محبت ہوتی ہے تو مجھے تم سے محبت ہے۔ تم مجھے پہلی نظر میں ہی منفرد اور خاص لگیں تھیں۔ دل نے خود ہی تم پر اعتبار کر لیا تھا۔ شافعہ پر بھی اعتبار ہے وہ کیوں جھوٹ بولے گی۔۔۔۔۔۔۔۔ شاہنواز سوچوں میں گھیرا تھا۔ سوچ سوچ کر دماغ میں درد ہونے لگا تھا

مژ گان !اک بات پوچھو۔۔۔۔۔۔؟شاہنواز کے دماغ میں شافعہ کی کی ہوئی باتیں ہی گھوم رہی تھیں۔جی پوچھ لیں۔ مژ گان آہستگی سے بولی تھی۔

مژ گان کا شاہنواز آج کچھ ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

پہلے میں اک بات پوچھو؟مژ گان نے اجازت طلب کی تھی۔مژ گان تمھیں اجازت کی ضرورت نہیں۔شاہنواز سنجیدگی سے بولا تھا۔

تم اتنے پریشان کیوں ہو۔۔۔۔۔۔؟کیا بات ہے؟

مژ گان !تمھیں کیسے پتہ کہ میں پریشان ہوں۔شاہنواز حیرانگی سے بولا تھا۔محبت سچی ہو تو محبوب کی مسکان میں چھپی اداسی بھی محسوس ہو جاتی ہے۔

مژ گان !میرا دل نہیں مانتا کہ تم ایسی ویسی ہو۔۔۔۔۔۔۔۔شاہنواز من ہی من بولا تھا۔شاہنواز !تمھیں کچھ تصاویر ای میل کی ہیں زرا دیکھ لینا۔شافعہ روم میں آئی تھی اسے فون پر بات کرتا دیکھ کر بتا کر چلی گئ تھی۔شاہنواز مژ گان سے بات کرتے ہوئے ہی پی سی آن کر چکا تھا۔ایمیل چیک کی اس میں پکس آئ ہوئ تھی۔شاہنواز نے اوپن کی۔نگاہیں پھٹی رہ گئیں تھیں۔انتہائی خراب لباس میں مژ گان کسی خوبصورت لڑکے کے پہلو میں دراز تھی۔شاہنواز ساکت بیٹھا تھا۔

شاہنواز !۔۔۔۔۔۔۔۔۔شاہنواز۔۔۔۔۔۔۔۔شاہنواز۔۔۔۔۔۔۔۔۔مژ گان آوارہ لگا رہی تھی وہ سن ہی نہیں رہا تھا۔

مژ گان۔۔۔۔۔۔۔۔تت۔۔۔۔۔۔۔۔۔تم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جھوٹی۔دوغلی۔گندی لڑکی۔۔۔۔۔۔آج کے بعد میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔شاہنواز غصے سے چلایا تھا۔

ہین۔۔۔۔۔۔شاہنواز کیا ہوا!!!!!۔۔۔۔۔۔۔مژ گان حیرت سے چلائی تھی۔

تم پارسا بننے کی کوشش نہ کرنا نہ مجھے صفائیاں پیش کرنا تمھیں تمھارے کارنامے انباکس کر رہا ہوں۔شاہنواز شدید طیش میں چلایا تھا

شاہنواز! یہ سب کیا ہے۔۔۔۔؟

میں مر سکتی ہوں یہ گھٹیا حرکت نہیں کر سکتی یہ ضرور کسی کی سازش ہے۔ کوئی مجھے بدنام کرنا چاہتا ہے۔ مژگان روتے ہوئے چلا رہی تھی اپنی بے گناہی کی قسمیں کھا رہی تھی۔ شاہنواز کا دل تو پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ وہ بے گناہ ہے۔

مژگان! رو وو نہیں۔۔۔۔۔۔ مژگان کے تڑپ تڑپ کے رونے پر شاہنواز کا دل بے چین و بے قرار ہوا تھا۔

شاہنواز! پلیز بتاو تمھیں یہ بے ہودہ تصویر کہاں سے ملیں۔۔۔۔

مژگان! شافعہ مجھے بچپن سے پسند کرتی ہے۔ مجھے تم پسند آ گئیں مما نے بھی اعتراض نہ کیا۔ سب خوش تھے سوائے شافعہ کے۔ لگ رہا ہے یہ سب اسی کا کیا دھرا ہے۔ یہ تصاویر بھی شافعہ نے دی ہیں وہ کہہ رہی تھی کہ تم۔۔۔۔۔۔

شاہنواز نے مژگان کو تمام باتیں بتا دی تھی۔ مژگان حیران پریشاں تھی۔ کہ شافعہ نے اپنی محبت پانے کی خاطر اس کی عزت داغدار کر دی۔ محبت تو زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر مل ہی جاتی ہے عزت زندگی کے کسی موڑ پر نہیں ملتی۔

مژگان شاہنواز کی شکر گزار تھی۔ کہ شاہنواز تم ملے تو شافعہ کا چہرہ بے نقاب ہو گیا۔ وہ شافعہ کی باتوں میں آ کر بدگمان نہ ہوا تھا۔ اسنے سچائی ڈھونڈ نکالی تھی۔ مژگان کا بہت دکھ تھا۔ جس دوست پر وہ جان چھڑکتی تھی۔ اسی دوست نے کیا کیا تھا گھر بسنے سے پہلے ہی اجاڑنے کی سازشیں کی تھیں۔

ہانیہ بیٹا کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے ؟

جی مما جانی ۔

ہانیہ تم اتنی ضدی تو نہیں تھی بیٹا۔

فاطمہ بیگم نے تاسف سے اپنی لاڈلی کی طرف دیکھا ۔ ۔

کیا کمی ہے احمر میں ؟ گھر کا لڑکا ہے اور تم جانتی ہو نا مجھے کتنا پسند ہے ۔ ۔ اچھے لڑکے بہت مشکل سے ملتے ہیں ہانیہ اور جن لڑکیوں کے سر پہ باپ کا سایہ نہ ہو انہیں تو آجکل کوئی پوچھتا بھی نہیں ۔

فاطمہ بیگم نے نم آنکھوں کے ساتھ اپنی لاڈلی کی طرف دیکھا تھا اور اپنی مماجانی کی آنکھوں میں تیرتی نمی دیکھ کر ہانیہ تڑپ اٹھی تھی ۔

مماجانی پلیز ۔ ۔ ۔ ۔ ہانیہ نے ملتجی انداز میں انکی طرف دیکھا ۔

یہ تمہارے بڑے پاپا کی خواہش ہے ہانیہ ان کی خوشی کیلیئے ہی مان جاو ۔ ۔ ۔ فاطمہ بیگم نے ایک مرتبہ پھر اسے رام کرنے کی کوشش کی ۔

مما جانی مجھے بہت نیند آرہی ہے ۔ پلیز جاتے ہوئے لائٹ آف کر دیجیئے گا ۔ ہانیہ نے نگاہیں چراتے ہوئے کہا اور رخ بدل کر لیٹ گئ ۔۔ اوکے بیٹا مگر تمہیں اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی ضرورت ہے اور مجھے امید ہے کہ تم مجھے اور اپنے بڑے پاپا کو کبھی بھی مایوس نہیں کرو گی ۔۔ ۔ مما جانی نے ایک مرتبہ پھر بڑے مان سے کہا اور لائٹ بند کر کے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں ۔

یہ تم نے مجھے کس موڑ پہ لا کر کھڑا کردیا احمر ہمدانی ۔ ۔ ۔ کیوں میرا ضبط آزما رہے ہو آخر ؟؟؟

کس بات کی سزا دے رہے ہو مجھے ۔ وہ ساری رات ہانیہ نے بہت کرب کے عالم میں گزاری تھی اور جس کی خاطر وہ یہ سب کر رہی تھی وہ پوری دنیا کو فراموش کیئیے بڑے سکون سے سو رہا تھا ۔

ہانیہ ہمدانی کی عمر چار برس تھی جب اس کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا ۔ فاطمہ بیگم نے کم عمری میں ہی بیوگی کی چادر اوڑھ لی تھی مگر سب کے لاکھ سمجھانے پر بھی وہ دوسری شادی کیلیئے رضامند نہ ہوئیں اور اپنے شوہر کے گھر پر ہی رہنے کو ترجیح دی ۔ خضر ہمدانی اپنے جان سے پیارے بھائی کی موت پر اندر سے ٹوٹ چکے تھے وہ اپنے بھائی کی آخری نشانی کو خود سے دور نہں بھیجنا چاہتے تھے انہوں نے کبھی بھی ہانیہ کو باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی ۔ ۔ اپنے اکلوتے بیٹے احمر سے بڑھ کر انہوں نے اپنی

بھتیجی کا خیال رکھا تھا اور اب تو ہانیہ کا رشتہ مانگ کر انہوں نے فاطمہ بیگم کے دل میں اپنا مقام اور بھی بلند کر لیا تھا۔

ایکسکیوزمی احمر مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔۔۔ یونیورسٹی میں وہ گھاس پہ بیٹھا اپنے دوستوں کے ساتھ کسی ٹاپک پہ بحث کر رہا تھا جب ہانیہ نے آواز دی۔

تم لوگ بات جاری رکھو میں بس ابھی آیا۔۔ وہ اپنے دوست وقار کی پیٹھ تھپتھپاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔۔

ہاں بولو کیا بات ہے۔۔ احمر نے اکھڑے ہوئے انداز میں پوچھا۔

احمر کب تک ناراض رہو گے مجھ سے ؟؟؟ بڑے پاپا اور مما جانی نے جو فیصلہ کیا اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں۔۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ہانیہ کی آواز بھیگ گئ۔ وہ گھر میں احمر سے اس موضوع پر بات نہیں کر سکتی تھی۔ سو کلاس ختم ہوتے ہی احمر کے پاس آ گئ۔

بولو جلدی اور صرف کام کی بات کرو ہانیہ۔

اس کا اجنبی لہجہ ہانیہ کو بہت تکلیف دے رہا تھا۔۔ احمر مما جانی نے رات پھر مجھ سے پوچھا تھا۔

تو تم نے کیا جواب دیا ؟؟

وہی جو آپ نے کہا تھا ۔ ۔ ڈیٹس لائک آ گڈ گرل ۔ ۔ دیکھو ہانیہ ایک کزن اور دوست کی حیثیت سے تم مجھے بہت پیاری ہو مگر جو رشتہ ہمارے گھر والے جوڑنا چاہتے ہیں نا میں اس کے مطلق سوچ بھی نہیں سکتا ۔ ۔ تم اچھی طرح سے جانتی ہو کہ پچھلے چار سال میری فاریہ کے ساتھ کمٹمنٹ ہے ۔ ۔

آپ خود انکار کیوں نہیں کر دیتے احمر ؟ میرے کندھے پہ بندوق رکھ کے کیوں چلا رہے ہیں ۔ بڑے پاپا کو اپنے اور فاریہ کے مطلق سب کچھ بتا دیجئے ۔

ہانیہ نے بہت غصے سے احمر کی طرف دیکھا ۔

میں جائیداد سے عاق نہیں ہونا چاہتا سمجھیں تم ۔ ۔ احمر پلیز ایسے مت کریں آپ ۔ میں بڑے پاپا کو دکھ نہیں دے سکتی ۔ ہانیہ نے بے بسی سے کہا ۔ ۔ ۔ میں اب انکار نہیں کروں گی سمجھے آپ ۔ ہانیہ کا انداز دو ٹوک تھا ۔

اگر تم نے ہاں کی تو میں خودکشی کر بیٹھوں گا ۔ ۔ اور رہی فاریہ کی بات تو جب تم انکار کرو گی تب میں خود بابا جان سے بات کر لوں گا ۔

احمر کے الفاظ نے ہانیہ کے جسم سے سارا خون نچوڑ لیا تھا ۔ ۔ اسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے اسے زندہ درگور کر دیا ہو ۔

وہ بلکل ٹوٹ چکی تھی بڑے پاپا کے علاوہ اگر اس نے کسی مرد سے بے تحاشا محبت کی تھی تو وہ احمر ہمدانی تھا ۔ ۔ ہر وقت کی نوک جھونک اور لڑائی جھگڑے کے دوران اسے کب اس سے محبت ہو گئ پتہ

ہی نہ چلا ۔ وہ ہر جگہ ساتھ ہوتے ۔ سکول ، کالج اور اب یونیورسٹی ۔ ۔ وہ دونوں جب ساتھ ہوتے تو ہر نگاہ میں ان کیلیئے ستائش ہوتی ۔ ۔ مگر پھر اچانک ہی احمر کی زندگی میں فاریہ آگئ ۔ ہانیہ نے کبھی اس بات کو سر پہ سوار نہیں کیا تھا ۔ اسکا خیال تھا کہ احمر جلد ہی فاریہ کو فراموش کر دے گا مگر آج احمر کی بات سن کر وہ حقیقتاً شاکڈ رہ گئ تھی ۔ ۔

مماجانی کے بار بار بلانے پر بھی وہ کھانے کی میز پر نہ گئ تو ناچار بڑے پاپا کو ہی اسے لینے کیلیئے آنا پڑا ۔۔ بڑے پاپا کو غیر متوقع طور پر اپنے سامنے دیکھ کر وہ ہڑ بڑا کر اٹھی ۔ ۔ بڑے پاپا آیئے بیٹھیے اس نے بیڈ کی چادر درست کرتے ہوئے کہا ۔ ۔

کیا ہوا ہماری گڑیا کو ؟ احمر سے جھگڑا ہو گیا کیا ۔ بتاو میں ابھی اس کے کان کھینچتا ہوں ۔

بڑے پاپا کے ہلکے پھلکے انداز پر اس نے مسکرانے کی سعی کی مگر ناکام رہی ۔ ۔ ۔ ۔ نہیں بڑے پاپا ایسا کچھ نہیں ہے ۔ بس میرے سر میں تھوڑا درد ہے ۔ ۔ کیا بات ہے بیٹا کیا طبعیت زیادہ خراب ہو گئ ہے اسی وقت ساعقہ بیگم کمرے میں داخل ہوئیں ۔ نہیں بڑی ماں میں ٹھیک ہوں ۔ کہاں ٹھیک ہو جب سے کالج سے آئی ہو اسی طرح پڑی ہوئی ہو ۔ خضر میں تو کہتی ہوں اسے کسی ڈاکٹر کے پاس لے چلتے ہیں دیکھیں تو کتنی کمزور ہو گئ ہے ۔ اپنا خیال بھی نہیں رکھتی ۔ ۔ بڑی ماں کے لہجے میں چھپی گہری فکر نے ہانیہ کو اندر تک شرمندہ کر دیا تھا ۔ بڑی ماں پلیز میں نے کہا نا میں ٹھیک ہوں ۔۔ چلیں آجائیں بڑے پاپا ہم کھانا کھاتے ہیں مجھے بڑی بھوک لگی ہے ۔ ہانیہ نے انکا دھیان بٹانے کی غرض سے خود کو ہشاش بشاش ظاہر کرنے کی کوشش کی ۔ ۔ ۔ مگر خضر ہمدانی اس وقت گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے ۔ ۔

عورت اور وفا کا پیکر ہاہاہا ۔ ۔ ۔ تم بھی نا دانیال ہمیشہ کتابی باتیں ہی کرتے ہو ۔ ۔ ۔ احمر کو دانیال کی بات کسی جوک کی طرح لگی تھی ۔ ۔ ۔ احمر لوگوں کا گروپ ہر روز کسی نئے موضوع پہ بحث کیا کرتا ۔ پہلے پہل تو ہانیہ بھی اس گروپ کا حصہ ہوا کرتی تھی مگر بعد میں وہ یہ گروپ چھوڑ گئ تھی کیونکہ بے تحاشا بحث کے بعد اسکا اور احمر کا جھگڑا ہو جاتا تھا ۔

ہانیہ کی آنکھوں میں لڑتا جھگڑتا اور کھکھلاتا ماضی کسی فلم کی طرح چلنے لگا ۔ سامنے احمر اپنے دوستوں کے ساتھ دھواں دھار بحث میں مصروف تھا مگر ہانیہ بلکل غائب دماغی کے ساتھ آتے جاتے سٹوڈنٹس کو دیکھ رہی ۔ ۔ ہوش تو تب آیا جب اس کی دوست عروہ نے آکر اسکا کندھا ہلایا ۔۔ میڈم گھر نہیں جانا کیا ؟ عروہ کے آواز دینے پر وہ بری طرح سے چونکی تھی ۔ ۔ احمر لوگوں کا گروپ بھی اپنی جگہ پر موجود نہ تھا ۔ ۔۔ احمر کہاں گیا اس کے ساتھ ہی جاوں گی ۔ ہانیہ نے تھکے تھکے لہجے میں جواب دیا ۔۔۔ احمر فاریہ کے ساتھ ذرا باہر گیا ہے تمہیں آج ڈراپ کرنے کی ذمہ داری میری ۔ عروہ نے شوخی سے کہا تو وہ چپ چاپ اسکے ساتھ چل دی ۔ ۔ ۔

ہانیہ پھر کیا جواب دوں بھائی صاحب کو ۔ مماجانی نے کمرے میں آتے ہی سوال کیا تھا ۔ اس نے اپنا لیپ ٹاپ بند کیا اور مماجانی کی طرف متوجہ ہوگئ ۔ ۔ کس بارے میں مما ؟؟ اس نے انجان بننے کی کوشش کی ۔ ۔ تم اچھی طرح سے جانتی ہو ۔ ۔ فاطمہ بیگم نے بڑے تحمل سے جواب دیا ۔ میں احمر کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی ۔ ۔ ہانیہ نے قطعی لہجے میں کہا ۔

ہانیہ مجھے پتہ ہے تم میری تربیت پہ حرف نہیں آنے دو گی ۔

مما پلیز کیا ہم اس بات کو یہیں ختم نہیں کر سکتے ۔۔ نہیں ہانیہ تمہیں فیصلہ کرنا ہوگا آر یا پار ۔) عورت اور وفا کا پیکر ۔۔۔ کہیں بہت دور سے آواز آئی تھی اور ہانیہ نے اگلے ہی پل فیصلہ سنا دیا تھا

۔۔ میں احمر سے کبھی شادی نہیں کروں گی مما نہ آج نہ کل ۔۔

میں تمہارے بڑے پاپا کو کیا جواب دوں گی جانتی ہو نا کتنے نازوں سے پالا ہے انہوں نے تمہیں ۔

تو کیا ہوا مما اگر انہوں نے میرے ناز نخرے اٹھائے ہیں کیا اب میں ان کی خاطر اپنی زندگی داو پہ لگا دوں آپکو باقی سب کا خیال ہے مگر اپنی بیٹی کی کوئی پرواہ نہیں ۔۔ ہانیہ نے سفاک ہونے کی بھرپور ایکٹنگ کی تھی جس میں وہ کامیاب بھی ہو رہی تھی اور دروازے سے واپس پلٹتے بڑے ابا کے جھکے کندھے دیکھ کر ہانیہ کا دل پھٹ گیا تھا۔۔

ہانیہ کون ہے وہ ؟

کون مما ؟؟

جس کی وجہ سے تم اتنی خود غرض بن رہی ہو ۔

وہ میرا کلاس فیلو ہے مما یقین مانیے بہت اچھا ہے ہانیہ نے بڑی بہادری سے جھوٹ بولا تھا

تم نے آج میرا مان توڑ دیا ہانیہ ۔ تم میرا غرور تھیں فخر تھیں مگر آج تم نے مجھے میری ہی نظروں میں ذلیل کر دیا ہے ۔ فاطمہ بیگم بڑے دکھ سے کہتے ہوئے آنسو ضبط کرتیں کمرے سے نکل گئیں تھیں ۔

مما پلیز ۔۔۔ ہانیہ نے انکو آواز دینا چاہی مگر الفاظ کہیں اندر ہی دم توڑ گئے تھے ۔۔ وہ پھوٹ پھوٹ

کے رو دی تھی ۔ دیکھ لو احمر ہمدانی میں نے آج اپنا آپ ہار دیا ہے ۔۔۔ صرف تمہاری خوشی کی خاطر میں نے اپنا سب کچھ گنوا دیا ہے ۔۔ اب تو نہیں کہو گے نا کہ عورت وفا کا پیکر نہیں ہوتی ۔۔۔ اب تو خود کو سزا نہیں دو گے نا احمر ۔۔ وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی مگر دل کا درد تھا کسی طرح بھی کم نہیں ہو رہا تھا ۔۔

وفا ہم نے نبھائی ہے

سہی ہم نے جدائی ہے

ہر لمحہ ٹھوکر کھائی ہے

ہر موڑ پہ ملی رسوائی ہے

" رضیہ ۔۔۔تم یہاں اچار مکس کرنے میں لگی ہے۔۔ آس پاس کی کوئی خبر ہے کہ نہیں۔ باہر کیا ہو رہا ہے تمھاری جانے بلا"۔۔۔ خالہ زہرہ ہمیشہ کی طرح بڑبڑاتے ہوئے آئیں اور لے کے اماں کو بھی بوکھلا دیا۔ " ایسا بھی کیا ہو گیا خالہ۔ ابھی رات تک تو سب ٹھیک تھا۔ رضیہ نے اچار کا مرتبان زویا کو پکڑاتے ہوئے کہا "ارے وہ نوشابہ کی بڑی بیٹی ہے نا فرح وہ گھر سے بھاگ گئی "ہائے۔،، رضیہ نے ایکدم دہل کر خالہ کی طرف دیکھا۔ ارے ایسے کیا دیکھ رہی ہو یہ تو ہونا ہی تھا۔ چار چار آئڈیاں بنا رکھی تھی اس نے۔ پتا نہیں کتنے لڑکوں کے ساتھ فیس بک پر رابطہ تھا" خالہ ہاتھ ہلا ہلا کر بتا رہی تھیں "نوشابہ کا تو برا حال ہو گا" رضیہ کو نوشابہ کے لئے برا لگ رہا تھا نوشابہ رضیہ کی دور کی رشتہدار تھی۔ اسی کی تو ساری غلطی ہے بیٹی چوبیس میں سے بیس گھنٹے تو فون کے ساتھ لگی رہتی کبھی روک ٹوک نہ کی یہ دن تو دیکھنا تھا خالہ زہرہ دونوں کی رشتہ دار تھیں مگر نوشابہ کی لاپرواہی سے اکثر چڑتی تھیں ۔"،ایسی لڑکیوں کو لڑکے کب بساتے ہیں دل بھرنے کے بعد چھوڑ دیتے ہیں پھر نہ یہ ادھر کی رہتی ہیں نہ اُدھر کی۔ ان کے پاس ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے۔۔ چھت پہ اچار کا مرتبان رکھ کہ واپس آتی زویا کے کانوں میں خالہ کا آخری جملہ کے پڑ گیا

میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں"
پلیز یہ ممکن نہیں "
آآپ کوئی ایڈرس تو بتائیں صرف ایک بار آپ کو دیکھنے آوں گا میں نے آج تک آپ سے کوئی ایسی ویسی بات نہیں کی۔ لیکن اب مجھے احساس ہے کہ

میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا مجھے آپ سے بات کرنا
بہت پسند ہے پلیز اپنا فون نمبر دے دیں
ہمارے بیچ میں صرف دوستی کا رشتہ ہے میں نے پہلے
بھی کہا تھا "
"آپ سے دوستی کے بعد مجھے احساس ہوا کہ دوستی کیا
ہے میں سارا دن آپ کے میسجز کا انتظار کرتا ہوں
جب کبھی آپ کا میسج نہیں آتا تو مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا
اچھا ملنا نہیں چاہتی تو ایک پک سینڈ کر دیں میں دیکھنا
چاہتا ہوں جس کا ایک ایک لفظ اس قدر خوصورت
ہے وہ خود کتنی حسین ہو گی" وہ لفظوں کے جال میں
اسے الجھا رہا تھا لڑکیاں تو ہوتی ہی نازک احساسات
سے گندھی ہوئی ہیں نرم و ملائم جذباتی الفاظ سے
پگھل جانے والی اور اگر لڑکی زویا جیسی کچی عمر میں ہو تو
بھکنے کے چانسس زیادہ ہوتے ہیں وہ بھی اس کے
جال میں پھنس رہی تھی وہ ایک سیدھی سادھی لڑکی
تھی ایف اے میں فرسٹ آنے کی خوشی میں بھیا نے
دوبئی سے اس کے لیے موبائل بھیجا تھا اماں تو لڑکیوں
کے موبائل رکھنے کے حق میں ہی نہ تھیں۔مگر بھیا
دوبئی جانے کے بعد تھوڑے براڈ مائنڈڈ ہو گئے تھے
۔پھر اماں بھی راضی ہو گئیں کہ روز بھیا سے

سکائپ پہ بات ہو جاتی ۔
زویا نے نیا نیا فیس بک اکاونٹ بنوایا اپنی دوست مومنہ
سے ۔تب مومنہ نے اسے متنبہ کیا ۔
دیکھو زویا اگر فیس بک احتیاط سے یوز کرو تو کوئی برائی
نہیں مگر آج کل لڑکیوں نے اسے اُوڑنا بچھونا بنالیا ہے
اور بہت سی فیک آڈیز بھی بنا لیتے ہیں لوگ
کسی فالتو کو ایڈ مت کرنا ۔
مگر کچھ دن سے زویا کو میسجز آرہے تھے پہلے تو اس نے
دھیان نہیں دیا مگر میسجز کرنے والا خاصا مستقل مزاج
تھا پھر دو تصویریں آیں کسی بہت ھینڈ سم لڑکے کی
۔زویا نہ چاہتے ہوے بھی متوجہ ہونے لگی۔اور اب
زویا کو بھی اس کے آن لائن ہونے کا انتظار رہنے لگا۔
آہستہ آہستہ اسے اس پرنس کے میسجز اچھے لگنے لگے
۔کبھی اس کا دل کہتا کہ یہ غلط ہے مگر دوسرے ہی لمحے
وہ خود کو تسلی دیتی کہ فقط دوستی ہی تو ہے۔مجھے کونسا
اس سے ملنا ہے ۔

زویا اٹھو جلدی جلدی کام ختم کرو میں نوشابہ کی
طرف جا رہی ہوں دروازہ اچھی طرح کرود کر لو"
زویا جو کتاب میں فون رکھ کر بیٹھی تھی ایکدم گڑبڑائی

۔

کیوں کیا ہوا ہے اماں اچانک جا رہی ہیں "
فرح کی لاش ملی ہے پولیس کو "
زویا کے پورے وجود میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی ۔اس کی آنکھوں میں سٹائلش سی فرح کا سراپا گھوم گیا وہ اور زویا ایک ہی کلاس میں تھں فرح کو فیس بک پہ فرینڈز بنانے کا کریز تھا ہر دم ہسنے والی فرح لاش میں تبدیل ہو چکی تھی اسے یقین ہی نہ آرہا تھا اماں نے جاتے ہوئے مومنہ کو اس کے پاس بھیج دیا تھا اور اب دونوں مل کے رو رہی تھیں ۔
اس نے کسی سے دوستی ہی تو کی تھی کیا یہ قصور بہت بڑا تھا مومی کہ اسے یہ بھیانک سزا ملی ۔" زویا کا لہجہ آنسوئوں میں ڈوبا ہوا تھا۔
اس کا قصور یہ تھا کہ اس نے غلط انسان سے دوستی کی "
.مرد اور عورت کے بیچ کبھی دوستی کا رشتہ نہی ہو سکتا زویا۔نامحرم مرد اور عورت میں کوئی رشتہ ناجائز ہی ہو گا دوستی تو نہی ہو سکتی کیو کہ مرد عورت کو صرف ایک ہی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ صرف شرعی رشتوں کا احترام کرتا ہے ناجائز تعلقات کا پھندہ ہمیشہ عورت کی گردن میں ڈالا جاتا ہے

"فیس بک میں بہت فیک آئڈیز ہیں ایسے ہی فرح نے بھی کسی کو ایڈ کیا تھا یہی سے ان میں رابطہ ہونے لگا اس نے فرح سے تصویر کی فرمائش کی تو اس نے سینڈ کر دی یہ اس کی بہت بڑی غلطی تھی اس تصویر کو نیٹ پر اپلوڈ کرنے کی دھمکی دے کر اس نے فرح کو پارک میں بلایا تھا وہ بھاگی نہی تھی وہاں لڑکوں کا پورا گروپ تھا وہ اسے زبردستی لے گئے تھے ایک کو پولیس نے پکڑ لیا ہے۔ ۔......زویا لڑکیاں بھی تو غلط کرتی ہیں ۔فیس بک یوز کرتے احتیاط نہیں کرتی اپنی پک اور انفارمیشن شئر کرتی ہیں۔اور فرینڈ لسٹس میں دیکھو تو لڑکوں کی بھرمار۔صرف یہں نہیں انباکس میں گپ یہں سے وہ معصوم اور نادان لڑکیوں کو پھنسالیتے ہیں۔
لڑکیوں کی عزت کانچ کی طرح ہوتی ہے ذرا سی بے احتیاطی اس کانچ کو چکنا چور کر سکتی ہے۔
مومنہ جا چکی تھی اماں آنے والی تھیں اماں کے آنے سے پہلے زویا کو ایک ضروری کام کرنا تھا ۔اس کے آنسو خشک ہو چکے تھے وہ اٹھی اور اپنا ایف بی اکائونٹ ڈیلیٹ کر دیا ۔
کرنے کو اور بھی بہت کام تھے اس کو تو اس کی

توضرورت بھی نہ تھی صرف ٹائم پاس تھا اسے یہ پھندہ اپنے گلے میں نہیں ڈالنا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یہ دسمبر ہے

پھیلی دور تک ویرانی ہے اور یہ دسمبر ہے
تمہاری یاد آئی ہے اور یہ دسمبر ہے

پچھلے دسمبر تو ہم ساتھ تھے جاناں
اب کے برس میں۔ تنہائی اور یہ دسمبر ہے

گرم کافی کا مگ تھامے تمہارا سامنے رہنا
اب تم تو نہیں۔ کافی ہے اور یہ دسمبر ہے

بھیگے دسمبر کی وہ ہلکی ہلکی پھوار
مگر اب روتا ہوا لگتا مجھے یہ دسمبر ہے

لوٹ آؤ کہ اب جینا دشوار ہے جاناں
منتظر ہوں میں بھی اور تمہارا یہ دسمبر ہے۔

امرینہ سہیل۔ گجرات

غزل

نائمہ غزلؔ

عجب اس دل کی حالت ہو رہی ہے
مجھے لوگوں سے وحشت ہو رہی ہے

محبت کب زمانے سے ڈری ہے
نئی ہر روز جدت ہو رہی ہے

محبت کو کڑے پہروں میں رکھو
انوکھی اس میں شدت ہو رہی ہے

نہیں تجھ میں وفا کا عکس لیکن
ابھی بھی تیری مدحت ہو رہی ہے

پریشاں ہے بہت وہ شخص شاید
مری سانسوں کو دقت ہو رہی ہے

غزلؔ وہ شخص نہ بھولے گا تجھ کو
تو پھر کیوں یہ مشقت ہو رہی ہے

دعا!زین کا کچھ پتا ھے وہ کہاں ھے؟ عالیہ بیگم نے لاونج میں صوفے پر پاؤں پسار کر بیٹی دعا کو مخاطب کیا تھا۔

"مما!آپ کو پتا تو ہے وہ اس وقت کہا ہو سکتا ہے you know یہ بھائی کے ٹیوشن hours ہیں،،۔ دعا تمسخر سے مسکرائی تھی۔ عالیہ بیگم پارہ فوراً ہی چھڑ گیا تھا۔

"آنے دو اس لڑکے کو آج میں اس کے ہوش ٹھکانے لگا کر رہوں گی،،عالیہ بیگم کے لہجے میں غرور بول رہا تھا پھر وہ پیر پٹختی وہاں سے چلی گ ئی ںی۔

"اب مزہ آے گا، -دعا نے کندے اچکاتے ہوے کہا اور ہنسی،-

دعا!بیٹا ایک کپ چائے تو پلادو سر میں بہت درد ہورا ہے، -تھوڑی دیر بعد ہی جمال صاحب لاونج میں وارد ہوے تھے-

"ایک تو میں جمال صاحب آپ کے بیٹے سے بہت تنگ ہوں زرا بھی اپنے اسٹیس کا خیال نہیں زرا مینرز نہیں ہیں زین میں اتنا بھی احساس نہیں کے کن لوگوں سے ملنا اور کن سے دور رہنا چاہیے،-

عالیہ بیگم کا غصہ ختم ہونے میں نہیں ارہا تھا -وہ اپنے کمرے سے پھر لاونج میں آ گ ئی یں تھیں-

"لگتا ہے آج وہ پھر کریم کے گھر گیا ہے،-

وہ بیگم کو سنتے ہوے تحمل سے سوچتے ہوے بولے،-

"آج آنے دو اسے میں خوب خبر لیتی ہوں،-

وہ ایک بار پھر کھولتے ہوےاندر چلی گ ئی یں جبکے جمال صاحب وہ ڈائی جسٹ اٹھا لیا جو ابھی دعا پڑرہی تھی-

"بھائی آج آپ کی خیر نہیں کیسے بچیں گے،،

وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوا تھا اسے خبریں سنانے کے لیے سب سے پہلے دعا حازر ہوتی تھی-

"زین!یے بتا سکتے ہو تمہاری واپسی کہاں سے ہو رہی ہے،-

اسے پہلے کے وہ دعا کی بات کا کوئی جواب دیتا اپنی قیمتی ساڑی کا پلو سمبھالتی ہوئی عالیہ بیگم ان کے درمیان آ گ ئی یں اور انتہائی سنجیدگی سے مخاطب ہوئی یں-

"وہ۰۰۰۰۰۰۰وہ۰۰۰۰دراصل!

اسے بہانا نہ سوجھا تو ہکلانے لگا-

"ہاں ہاں کہہ دو کرکٹ کھیل رہے تھے دوستوں کے ساتھ تھے، ۰۰۰ہے نہ۰۰۰-

غصے سے عالیہ بیگم کمر پے ہاتھ باندھے گویا ہوی ئی ں-

"ممی جب آپ جانتی ہیں تو کیوں پوچھ رہی ہیں،-

وہ تھکے ہوے لہجے میں کہتا ہوا صوفے پے بیٹھ گیا، آخر اس نے ہار مان لی تھی-

"کیا کر رہے تھے کریم کے گھر،،

"پڑھا رہے تھے جناب اسد اور حنا کو۰۰۰

اسکی بجائے ہنستے ہوے دعا نے جواب دیا تھا -

"دعا!تم تو خاموش ہی رہو تو اچھا ہے،

دعا کو مما کے بھڑکانے پر ڈپٹ کر بولا-

"تمہیں کتنی دفع سمجھایا ہے مینے زین غریب لوگ نہیں پڑ سکتے اِن کی قسمت میں صرف ہم امیروں کی چاکری کرنا ہے،،-

عالیہ بیگم اس کو نئے سرے سے سمجھانے کے لیے صوفے پے بیٹھ گئی ں -

ماں کے سامنے زین کی نگاہیں جھک گ ئی ی تھیں-

"ممی!اپ غلط سوچ رہی ہیں کیا غریبوں کے پاس دل نہیں ہوتا کیا تعلیم پے ان کا حق نہیں ہوتا ہے کیا، کیا غریب کے انسان نہیں ہوتا،یا ان کے پاس دل نہیں ہوتا،

زین دبے دبے لہجے میں دلیل دینے لگا-

"ہوتا ہوگا حق لیکن اگر یے غریب پڑھ گ ئی ے تو ہماری نوکری کون کرے گا، بیٹا ! ہمارے ٹکڑوں پے پلنے والے، ہماری برابری کرنے لگیں گے-

کتنے ارام سے اس کی ماں نے یے بات کہدی تھی،زین حیران تھا-

"مما!اپنے مفاد کے لیے حقدار کو ان کے حق سے دور کر دینا کہاں کا انصاف ہے یے تو خودغرضی ہے مما اور خودغرضی اللہ کو پسند نہیں،

زین نے ماں کی انکھوں پر چڑھی دولت کے نشے کی پٹی اتارنی چاہی تھی، غصے سے عالیہ بیگم کا چھرا تن گیا تھا-

"زین!کیا اب تم ان غریبوں کے لیے میرے
اگے زبان چلاوگے اپنی ماں۰۰۰ کے
اگے۰۰۰۰-

وہ غصے سے اپنے ہاتھ بینچھتے ہوے بولیں-

Sorry!"مما میرا مقصد اپ کو hurt کرنا نہیں
تھا، وہ دیھرے سے کہتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا
تھا-

۰۰۰۰۰۰۰۰۰

"حنا!اب تو تمہیں انگلیش،اوردو پڑھ نے اگے
ہیں، اسد تم تھوڑے week ہو English میں
تم تھوڑی محنت زیادہ کرو ،

زین نے books close کر کے رکھ دیں تھیں
اور دونو books کے last page پے the end
لکھدیا تھا،-

"ہاں!بھائی اب تو ھم expert ہوتے جارہے
ہیں، حنا نے معصومیت سے کہا تو زین اس کی
معصومیت پے مسکرا دیا-

"زین!بھائی اس کے لیے ہم اپکے بےحد
شُکرگزار ہیں کے آپ بیگم صحبہ کی اتنی باتیں
سن کر ہمیں پڑھانے آتے رہے ہیں -

اسد نے شکر بھری نظروں سے دیکھ تے ہوے
کہا تھا-

"آگر آپ نہ ہوتے زین بیٹے تو میرے بچے
کیسے پڑھ پاتے،شکریٰ!زین بیٹے۰۰۰،

کریم بابا پتا نی کب سے پیچھے کھڑے ان کی
باتیں سن رہے تھے،آہستہ سے اگے بڑھے اور
زین کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوے کہا-

"نہیں کریم بابا!اس میں میرا کوئی کمال
نہیں،سارا کمال تو ان بچوں کا ہے ان کے
شوق،توجااور دلچپسی ہے اگر ان کو شوق نا ہوتا تو

میری کوشش ناکام جاتی میں کبھی بھی یہاں تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

زین نے کھڑے ہوکر کریم بابا کے ہاتھ پکڑتے ہوے کہا،کریم بابا نے آہستا سے سر جھوکالیا اور انکھوں میں آئی نمی کو صاف کرنے لگے۔

"کریم بابا!آپ انہیں سکول میں داخل کرا دیں، اسنے کریم بابا کو کہا۔

"کیا ایسا ہوسکتا ہے ہمیں سکول جانے کا بہت شوق ہے۔۔۔

دونوں بچوں کی انکھیں چمکنے لگیں۔

"تم لوگوں کا یے شوق ضرور پورا ہو گا۔

زین کے دل سے ان بچوں کے خوابوں کے پورا ہونے کی دعا نکلی تھی۔

"اچھا!اب اجازت دیں کریم بابا اللہ حافظ،

وہ گھڑی دیکھتے ہوے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"آج بہت دیر ہوگ‌ئی زین بیٹا بیگم صحبہ غصے ہو نگی،

کریم بابا اسکو دروازے تک چھوڑنے کے لیے کھڑے ہو گ‌ئی ے۔

"کوئی بات نہیں کریم بابا میں مما کو سمبھال لوں گا اپ فکر نا کریں۔

اسنے کریم بابا کے چھرے پے پرشانی دیکھتے ہوے کہا۔

----- ----- ------ -----

بیگم صحبہ!مبارک ہو زین نے B.C.S میں first positionلی ہے۔

جمال صاحب نے لاونج میں داخل ہوتے ہوے عالیہ بیگم کو کہا جو پہلے سے ہی واہاں مجود تھیں۔

"جی۔۔۔اپکو بھی مبارک ہو ہمارا بیٹا ہے ہی اتنا intelligent،ویسے وہ ہے کہاں اس وقت۔۔۔

وہ خوشی سے نہال ہو رہی تھیں،جب بیٹے کی کمی محسوس ہوئی تو چونک کر دعا سے پوچھا۔

"بھائی!کواٹر میں مٹھائی دینے گ ئی ے ہیں،

دعا نے موبائی ل پے Msg کرتے ہوئے جواب دیا۔

"توبا!یے لڑکا نا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا،وہ بچے اس کے پھوپھی کے بچے لگتے ہیں جو مٹھائی دینے چل دیا۔۔۔

عالیہ بیگم کا ایک منٹ میں پارہ چڑھ گیا تھا،جمال صاحب گورتے ہوئے انکی طرف دیکھا اور کہا۔

"تم بھی کمال کرتی ہو،اگر وہ چلا گیا ہے بن ماں ک بچوں کو اپنی خوشی میں شریک کرنے تو کیا فرک پڑتا ہے،اتنا غرور نا کرو کہ يي غرور تمہیں لے ڈوبے،اللہ تعالا کو غرور اور تکبر سخت نا پسند ہے۔

"Oh god! مما پاپا یہ بہث چھوڑیں اور یہ مٹھائی کھائی یں،

باہرسے زین نے اتے ہوئے جلدی سے کہا مبادا ان کی لڑائی اور نہ بھڑ جائے مٹھائی کا ڈبہ ہاتھ میں پکڑا ہوا آگے کر دیا۔

"مبارک ہو بیٹا!اللہ تمہیں دونوں جہانوں میں کمیاب کرے۔

جمال صاحب نے اسے گلے لگا گر دعا دی۔

------ ----- ----- -----

"ہائے دعا تم سچ کہ رہی ہو،

مارے حیرت سے عالیہ بیگم کی انکھیں پھٹ گ ئی یں۔

"ممی کیا میں اپ سے جھوٹ بول ری ہوں،

دعا نے حیرانگی سے انکھیں پھلائی یں۔

"مجھے توقع نہیں تھی زین سے اس نے اتنا بڑا کام کرلیا اور مجھے بتا یا تک نہیں،

وہ صوفے پر سے ایسے اٹھیں جیسے انھیں بچھو نے کاٹ لیا ہو۔

"ممی بھائی ابھی کسی کو نہیں بتائیں گے،وہ مجھے سکینہ نے بتایا ہے کے کریم بابا کے بچوں کو زین بابا سکول میں داخل کرا رہے ہیں اور کورس بھی لے کر رے رہے ہیں،

دعا نے ماں کو اچھی طرح بھائی کے خلاف بھڑکا دیا تھا،وہ تو آگے ہی حسد کی آگ میں جل تہی تھیں۔

"توبہ۔۔۔جب اپنا خون ہی اچھا نہ ہو تو غیروں سے کیا شکوہ،

انھوں نے صدمے سے بھری آواز نکالی۔

"ممی!ابھی حنا سکول گ ئی نہیں تو سکینہ کے بچوں کو سبق دیتی پھرر ہی ہے،اور اسد کہتا میں بڑا ہو کر زین بھائی جیسا بنوں گا،

دعا ہاتھ نچانچا کر ماں کو بتا رہی تھی،عالیہ بیگم تو اگے ہی دماخ خراب ہوا تھا۔

"اُس چونٹی کو دفعہ کرو،اور اُس کمینے کی اتنی اوکات ہے کہ میرے بیٹے کا مقابلہ کرے، میں ابھی منسوخ کراتی ہوں ان کے داخلے،

دعا نے غصے سے پاگل ہوتی ماں کو دیکھا اور کہا۔

"ممی!کیا آپ جانتی ہیں زین بھائی نے کہاں ان کا admission کروایا ہے،

"میں جانتی ہوں زین نے کہاں ان کا داخلا کراوایا ہو گا،وہ جو تمہارے پاپا کے دوست ہیں نہ صفدر صاحب اُنکے سکول میں کراوایا ہو گا مجھے پتا ہے، میں ابھی مسسز صفدر کو فون کر کے کہہ تی ہوں انکا داخلا منسوخ کرے،

دونوں ماں بیٹی نے خوش ہو کر ہاتھ پہ ہاتھ مارا،
اب وہ دونوں پُر سکون ہو گ ئی تھیں معصوم
بچوں کی زندگی کا بھیانک فصلہ کر کے-

----- ----- -----

پاپا!میں study کے لیے باہر جانا چھتا ہوں،،

جمال صاحب اپنے کمرے میں لیٹے کوئی کتاب
پڑھ رہے تھے اسے آتا دیکھ کر اٹھ بیھٹے-

"ہوں-----

انہوں نے لمبا سا ہوں کیا-

"مجھے بہت اچھا لگا تمہارا یہ فیصلہ سنکر،تم ضرور
جاوٴ باہر کیونکہ بیٹا اجکل انسان پڑھائی کے بغیر
کچھ بھی نہیں,اللہ تمہیں دونوں جہانوں میں
کامیاب کرے،،

جمال صاحب کو بہت خوشی ہوئی تھی اسکا یہ
فیصلہ سنکر اور اسے یہ دعاضرور دیتے تھے،اتنی
دیر میں کمرے کا دروازا کھول کر دعا اندر
اگ ئی-

"بھائی!آپ ادھر پاپا کے room میں ہیں میں
اپکو اُپر آپ کے room میں دیکھ نے گ ئی
تھی،اب جلدی سے آجائیں مما کہ ری ہیں
کھانا کھالیں آکے، پاپا !آپ بھی
آجائیں----،

دعا نے پھولی ہوئی سانسوں کہا اور چلی گ ئی-

"چلیں!پاپا---

اسنے جمال صاحب کو نہ اٹھ تے دیکھ کر پھر
کہا-

"ہوں-----چلو،،

زین نے ابھی انکے ساتھ اور بھی بات کرنی تھی
مگر دعا کو اتا دیکھ کر چپ ہو گیا، اب کھانے پر
مما انتظار کر رہی تھی ، پھر کسی وقت کا کہتا ہوا
ان کے ساتھ ہو لیا-

----- ----- -----

عالیہ بیگم !کیا بات ہے،بڑی خوش لگ ری ہو اپ ہی اپ مسکرائی جا ری ہو،

عالیہ بیگم صوفے برجمان چائے کی چوسکیاں لیتی اپ ہی اپ مسکرائی جا رہی تھی،جب انکے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوے جمال صاحب نے پوچھا-

"سمجھ لیجیے کچھ خوشی ہی کی بات ہے،،

ان کی مسکراہٹ اور گہری ہو گ ئی-

"اپنا!زین نی ایا ابھی تک آج اسکا final interview تھا،،

اچانک ہی جمال صاحب کو یاد آ گیا تھا-

"گیا تو ہے میرا بیٹا،آپ دعا کریں کامیاب لوٹے، آپ اچھا نی کرے اسے اتنی دور بیھج کر، کیا ادھر ادارے ختم ہو گ ئے ہیں جو اسے باہر جانا پڑ رہا ہے،کونسی ایسی پڑھائی ہے جو باہر جاکے ہونی ہے ادھر نی ہو سکتی،،

عالیہ بیگم کو ایک بار پھر یاد آنے پر جمال صاحب پر غصہ آنے لگا جو زین کا ساتھ دے رہے تھے اسکا باہر جانے کے لیے-

"میری کتنی خواہش تھی میرا بیٹا میرے پاس رہ کر پڑھے،میرا ایک ہی بیٹا ہے اسے بھی باہر جانے کی پڑ گ ئی ہے-

عالیہ بیگم کو یہی بات کہائے جا رہی تھی کے انکا بیٹا ان سے اتنی دور چلا جائے گا-

"تم!زین کی خوشیوں میں کیوں رکاوٹ بن رہی ہو ،ہمارا بیٹا بہت سمجھدار ہے وہ جانتا ہے اسے کیا کرنہ ہے کیا نہیں تم اسے blackmail e emotionalنہ کرنے بیٹھ جانا وہ جو اپنی خوشی سے کرنا چہتا ہے اسے کرنے دو،لوٹ کر اس نے ہمارے پاس ہی آ نا ہے چند سالوں سے کیا فرک پڑتا ہے،،

جمال صاحب کے سمجھانے پر عالیہ بیگم تھوڑی ٹھنڈی ہوئی یں۔

"اچھا چلیں۔۔۔ٹھیک ہے۔۔۔اب میں اتنی بھی بُری نہیں کے میں اپنے بچے کی خوشی میں خوش نہ ہوں آپ کو تو موقہ چاہیے میرے پیچھے پڑنے کا،،

"ہنہ۔۔۔

انہوں نے جھٹکے سے گردن ہلائی۔

جمال صاحب نے انکی بات پر سر ہی ہلانے پر اتفا کیا تھا مبادا پھر سے نہ شروع ہو جائی یں۔

"مما!اپ نے ایسا۔۔۔کیوں کیا،،

اس وقت تھکاہارا زین لاونج میں داخل ہوا فوراً ہی عالیہ بیگم کے سامنے آ گیا تھا۔

"میں کیا کیا ہے،،

اس کی بات پر جمال صاحب بھیحیران ہوے تھے،عالیہ بیگم نے انجان بنتے ہوے شانے جھٹکے پتاتو انہیں لگ ی گیا تھا وہ کس بارے میں بات کرہ ہے۔

"مما!اسد حنا کا کصور یہ تھا انھوں نے غریب گھرانے میں انکھ کھولی،ان کا جرم یہ ٹھرا کے ان کو پھڑنے کا شوق تھا،ان کی خطا یہ ہے کے وہ ہماری ڈرائی ور کے بچے ہیں، اگر یہ پڑھ لکھ گ ئے تو ہمارے برابر کے ہو جائی یں گے ہماری چاکری کرنا چھوڑ دیں گے،،

زین دونوں ہاتھوں میں سر تھامیں کارپٹ پر دوزانوں بیٹھ گیا،اسے یوں لگ رہا تھا جیدے اس کا دماخ ابھی پھٹ جائے گا۔

"عالیہ کیا کیا ہے تم نے،،

جمال صاحب کچھ کچھ معاملہ سمجھ رہے
تھے،انھوں نے سخت نظروں سے بیوی کو
دیکھتے ہوے پوچھا-

"میں نے کچھ غلط نہیں کیا کیا،جو مجھے صیح لگا وہ
میں نے کیا،،

عالیہ بیگم کو اپنے کیے پر زرہ بھی پشیمانی نہیں
تھی بلکہ وہ بڑی مطمین تھیں-

"تو مما!آپ بی یہ سمجھ لیں آپ نے اسد اور
حنا کے خواب اُنسے نہیں چھینے بلکہ میرے
سپنوں کا تاراج کیا ہے میری دن رات کی محنت
کو آپ نے مٹی میں ملا دیا ہے اسد اور حنا کے
داخلے اپنے sources سے منسوخ کرادیے ہیں
آپ بہت پچھتائیں گی،،

وہ بات کرکے رکا نہیں فوراً اپنے کمرے میں
چلاگیا تھا-

جمال صاحب نے عالیہ بیگم کو سخت نظروں سے
دیکھا تو انہوں نے منہ دوسری طرف کرلیا-

زین اپنی ماں کے اس اقدام سے بہت دکھی تھا
وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا اس کی ماں اس حد
تک جاسکتی تھی،اس نے اتنی محنت سے بچوں کو
پڑھایا اپنی پڑھائی کا وقت ان بچوں پر لگایا تھا
دن رات محنت کی تھی ان بچوں کو پڑھانے کے
لیے اب کیسے اس کی ماں نے اپنی آنا کو آگے
رکھتے ہوے اس کی محنت کو مٹی میں ملا دیا
تھا،کیا اس کی ماں نے زرا بھی نہ سوچا کہ
میرے بیٹے نے کیوں ان بچوں پر اتنی محنت کر
رہا تھا اپنی پڑھائی کا وقت بھی ان بچوں پر لگا رہا
تھا-

کیا غریب ہونا ان بچوں کا جرم ٹھرا تھا،کیا تعلیم
صرف امیروں کے لیے ہے غریبوں پر تعلیم کا
کوئی حق نہیں-

کیا تعلیم سب کے لیے نہیں؟

آخر کب تک یہ امیر اپنے مفاد، حسد اور آنا کے لیے ان غریبوں کے مستقبل کو بھینٹ چڑھاتے رہیں گے، کب ختم ہو گی آنا اور حسد کی جنگ،

آخر کب۔۔۔۔۔؟

----- ----- -----

"دعا کیا ہوا؟ اتنی پریشان کیوں ہو،،

عالیہ نیگم نے گم صم بیٹھی دعا کا کندھا ہلایا تو وہ چونکی۔

"مما! بھائی کا visa refuse ہو گیا ہے،،

دعا نے آنکھوں میں آئے آنسو صاف کیے اور جواب دیا۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گ ئی کیا اول فول بکے جا رہی ہو،

عالیہ بیگم کا ایک دم دماخ ماؤف ہو گیا تھا اِنہیں کچھ سمجھ نہ آئی دا نے کیا کہا ہے۔

"مما! میں سچ کہ رہی ہوں ایسا ہی ہوا ہے،،

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، تم مجھے یہ بتاؤ زین کہاں ہے میں اسے خود پوچھتی ہوں،،

عالیہ بیگم کو اس کی بات پر یقین نہ آیا تو زین کے بارے میں پوچھنے لگیں۔

"مما! بھائی اپنے کمرے میں ہیں اور بہت پریشان ہیں،،

دعا کی بات ابھی منہ میں تھی کہ عالیہ بیگم زین کے کمرے کی طرف بھڑ گ ئی یں۔

"زین! ایسے کیسے ہو سکتا ہے تمہاری فرسٹ پوزیشن تھی، اُدھر کی اتنی ہائی university میں تمہارا اڈمیشن ہوا تھا، سارے documents بھی پورے تھے، اتنی محنت بھی کی تھی تم نے پھر یہ سب۔۔۔۔۔،،

وہ نڈھال سی زین کے پاس آئی تھیں۔

"مما۔۔۔محنت تو اسد اور حنا نے بھی خوب کی تھی اپنی پڑھائی میں وہ بھی فرسٹ تھے ان کے خواب ٹوٹ سکتے ہیں پھر میرے کیوں نہیں،،

اس نے ٹوٹے ہوے لہجے میں بیڈ پر لیٹے لیٹے جواب دیا۔

"مگر بیٹا۔۔۔۔۔،،

"مما!کہتے ہیں نہ جو دوسروں کے لیے برا سوچتا ہے اس کے اپنے ساتھ بھی برا ہوتا ہے،آپ نے اسد اور حنا کے مستقبل تاریک کردیا ان کا admission نہیں ہونے دیا اور دیکھیے یہاں میرا visa نہ لگ سکا،میرا بھی مستقبل داؤ پر لگ گیا،

اس نے گلوگیر لہجے میں کہتے ہوے انکھوں پر بازو رکھ لیا۔

"زین میرے بچے۔۔۔،،

عالیہ بیگم انکھوں میں انسو لیے اس کی طرف بھڑیں۔

"مماپلیز!مجھے اکیلا چھوڑ دیں میں بہت پریشان ہوں،

اس نے رکھائی سے جواب دیتے منہ پر سرانہ رکھ لیا۔

عالیہ بیگم ایک نظر اس پر ڈال کر تیزی سے واہاں سے نکل گ ئی یں۔

-------- ------- ------

"جمال میں بہت بری ہوں نہ،اپنے بچے سے اس کے خواب چھین لیے،،

وہ روتے ہوے بولیں۔

"ہنہ۔۔۔حیرت ہے تم بھی سوچنے لگیں۔

جمال صاحب نے TV سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

"میں بہت پریشان ہوں جمال! مجھسے زین کی اداسی دیکھی نہیں جارہی وہ بہت ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا جمال میں نے ایسا تو نہیں چاہا تھا،،

وہ دوپٹہ منہ کے آگے کر کے اور شدت سے رونے لگیں۔

"عالیہ بیگم !اپنے بچوں کے مستقبل کو روشن دیکھنا اور اُن معصوم بن ماں کے بچوں کی راہ میں کانٹے بیچھا دینا،اسے اور بڑا گُنا کیا ہو گا، تم نے یہ تو سوچا کہ وہ ہمارے مقابل ا جائیں گے،ہماری غلامی کرنا چھوڑ دیں گے،ہماری برابری کرنے لگیں گے

پر یہ کیوں نہ سوچا تم نے کہ وہ بچے ہماری قوم کی امانت ہیں،ہمارے ملک کا روشن مستقبل ہیں،،

جمال صاحب انھیں سخت نظروں سے دیکھتے ہوے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوے بول رہے تھے۔

"جمال میں بہت شرمندہ ہوں،مجھے احساس ہو گیا ہے کہ میں غلط تھی،،

وہ گلے کو صاف کرتے ہوے پھر گویا ہوئیں۔

"مجھے سمجھ آگئی ہے کہ امیر غریب سب کا تعلیم پہ حق یکساں ہے،پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا جو میں ان معصوم بچوں سے تعلیم کا حق چھیننا چاہتی تھی،بڑے صیح کہتے ہیں حسد عقل کو کہا جاتا ہے،،

عالیہ بیگم کی آنکھوں میں بہتے آنسوں میں روانی اگئی تھی،جمال صاحب کو عالیہ بیگم کے لہجے میں صاف پشیمانی دِکھ رہی تھی۔

" تمہاری ان باتوں مطلب۔۔۔۔میں۔۔۔کچھ سمجھ نی پارہا،،

جمال صاحب نے ابرو اچکا کر ان کی طرف دیکھا۔

"میرے کہنے کا مطلب ہے۔۔۔۔وقت ابھی ہاتھ سے نہیں نکالا ہم اب بھی ان دونوں کو سکول داخل کرا سکتے ہیں،،

عالیہ بیگم نے تھوک نگلتے ہوے بات مکمل کی اور ڈرتے ڈرتے جمال صاحب کی طرف دیکھا-

"کیا تم سچ کہ رہی ہو،،

جمال صاحب نے مشکوک لہجے میں پوچھا-

"جی۔۔۔میں بلکل سچ کہ رہی ہوں جمال صاحب میں دل سے چاہتی ہوں وہ بچے سکول جائیں بلکہ میں خود صفدر صاحب کے سکول جا کر ان کا داخلہ کرواکر آؤں گی،جمال ان کی سکول کی فیس اور تمام اخراجات ہم ادا کیا کریں گے،،

وہ واقعی اپنے کیے کا کفارہ ادا کرنہ چاہتی تھیں سچے فل سے-

"تمہیں پتا ہے عالیہ زین ان بچوں کو کیوں پڑھا رہا تھا کیوں ان پے اتنی محنت کر رہا تھا، تاکہ ان کے ذہن میں یہ بات ڈال سکے کہ انسان کی زندگی میں تعلیم کی کتنی ضروری ہے، تعلیم ہر موڑ پے ہر مشکل میں انسان کا ساتھ دیتی ہے، تعلیم ہی ہمارا واحد سہارا ہے جو زندگی کے آخر تک ساتھ رہتا ہے سب ساتھ چھوڑ جاتے ہیں سوائے تعلیم کے،عالیہ!زین کا plan تھا جب وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے واپس آئے گا تو یہاں آ کے ٹرسٹ سکول بنائے گا تا کہ جتنے بھی اسد اور حنا جیسے بچے تعلیم سے محروم ہیں وہ اس کے سکول آ کے تعلیم حاصل کریں،وہ اپنے ماں باپ جیسی زندگی نہ گزاریں جنھوں نے دن رات کولھوں کے بیل کی طرح محنت کری لیکن معاوزہ پھر نہ ملے محنت کا،اور وہ مجبور ہیں یہ سب کرنے پر کیوں کہ ان کے پاس تعلیم نہیں ہے،وہ چاہ کر بھی اپنی زندگی نہیں بدل سکتے،پر سارے خواب اسکے چکناچور کردیے،،

جمال صاحب دکھ بھری آواز میں اپنے بیٹے کے خیالات سنا رہے تھے،عالیہ بیگم کا دل ایک بار پھر دکھ سے بھر گیاتھا زین کے خیالات سنکر۔

"جمال!یہ میں نے کیا کردیا۔۔۔میں اپنی ہی نظروں میں گر گ‌ئی ہوں میں اپنے بیٹے سے کیسے نظریں ملا پاؤں گی،میں زیں سے معافی مانگوں گی تو وہ مجھے معاف کردے گا نہ جمال،،

جمال صاحب سوچ رہے تھے کہ انسان کو اتنا نہیں نیچے گرنا چاہیے کہ بعد میں وہ اٹھنے کے قابل بھی نہ رہے۔

"مما!یہ آپ یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ باتیں کررہی ہیں،آپ پلیز مجھے معاف کردیں میں نے غصے میں پتا نہیں آپ سے کیا کیا کہ دیا تھا،،

وہ پتا نہیں کب سے پیچھے کھڑا انکی باتیں سن رہا تھا،زین نے زمین پر بیٹھ تے اور عالیہ بیگم کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوے کہا۔

"زین!تم نے اپنی ماں کو سب کی نظروں میں گرنے سے بچا لیا ہے،، زین ادھر نیچے نہیں اوپر میرے پاس آ کے بیٹھو صوفے پہ،،

عالیہ بیگم نے زین کا ماتھا چومتے ہوے اپنے پاس اوپر آنے کو کہا۔

"نہیں مما!مائ‌یں بچوں سے ایسی باتیں کرتی ہوئی اچھی نہیں لگتیں،ماں کے قدموں میں تو اللہ نے جنت رکھی ہوئی ہے،ہمیں تو اپ کے قدموں رہنا ہے ہر صورت،اپ نے بر وقت صیع فیصلہ کیا ہے،ابھی وقت ہے ہم سب کے لیے،آج ہم اچھا کام کر کہ اپنے آنے والے کل کو سنواریں گے،،

وہ ماں کے قدموں میں بیٹھا ان کے ہاتھ تھام کر کہ رہا تھا،عالیہ بیگم کی آنکھوں میں آنسو اگ ئے۔

"نہیں مما روئیں نہیں،،

پھر اسنے اپنے ہاتھوں سے انسو پونچ کر ماں کو گلے لگا لیا۔

"اب چلیں،،

دعا نے لاونج میں آکر کہا۔

"کہاں،،

زین نے پوچھا۔

"وہ۔۔۔اسد اور حنا کو Good news دینے،،

دعا نے تھوڑا جھجھکتے ہوے کہا۔

"ہاں چلو۔۔۔،،

عالیہ بیگم اور جمال صاحب کھڑے ہو گ ئے جا نے کے لیے۔ان کو اٹھتے دیکھ کر زین بھی کھڑا ہو گیا۔

اب وہ سب کواٹر کی طرف جا رہے تھے۔

آخر ثابت ہو گیا تھا تعلیم سب ہی کے لیے ہے اور تعلیم سے ہی روشنی ہو گی۔۔۔۔!

۔۔۔۔۔۔

گرمیوں کے آخری دنوں کی شامیں بہت حسین ہوتی ہیں۔اور آج تو ویسے بھی موسم سردیوں کے آنے کی نوید دے رہا تھا۔شام گہری ہو رہی تھی اور آسمان پر موجود کالی گھٹائیں تیزی سے پھیل رہی تھیں۔۔وہ پارک میں موجود مصنوعی جھیل کے کنارے بنے بینچ پر کسی بُت کی طرح براجمان تھی۔وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے اس پتھر لڑکی کی منتیں کر رہا تھا۔مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی تھی۔

دیکھو حیدر آج ہم آخری بار مل رہے ہیں جو کہنا ہے جلدی کہو۔موسم خراب ہو رہا ہے اور مجھے گھر بھی جانا ہے۔زاریہ نے نہایت بیزاری سے ایک نظر آسمان پر اور دوسری نظر اپنی کلائی پر موجود سیٹ واچ پر ڈالی۔

زاری پلیز میرے ساتھ ایسے مت کرو تمہیں پتا ہے میں نہیں رہ سکتا تمہارے بغیر اور پھر تم بھی تو مجھ سے محبت کرتی ہو۔تو شادی کسی اور سے کیوں کر رہی ہو۔صرف ایک سال مجھے دو دو۔آئی پرامس جو تم کہو گی ویسے ہی کروں لیکن تمہیں کسی اور کا ہوتے نہیں دیکھ سکتا پلیز یار۔وہ اب گھٹنوں کے بل بینچ کے سامنے بیٹھ گیا اور اس کا سرخ و سپید ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔پچھلے آدھے گھنٹے سے زاریہ کا مسلسل انکار میں ہلتا ہکر دیکھ کر وہ اندر ہی اندر ٹوٹ سا گیا تھا۔اب وہ اسکول منانے کی آخری کوشش کر رہا تھا۔

حیدر میں تمہاری پابند نہیں ہوں یا تم نے مجھے خرید نہیں لیا۔میرا میری زندگی پر پورا حق ہے۔اپنی زندگی کا فیصلہ بھی میں خود کروں گی۔مجھے کسی سے شادی کرنی ہے کس سے نہیں تم کون ہوتے ہوں بتانے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

والے۔۔وہ بُری طرح پھٹ پڑی تھی۔۔حیدر شاکڈ سا اُسکے منہ کی طرف دیکھی جارہا تھا۔وہ تھوڑا سنبھل کر بولی۔۔دیکھو حیدر تم بہت اچھے ہو۔مجھے تم سے محبت نہیں تھی ہم نے ساتھ تعلیم حاصل کی۔ایک دوسرے کے سامنے رہے دوستی ہوئی انڈرسینڈنگ ہوئی اور اسکو محبت سمجھ بیٹھے۔مجھے اب پتا چلا کہ مجھے کسی سے محبت نہیں تم سے بھی نہیں۔۔۔Be Practical پلیز اب اگر میں کسی سے شدی کر رہی ہوں وہ مجھے ہر لحاظ سے اپنے لیے موزوں لگتا ہے۔۔۔لہذا تم اپنا اور میرا ٹائم ویسٹ کر رہے ہو۔۔۔وہ حیدر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر واضح جواب دے رہی تھی۔۔۔

اور حیدر کو اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔کیا وہ واقعی پیتھر کیو ہو گئی تھی۔وہ محبت نہیں کرتی تھی۔۔؟

کیا تمہیں مجھ سے واقعی محبت نہیں؟وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سکے قریب ہوا تھا۔بادل زور سے گرجھنے لگے اور بوندا باندی شرع ہو گئی تھی۔۔۔

وہ حیدر کی اسطرح پوچھنے پر سٹپا گئی تھی۔۔

نن۔۔نہیں۔۔۔وہ صرف اتنا ہی کہہ کر رُخ موڑ گئی اور بے چینی سے ارد گرد دیکھنے لگی۔۔۔

اگر محبت نہیں ہے تو اتنے احتجاج کے باوجود اپنا ہاتھ میری گرفت سے کیوں نہیں چھڑایا۔۔وہ نہایت دھیمے لہجے میں بغور اسکے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔۔۔

زاریہ نے پلکیں اُٹھا کر ایک نظر حیدر کو دیکھا اور دوسرے ہی لمحے تیزی سے اپنا ہاتھ چھڑا کر اُٹھ گئی۔۔۔اوکے میں چلتی ہوں اور آئندہ مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرنا۔۔۔وہ اپنا بیگ کندھے پر ڈال کر تیز تیز قدم اُٹھانے لگی۔۔۔بارش تیز ہو گئی تھی وہ دونوں ہی بھیگ رہے تھے بارش میں اور آج اس بارش نے ان کے آنسوؤں کی لاج رکھ لی تھی۔ورنہ ان دونوں کے بہتے آنسوؤں کو دیکھ کر بہت سے راز عیاں ہو جاتے جنہیں وہ خود سے بھی چھپانا چاہ رہے تھے۔۔۔

زاریہ اور حید دونوں ہی مڈل کلاس سے تعلق رکھتے تھے۔پڑوسی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ دونوں بہت

اچھے دوست بھی تھے۔زاریہ اپنے اماں ابا اور چھوٹی
بہن کے ساتھ جبکہ حیدر اپنے ماں باپ کے ساتھ ان
کے ساتھ والے گھر میں رہتا تھا۔۔۔دونوں کے ماں
باپ کے تعلقات بھی اچھے تھے جب زاریہ تھرڈ ائیر
میں تھی تو اسکے والد جمال صاحب اچانک آنے والے
ہارٹ اٹیک سے فوت ہو گئے۔۔۔وہ ایک پرائیویٹ
کمپنی پر اچھے عہدے پر فائز تھے۔۔مگر انکی فرم نے
بھی اُنکی وفات کے بعد کوئی مالی سپورٹ کرنے سے
انکار کر دیا تھا۔اب زاریہ ماں ساجدہ بیگم اپنی جمع پونجی
سے ہی گزر بسر کر رہی تھیں۔۔۔زاریہ سے چھوٹی
ماینہ کو انہوں نے اپنے ساتھ سلائی کڑاہی میں لگالیا اور
زاریہ کو تعلیم جاری رکھنے کا مشورہ دیا کیونکہ زاریہ کو
پڑھنے لکھنے کا بچپن سے شوق تھا وہ چاہتی تھیں وہ اپنی
تعلیم مکمل کرے پھر جمال صاحب کا بھی خواب تھا
زاریہ کو اعلیٰ تعلیم دلانا۔۔۔

حیدر اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔۔۔اسکے والد رضا
صاحب سرکاری ملازم تھے۔گزر بسر ٹھیک ہو رہا تھا۔
وہ اپنے بیٹے کو انجینئرنگ کروا کر ملک سے باہر بھیجنا
چاہتے تھے۔۔۔حیدر کی ماں فاطمہ بیگم کے اپنے
اکلوتے بیٹے کو لے کر بہت بڑے بڑے خواب
تھے۔۔۔جنکا ذکر وہ آئے روز زاریہ کی امی کے ساتھ
کرتی رہتی تھیں۔۔۔

گرمیوں کا ایک سخت حبس زدہ دن تھا۔وہ چنگ چی
پے دھکے کھاتی ہوئی گھر پہنچی۔۔۔گرمی کی حدت سے
اسکا سرخ وسفید رنگ اور کھلا کھلا چہرہ مرجھا گیا تھا۔۔
گھر آتے ہی وہ بستر پر ڈھے گئی۔۔
5 منٹ وہ لیٹی ہی تھی کے لائٹ چلی گئی۔۔۔ہائے
خدایا کیا عذاب ہے۔۔۔اسکا دل سخت بُرا ہوا تھا۔۔۔
اتنے میں ہانیہ ٹھنڈا ٹھار شربت بڑے سے گلاس میں
ڈال کر لے آئی۔زاریہ نے فٹافٹ گلاس خالی کر کے
خدا کا شکر ادا کیا۔۔ تھینکس ہانی جانوں تم بہت اچھی۔۔
اُس نے ہانیہ کے گال کا پیار سے تھپتھپایا۔۔ہانیہ اسکے
پاس ہی بیٹھ گئی۔۔

آپی۔۔۔ہانیہ نے جوتے اُتارتی زاریہ کو آواز
دی۔۔۔

ہاں ہانی بولو۔۔۔زاریہ اب اپنی بکس سمیٹ رہی

تھی۔۔

امی کی طبیعت بہت خراب ہے۔۔۔ سلائی کا ڈھیروں
کام پڑا ہے وہ کام نہ ہوا تو پیسے بھی نہیں آئیں گے۔۔۔
اور پیسے نہ ہوئے تو گھر کیسے چلے گا بل جمع آنے
والے ہیں۔۔ ہانیہ اس وقت بہت پریشان تھی۔۔
زاریہ کو اس وقت اپنی چھوٹی بہن پر بہت پیار آیا وہ
15 سال کی عمر میں بھی کتنی سمجھدار تھی۔۔۔ اور خود
کو وہ اندر ہی اندر کوس رہی تھی۔ وہ کیسی بیٹی تھی ماں
کس حال میں ہے اسکو پتا ہی نہیں۔۔ وہ فٹافٹ ساجدہ
بیگم ک کمرے میں گئی۔ وہ بخار میں تپ رہی
تھیں۔۔۔

امی۔۔۔ امی۔۔۔ کیا ہوا امی۔۔۔ وہ ساجدہ بیگم کے
ماتھے گالوں اور گردن پر ہاتھ لگا کر بخار محسوس کر
رہی تھی۔۔۔

کچھ نہیں بیٹا بس گرمی سے بخار ہو گیا۔۔۔ شاید۔۔ تم
کب آئی کھانا کھایا؟ وہ آرام سے اُٹھ کر بیٹھ گئیں۔۔۔
میں کھالوں گی کھانا۔ آپکو اتنا تیز بخار ہے چلیں آئیں
میرے ساتھ میں آپکو ڈاکٹر پر لے کر چلوں پہلے۔۔۔
ہانیہ امی کی چادر لاؤ۔۔۔ وہ بغیر انکی بات سنے اُٹھ
کھڑی ہوئی تھی۔۔۔ بچوں کو ٹیوشنز دے کر جو کچھ
پیسے اکھٹے ہوتے ان میں سے وہ اپنے روز کے
اخراجات نکالتی تھی ان میں سے ہی تھوڑے سے پیسے بچے
ہوئے تھے وہ اس نے پکڑے اور ساجدہ بگم کا بازو پکڑ
کر انکو ڈاکٹر کے پاس لے گئی۔۔۔

بخار تیز ہے یہ دوائیں دینی ہیں تین دن تک۔۔ اور
ساتھ ٹھنڈی پیٹاں بھی کریں۔۔۔ جتنا ہو سکے آرام
کریں انکے لیے بہتر ہو گا۔

وہ ڈاکٹر سے نکل کر ساتھ فارمیسی سے دوائیاں لینے لگی
امی کو کلینک کے باہر کی کھڑا کیا۔۔ فارمیسی سے باہر
آئی تو حیدر ساجدہ بیگم کا ہاتھ تھامے کھڑا تھا۔۔۔ وہ
جیسے ہی انکے قریب آئی حیدر بول اُٹھا۔۔۔

تم کم از کم مجھے تو بتاتی کہ آنٹی بیمار ہیں۔۔ میں خود انکو
دچیک کروالیتا گرمی میں خوار ہو رہی ہو رکشوں
پر۔۔۔ حیدر کو ان ہی دنوں انکل رضا نے میران
گاڑی لے کر دی تھی تا کہ وہ یونیورسٹی آسانی سے آجا
سکے۔۔

چلو آؤ بیٹھو۔۔وہ ساجدہ بیگم کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی کی طرف جاتے ہوئے اسکو بھی اشارہ کیا گاڑی میں بیٹھنے گا۔۔۔

ساجدہ بیگم کو اس نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھا خود وہ پیچھے بیٹھ گئی۔۔۔وہ گاڑی سٹارٹ کر کے چلاتے ہوئے ایک جوس شاپ پر لے آیا۔۔۔۔ تین تازہ پھلوں کے جوس کا آرڈر کر کے وہ سیٹ پر اسطرح بیٹھ گیا۔۔کہ دونوں ماں بیٹی سے آسانی سے بات کر سکے۔۔۔بہت شکریہ بیٹا اللہ تمہیں زندگی دے۔۔ہماری وجہ سے تمہیں بھی تکلیف ہوئی۔۔۔ساجدہ بیگم اب انجیکشن کے بعد قدرے بہتر تھیں۔۔۔پھر جوس پی کر وہ کچھ اور فریش ہو گئیں۔۔۔

کیسی باتیں کر رہیں آنٹی میں بھی آپکا بیٹا ہوں کوئی پریشانی کوئی کام ہو مجھے بلا لیا کریں۔۔۔وہ کہہ کر زاریہ کی طرف دیکھنے لگا جو آج حد درحد مرجھائی ہوئی لگ رہی تھی۔۔۔اُسکا گول مٹول سُرخ وسفید چہرہ اس وقت بالکل کھلا گیا تھا بڑی سیاہ آنکھیوں میں عجیب سی پریشانی تھی۔۔۔

وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔۔وہ دونوں بچپن سے بہت فرنیک تھے مگر جیسے جیسے جوان ہوئے انہوں نے ایک دوسرے کے گھر آنا کر دیا۔چونکہ دونوں ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتے تھے اگرچہ ڈیپارٹمنٹ الگ اور سینئر ہونے کی وجہ سے حیدر کے وہ ہر وقت تو قریب نہیں تھی مگر دونوں کی یونیورسٹی میں بات چیت ضرور ہوتی تھی۔۔وہ دونوں ایک دوسرے سے اپنے تعلیمی معاشی اور سماجی حالات کے بارے میں کُھل کر گفتگو کرتے تھے۔۔وہ لوگ جوس پی چکے تھے حیدر نے گاڑی گھر کے راستے پہ ڈال دی تھی۔ساجدہ بیگم اب اس سے باشدں میں مصروف تھیں۔۔۔

حیدر نے بس ایک نظر بیک مرر سے پیچھے بیٹھی زاریہ کے چہرے پر ڈالی تو سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہوئے تھی۔۔۔حیدر کو وہ بہت پریشان اور تھکی ہوئی لگی تھی۔

گھر آکر زاریہ سو گئی۔۔۔پھر مغرب کے بعد ہی اسکی آنکھ کُھلی ساجدہ بیگم دوائیاں لے کر کچھ دیر آرام کرنے کے بعد دوبارہ سلائی کا کام سنبھال چکیں تھیں۔

اسکی آنکھ بھی سلائی مشین کی آواز سے کُھلی تھی۔۔
اسے یاد آیا جب ابو حیات تھے امی جب بھی زاریہ یا
ہانیہ کی کوئی قمیض ٹھیک کرنے بیٹھتی ابا شور ڈال دیتے
۔۔۔
کوئی ضرورت نہیں اس میں سر کھپانے کی دران کو
دے آو کپڑے ٹھیک کر دے تمہارے لیے اور بہت
کام ہوتے ہیں۔۔زیادہ سر دار دنہ پالو۔۔۔
ابا کا شفیق چہرہ اسکی آنکھوں کے سامنے آگیا۔۔کتنا
احساس کرتے تھے وہ سب کا اسکو یاد تھا اسکے کالج
یونیورسٹی کی ہر فیس اَبا خود سکول کالج اور یونیورسٹی جمع
کرانے جاتے تھے۔وہ انہیں سوچوں میں تھی ب
اُسے یاد آیا کہ اگلے ہفتے سمسٹر کی فیس 12 ہزار جمع
کروانی ہے۔اور اس مہینے وہ ٹیوشن کے بچوں سے بھی
ایڈوانس فیس لے چکی تھی امی کے بھی حالات اسکے
سامنے تھے پتا نہیں وہ گھر کیسے چلا رہی تھیں انہیں بتا
کر مزید پریشان کرنا زیادتی ہے انکے ساتھ وہ اسی سوچ
میں اُٹھ کر باہر صحن میں آگئی دو کمروں کے سامنے بنے
چھوٹے سے صحن میں امرود کے درخت کے نیچے بچھی
چارپائی وہ لیٹ گئی۔۔۔
آپی آپکا فون آرہا ہے۔ہانیہ اُسکا فون پکڑ کر آئی۔
فون اسکرین پر حیدر لکھا تھا۔۔فون اسکرین پر اسکا
نام دیکھتے ہی نہ جانے کیوں اسے خوشی ہوئی تھی۔۔
ہیلو۔۔وہ فون ریسو کر کے چارپائی پر تکیے سے ٹیک لگا
کر لیٹ گئی۔۔اسلام وعلیکم۔۔۔کیسی ہو؟ دوسری
طرف سے انتہائی فکر میں پوچھا گیا تھا۔ٹھیک ہوں۔۔
تم کیسے ہو۔۔۔
ٹھیک ہوں۔۔آنٹی سے تو بات ہو گئی وہ تو اب سہنر
لگ رہی تھیں تم بناؤ دن کو بہت پریشان لگ رہی تھی۔
وہ اس کے لیے فکر مند تھا وہ یہ جانتی تھیں بس
تھکاوٹ تھی تھوڑی۔۔اور پھر امی کو دیکھ کر دل بہت
پریشان ہو گیا تھا حیدر ابو کے بعد امی ہی ہمارا سب کچھ
ہیں تمہیں تو سب پتا ہے۔۔۔وہ حیدر کو اپنا درد بتا رہی
تھی۔۔۔
تم پریشان نہ ہو اللہ بہتر کرے گا۔۔مین ہوں
تمہارے ساتھ جب بھی میری ضرورت ہو مجھے بتاؤ
کوئی ایسا کام ہو تمہارے بس سے باہر ہو مجھے کہو میں وہ

کرنگا بس اپنا خیال رکھو آنٹی اور ہانیہ کو تمہاری ضرورت ہے۔۔ار مجھے بھی۔۔۔اینڈ یہ وہ تصور شوخ ہوا تھا۔۔

تمہیں ؟؟ تمہیں کیا ضرورت ہے میری۔۔۔ہوں بتاؤ نا ذرا۔۔وہ اسکی شرارت سمجھ کر بولی۔۔

ہاں بھئی تم میرے لیے لکی ہو جب تمہارا گول گول ہرا بھرا مکھڑا دیکھتا ہوں تو دن بہت اچھا گزرتا ہے۔۔وہ زاریہ کو ہنسانے کی کوشش کر رہا تھا۔۔

ہرا بھرا؟؟؟وہ حیران ہوئی پھر کھل کر مسکرائی۔۔۔اور آئی مین گلاب گلابی۔۔۔وہ بھی مسکرایا تھا۔۔

اچھا حیدر مجھے تم سے ایک کام ہے۔۔۔وہ جو سوچ رہی تھی اس نے سوچا حیدر سے بات کرے سب سے پہلے کیونکہ وہ ہی اسکو مخلصانہ مشورہ دے سکتا ہے۔۔۔

حیدر میں جاب کرنا چاہتی ہوں اور اس زمرے میں تمہیں میری ہیلپ کرنی ہو گی۔۔۔وہ کچھ جھجکتے ہوئے حیدر سے بات کر رہی تھی۔۔۔

اچھا۔۔۔وہ کچھ پل خاموش رہا پھر بولا۔۔۔

جاب کرنی کیوں ہے؟؟؟؟وہ اس سے سوال کر رہا تھا۔۔۔

(باقی جنوری کے شمارے میں۔۔)

سید مخدوم علی شاہ کے بیٹے سید ابرار علی شاہ کے بڑے بیٹے عالیان کی شادی کی خوشی میں" بڑی حویلی " کو کسی دلہن کی طرح سجایا جارہا تھا۔" وہ "جو عجلت میں لائیٹوں کا ٹوکرا اٹھائے اپنی دھن میں مگن سیڑھیاں چڑھتے چھت کی طرف جارہا تھا" اس کے پاؤں پر نظر پڑتے ہی سب کچھ بھول گیا___

سفید پاجامہ سے نظر آتے خوبصورت پاؤں'کالی چپل میں مقید تھے'سلور پائل اس کے پاؤں کی خوبصورتی کو چار چاند لگا رہی تھی۔ اسے اپنا دل ان پاؤں سے لپٹتا محسوس ہوا.

اس کے چہرے کا رنگ کیا ہو گا

جس کے پاؤں سے کہکشاں نکلے

ایک ہوا کے جھونکے کی طرح وہ اس کے پاس سے ہوتے ہوئے گزر گئی۔

"زاویار "کیا بت بنے کھڑے ہو؟ چلو جلدی کرو ابھی کتنے کام باقی ہیں۔۔

۔قاسم کی آواز نے اسے خوش میں لایا

اوپر چڑھتے ایک بار پھر اس نے پیچھے مڑ کے دیکھا لیکن وہ اسے کہیں نظر نہ آئی۔

پھپھو جانی کیا ہمارے دادا کوئی بہت بڑے جاگردار تھے؟

زیمل شاہ نے اپنی خوبصورت بھوری آنکھوں سے پھپھو کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

نہیں پھپھو کی جان' آپ کے دادا ریلوے میں ایک ملازم تھے۔

پھپھو نے پیار سے اس کی جھولتی لٹ کو چھوتے جواب دیا۔

پر پھپھو ایک پھر دادا کے پاس اتنی ساری زمین کہاں سے آئی ۔ندا کہتی ہے اس حویلی کے آس پاس کی ساری زمین دادا کی ہے۔

زیمل شاہ نے پھر سوال کیا۔

اس زمانے میں زمینیں بہت سستی ہوتی تھی ۔500 کے عوض بہت بڑا حصہ مل جاتا تھا۔آپ کے دادا بہت سمجھدار انسان تھے اسلئے انہوں نے سمجھداری کا مظاہرہ کرتے سب زمینیں خریدیں۔

واہ بھئ ہمارے دادا تو بڑے جینئس تھے۔

زیمل شاہ نے بڑے فخر سے کہا

پھپھو نے مسکرا کر اپنی خوبصورت بھتیجی کی طرف دیکھا۔

ارے لڑکیوں تم سب ابھی تک ایسے ہی گھوم رہی ہو؟اٹھو سب اور رات کی مہندی کی تیاری کرو۔

چھوٹی چاچی کے کہتے ہی سب لڑکیاں اپنے کمروں کی جانب پلٹیں۔

سب کزنز نے مہندی فنکشن کے لئے شرارے پسند کئے تھے۔ زیمل نے لائٹ گولڈن شرارہ پہنا تھا جس۔کے اوپر لونگ کوٹ نما شرٹ تھی۔ شرٹ کے اوپر لائٹ گولڈن موتیوں سے سجا کام ہوا تھا۔اس نے اپنے لمبے گھنے براؤن بالوں کو چوٹی کی شکل میں باندھ کر موتیا کے پھولوں سے سجایا ہوا تھا۔کانوں میں بھی موتیا کی بالیاں لٹک رہی تھی۔گلے ہارٹ شیپ سونے کی چین جھول رہی تھی۔سیدھے ہاتھ میں نازک سی بریسلٹ تھی اور بائیں ہاتھ میں گھڑی پہنی تھی۔پاؤں میں نازک سی گولڈن پائل چھن چھن کر رہی تھی۔

اس نے ایک ختمی نظر شیشے میں اپنی تیاری پر ڈالی اور خود کو اوکے کرتی نیچے جھکی ہائی ہیل پہننے لگی۔نیچے جھتے ہی اس کی لمبی چوٹی آگے کی طرف آ گئی۔

زاویار جو باتھ روم سے اپنے گیلے بال تولیے سے خشک کرتا نکلا اس حسین پری کو اپنے روم میں دیکھ کر بت سا بن گیا۔

وہ بلاشبہ آسمان سے اتری کوئی حور لگ رہی تھی جو غلطی سے اپنا راستہ بھولے اس کے کمرے میں بیٹھی تھی۔

کچھ تو ایسا ہے اس کے چہرے پر

دل کی دھڑکن میں شور برپا ہے

"زیمل جلدی کرو دلہن والے مہندی لے کر پہنچ گئے ہیں"

اندر داخل ہوتی ندا نے اسے پکارا۔زیمل ہیل کے اسٹریپ بند کرتی ندا کے ساتھ چلی گئی ۔اور خود کو زاویار علی شاہ کے پاس چھوڑ گئی۔

"زیمل مراد علی شاہ"بڑے تایا کی اکلوتی بیٹی ۔اتنی حسین وہ حیرت زدہ سا اسے دیکھے گیا۔

"چل زاویار علی شاہ تو تو گیا کام سے ۔"

اس نے خود کو مخاطب کر کے کہا اور اپنی تیاری مکمل کرنے لگا۔

پورے فنکشن میں زاویار کی نظریں اس آسمانی پری پر لگی رہیں۔ کبھی ہنستے ہوئے ۔کبھی باتیں کرتے کبھی لڈی ڈالتے جب وہ گھوم کے پلٹتی سب کی ستائشی نظریں اس کے ارد گرد گھومتیں۔ جیسے ہی وہ گھوم کر پلٹی اسے کسی کی گرم نظروں کا حصار خود پر محسوس ہوا۔ زاویار بلیو جینز پر بلیک قمیض پہنے بازو کے کف فولڈ کئے۔ گلے میں پیلا دوپٹہ ڈالے یک ٹک اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

زیمل کی نظر پڑتے ہی زاویار نے ابرو اچکائے گویا اسے داد دی۔

اور وہ اس کی نظروں کا مفہوم سمجھتے ہی تیزی سے پلٹی اور کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

چرا کے دل میرا گوریا چلی

اس گانے کی گونج پوری حویلی میں گونج رہی تھی۔

دلہن والے اپنی رسم پوری کر گئے تو سب کزنز نے مل کر رت جگا منانے کا پلان بنایا۔وہ سب لان میں جمع تھے ۔ زیمل ندا اور باقی کزنز کے ساتھ بیٹھی تھی۔ زاویار اس کے بالکل سامنے والی نشست پہ آ کے بیٹھا۔ ہونٹوں پہ مسکراہٹ سجائے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا

"یار ندا کراچی میں کب سے حوریں رہنے لگی ۔؟ "اس کا انداز شرارت لئے تھا۔

سب کزنز نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور سب کے منہ سے" اووووہ کی آواز نکلی۔

زیمل کی تو گویا جان ہی نکل آئی ۔

وہ جو خود کو بڑا کانفیڈنٹ سمجھتی تھی اس وقت بہت ہی کنفیوز دکھائی دی ۔

بھئ یہ حور آج سے اکیس سال پہلے ہی آگئی تھی۔ ندا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

باری باری سب کزنز نے اپنی پسند کے اشعار اور گانے سنائے ۔اب زاویار کی باری تھی ۔ اس کی آواز بہت خوبصورت تھی سب کزنز نے زاویار سے گانے کی فرمائش کی جو اس نے بخوشی قبول کر لی ۔

"دل نے تم کو چن لیاہے تم بھی اس کو چنو نا

خواب کوئی دیکھتا ہے تم بھی سپنے بنو نا"

سب اس کی آواز کے سحر میں کھو گئے تھے۔ زیمل کو بھی اپنا آپ اس آواز میں ڈوبتا محسوس ہوا۔ وہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھے جارہی تھی۔

"دور ہو کر بھی دور تم نہیں ہو

پاس ہو لیکن پاس کیوں نہیں ہو

تنہ تنہا سماں' مہکی مہکی ہوا

کہہ رہا ہے جہاں جو سنو نا"

تالیوں کی آواز پہ وہ چونکی سب زاویار کو داد دے رہے تھے . واہ یار آج لگتا ہے دل سے گانا گایا ہے ویسے یہ کس کو سننے کیلئے کہا جارہا تھا؟ سفیان نے شرارتی نظروں سے پوچھا۔

زیمل کی نظریں بے اختیار زاویار کی طرف اٹھیں جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ہنستے ہوئے بولا

ہے ایک شہزادی جو ہوا کے جھونکے کی طرح آئی اور زاویار شاہ کو بےبس کر گئی ۔

واہ یار یہ تو کمال ہوگیا چل اب جلدی سے نان بتا اس شہزادی کا۔ قاسم نے کہا۔

تو وہ ہاتھ جھاڑتا اٹھا اور کہا

"تم لوگوں کو نام بتاؤں تاکہ عالیان کی طرح میرا بھی بھرکس نکالو نا۔ تو تم نہیں بتاؤ گے۔

سفیان بولا۔ زاویار نے سر کو نا میں ادھر ادھر گھمایا اور سب کزنز اس پر جھپٹے اور پھر آگے آگے زاویار اور پیچھے سب کزنز ۔لڑکیوں کی ہنسی تو رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

صبح واش بیسن کے آگے کھڑی وہ منہ دھو رہی تھی جب اپنے پیچھے اسے زاویار کی آواز سنائی دی۔

"اپنی نگاہوں سے نہ دیکھ خود کو

ہیرا بھی تجھے پتھر لگے گا

سب کہتے ہونگے چاند ہے تو

میری نظر سے چاند تیرا ٹکڑا لگے گا"

شیشے میں اس کے عکس کو دیکھتے زاویار نے کہا۔ زیمل کے دل نے ایک بیٹ مس کی اور خود کو سنبھالتے نگاہیں جھکائے آگے بڑھ گئی۔

بارات کے لئے زیمل نے بلیک کلر کی گھیر دار فراک منتخب کی تھی۔ زاویار بھی بلیک کلر کے تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا۔اگر زیمل آسمانی حور لگ رہی تھی تو وہ بھی کسی شہزادے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ گاہے بگاہے زاویار کی نظریں زیمل کو کوئی پیغام دیتی جسے سمجھ کر اس کے دل کی دھڑکن بڑھ جاتی۔

"محبت کا احساس بھی کتنا دلکش ہوتا ہے نا اپنا آپ ہواؤں میں اڑتا محسوس ہوتا ہے ۔ زیمل اور زاویار بھی اس وقت خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہے تھے۔

شادی کا سلسلہ اپنے اختتام کو پہنچا تو سب کو اپنی تھکن اتارنے کا موقع ملا ۔اگلا پورا دن سب کزنز دوپہر تک سوئے رہے۔

وہ سیڑھیاں چڑھتے آگے بڑھی تو زاویار نے اسے پکارا۔

"زیمل"

"جی"

زیمل نے پیچھے مڑ کے جواب دیا۔

"تم سے کچھ کہنا تھا"

جی بولیں۔

زیمل نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

سمجھ نہیں آرہا کیا کہوں اور کیسے کہوں۔

زاویار عجیب کیفیت کا شکار تھا۔ اور اسے یہ ڈر تھا کہ کہیں زیمل کو برا نہ لگ جائے کہیں وہ اسے غلط نہ سمجھ بیٹھے۔

زیمل نے غور سے اس کی کنفیوز صورت کو دیکھا اور شرارت ہونٹوں تلے دبائے بولی۔

"ٹھیک ہے پھر آپ یہاں کھڑے ہو کر سوچیں جب سمجھ آگیا تب کہہ دیجیئے گا۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھنے لگی۔

ایک شہزادی ہے جو نجانے کیسے آسمان سے راستہ بھول کر میرے گاؤں آ پہنچی ہے۔

زاویار نے اس کی شرارت بھانپ کر اپنا حالِ دل سنانا شروع کیا۔

"اوووووہ پھر"

۔زیمل نے سیٹی کی طرح ہونٹوں کو گول کیا اندراز میں شرارت ہنوز ۔

اور پھر زاویار علی شاہ کی رات کی نیند۔ دن کا چین سب چھین کر لے گئی۔

زاویار نے اس کی بھوری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا

چچچچ یہ تو بہت برا ہوا۔

زیمل نے مصنوعی اداسی چہرے پہ لائے کہا۔

کیا آپ میری کچھ ہیلپ کر سکتی ہیں؟

زاویار نے دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا

جی جی ضرور۔

اس نے سر اوپر نیچے ہلاتے جھٹ سے جواب دیا

آپ اس شہزادی سے پوچھ کر بتا دیں کہ کیا وہ بھی میرے بارے میں کچھ محسوس کرتی ہے۔

زاویار نے اب کے غور سے اس کے تاثرات دیکھے مگر زیمل کا چہرہ کسی بھی احساس سے خالی ملا۔

"ٹھیک ہے میں اس سے پوچھ کر آپ کو بتاؤں گی۔"

مسکرا کر کہتے زیمل سیڑھیاں چڑھنے لگی

"سنو نام تو سنتی جاؤ"

زاویار نے پیچھے سے پکارا

زیمل اک ادا سے پلٹی اور بولی

"نام معلوم ہے مجھے"

زاویار نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو کون؟

زیمل نے قدری ہلکی آواز میں پوچھا

"بتاؤں؟"

زاویار نے ہاں میں گردن ہلائی

زیمل نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا

"زیمل مراد علی شاہ"

اور بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئی۔

جبکہ زاویار حیرت سے کھڑا اسے تکے گئے پھر یاہووووو کا ایک جاندار قہقہہ لگا کر اپنی خوشی کو سیلیبریٹ کرتے اپنے روم کی طرف بھاگا۔

زاویار اور زیمل ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ یہ بات تمام کزنز میں پھیل گئی تھی لیکن حویلی کے بڑے ابھی اس خبر سے انجان تھے۔کراچی سے ملکوال حویلی آئے انہیں بیس دن گزر چکے تھے۔ آج نومبر کی 5 تاریخ تھی یعنی کہ زیمل کو اس دنیا میں آئے آج اکیس برس گزر چکے تھے ۔بارہ بجے کے بعد ہی اسے سب فرینڈز کی جانب سے سالگرہ مبارک کے میسیجز موصول ہونا شروع ہو چکے تھے۔

مما بابا جانی۔اور سب بھائیوں نے اسے برتھ ڈے وش کیا۔ اسی طرح سب کزنز نے بھی اسے وش کیا۔ اتنی خوشی کے باوجود زیمل کا موڈ صبح سے خراب تھا اور اس کی وجہ زاویار تھا جس نے اسے ابھی تک وش نہیں کیا تھا ۔بلکہ صبح سے تو وہ اسے نظر ہی نہیں آیا ۔زیمل کی کوئی بھی خوشی زاویار کے بنا ادھوری تھی ۔وہ تکیے میں منہ دیئے لیٹی ہوئی تھی جب ندا نے اس کا تکیہ کھینچا۔

تم کیا یہاں اندھیرے میں لیٹی ہو اٹھو ہم سب کزنز فارم ہاؤس جارہے ہیں تم بھی تیاری کرو۔

میرا دل نہیں کر رہا تم لوگ جاؤ ۔جواب دے کر اس نے پھر تکیہ منہ پر رکھ لیا۔

تمہارے بغیر کوئی نہیں جارہا سنا تم نے ندا نے گھورتے ہوئے کہا

قاسم نے کوئی پارٹی ارینج کی ہے سب کو انوائیٹ کیا ہے چلو اٹھو اب ۔

اسے لاچار اٹھنا پڑا کیونکہ وہ اپنے اتنے پیار کرنے والے کزنز کا دل نہیں توڑ سکتی تھی ۔فریش ہو کر اس نے لائٹ پنک کلر کا فراک پہنا ۔اور بد دلی سے تیار ہو کر نیچے چلی آئی۔

ندا' سفیان' قاسم اور فضاء جیپ کے پاس کھڑے تھے اسے آتا دیکھ کر سب نے اپنی اپنی سیٹ سنبھالی

زیمل ندا اور فضاء کے ساتھ پیچھے بیٹھ گئی۔موسم بے حد سہانا ہورہا تھا ۔ لیکن جب دل کا موسم اچھا نہ ہو

تو باہ

کے موسم اثر نہیں کرتے۔ اسے کسی چیز میں دلکشی نہیں محسوس ہورہی تھی۔ آخرکار اس نے ندا سے

پوچھ ہی لیا

زاویار نہیں آئے گا پارٹی میں؟

ندا نے پیار سے اس کے گال چھوتے کہا

میری جان اسے چاچو نے کسی کام سے بھیجا ہوا ہے ۔کہتا ہے جلد فارغ ہو گیا تو آجاؤں گا۔

ندا کی بات سن کر زیمل جو پہلے کم اداس لگ رہی تھی اب مزید افسردہ ہو گئی۔

آدھے گھنٹے بعد جیپ فارم ہاؤس کے گیٹ کے سامنے رکی ۔شام ڈوبنے کو تھی فارم ہاؤس کی ساری

لائیٹیں جل رہی تھی ۔سورج ڈوبنے کا ایک دلفریب منظر تھا۔سب اندر داخل ہوئے جہاں ہر طرف

اندھیرا تھا ۔اچانک سب لائیٹیں روشن ہوئیں۔ اور ہر طرف ہیپی" برتھ ڈے ٹو یو

ہیپی برتھ ڈے ڈیئر زیمل شاہ "

کی آوازیں گونجنے لگیں زیمل مبہوت کھڑی یہ سب دیکھتی رہی۔ ۔پھر اس نے زاویار کو اپنی طرف آتے دیکھا ۔وہ ایک دلفریب مسکراہٹ لبوں پہ سجائے زیمل کے سامنے آیا اور اس کا ہاتھ تھام کر میز کی طرف بڑھا جہاں کیک جلتی بجھتی موم بتیوں کے بیچ رکھا تھا۔

زاویار نے چھری اس کے آگے کی جیسے ہی وہ کیک کاٹنے لگی زاویار نے اس کے کان کے پاس جھک کر بہت ہی گھمبیر لہجے میں کہا

"ہیپی برتھ ڈے زاویار کی جان"

زاویار کی انتہائی قربت نے اسے مزید بوکھلا دیا اس کی سانسیں منتشر ہونے لگیں۔ زاویار کو اس کی حالت پر ترس آیا جبھی پیچھے ہٹ گیا۔ زیمل نے کیک کا ٹکڑا اٹھا کر زاویار کی طرف بڑھایا۔زاویار نے منہ کھولا ہی تھا کہ زیمل نے کیک ندا کے منہ میں ڈال دیا اور شرارت سے ہنسنے لگی۔ سب کزنز کی چھیڑ چھاڑ میں کیک کھایا گیا پھر سب نے زاویار سی فرمائش کی وہ کوئی گانا سنائے۔ زاویار اپنا گٹار لے کر میز پر بیٹھ گیا اور اپنے پاؤں کرسی پر رکھے۔ اور گنگنانے لگا۔

دو دل مل رہے ہیں مگر چپکے چپکے

سب کو ہو رہی ہے خبر چپکے چپکے

اس کی آواز نے ایک سماں باندھ دیا تھا زیمل سمیت سب کزنز اس کی آواز کے سحر میں کھو چکے تھے۔زاویار گانا گا چکا تو سفیان نے زاویار کو مخاطب کر کے کہا

یار زیمل کا گفٹ تو دکھاؤ۔

زیمل نے چونک کے اسے دیکھا۔

ہمم گفٹ____

زاویار کچھ سوچتا ہوا زیمل کے پاس آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر روم سے باہر جانے لگا پلٹ کر بولا

گفٹ میں اسپیشل انداز میں دونگا۔تم لوگ انجوائے کرو میں آیا۔

زیمل پریشان سی اس کے کھینچتی چلی آئی۔

کیا ہے زاویار ؟ یہاں کیوں لائے ہو؟

وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

زاویار نے اپنے جیب سے مخملی ڈبی نکالی اور زیمل کے سامنے فرش پہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

تمہارے پاؤں میں پائل بہت خوبصورت لگتی ہے اس لئے میں پائل ہی لایا ہوں ۔

محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

زیمل نے مسکراتے ہوئے اک ادا سے پاؤں آگے کیا زاویار پائل پہنا چکا تو ہاتھ اس کے سامنے پھیلاتے بولا۔

میں زاویار شاہ زیمل مراد علی شاہ کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کا خواہشمند ہوں کیا زیمل شاہ مجھ ناچیز سے شادی کرنے کیلیئے تیار ہے؟

وہ بولا تو اس کے ایک ایک لفظ سے محبت کی شدتیں ٹپک رہی تھی۔

وہ محبت کے اس خوبصورت انداز پر جیسے کھل سی اٹھی۔

محبت ایک بہت ہی خوبصورت احساس ہے۔ جو چھپائے نہیں چھپتا۔محبت

پھول کی مانند ہوتی ہے جس کی خوشبو سے انسان مہک اٹھتا ہے۔ محبت ہوجائے تو زندگی خوبصورت لگنے لگتی ہے۔ہم خود کو ہواؤں میں محسوس کرتے ہیں۔زیمل اور زاویار بھی کسی ایسی ہی دنیا کے باسی لگ رہے تھے۔ ایک دوسرے کی محبت میں گم۔

پیار کے دیپ جلانے والے کچھ کچھ پاگل ہوتے ہیں

اپنی جان سے جانے والے کچھ کچھ پاگل ہوتے ہیں۔

گھر پہنچتے ہی باقی سب کزنز اپنے رومز میں سونے چلے گئے جبکہ زاویار سیدھا اپنی امی کے کمرے میں گیا۔

امی آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں۔

ماں کو جاگتا دیکھ کر حیرت سے بولا

ہاں زاویار میں تمہارا انتظار کر رہی تھی بہت دیر لگا دی تم لوگوں نے آج۔

وہ پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے بولیں۔

امی آپ سے ایک بات کرنی تھی۔

زاویار ان کی گود میں سر رکھتے آہستہ سے بولا۔

کہو میری جان

انہوں نے محبت پاش نظروں سے بیٹے کو دیکھتے ہوئے کہا

امی آپ کو زیمل کیسی لگتی ہے؟

بہت پیاری بچی ہے اپنی ماں سے بالکل مختلف۔تم کیوں پوچھ رہے ہو۔

انہوں نے سوالیہ نظروں سے زاویار کو دیکھا

امی میں زیمل سے شادی کرنا چاہتا ہوں ۔آپ تائی سے بات کریں ناں۔

زاویار نے بیقراری سے ماں کی طرف دیکھتے کہا

ان کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہوگیا۔کچھ دیر اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور ماتھا چوم کر مسکرا کر بولیں۔

ٹھیک ہے میں تمہارے بابا سے بات کرتی ہوں۔تم جاؤ اب آرام کرو۔

وہ مسکرا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

زینت بیگم کا چہرہ ایک بار پھر انتہائی سنجیدہ ہوگیا ۔اپنے بستر کی طرف بڑھتے ہوئے پرسوچ انداز میں بولیں

زاویار تم نے ایک ضدی عورت کی بیٹی سی محبت کی ہے۔ جس کے پاس احساس نام کی کوئی چیز نہیں۔میں دعا کرونگی ۔میرے بیٹے کو اس کی خوشیاں ضرور ملیں__________

بھابی آپ لوگ ہنی مون منانے کہاں جارہے ہو؟

زیمل نے عالیان کی بیوی کو مخاطب کر کے پوچھا

ہم سب صبح آٹھ بجے کاغان جارہے ہیں۔

عالیان نے ادر داخل ہوتے ہی اعلان کیا

سب نے چونک کر اسے دیکھا۔

ہم سب مطلب؟

قاسم نے حیرانی سے پوچھا

ہم سب مطلب سب کزنز اور جو جانا چاہے وہ۔

یاااہوووووو

سب نے خوشی سے بھرپور نعرہ لگایا

کوئی ضرورت نہیں ہے وہ ہنی مون منانے جارہے ہیں تم لوگوں کا وہاں کیا کام

زیمل کی مما نے ڈانتے ہوئے کہا

مما ہم ان کو بالکل بھی ڈسٹرب نہیں کریں گے

زیمل نے معصومیت سے مما کو دیکھا

تائی وہ اپنا ہنی مون منائیں ہم اپنی سیر کریں گے۔

ندا نے بھی تائی کو منانا چاہا

عفت بیگم گھومنے دو بچوں کو یہ ہی تو دن ہیں زندگی کو انجوائے کرنے کے جاؤ بچو تیاری کرو جانے کی۔

زیمل کے بابا جانی نے فیصلہ سنایا

مما آپ بھی چلیں سچ بہت مزا آئے گا

زیمل نے اپنی مما سے کہا

مجھے تو معاف ہی رکھو میں اپنی بہن کے گھر جاؤں گی دو تین دن کیلیئے

عفت بیگم نے ابرو اچکا کہ جواب دیا

زیمل نے مایوسی سے بابا کی طرف دیکھا جنھوں نے سوری بیٹا کہہ کر جان چھڑا لی

یوں یہ دس کزنز پر مشتمل ٹولہ محبتوں کے سفر پہ نکلا۔

منزل بہ منزل یہ قافلہ محبتیں بکھیرتا محبتیں سمیٹتا واپسی کے سفر پہ چل نکلا۔

آج انہیں بڑی حویلی آئے اٹھائیسواں دن تھا یہ زیمل کی حویلی میں آخری رات تھی۔ صبح کی فلائٹ سے انہیں واپس کراچی جانا تھا۔زاویار چھت کی دیوار پہ بیٹھا تھا اور زیمل دیوار سے ٹیک لگائے بے حد اداس آنکھوں میں آنسو لئے کھڑی تھی ۔

پیار میں لوگ بہت مضبوط ہوجاتے ہیں اور بہت کمزور بھی۔ مضبوط اتنے کہ دنیا سے لڑپڑتے ہیں اور کمزور تتنے کہ ایک شخص کے بنا رہ نہیں پاتے

محبت میں لوگ بہت مضبوط بھی ہو جاتے ہیں اور بہت کمزور بھی ۔مضبوط اتنے کہ دنیا سے لڑ جاتے ہیں اور کمزور اتنے کہ ایک شخص کے بنا نہیں رہ پاتے۔

زیمل میری جان اداس مت ہو تم دیکھنا ہم بہت جلد ملیں گے میں نے امی سے بات کر لی ہے ہم سب تمہیں لینے آئیں گے ۔یہ وقتی جدائی ہے۔پھر ملن ہی ملن ہو گا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر تو جیسے زاویار کی جان پر بن آئی تھی۔

زاویار مجھے جانے کیوں ایسا لگ رہا ہے جیسے ہم پھر کبھی نہیں مل پائیں گے۔

وہ نم آنکھوں کے ساتھ بولی ۔

اس کے آنسو دیکھ کر زاویار اس کے سامنے آکر کھڑا ہوا اور اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

میری جان ہم ملیں گے ضرور ملیں گے چلو بس اب آنسو پونچھو تم ایسے اداس جاؤ گی تو میں کیسے سکون میں رہ سکونگا۔

اپنے بوجھل دل کو بمشکل سنبھالے وہ اسے آس دلا رہا تھا

بھابھی میں آج آپ سے کچھ مانگنے آئی ہوں امید ہے آپ انکار نہیں کریں گی۔

کافی دیر سوچ بچار کے بعد آخر زینت بیگم نے اپنا مدعا عفت آراء کے سامنے رکھا۔

انہوں نے ابرو اچکا کر زینت بیگم کو دیکھا اور بولیں

میں سمجھی نہیں۔

میں زیمل شاہ کو زاویار کیلیئے مانگنے آئی ہوں ۔

ڈرتے ڈرتے انہوں نے کہا

جانتی ہو کیا کہہ رہی ہو تم؟تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ میں اپنی اکلوتی لاڈلی بیٹی کو تمہارے نکمے کنگلے بیٹے کے حوالے کرونگی

نخوت سے دیکھتے بولیں ۔

ماشاء للہ پڑھا لکھا ہے زاویار اور جاب ڈھونڈ رہا ہے بہت جلد جاب مل جائے گی اسے۔ آپ

بس

انہوں نے ہاتھ اٹھا کر انہیں ٹوکا

میں اس رشتہ سے انکار کرتی ہوں ۔میں زیمل کا رشتہ اپنی بہن کے بیٹے سے کرونگی

۔لیکن بھابھی۔

زینت بیگم کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ اٹھی اور ایک مغرورانہ چال چلتی ہوئیں کمرے سے باہر چلی گئیں۔______

______

زیمل جاتے ہوئے سب سے گلے مل کہ روئی جب ندا سے ملی تو بھابھی) عالیان کی بیوی (بولیں پاگل لڑکی میں اپنی رخصتی پر اتنا نہیں روئی جتنا تم یہاں سے جانے پر رو رہی ہو ۔

ان کی بات پہ سب مسکرا اٹھے

یہ آنسو سنبھال کر رکھو ہماری رخصتی کے وقت کام آئیں گے

زاویار اسے کب سے روتا دیکھ رہا تھا قریب آکر زیمل کے کان میں شرارت سے بولا۔

اور وہ شرم سے مسکرا گئی۔

یوں زیمل شاہ کی چاہتوں محبتوں کا سفر خوبصورت یادیں سمیٹتا اپنے اختتام کو پہنچا۔

امی تائی نے انکار کیوں کیا؟

زاویار سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھتے ہوئے بولا

مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ وہ کبھی اس رشتہ پر راضی نہیں ہونگی میں نے پھر بھی بس تمہاری خوشی کیلئے ان کے سامنے ہاتھ پھیلایا

امی بتائیں نا انکار کیوں ہوا۔

تائی تو مجھے اپنے بیٹوں جیسا سمجھتی تھیں پھر یہ سب

پریشانی سے بولا

انہوں نے انکار تمہاری نہیں میری وجہ سے کیا ہے

زینت بیگم نے سر جھکائے اعتراف کیا

آپ کی وجہ سے مگر کیوں؟

زاویار نے حیران نظروں سے ماں کو دیکھا

تمہارے ابو اور تایا کی شادی ایک ساتھ ہی ہوئی تھی۔ ہم دونوں ایک ہی ساتھ اس حویلی کی بہو بن کر آئیں ۔تمہاری تائی شکل وصورت میں درمیانے درجے کی تھیں جبکہ میں بہت خوبصورت تھی ۔سب نے ان کا موازنہ مجھ سے کرنا شروع کردیا۔ وہ بہت امیر گھرانے سے تھیں اس لئے انتہائی ضدی اور مغرور تھیں۔وہ چاہتی تھی ہر جگہ بس ان کی ہی تعریف ہو ۔کسی دوسرے کی تعریف انہیں قطعی پسند نہیں آتی تھی۔

میں ہر لحاظ سے ایک سگھڑ بہو ثابت ہوئی جبکہ انہیں گھر کے کام کاج میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

یہ نہیں تھا کہ انہیں نظرانداز کر دیا گیا تھا حویلی کی بڑی بہو ہونے کے ناطے ہر فیصلہ میں ان کی رائے

کاضرور احترام کیا جاتا لیکن میری ذرا بھی تعریف انہیں حسد میں مبتلا کر دیتیں۔ یہ حسد نفرت میں تب بدلی جب ان کے بیٹے خرم نے ماں کے سامنے اصرار کی کہ وہ تمہاری بہن کا رشتہ مانگنے ہمارے گھر جائیں۔پسند خرم نے کیا تھا ندا کو مگر تمہاری تائی کے طعنے ہمیں سننے پڑے۔خرم کو سمجھا بجھا کر پہلے ملک سے باہر بھیجا پھر اپنے کسی عزیز کی بیٹی سے اس کی شادی کروا دی۔۔اب تو معاملہ ان کی لاڈلی بیٹی کی ہے تم جانتے ہو زیمل سے کتنی محبت کرتی ہیں وہ سب سے چھپا کر رکھتی ہیں۔ ایک بات بتاؤ کیا زیمل بھی تم سے محبت کرتی ہے۔۔

اپنی بات ادھوری چھوڑ کر زاویار سے پوچھا

اس نے آہستہ سے سر کو ہاں میں جنبش دی اور کہا جی امی

زینت بیگم کی پریشانی میں مزید اضافہ ہوگیا۔چہرہ پر مصنوعی مسکراہٹ سجا کر بولیں۔

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم ُالحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماےراحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ٹھیک ہے میں اپنے بچوں کی خوشیاں مانگنے کیلئے ایک بار پھر ان کے آگے ہاتھ پھیلاؤں گی۔خدا نے چاہا تو کوئی تم دونوں کو جدا نہیں کر سکتا

پیار بھری نظروں میں زاویار۔ کو سموتے ہوئے خود سے عہد کیا۔

زیمل کو واپس آئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا مگر اس کی اداسی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔اسٹڈی پر اس کی توجہ نہ ہونے کی برابر تھی ۔ہر کام سے اس کا دل اچاٹ ہوگیا تھا۔ وہ گھنٹوں زاویار کی تصویروں کو دیکھتی رہتی۔اس کی ذات کا مرکز صرف زاویار تھا۔ زاویار ہر رات اسے کال کرتا ۔گھنٹوں وہ میسیجز پہ باتیں کرتے اسکائپ کے زریعے آدھی ملاقات ہوجاتی تھی۔مگر یہ ادھورا ملن اسے مزید بےچین کر جاتا ۔وہ ہمیشہ ایک ہی خواب دیکھتی کہ وہ زاویار کو پکار رہی ہے مگر وہ اس کی پکار نہیں سنتا اور کوئی زیمل کو کھینچتا ہوا اس سے دور لے جاتا ہے۔ وہ اسے پکارتی ہی رہ جاتی ہے۔

تمہارا وہم ہے کہہ کر زاویار اسے تسلی دیتا مگر اسے خوف آنے لگا تھا۔ جیسے کچھ ہونے والا ہے۔

جب وہ میسیج یا کال کرنا بھول جاتا تو وہ ناراض ہوجاتی پھر زاویار کا سارا دن اسے مناتے ہی گزر جاتا۔

اپنی مصروفیت میں زاویار اسے بھول بھی جاتا ۔مگر زیمل کی تو سانسیں ہی اب اس کے نام سے چلتی تھیں۔

اگر زاویار شاہ نے اس سے محبت کی تھی تو بدلہ میں زیمل شاہ نے اس سے عشق کیا تھا۔

ایسا عشق جس میں وہ خود کو بھلائے بیٹھی تھی۔

محبت کی تلاش میں بھٹکنے والی لڑکی

یہ بھول گئی تھی کہ

محبت ہر ایک کو نہیں ملتی

کچھ لوگ سدا بھٹکتے ہی رہتے ہیں

کہ جن کی آنکھیں تو جاگتی رہتی ہیں

پر مقدر سوئے رہتے ہیں

___ایک بار پھر ہاتھ پھیلایا گیا اور ایک بار پھر خالی ہاتھ لوٹایا گیا۔

اس بار زاویار نے ساری بات زیمل کے سامنے رکھ دی جسے سنتے ہی وہ پر یقین انداز میں بولی ۔

نہیں میری مما مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں وہ کبھی میری کسی بات کو نہیں ٹال سکتیں۔

کال ڈسکنیکٹ کر کے وہ مما کے روم میں گئی اور بولی

مما آپ نے چاچی کو انکار کیوں کیا؟ مما میں زاویار کو پسند کرتی ہوں آپ پلیز چاچی کو ہاں کہہ دیں میں نے زاویار سے کہا ہے میری مما بہت محبت کرتی ہیں مجھ سے وہ میری پسند کو ناپسند نہیں کر سکتیں ہیں نا مما۔

زیمل نے ایک بار میں ہی ساری بات کہہ دی اور بے چینی سے جواب کا انتظار کرنے لگی

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پرسکون انداز میں بولیں

زیمل مجھے حیرت ہے تمہاری پسند پر ۔مجھے تمہاری پسند بالکل پسند نہیں آئی۔ تم میں اور زاویار میں بہت فرق ہے ۔جہاں اتنا ڈیفرنس ہو وہاں رشتے کامیاب نہیں ہوپاتے۔

انہوں نے نرمی سے اسے سمجھایا۔

کیسا فرق مما؟

نا سمجھی میں بولی

ابھی وہ پڑھ رہا ہے ۔ اوپر سے جاب لیس ہے

۔ویسے بھی تم شہر کی رہنے والی ہو گاؤں کے ماحول میں ایڈجسٹ نہیں ہو پاؤ گی۔میں تمہاری شادی کسی اچھے سے لڑکے سے کرونگی جو تمہیں زندگی کی ہر خوشی دیگا

پیار سے اس کے گال کو چھو کر بولیں

زیمل نے افسوس بھری نظر ماں کی طرف ڈالی اور بولی

مما اہمیت رشتوں کی ہوتی ہے محبتوں کی اور احساس کی ہوتی ہے یہ سب چیزیں ضروری نہیں کہ سکون دیں ۔اور پھر مما زاویار محبت کرتا ہے مجھ سے اور مما میں بھی.....

بس کرو زیمل ابھی تم جذباتی ہورہی ہو ۔ابھی اس شخص نے محبت کی پٹی تمہاری آنکھوں پہ باندھی ہوئی ہے ۔بہت جلد تمہیں یہ سب بکواس لگنے لگے گا۔

مما پلیز آپ میری بات مان لیں مما میں زاویار کے بغیر.....

زیمل بھول جاؤ کہ میں تمہاری فضول بات مانوں گی۔ آج کے بعد اس ٹاپک پر بات نہیں ہوگی سنا تم نے۔

اسے جھڑکتے ہوئے روم سے باہر چلی گئیں۔

اور زیمل پلیز مما میری بات سنیں کہتی ہی رہ گئی۔

تاپ عشق جنوں چڑھدا

سسک سسک او بندا مردا

زندگی میں پہلی بار عفت آراء نے اس کی کسی بات کو بہت بری طرح رد کیا تھا۔ اسے وہ اپنی پیار لٹاتی مما بالکل نہیں لگیں کیونکہ اس کی مما تو بہت پیار کرنے والی اس کی خواہشوں کو پورا کرنے میں سیکنڈ نہیں لگاتی

تھیں۔ ساری رات وہ روتی رہی ۔تڑپتی رہی ۔اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا محبت میں ایسا موڑ بھی آسکتا ہے ۔جہاں اسے اپنی محبت کے چھن جانے کا دھڑکا لگا ہو۔وہ تو یہ سوچ کر ہی کانپ اٹھتی کہ زاویار اور وہ.....نہیں اس سے آگے وہ سوچ نہیں پاتی۔

دیکھو زیمل امی نے تین بار تائی کے آگے ہاتھ پھیلایا اور انہوں نے تینوں بار امی کو جھڑک کر واپس بھیج دیا۔۔اب تم ہی بتاؤ میں اپنی ماں کو اور کتنی بار ذلیل کراؤں ۔اب تو مجھے خود شرم آتی ہے کس منہ سے میں امی کو ایک بار پھر تذلیل کرانے بھیجوں؟

زاویار پچھلے ایک گھنٹے سے زیمل کو سمجھانے کی کوشش کررہا تھا

تم کچھ وقت کیلئے خاموش ہوجاؤ۔میری جاب کے چانسز ہیں تم دیکھنا بہت جلد میں اس مقام پر پہنچ جاؤں گا جہاں دیکھ کر تائی مجھے کبھی ریجیکٹ نہیں کر پائیں گی۔

وہ پرامید لہجے میں بولا۔

اور اگر تب تک مما مجھے کسی اور کے نام پر باندھ چکی ہوں پھر۔ پھر کیا کرو گے تم۔

زیمل ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ تم خوامخواہ پریشان ہورہی ہو۔

لوگ اپنی محبت کو پانے کیلئے کیا کچھ نہیں کرتے ااور ایک تم ہو زاویار جو ابھی سے تھک گئے ہو۔

اس نے شکوہ کیا

تو کیا کرو زیمل بھگا کہ لے جاؤں تمہیں

بولو منظور ہے یہ سب؟

غصہ میں جھنجھلا کر بولا

زیمل نے ایک نظر آنسو بھری آنکھوں سے موبائل کو دیکھا پھر غصہ میں کال ڈسکنیکٹ کر کے موبائل بیڈ پر اچھال دیا۔ اور بآواز رونے لگی ۔

اس کا موبائل پھر بجا۔لیکن وہ یوں ہی روتی رہی ۔کوئی ساتویں بیل پر اسے کال ریسیو کرنی پڑی۔

آئی ایم سوری میری جان ۔تم روٗو مت پلیز

اس کی سسکیاں سن کر زاویار بے چینی سے بولا۔

زاویار پلیز ایک بار اور میری خاطر تم دوبارہ کوشش کرو ۔زاویار تم جانتے ہو میں تمہارے بغیر کسی اور کا تصور بھی نہیں کر سکتی ۔پلیز زاویار آخری بار

وہ منت بھرے لہجے میں بول

زاویار نے ایک لمبی سانس کھینچتے ہوئے کہا

ٹھیک ہے زیمل میں امی سے بات کرتا ہوں لیکن یہ آخری بار ہے اس کے بعد جو میں کہونگا تمہیں وہ کرنا ہوگا اوکے؟

اوکے

آہستہ سے بولی اور کال ڈسکنیکٹ ہوگئی۔

زاویار اپنی ماں کو لے کر ایک بار پھر اس ضدی عورت کے سامنے محبت کی بھیک مانگنے آیا تھا۔

میرے ایک بار کے انکار پر ہی تمہیں سمجھ جانا چاہیئے تھا میرے خیال سے اتنی تو عقلمند ہو گی تم۔

عفت آراء گردن اکڑا کر بولیں

بھابھی پلیز اپنی ضد چھوڑ دیں ۔یہ بچوں کی خوشیوں کا معاملہ ہے

وہ دونوں محبت کرتے ہیں ایک دوسرے سے ۔نہیں رہ پائیں گے دونوں ایک دوسرے کے بغیر۔

میری بیٹی کا نام مت لو ۔

زیمل کی مما غصہ میں دھاڑیں

پہلے اپنی بیٹی کو میرے خرم کے پیچھے لگایا اور اب میری معصوم بیٹی کو میرے خلاف بڑھکانے کیلئے بیٹے کو استعمال کر رہی ہو۔ جانے کیا پٹی پڑھائی ہے زیمل کو اپنے حواسوں میں ہی نہیں ہے وہ ۔کان کھول کر سن لو اگر زاویار دولت کے ڈھیر بھی لے کر آجائے نا میں تب بھی زیمل کو اس کے حوالے نہیں کرونگی۔ زہر لگتے ہو تم اور تمہارا بیٹا مجھے۔

لے جاؤ اپنے بیٹے کو یہاں سے اور کہہ دو اسے کہ آج کے بعد زیمل کا نام بھی اس کی زبان پر نہ آئے ۔

بھابھی ایک ماں بن کر سوچیں۔پلیز۔ ایسا ظلم مت کریں اپنی بیٹی کے ساتھ

زینت بیگم نے ایک بار پھر التجا کی

زیمل کیلئے کیا سہی ہے کیا نہیں میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ اس سے پہلے کہ میں زبردستی نکالوں تم دونوں ماں بیٹا خود ہی عزت سے چلے جاؤ واپس اور ہاں دوبارہ یہاں کبھی مت آنا۔ میں نے زیمل کا رشتہ اپنی بہن کے بیٹے سے طے کردیا ہے۔ اب جا سکتے ہو تم دونوں۔

دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولیں۔

زاویار جو کب سے خاموش بیٹھا تھا اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھتے

ہوئے پلٹا

میں اور میری ماں تو شاید سنبھل ہی جائیں پر دعا کریئے گا اپنی اس معصوم بیٹی کیلئے جس کی خوشیاں آپ نے صرف اپنی ضد کی وجہ سے چھین لیں۔

یہ کہہ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکل گیا۔

زاویار نے اپنا بیگ اٹھایا اور گاڑی میں بیٹھ گیا زینت بیگم بھی آنسو پونچھتی اس کے پیچھے چلی آئیں ۔یوں دونوں ماں بیٹا ایک بار پھر نامراد لوٹے

کبھی ویران راستوں پر

کوئی انجانی سی دستک

اگر تم کو سنائی دے

صدا کی شکل میں آکر کہے

محبت نام ہے میرا

پلٹ کر دیکھنا مت تم کہ

اس راہِ محبت میں

فقط

اذیت ہی اذیت ہے!!!!

مما میں زاویار سے محبت کرتی ہوں ۔میں نہیں رہ سکتی اس کے بغیر آپ نے ایسا کیوں کیا مما

وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

زیمل بند کرو یہ پاگل پن دنیا صرف ایک زاویار پہ ختم نہیں ہوتی

ہوتی ہے مما زیمل کی دنیا زاویار شاہ پر ہی ختم ہوتی ہے

بند کرو یہ تماشہ بھول جاؤ اب اسے میں نے تمہارا رشتہ اسفند سے طے کر دیا ہے سنڈے کو تمہاری خالہ آئیں گی رسم کرنے اب یہ زاویار نامہ بند کرو

عفت آراء کے دھماکہ نے اسے گہری کھائی میں گرادیا

زیمل شاہ تو گویا پتھر کا بت بن گئی ۔پھر حواس بحال ہوتے ہی چلائی

آپ ایسا نہیں کر سکتیں۔

بے یقینی سی ماں کی طرف دیکھتی رہی

میں ایسا کر چکی ہوں اور اب تم بھی یہ محبت کا نشہ اتار دو

"آپ نے کبھی محبت نہیں کی نا مما اس لئے آپ ایسا کہہ سکتی ہیں۔ جو لوگ اس راہ پر چا نکلتے ہیں ان کیلیئے واپس پلٹنے کے سارے راستے بند ہوجاتے ہیں۔ زیمل کا عشق ہے زاویار شاہ ۔ میری سانسوں میں تحلیل ہو چکا ہے اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے مما

اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھتے ہوئی بولی

مما پلیز چھوڑ دیں اپنی ضد

آس بھرے لہجے میں کہتی مما کے قدموں میں بیٹھ گئی

زیمل جو میں نے کہنا تھا کہہ چکی ی

اپنے مائنڈ کو تیار کر لو سنڈے کو کوئی تماشہ نہ دیکھوں میں

اس کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے کھڑی ہو کر بولی

آپ ایسا نہیں کر سکتی مما

زیمل چلا کر بولی

میں ایسا کر چکی ہوں لہذا

مما آپ کو اپنی ضد میری خوشی سے زیادہ پیاری ہے۔

ان کی بات کاٹ کر تیزی سے بولی مگر وہ اس وقت ایک ضدی عورت بن کر بول رہی تھیں ایک ماں بن کر نہیں

تم جو سمجھتی ہو سمجھو

مائیں تو اپنی بیٹیوں کی خوشیوں کی خاطر دنیا سے لڑ جاتی ہیں آپ کیسی ماں ہیں مما نہیں آپ میری سگی ماں ہو ہی نہیں سکتیں نہیں ہیں آپ میری مما

زارو قطار روتے ہوئے وہ چیخی

لیکن اگلے ہی لمحے عفت آراء کا بھاری بھرکم ہاتھ اس کے نرم و نازک پھول جیسے گال پر پڑا اور زیمل کا سر میز سے بری طرح ٹکرایا

پورا کمرا اس کی نظروں میں گھوم اٹھا۔

یہ پٹی پڑھائی ہے اس نے تمہیں کہ تم ماں کا لحاظ ہی بھول گئی ہو

خونخوار نظروں سے زیمل کی طرف دیکھ کر چلائیں

ایک جھٹکے سے زیمل اٹھی اور ان کی آنکھوں میں اپنی آنسوؤں سے بھری لال آنکھیں ڈال کر غرائی

ہاں نہیں ہو سکتی میری ماں ایسی یاد رکھئے گا اگر زیمل زاویار شاہ کو نہیں ملی تو آپ کو بھی اپنی بیٹی کبھی نہیں ملے گی ۔سنا آپ نے ۔

دوسرے ہی لمحے وہ دروازہ پار کرتی اوپر کی جانب بڑھی

عفت آراء اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر رہ گئیں پھر کچھ یاد آنے پر زیمل کے پیچھے بھاگیں ۔جس وقت وہ اوپر پہنچیں زیمل موبائل پر کوئی نمبر ڈائل کررہی تھی ایک جھٹکے میں انہوں نے اس کے ہاتھ سے موبائل چھینا

یہ ہی ہے فساد کی جڑ

آج ختم کرتی ہوں یہ سب سلسلے پھر انہوں نے نوکروں کی مدد سے ہر وہ چیز جو زاویار سے رابطے کا سبب بنتی اس کی پہنچ سے دور کردی

اور وہ اکیلی اپنی محبت کا ماتم کرتی رہ گئی جو چیز اس کے ہاتھ آئی اس نے ٹکڑے ٹکڑے کردی۔وہ چیختی رہی چلاتی رہی پاگلوں کی طرح روتی رہی مگر اس کی صدائیں ہر بار مایوس لوٹ آتیں ۔یوں ہی روتے بلکتے وہ خوش و حواس سے بیگانہ ہوتی گئی اور زمین پی ڈھ سی گئی۔

تین دن وہ اسپتال کے ایمرجنسی روم میں پڑی رہی ۔اپنے آپ سے بیگانہ ۔ اسے کسی کا خوش نہ رہا ۔ایک مسلسل چپ تھی اس کے ہونٹوں پر ۔

اجڑی ۔سونی آنکھیں ۔ بکھرے بال۔اس نے صرف محبت ہی نہیں ہاری تھی ۔بلکہ اس نے اپنا آپ ہار دیا تھا۔جس کیلئے وہ ہاری تھی وہ بھی نجانے کہاں گم تھا۔اسے یوں تڑپتا بلکتا چھوڑ کر۔

محبت کرنے وال لڑکی۔

جیسے صحراؤں میں گم کردہ راہ مسافر

جیسے اجڑا ویران جزیرہ

جیسے اجنبی شہر میں اپنوں سے بچھڑ جانے والی بچی۔

وہ گھر لوٹ آئی تو رات مما اس کے روم میں آکر اگلا حکم سنا گئیں

کل کیلئے تیار رہنا منگنی کی رسم میں کوئی پاگل پن نہ ہونے پائے ۔

وہ گم صم بیٹھی رہی خالا اسفند کے نام کی انگوٹھی اسے پہنا کر چلی بھی گئیں۔

آج صیح معنوں میں اس کا عشق اس سے چھینا گیا تھا۔

ہر رات وہ عشق کی آگ میں جلتی ۔وقت کے ساتھ اس کا عشق بڑھتا چلا گیا

ایک روگ تھا جو اسے لگ چکا تھا ۔۔ایک روگ تھا جو اسے لگنے والا تھا۔

یہ تھکا تھکا سا جو چاند ہے

وہی خواب ہے کسی آنکھ کا

جسے جاگنے کی سزا ملی

یہ جو چاند ہے یہ جواب ہے

کسی اس طرح کے سوال کا

کہ جو آج تک نہیں اٹھ سکا کسی ذہن میں

یہ جو چاند ہے یہ تو باب ہے

کسی درد کا کسی ہجر کا کسی وصل کا

کبھی بن پڑے تو یہ پوچھنا

اسے گہری گہری نیند سے

بھلا کس نے آ کے جگا دیا

اسے روگ کس نے لگا دیا!!

پہلی منگنی ایک سال چل سکی ۔اور ایک بار پھر ایک ضدی عورت کی ضد بازی لے گئی۔ کچھ ہفتے بعد ایک نئی جگہ اس کی مما نے اس کا رشتہ طے کیا۔۔وہ اپنی ماں کے ہاتھوں کٹ پتلی بنی رہی۔

ان دنوں جب زیمل کی شادی عروج پر تھی ۔ جب ایک لرزا دینے والی خبر ان کو ملی۔ ایک معمولی درد جو آئے دن اس کے پیٹ میں اٹھتا ۔اس روز جان لیوہ بن گیا ۔بہت سارے ٹیسٹ کروائے گئے ۔جن کی رپورٹس زیمل کی شادی سے ایک ہفتہ پہلے ملیں۔ ان رپورٹس نے اس ضدی ماں کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی۔ زیمل کا درد ۔زاویار کے عشق کا روگ اس کے اندر کینسر کی صورت میں پلتا رہا۔اور ڈاکٹر کے مطابق بیماری آخری اسٹیج پر تھا۔

اس حقیقت کے انکشاف پر دو موتی اس کی پلکوں سے ٹوٹ کر گرے

یہ کس کے سوگ میں شوریدہِ حال پھرتا ہوں

وہ کون شخص تھا ایسا کہ مر گیا مجھ میں!

ملک کے بڑے سے بڑے اسپتال میں اس کا علاج ہوا مگر بے سود اس کے درد کا علاج کسی کے پاس نہیں تھا۔یوں ہی درد سہتے ایک سال بیت گیا۔ آج ایک بار پھر بڑی حویلی میں موجود تھی۔زیمل کے بھائی کی شادی پر وہ لوگ حویلی آئے تھے۔۔ ایک سال پہلے جو شہزادی یہاں آئی تھی وہ ایسی ہو جائے گی کسی کے تصور میں نہیں تھا ۔اس کے وہ لمبے بال جن کی ایک دنیا دیوانی تھی ۔ اس کے سر پر ان بالوں کا نام ونشان تک نہ تھا۔اس کی رنگت زردی مائل۔ آنکھوں کے نیچے سیاہ ہلکے۔ وہ اپنی عمر سے بڑی نظر آتی۔

اس نے عشق کیا تھا ہاں عشق کرنے والوں کی صورت ایسی ہی ہوتی ہے ۔اجڑی بکھری۔

ایک بار پھر اس کے درد جاگ اٹھے ۔دس دن وہ یہاں رہے ۔اور دس راتیں وہ محبت کا غم مناتے پاگل ہوجاتی۔ زاویار کی جاب لگ چکی تھی اور وہ اس سلسلے میں ملک سے باہر تھا۔ چلو یہ اچھا ہی ہوا ورنہ وہ اسے اس طرح لٹا پٹا دیکھ کر مر ہی جاتا۔زیمل نے خود سے عہد کیا کہ وہ مر بھی گئی تو دوبارہ یہاں نہیں آئے گی۔ ۔

_حویلی سے آئے آج انہیں تین دن گزر چکے تھے۔ صبح کا وقت تھا سب اپنے کاموں میں مصروف تھے

زیمل بیڈ پر لیٹی تھی ۔مما ساتھ ہی صوفہ پر بیٹھی تھیں۔ اچانک زیمل کی لرزتی ہوئی آواز ان کے کانوں تک پہنچی۔

بابا پانی۔

وہ بھاگ کر زیمل کے پاس پہنچی ۔ اس کا ہاتھ تھام کر پوچھا

کیا ہوا زیمل

زیمل نے نظریں چرا کر پھر پکارا

بابا

سید مراد علی شاہ بھاگتے ہوئے اس تک پہنچے

بابا پانی۔

زیمل کی کمزور آواز مزید آہستہ ہوئی۔

وہ اٹھے اور فریج سے ٹھنڈا پانی نکال کر گلاس میں ڈالا اور زیمل کے ہونٹوں سے لگایا

زیمل پانی۔

زیمل نے بابا کی طرف دیکھا۔ اور بولی

بابا مجھے ٹھنڈا پانی پینا ہے میرے اندر آگ لگی ہے بابا۔

عفت آراء اور مراد علی شاہ باآواز بلند رو رہے تھے ۔

زیمل میری بچی یہ ٹھنڈا پانی ہی ہے۔

نہیں بابا ٹھنڈا نہیں ہے

وہ پھر بولی

بابا پانی

وہ دونوں بے بسی سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

اور پھر زیمل شاہ کی آخری نظریں باپ کے چہرے پر گڑی رہ گئیں۔

ایک قیامت تھی جو ان پر ٹوٹی تھی۔

زیمل کی آواز ان کے آس پاس گونجنے لگی

یاد رکھئے گا مما اگر زیمل زاویار شاہ کو نہیں ملی تو آپ کو بھی آپ کی بیٹی کبھی نہیں ملے گی۔

اس نے اپنا کہا آج سچ کر دکھایا۔ اور انہیں ساری عمر کیلیئے روتا چھوڑ گئی۔

اب اگر وہ دھاڑیں مار کر بھی رو رہی تھیں

تھیں تو بے سود۔۔۔

زیمل کا عشق آج پورا ہوا۔اس نے اسی کے عشق میں جان دے دی۔اس کی محبت ضرور ہاری تھی لیکن اس کا عشق آج زندہ ہوا تھا۔

محبت جیت ہوتی ہے

مگر یہ ہار جاتی

کبھی بے کار رسموں سے

کبھی تقدیر کے آگے

مگر یہ ہار جاتی ہے۔

---------------------..........

داستان دل بہت جلد مارکیٹ میں آرہا ہے اگر آپ خرید نا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔پہلا شمارہ عشق نمبر ہو گا اس کے آج ہی اپنی تحریریں سینڈ کر دو۔سب رائٹر اک ساتھ اپنی زیادہ تحریریں سینڈ کرسکتے ہیں تاکہ ان کا نمبر جلدی لگ جائے شکریہ ایڈیٹر 03225494228

میرا نام ساجدہ ہے اور میں فیصل آباد کے ایک گاؤں کی رہنے والی ہوں سب بچوں کی طرح میرا بچپن بھی ہنستے کھلتے گزر گیا پتہ ہی نہیں چلا کب میں نے میٹرک پاس کی اور میں جوان ہو گی۔ اس کے بعد سارا دن گھر کا نام نہ فکر نہ پریشانی بس گھر کا کام ختم کر کے سو جانا یا ٹی وی دیکھنا ہی مشغلہ تھا کہ ایک دن ابو نے گھر مد بائل لے کر دیا اب ایک نیا مشغلہ ہاتھ آ گیا سارا دن موبائل پر گم کھلتی رہتی ایسی طرح میں گیم کھیل رہی تھی کہ موبائل کی ٹون بجی میں نے کال پک کی تو آگے سے ایک لڑکے کی آواز سنائی دی میں نے پوچھا جی بھائی کس سے بات کرنی ہے تو وہ بولا آپ سے میں نے اس کی بے عزتی کر دی او کال کاٹ دی اس کے پھر کال

آئی تو میں نے نمبر بیزی کر دیا اس طرح اس کی کافی کا لیس آئیں اس کے ساتھ وہ میں بھی کرتا بھی شعر کبھی غزلیں آہستہ آہستہ میں بھی اس سے بات کرنے لگی اس نے اپنا نام عاقب بتایا اور شہر ساہیوال پھر تو سارا دن ایس ایم ایس اور رات کال کرنے میں گزرنے لگی کاش میں وقت سمجھ جاتی تو آج یہ دن نہ دیکھا پڑتا پتہ نہیں کب ہماری دوستی محبت میں بدل گی اور میں نے اظہار محبت کر دیا تو اس نے بھی خوش دلی سے میری محبت کو قبول کر لیا میں تو ہوا اور کے دوستی سفر کرنے لگی یہ دنیا بہت پیار ہی پیار سی لگنے لگی ہر چیز میں نکھار سا آ گیا یوں لگتا ہے میری پچھلی زندگی بے کار رہی تھی اب اصل زندگی ہے پیار ابھی یہ خبر نہیں تھی کہ یہ پیار یہ چاہت یہ چار دن کی خوشی مجھے کوٹھے کی زینت

بنادیں گے ایسی طرح کرتے کرتے ایک سال گزر گیا
اب وہ ملنے کا اصرار کرنے لگا میں خود بے چین تھی
اس سے ملنے کو آخر میں نے اس کو بولا لیا اس دن امی
ابو رشتے داروں کی فوتگی پر گئے ہوئے تھے میں نے
رات ہی اس کو بتا دیا کہ صبح امی ابو جا رہے ہیں اس پے
تم مجھ دس بجے گھر آ جاتی ایسی خوشی میں میں ساری
رات سو نہ سکی اس کے ملنے کے خواب جاگتی آنکھوں
سے دیکھ رہی تھی امی ابو صبح 8 بجے ہی نکل گئے ان کے
جاکے ہی میں نے تیاری شروع کر دی کپڑے پہنے بال
بنائے اچھی سی خوشبوں لگائی اس سے ملنے کی خوشی
ہاتھوں پہ مہندی لگائی بلکل دلہن کی طرح تیار ہو کر
اس کا انتظار کرنے لگی آخر 9:50 پر اس کی کال آئی
کہ میں آپ کی گلی میں کھڑا ہوں میں نے اس کو گھر کی
نشانی بتائی اور دروازہ کھول دیا پانچ منٹ بعد وہ گھر میں
داخل ہوا میں اس کو دیکھ کر حیران رہے گی کہ اتنا
حسین خوب صورت بدان اس کو بیٹھا کر اس کے لیے
ڈرنک لے آئی دونوں نے مل کر ڈرنک پی اور پھر اس
کے لیے کھانا بنانے لگی اس نے کہا کہ رہنے دو مگر میں
نے خوشی سے کہا کہ کھانا تیار ہے بس گرم کرنا اس کے
بعد مل کر کھانا کھایا وہ لقمہ توڑ کر میرے منہ میں ڈالے
اور میں اس کے اس طرح پیار کے خواب وعدے
ہوئے قسمیں کھائی ساتھ رہنے کی ساتھ نبھانے کی پتہ
ہی نہیں چلا اور شام کے پانچ بجے کے اس کے جانے کا
اور امی ابو کے آنے کی وقت ہو گیا بے دلی سے اس کو
رخصت کیا اور پھر کپڑے تبدیل وہ سارا راستے میں
میاب تعریف کرتا رہا کبھی پھول کہتا کبھی چاند اس پھر
دو ماہ گزر گئے اور میں نے اس کو کہا کہ اب تم اپنے گھر
والو کو بھیج دو وہ میرا ہاتھ مانگ لے اس سے پہلے کہ
کوئی اور آ جائے اس نے خوشی ہو کر کہا کہ تم میری ہو
صرف میری اس کے طرح کی باتوں میں وہ ٹالتا رہا اور
میں پاگل نہ سمجھ اسی کا اعتبار کرتی رہی نہ شاید پیار کی
پہلی شرط ہی اعتبار کی ہے کہ جس سے پیار ہو اس میں
ہر بات پر اعتبار ہوتا ہے اس کی ہر بات ادا بن جاتی
ایسی طرح اس نے ایک رات کہا کہ میرے گھر نہیں
مان رہے مجھ کو گھر سے نکل جانے کس دھمکی دی ہے
اس بے ساجو ہی اگر میرے ساتھ رہے سکتی ہو تو میں

خود تمہارے گھر آتا ہوں میں سب کچھ چھوڑ دوں گا
تیرے لیے مجھے بس تیرا ساتھ چاہیے اس طرح ایک
دن وہ گھر میں آیا امی ابو سے ملا اور اپنے آنے کا مقصد
بیان کیا تو ابو نے پیار سے کہا کہ بیٹا اپنے کسی بڑے
کو لے آؤ اس طرح اس کو گھر بھیجنے دیا اور ابو نے
موبائل چھین لیا کہ یہ شکل سے ہی دھوکہ باز لگتا یہ
خوب صورت شکل میں درندہ لگتا ہے اس لیے میں نے
اپنی عزت کی خاطر اس کو ٹال دیا مگر اب یہ یہاں نہ
آئے اس کے بعد اداس رہی تڑپتی رہتی لیکن کسی نے
میری نہ سنی مر جانے کی دھمکی دی خودکشی کی کوشش
کی لیکن ابو اپنے فیصلے پر ڈٹے رہے شاید وہ مجھ سے
محبت کرتے تھے اور میری آنے والے وقت سے
خوف زدہ تھے اس لیے وہ جو فیصلہ کر رہے تھے میری
بہتری کے لیے ہی تھا مگر میری آنکھو پر محبت کی پٹی
بندھی ہوئی تھی جو مجھے اپنے ماں باپ کی محبت نظر
نہیں آتی تھی کاش میں اس وقت جان جاتی حقیقت کو
تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا پھر کسی طرح عاقت سے رابطہ
کیا کہ وہ مجھ کو آکر لے جائے میں نہیں جی سکتی تیرے

بن اس نے آنے کی حامی بھری سردیوں کے دن تھے
جب ہم نے گھر سے بھاگنے کا پروگرام بنایا اور
ایک کالی رات میں میں اپنا گھر چھوڑ کر اس کے ساتھ
لاہور چلی گی جہاں اس کا دوست رہتا تھا میں گھر
سے 50 ہزار روپے اور پانچ تولے سونا لے کر آئی تھی
جو اس نے راستے میں ہی لے لیا ہم لاہور پہنچ کر اس
کے دوست کے گھر ٹھہرے جہاں ہم کو ایک کمرہ دیا
گیا میں نے اس کو کہا کہ آپ بیڈ پر سو جائیں تو میں
قالین پر سو جاؤں گی مگر اس نے کہا آج ہم نے سونا
نہیں بس باتیں کریں گے۔اور پھر ایسی طرح باتیں
کرتے کرتے پتہ نہیں کب ہم پیار کی حد کراس کر کے
جذبات میں بہہ گے ہوش اس وقت آیا جب میں اپنا
سب کچھ لُٹ چکی تھی میں رونے لگی تو اس نے بڑھ کر
میرے آنسو صاف کیے اور پیار سے کہنے لگا میری جان
کیا ہو گیا ہ نے کل یا پرسوں نکاح کر لینا ہے اس کے بعد
بھی تو یہ سب ہونا ہے اگر آج غلطی سے ہو گیا تو
خدا نے معافی مانگ لیتے ہیں اس کے بعد دو تین دن
تک وہ یہی کھیل کھلتا رہا چوتھے دن وہ یہ کہہ کر گھر سے

نکلا کہ میں کسی وکیل سے بات کر کے آتا ہوں تا کہ ہم نکاح کر لیں۔ پھر رات ساری وہ میرے جسم سے کھلتا رہا صبح ہوتے ہی وہ نکل گیا شام کو آیا اور کہا کہ ہم ساہیوال جا کر وہی چل کر نکاح کریں گے اس کے گھر والے واپس آ رہے ہیں اس لیے تم تیاری کرو میں نے کہا کہ تیرے گھرے والے مان گے تو اس نے کہا ہاں ان لوگوں نے واپسی بولایا ہے اس لیے تم تیاری کرو ہم چلے ہم پانچوں دن ساہیوال آئے لیکن ماحول دیکھ کر میں کانپ گی چار پادنے لڑکیاں بیٹھی تھی کوئی سگریٹ پی رہی تھی کوئی پان تھوک رہی تھی میں نے عاقب کی طرف دیکھا تو اس نے آنکھیں چرائی مرتی کیا نہ کرتی اس کے ساتھ کمرے میں چلی گی اور اس سے پوچھا یہ سب کیا ہے تم مجھے کہاں لے آئے ہو تو اس نے ہنس کر کہا جہاں تمہیں آنا تھا میں نے پوچھا مطلب تو اس نے بتایا ہاں میرا اصل کام یہی ہے جو تم دیکھ رہی ہو اب خاموش سے یہاں کے ماحول کو اپنا لو اگر بھاگنے کی کوشش کرو گی تو ماری جو گی اگر بچ کے نکل گی تو جو لاہور میں میرے ساتھ کرتی رہی ہو وہ

سب نیٹ پر اپ لوڈ کر دوں گا لحاظ خاموش رہو اور جو میں کہتا ہوں وہ کرتی رہو میں روتی رہی تڑپتی رہی لیکن اس سنگدل کو رحم نہ آیا اس طرح میں اس دلدل میں پھنستی گی اب تو شاید یہی زندگی ہے کہ ہر رات ایک مرد آتا ہے جسم سے کھلتا ہے اور چلا جاتا کبھی کبھی ایک ایک رات پانچ آدمی آ جاتے ہیں جب میں بھی عاقب سے رو رو کر فریاد کرتی وہ مارتا ہے گالیاں دیتا ہے اسے رو رو کر مدت کی دعا مانگتی ہوں مگر شاید ابھی موت بھی بہت دور ہے میں بھلا کیسے خوش رہ سکتی ہوں میں نے اپنے ماں باپ کا دل دکھایا کاش میں اس وقت ہی سمجھ جاتی جب اس نے کہا تھا کہ میرے ماں باپ نہیں مان رہے بھلا اس کے ماں باپ مانتے کیسے جو اس دنیا میں تھے ہی نہیں ایسی طرح پھر عاقب ایک اور لڑکی لے آیا اس کے گھر والوں نے پیچھا کیا تو اس لڑکی نے مادری دیکھا اور اس کے خلاف گواہی دی عاقت چھپا تا رہا پولیس نے وہاں کام کرنے والی سب لڑکیوں کو پکڑ لیا ان میں بھی تھی اس طرح باقی کی لڑکیوں کو ان کے وارث چھوڑ کر لے گے میں وہاں

پولیس کی ہوس کا نشانہ بنتی رہی پھر عاقب پکڑا گیا دو ماہ
تھانے سے مطل کر یہاں مکان لے کر رہنے لگی گھر
وں میں کام کر کے گزارا کر رہی ہوں ایک دفعہ اپنے
گاؤں گئی تو راستے میں پتہ چلا کہ ماں باپ دونوں اس
دنیا سے چلے گے اور کوئی بہن بھائی تھا نہیں جن کے
پاس جاتی یہ تھی میری کہانی آج در در کی ٹھوکریں میرا
مقدر ہے میں ان بہنوں سے ہاتھ جوڑ کر اپیل کرتی
ہوں خدا را اس محبت کے چکر میں پڑ کے اپنی اور اپنے
ماں باپ کی عزت خاک میں نہ ملنا ورنہ ساری کرنہ گی
پچھتائی رہو گی اور نہ کرنا کسی بے وفا کا اعتبار۔۔۔ یہ

داستان دل کی ٹیم سے رابطہ کا ذریعہ

فیس بک:03377017753

ای میل:abbasnadeem283@gmail.com

واٹس اپ:03225494228

اگر آپ کو لکھنے کا شوق ہے مگر اس ڈر سے نہیں لکھ
سکے کہ شائع ہو گا کہ نہیں ہم ایسے نیو لکھنے والوں کو
گارنٹی دیتے ہیں کہ وہ قلم کو اٹھائیں انشاءاللہ ہم جگہ
دیں گے۔ اور وہ بھی پہلے ماہ ہی ارسال کرنا تحریریں
بالکل آسان ہے آپ اردو میں مسیج لکھ کر مسیج میں
بھی لکھ کہ سینڈ کر سکتے ہیں۔ داستان دل کے بارے
آپ کو کوئی بھی معلومات لینی ہو تو
03225494228 پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ ایڈیٹر

داستان دل کی ٹیم سے رابطہ کا ذریعہ

فیس بک:03377017753

ای میل:abbasnadeem283@gmail.com

واٹس اپ:03225494228

گزشتہ روز کی بات ہے میری وہی روز کی مصروفیات تھی اکیڈمی میں تدریسی انجام دینے کے بعد جب گھر کی طرف جانے کے لیے باہر نکلی تو معلوم ہوا کے آج کراچی والوں پر بادل مہربان ہیں اور سرشاری سے برسنے کی ابتداء کر دی ہے پر گھٹاؤں کی یہ مہربانی میرے لیے مشکل کھڑی کر گئی کہ گھر کیسے جاؤں؟؟؟؟

یکایک بجلی کوندی آسمان اور دماغ میں بیک وقت کہ اکیڈمی کے پچھلی جانب میں ہی میری دوست کا گھر ہے یہ خیال آتے ہی میں اسکے گھر کی جانب چل پڑی جب میں وہاں پہنچی تو دروازہ کھلا ہوا تھا میں نے عادت کے مطابق دروازہ کھٹکھٹایا اور آواز دی....وہ بھی حسب عادت میری آواز سنتے ہی باہر آگئی لیکن....ہر بار اسے مجھے اپنے گھر دیکھ کر حیرت ہوتی تھی...پر آج مجھے ہوئی اسے دیکھ کر.....

✍*وہ جو ہر وقت نکھری نکھری تتلیوں کی طرح رنگ...پھولوں کی طرح خوشبوئیں بکھیرتی تھی آج خود بکھری ہوئی اپنے حال سے بے خبر لگ رہی تھی....پر شکن کپڑے..الجھی زلفیں..سوجی آنکھیں..*

پریشانی و حیرت کے شدید جھٹکے سے میں اس وقت کچھ نہیں پوچھ پائی جب تک اس کے کمرے میں نہ آگئی.....کچھ دیر بعد میری زبان کچھ بولنے کے قابل ہوئی تو صرف اتنا پوچھ پائی کہ

کیا ہوا؟؟؟؟ خیریت ہے نہ سب؟

پر جواب میں صرف خاموشی....گہری خاموشی....

:_-اسکی خاموشی اسکے کمرے میں پھیلا سنگین سکوت مجھے وہی ہزار بار کی الگ الگ انداز، مختلف لفظوں

میں سنی ہوئی وہی جانی پہنچانی ازلی داستان سنا رہی تھی... وہی آدم کے بیٹے کا حوّا کی بیٹی کو دینے والا دھوکہ سب کچھ سنا رہا تھا... ۔_

پر اپنی دوست کی سمجھ داری.... کردار کی پختگی اسکی ذات کا فخر.... مجھے اس ازلی داستان کی شدت سے نفی کرنے پر اکسا رہا تھا....

اور اسی نفی کی تقویت کے لیے میں نے دوبارہ پوچھا....

اور اس بار اس کے لب خاموش نہ رہے اور اس کے لبوں سے آزاد ہونے والے لفظوں نے میری نفی ایک طرف کر دی....

اور ازلی داستان پر ایک بار پھر مہر لگ گئی.... اس کے لب رو رو کر ایک ہی جملے کی گردان کرنے لگے

* اس نے مجھے دھوکہ دے دیا.... اس نے مجھے دھوکہ دے دیا.....*

اس ایک جملے کے بعد میرا کچھ سننے کو دل نہ چاہا.... نہ ہی اس پرانی کہانی کو نئے انداز میں سمجھنے کا....

پر شاید اسے اس وقت کسی سامع کی شدید ضرورت تھی جبھی اس کے الفاظ ایک جملے پر ختم نہیں ہوئے... اور جملے مضمون بنانے لگے.....

* اس نے مجھ سے جھوٹ بولا... مجھے دھوکہ دیا مجھے دل کا ٹکڑا کہتا تھا اور دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے... مجھے زندگی کہتا تھا آج میری زندگی دشوار کر دی.... مجھے جان کہتا تھا پر میرا جینا مشکل کر دیا... اس نے مجھے دھوکہ دے دیا... اس نے مجھے دھوکہ دے دیا....*

وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کے رو رہی تھی اور میری زبان گنگ تھی آنکھیں ساکت اسے تک رہی تھی.... مگر میرا دماغ گنگ تھا نہ ساکت.....

اگرچہ دل کو اس کی حالت پر رحم آ رہا تھا.... پر دماغ ان گنت سوالات کر رہا تھا.... چیخ چیخ کر پوچھنا چاہ رہا تھا کہ......

✍ * جب میسج پر میسج سینڈ ہوتے تھے ماں کو معلوم تھا؟؟؟!*

* جب کال کا دورانیہ بڑھتے بڑھتے گھنٹوں تک جا پہنچتا تھا معلوم ہوتا تھا باپ کو*

* جب دلفریب انداز میں لی گئی تصاویر سینڈ کر کے تعریفیں سمیٹ کر خوش ہوا جاتا تھا کسے معلوم ہوتا تھا؟؟؟؟؟؟*

اس وقت دھوکہ کون دے رہا ہوتا تھا....؟؟؟؟؟

دھوکے کی ابتداء کس نے کی تھی؟؟؟ *ماں باپ بھائیوں کے مان کو پہلے کس نے توڑا... کس نے اعتبار کی کرچیاں کی.... کس نے دھوکہ دیا پہلے.....ماں باپ کے مان، بھروسے، اعتبار، دی ہوئی آزادی کو پہلے دھوکہ تم نے دیا تو آج اس دھوکے پر اتنا درد کیوں..؟؟؟؟؟؟؟*

کیوں اتنی تکلیف محسوس ہو رہی صرف ایک شخص کہ دھوکہ دینے پر؟؟؟؟؟

لیکن میرے یہ سوال صنف نازک سے ہی نہیں صنف مخالف سے بھی ہے کہ دوسروں کے گھر کی عزت سے کھیلتے ہوئے اپنے گھر کی عزت کو کیوں بھول جاتے ہو؟؟؟؟؟

دوسروں کی بہنوں، بیٹیوں سے اپنا وقت سنہرا کرتے ہوئے ایک بار بھی یہ سوچ کیوں نہیں آتی کہ تمہاری بہن بھی کسی کا وقت رنگین کرنے کا باعث ٹھیک اسی طرح بن سکتی ہے....

دوسروں کی بہن، بیٹی کو سنہرے خواب دکھا کر.... رنگوں کے محل تعمیر کروا کر..... پھر ان خوابوں کو کرچی کرچی... اور رنگوں کے محل کو مسمار کر کے.... ان سے ان کے خوش رنگ عکس تصویر کی صورت میں لے کر پھر ان پر نظریں جما کر ان کا جائزہ لیتے ہوئے یہ سوچ کیوں نہیں آتی کہ ہماری بہنوں پر، ہماری بیٹیوں پر اس سے زیادہ غلیظ نگاہیں اٹھ سکتی ہیں....

تو جو دوسروں کی عزت کا خیال نہیں رکھتے وہ اپنی عزت کے محفوظ ہونے کا یقین کس طرح رکھ سکتے ہیں؟؟؟؟

یہ کیوں یاد نہیں رہتا کہ جب وہ کسی لڑکی کے جذبات کو کھیل بنا رہے ہوتے ہیں.... تو انھیں بھی اس کھیل کا حصہ بنی ہوئی ہی لڑکی ہی ملے گی.... اگر ان کی یہ سوچ کے ان کے اس گندے کھیل کے بعد بھی انہیں چھوئے جذبات کی اس کے کانوں نے کبھی کسی دھوکے باز کی سرگوشی نہیں سنی ہو گی تو وہ دنیا کا بے وقوف ترین انسان ہے....

کیونکہ بابا کی شہزادی گڑیا جب کسی کے دل کی ملکہ بننے کے خواب دیکھ کر کھلونا بننے کا دھوکہ کھا سکتی ہے.... تو دھوکہ باز کو جیسے سچی عورت مل سکتی ہے؟؟؟؟ کانٹوں کی آبیاری کر کے گلابوں کی توقع عجیب نہیں عجیب تر ہے......

اور جن کی بہنیں نہیں وہ سوچنا کہ کیا بیٹی بھی کبھی نہیں ہو گی؟؟؟؟

اگر بیٹی بھی نہیں ہوئی تو کیا ان کی آخرت بھی کبھی نہیں ہو گی؟؟؟؟؟

صرف اتنا کہوں گی تمام نادان و سمجھ دار لڑکیوں کہ

✍ * ```سنبھل کر چلنا اس رنگ بدلتی دنیا میں``` *

* ```یہاں لوگ پلکوں پر اٹھا لیتے ہیں نظروں سے گرانے کے لیے``` *

اللہ سب بہنوں، بیٹیوں کی عزت کی حفاظت فرمائے اور امت مسلمہ کے تمام مرد و عورت کو عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسی شرم و حیا سے نواز دے

آمیــن ثم آمــین

....

شہر کی بغل میں مشرقی سمت جھگیوں کا ایک شہر آباد تھا ،جہاں تک نظر جاتی تھی رنگ برنگی جھگیاں ہی جھگیاں نظر آتی تھیں۔ رنگ برنگی اس لیے تھیں، جھگیوں کی اوپر کی چھت ان رنگ برنگے پرانے کپڑوں سے بنی تھی جو ان جھگیوں میں رہنے والی عورتیں شہر کے پاپوش علاقوں سے مانگ تانگ کر لاتیں تھیں۔ ان پرانے کپڑوں سے ایک دو ہفتے کا فیشن رچاتیں، زیب تن کرتیں جب دھونے کی باری آتی تو ان کپڑوں کو پیوند لگا کر چھت بنالی جاتی۔ دور سے نیلی، پیلی، کالی ،سرخ اور غلابی رنگ کی چھتیں سورج کی چلملاتی دھوپ میں لشکارے مارتی جیسے ان جھگیوں کی چھتوں کے اوپر کپڑے کی بجائے قوس قزح اتر آئی ہو ۔چھتوں کے اوپر قوس قزح بکھری تھی مگر ان کے اندر زندگی ایڑیاں رگڑے اپنی منزل کی طرف رواں تھی۔ انتہائی کسمپرسی میں گزارتے ان جھونپڑیوں کے باسی زندگی سے جنگ لڑنے میں سرگرداں تھے۔

شہر میں رہنے والوں کو یوں لگتا تھا سورج مشرق کی بجائے ان جھگیوں سے ابھرتا ہے، اس لیئے شہر میں بسنے والے وہ لوگ جو صبح سویرے سورج کو ان جھگیوں سے اگتے دیکھا کرتے تھے جھگیوں کو چڑتے سورج کی سرزمین بھی کہتے تھے۔ سورج نکلنے کے ساتھ ہی جھگیوں کے باسی چھوٹے بڑے، جوان ،عورتیں مرد سب جھگیوں سے نکل جاتے۔ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں پورے شہر میں پھیل جاتے۔ شہر کی گلیوں، سڑکوں، میونسپل کمیٹی کی جانب سے بنائے جانے والے گوڑادانوں اور کچرا کنڈیوں

سے ناقابل استعمال اشیاء جن کو شہر والے بے کار اور فضول جان کر پھینک دیتے ہیں جمع کرتے اور لا کر اپنی جھگیوں کے سامنے ڈھیر کر دیتے، دن کا جو حصہ بچ جاتا اسے مصرف میں لاتے ہوئے چھوٹے بڑے ان کچرے کے ڈھیروں کے گرد بیٹھ جاتے اور ان سے کاغذ، پلاسٹک، اور لوہے کی اشیاء الگ الگ کر کے بوریوں میں بند کر دیتے، کسی گاؤں میں رہنے والی عورتیں جب کپاس کی چنائی کر لیتی ہیں تو دائرے اور چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بیٹھ کر کپاس کے ٹینڈے جو ابھی ادھ کھلے ہوتے ہیں علیحدہ کرتی ہیں اور ساتھ ساتھ ایک دوسری سے دل کی باتیں بھی، کچھ ایسا ہی انداز ان جھگی باسیوں کا بھی تھا۔ سارا کچرا جب الگ ہو جاتا تو ہفتہ پندرہ دن کے بعد ایک ٹرک آتا اور ان سے جمع کیا سارا کچرا لے جاتا۔

"اماں۔۔۔۔ یہ کیا ہے"؟ مانی نے اپنی ماں سے پوچھا جو اس وقت کچرے کے ڈھیر پر بیٹھی کچرے کو الگ کر رہی تھی۔ "مجھے کیا پتا یہ کیا ہے؟ ماں نے کچرے کو الگ کرتے جواب دیا۔" ماں اس میں فوٹو بنے ہوئے ہیں" "کاہے کے فوٹو" بلی، کتا، کوا، کبوتر، چڑیا، طوطا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ دیکھ ماں اس میں شیر کی فوٹو بھی بنی ہے" اچھا۔۔۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔۔۔

تیرا اباپ کہتا تھا شہر والے اس کو۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا کہتے ہیں؟ ہائے ہائے یہ دماگ (دماغ) اب ٹھیک طرح سے کام بھی نہیں کرتا۔ گلاں یاد ہی نہیں رہتی۔ بھولنے کی بیماری ہو گئی ہے مجھے۔ تیرا اباپ بھی کہتا ہے اب میں باتیں بھولنے لگی ہوں۔ تھوڑے دن پہلے تیرے باپ نے مجھے دس روپے دیئے تھے وہ میں کہیں رکھ کے بھول گئی، ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے۔ تیرے باپ سے کہا بھی تھا شہر میں کسی حکیم کو دیکھا دے کہتا حکیم پیسے بہت مانگتے ہیں۔ میں بھی چپ ہو رہی" "ماں میں جب بڑا ہو جاؤں گا نا اور میرے پاس بہت سارے پیسے آجائیں گے، پورے ایک سو روپے تو میں تم کو حکیم کو زرور (ضرور) دیکھانے لے جاؤں گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہاں ماں تم نے بتایا نہیں اس کو کیا کہتے ہیں؟" کی۔۔۔ کی۔۔۔ کتاب۔۔۔۔۔۔۔۔ ہاں اس کو شہر والے

فوٹو والی کتاب کہتے ہیں'' '' اس کو کیا کرتے ہیں ماں
'' یہ جو شہر میں بڑے پیسے والے لوگ ہیں نا ان کے
بچے اس سے پڑھتے ہیں'' '' ماں۔۔۔۔۔۔۔ یہ پڑھنا
کیا ہوتا ہے؟'''' مجھے کیا پتا۔۔۔۔۔۔۔۔؟ میں کون
سا پڑھی ہوئی ہوں جو مجھے پتا ہو کہ پڑھنا کیا ہوتا ہے؟
چل جلدی ہاتھ چلا۔ تیرا باپ آتا ہو گا۔ اسے بھوک
لگی ہو گی ابھی مجھے اس کیلئے روٹی بھی مانگنے جانا ہے
'' ماں یہ فوٹو والی کتاب میں رکھ لوں۔۔۔۔۔ ہاں ہاں
رکھ لے، پر جلدی کر۔۔۔۔۔۔۔۔۔'' مانی نے وہ فو
ٹو والی کتاب اپنی گود میں رکھ لی اور جلدی جلدی کچرا
الگ کرنے لگا۔ کچرے سے اسے کئی بار ایسی اشیاء مل
جاتی تھیں جسے دیکھ کر اس کا دل مچلنے لگتا، وہ ماں سے
پوچھ کر اسے اپنے پاس رکھ لیتا تھا۔ ایک بچوں کے
کھیلنے کی کار جس کے دو پہیے ٹوٹے ہوئے تھے، ایک
کھلونا بلی جس کا بٹن دبانے سے میوں میوں کی آواز
نکلتی تھی۔ ایک پچکی ہوئی گیند جس سے وہ کھیلتا تھا۔
سورج شہر کی عمارتوں کے پیچھے اپنی آخری کرنیں چمکا
کر ڈوب چلا تو ماں نے مانی کو آواز دی جو اپنے کھلونوں
سے کھیل رہا تھا۔ مانی میں تیرے باپ کیلئے شہر سے
روٹی مانگنے جا رہی ہوں چل تو بھی میرے ساتھ'' ''
ماں وہ کیوں؟'' مانی نے وجہ پوچھی تو کہنے لگی، اب تو بڑا
ہو گیا میرے ساتھ جائے گا تو مانگنے کا ڈھنگ آ جائے
گا۔ چل۔۔۔۔۔۔۔۔ آ۔۔۔۔۔۔۔۔۔'' مانی ماں کے
ساتھ ہو لیا۔ آج مانی کا ماں کے ساتھ پہلا دن تھا شہر
کے رؤسہ سے اپنے اور اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کیلئے
روٹی مانگنے کا۔ مانی کی عمر دس یا بارہ سال تھی مگر باتیں
اپنی عمر سے بڑی کرتا تھا۔ ماں نے اسے کئی بار کہا تھا
مانی کم بولا کر لیکن وہ اس سے باز نہ آتا۔ جو چیز اسے نئی
دیکھتی اس کے بارے میں ضرور پوچھتا۔'' ماں روٹی
کیسے مانگتے ہیں'' مانی نے ماں سے پوچھا'' ابھی تم کو پتہ
چل جائے گا۔۔۔۔۔۔۔۔ میں جیسے جیسے کہوں گی، تم
بھی میرے پیچھے پیچھے بولنا اور اسے اچھی طرح سے یاد
کر لینا، آخر تم کو بھی مانگنے کا ڈھنگ آنا چاہیے'' ماں
، ابا روٹی مانگنے کیوں نہیں آتا؟'' '' مانی تو بہت بولتا
ہے چپ کر کے میرے ساتھ چل'' '' بتا نا ماں ابا
ہمارے لیئے روٹی مانگنے کیوں نہیں آتا'' مانی دوڑ کر

ماں کے سامنے آن کھڑا ہوا اور ماں کو راستے میں ہی روک لیا" تیرا ابا مرد ہے نا، ہماری جھگیوں میں مرد روٹی مانگنے نہیں جاتے، جب مرد شادی کرتا ہے تو عورت سے وچن لیا جاتا ہے کہ وہ عمر بھر اپنے خوند (خاوند) اور بچوں کو مانگ کر کھلائے گی" "ماں پھر مجھے کیوں ساتھ لے جا رہی ہے میں بھی تو مرد ہوں " "چپ کر جا بہتی زبان نہ چلا، چل آبادی آگئی ہے میں صدا لگاتی ہوں، تم میرے پیچھے پیچھے صدا لگانا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اللہ دے ناں تے اک روٹی داسوال اے، کوئی ہے جو اللہ کے نام پہ روٹی دے دے۔۔۔۔۔۔۔۔۔" مانی کی ماں ایک دروازے کے سامنے کھڑی صدا لگانے لگی اس نے یہ عمل دو تین بار دہرایا مگر اندر سے کوئی روٹی لے کر نہ آیا اور نہ ہی کسی نے کوئی جواب دیا مانی اپنی ماں کے پہلو میں کھڑا یہ سب حیرانی سے دیکھ رہا تھا ماں نے ایک بار پھر صدا لگائی، مگر اس بار بھی صدا در و دیوار سے ٹکرا کر واپس لوٹ آئی، مانی نے اسی باز گشت کی پیروی کی اور آواز لگائی" اللہ دے ناں تے اک روٹی داسوال اے، کوئی ہے جو اللہ کے نام پے روٹی دے دے" مانی کی آواز میں اک سوز تھا ایک درد تھا ماں نے مانی کی صدا سنی تو ہکا بکا مانی کی طرف دیکھ کر بولی" مانی تو اتنی سر میں صدا لگاتا ہے مجھے پتا ہی نہ تھا" "ماں بھکاری کا بیٹا بھی بھکاری ہی ہوتا ہے" مانی کی پر سوز آواز نے خاتون خانہ پر اثر کیا دروازہ کھولا ایک گرج دار آواز سماعتوں سے ٹکرائی" تم روز ہمارے ہی دروازے پر آن کھڑی ہوتی ہو تمھیں شہر میں اور کوئی گھر نظر نہیں آتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ چل جا معاف کر، آجاتی ہو منہ اٹھا کے، ہم اپنے بچوں کا پیٹ پالیں یا تم بھکاریوں کا" چل چھوڑ دراوزہ اگلے گھر سے لے لو" ماں مانی کو لے کر اگلے در پر آگئی اور لگی صدا لگانے ایک صدا ماں لگاتی اور اس کی تقلید کرتے ہوئے دوسری صدا مانی لگاتا ماں کی نسبت مانی کی صدا میں زیادہ سوز تھا، مانی نے ماں سے ٹھیک کہا تھا کہ وہ آخر کار ایک بھکاری کا بیٹا ہے۔ کہا جاتا ہے بچہ اس دنیا میں توارث سے خصوصیات لے کر پیدا ہوتا ہے اس کے بال، چہرے کے خدو خال، جسمانی بناوٹ، قدو

قامت ماں باپ سے مستعار لیئے ہوئے ہیں بالکل اسی طرح بچہ ماں باپ سے کچھ معاسرتی عادات بھی لے کر اس دنیا میں آتا ہے۔ بادشاہ کا بیٹا بادشاہ، اور فقیر کا بیٹا فقیروں والی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح مانی کے اندر بھی گداگروں والی خصوصیات موجود تھیں۔ جس کا آج وہ اظہار کر رہا تھا۔

مانی کی سوز والی آواز کام کر گئی ایک چھوٹا سا بچہ ہاتھ میں روٹی اور روٹی کے اوپر تھوڑا سا سالن لگائے باہر آیا اور مانی کے ہاتھ میں پکڑا کر فوراً واپس پلٹ گیا۔ مانی روٹی تھامے ماں کی طرف دیکھنے لگا جیسے ماں سے روٹی کھانے کی اجازت مانگ رہا ہو۔ روٹی کو دیکھ کر مانی کے منہ میں بھی پانی بھر آیا" لا دے روٹی دیکھوں تو سہی کیسی ہے؟" ماں نے جھٹ سے روٹی پکڑ لی اور لپیٹ کر زنبیل میں رکھ لی۔ مانی کا دل چاہ رہا تھا کہ ماں اس کو وہ روٹی کھانے کو دے دے مگر ماں نے یہ کہہ کر روٹی زنبیل میں رکھ لی کہ پہلی روٹی ہمیشہ سے اس کے باپ کیلیئے ہوتی ہے" اگلے گھر سے آدھی روٹی ملی تو ماں نے کھانے کیلیئے وہ مانی کو دے دی۔ مانی ہاتھ میں پکڑے روٹی کے بڑے بڑے نوالے بنا کر کھانے لگا گویا بہت دیر کا بھوکا ہو۔

پوری آبادی گھومنے کے بعد مانی اور اس کی ماں کو صرف چند روٹیاں ہی مل سکیں۔ صرف اتنی روٹیاں جن سے ان کا بمشکل گزارا ہو سکتا تھا۔

اتنی بڑی آبادی میں سے صرف چند روٹیاں ملنا کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی۔ ایک وقت تھا جب لوگوں کے پاس زرق کی کمی لیکن دل کشادہ تھے آج رزق کی کشادگی ہے مگر دل تنگ ہو گئے ہیں۔ اللہ کے نام پر بھی دینا کٹھن کام لگتا ہے۔ مانی اور اس کی ماں جب جھگیوں میں واپس آئے تو اندھیرا چھا چکا تھا اور اس کا باپ جھونپڑیوں کے درمیان قبیلے کے دوسرے مردوں کے ساتھ تاش کی بازی لگا رہا تھا۔ جھگی واسی مردوں کا یہ دستور ثانی تھا شام کو جھگیوں کے درمیان میں پھٹی پرانی وہ چٹائیاں جسے وہ کچرا کنڈیوں سے اٹھا کر لائے تھے جنہیں شہر کے لوگوں نے بے کار سمجھ کر پھینک دیا تھا پھر سے قابل استعمال بنا کر اپنے مصرف میں لاتے ہوئے بچھا کر بیٹھ جاتے تھے۔ تاش کے پتے

ہاتھوں میں پکڑے دائرے میں بیٹھے تاش کے یہ
کھلاڑی ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کوئی تاش کے
بہت بڑے کھلاڑی ہوں اور آئندہ سال عالمی سطح پر
ہونے والے تاش کے مقابلوں میں چیمپئن بننے کا جذبہ
رکھتے ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ تاش کے کھیل میں شیطان
بھی شامل ہوتا ہے وہ مسلسل کھیلنے والوں کو اکساتا رہتا
ہے اسی لیئے کھیلنے والوں کے درمیان اکثر اوقات
جھوٹے موٹے لڑائی جھگڑے کے واقعات بھی وقوع
پذیر ہو جاتے ہیں، ابھی پچھلے ہی ہفتے مانی کے باپ کی
ایک جھگی واسی جو رشتے میں اس کا چچازاد تھا، سے تاش
کھیلنے پر توں توں میں میں ہو گئی تھی غصے میں آکر مانی
کے باپ نے اس کا سر پھاڑ دیا تھا۔ قبیلے کے بڑوں نے
بعد میں ان دونوں کے درمیان صلح کرادی تھی اس
صلح کے عوض مانی کے باپ کو پانچ ہزار کا تاوان بھی ادا
کرنا پڑا تھا۔

"ابا۔۔۔۔۔۔۔۔ اماں روٹی مانگ کر لے آئی ہے آ
کر کھالو" مانی نے تاش کے پتے کھیلتے ہوئے اپنے باپ
کو کہا۔" چل دفع ہو جا آتا ہوں" مانی کا باپ غصے سے
بھرا ہوا جھگی میں داخل ہوا اور بیوی پر برس پڑا" کتنی
بار بکواس کی ہے جب میں پتوں کی بازی پر بیٹھا ہوا ہوتا
ہوں مجھے نہ بلایا کر۔۔۔۔۔۔۔ تیری کھوپڑی میں
میری یہ بات کیوں نہیں پڑتی؟ تیری وجہ سے میں آج
پھر بازی ہار گیا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ لا دے کیا
لائی ہے کھانے کو؟"

مانی کی ماں نے وہی پہلے ملنے والی روٹی خاوند کے سامنے
رکھ دی جو اس وقت جھگی میں زمین پر بچھی چٹائی پر
آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔" یہ کیا۔۔۔۔۔۔۔۔؟
" روٹی دیکھتے ہی خاوند کے تیور بگڑ گئے
۔۔۔۔۔۔۔" ایک روٹی وہ بھی سوکھی اور اس پہ
دال کا ایک چمچ، اٹھالے میں نے نہیں کھانی ایسی روٹی
" اس نے بیوی کو بالوں سے پکڑ کر جو جھنجھوڑ کر پھینکا تو
بیچاری جھگی میں پڑے اس ٹرنک پر جا گری جو اس کی
مرحومہ ماں نے مانگ تانگ کر اس کے جہیز کیلئے بنایا
تھا۔ اس کی جب شادی ہوئی تھی تب یہ ٹرنک کپڑوں
سے بھرا ہوا تھا مگر اب اس ٹرنک میں پرانے کپڑوں
کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ روٹی اٹھانے کیلئے اٹھی ہی

تھی کہ خاوند نے پھر بازو سے پکڑا اور گرج دار آواز میں بولا" پورے شہر سے تجھے ایک گھر بھی ایسا نہیں ملتا جہاں اچھا کھانا بنا ہو، کیا شہر میں کسی نے تجھے ماس (گوشت) نہیں دیا۔ رحمے کی زنانی اسے روز ماس لا کر کھلاتی ہے اور تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مجھے تو لگتا ہے سارا ماس تو خود کھا جاتی ہے اور بہانہ کرتی ہے کہ کسی نے دیا ہی نہیں۔۔۔۔۔۔۔ مجھے تو لگتا ہے تم کو مانگنا ہی نہیں آتا۔۔۔۔۔۔۔ شہر میں اتنے رئیس زادے رہتے ہیں ہر روز ماس پکا کر کھاتے ہیں تو ان کے گھروں میں کیوں نہیں جاتی، غریب لوگوں کے محلوں میں جاؤ گی تو دال ہی کھانے کو ملے گی، چل دفع ہو میرے لیئے ماس لا میرا ماس کھانے کو من کر رہا ہے

۔۔۔۔۔۔۔۔۔ چل جا۔۔۔نا۔۔۔۔۔۔"

مانی جھونپڑی کے باہر کھڑا سب سن رہا تھا۔ باپ کے نکل جانے کے بعد وہ جھونپڑی میں آیا۔ اس کی ماں اپنے سر کے اس حصے کو سہلا رہی تھی جہاں ٹرنک پر گرنے سے اسے چوٹ آئی تھی۔ مانی نے ماں کے سر پر ہاتھ لگایا تو مارے درد کے اس کی آہ نکل گئی۔

"ماں۔۔۔ تو فکر نہ کر میں ابا کیلیئے ماس لے آتا ہوں ۔اب مجھے مانگنا آتا ہے" "اس اندھیرے میں کہاں جائے گا؟ کس سے مانگ کر لائے گا ماس تجھے کیا پتا کس نے پکایا ہو گا ماس۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ شہر والے ہم بھکاریوں کو دینے کیلیئے تھوڑا ماس پکاتے ہیں وہ تو اپنے لیئے پکاتے ہیں، ہمیں تو وہ چیزیں دیتے ہیں جو ان کے کھانے سے بچ جائیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ شہر کے لوگ پیسے کے امیر ہوتے ہیں اور دل کے ہم سے بھی بڑے بھکاری ہیں، وہ خدا جو ان کو صبح شام کھانے کو طرح طرح چیزیں دیتا ہے اسی کے نام پر سب سے گھٹیا چیز ہم گداگروں کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں خدا ان سے خوش ہو گیا۔ اب تو میں نے سنا ہے شہر والوں کے پاس ٹھنڈی مشین ہے جس میں کھانے پینے کی اشیاء مہینوں پڑی رہنے سے بھی خراب نہیں ہوتیں ، پھر وہ بھلا ہم کو ماس کیوں کھانے کو دیں گے ،مانی تم نا جاؤ اس وقت، کل میں کسی امیر زادی کی منت سماجت کر کے تیرے ابا کو ماس لا دوں گی" "ماں۔۔۔ وہ دیکھ شہر کی روشنیاں مجھے نظر آ رہی ہیں، میں شہر خدا

کے پاس جاؤں گا اور کہوں گا، اے خدا تو شہر والوں کو کھانے کیلئے ماس دیتا ہے ہم جھگی واسیوں کو کیوں نہیں ؟ماں میں ابا کیلئے خدا سے ماس لے آتا ہوں۔ماں نے مانی کو پکڑ کر سینے سے لگالیا اور لگی رونے۔

رات بھر مانی سونہ سکا۔چٹائی کا بستر جو اس کیلئے کم خواب سے کم نہ تھا آج کانٹوں کا بستر لگنے لگا تھا۔اس کے ذہین میں باپ کی لڑائی اور ماں کی بے بسی غلام گردش میں ٹہلنے والے غلام کی طرح گردش کر رہی تھی،ماں کے ساتھ گداگری کرتے ساری آبادی اور صرف چند روٹیاں سونے نہ دے رہی تھی۔ابھی رات باقی تھی وہ اٹھا اور شہر کی طرف چلا گیا۔کہتے ہیں گداگر کبھی اندھیرے سے نہیں ڈرتا، بلکہ اندھیرا گداگروں سے ڈرتا ہے۔مانی کو اندھیرے کا خوف نہ رہا وہ جلد از جلد شہر سے ماس لاکر اپنے ابا کو کھانے کو دینا چاہتا تھا، اس کا خیال تھا جب اس کا باپ صبح اٹھتے ہی ماں سے ماس مانگے گا۔اگر ماں نے ماس نہ دیا مارے گا اور وہ ایسا ہرگز نہیں چاہتا تھا۔یہی سوچ کر وہ منہ اندھیرے ہی شہر کی طرف نکل گیا، اس کا خیال تھا باپ کے اٹھنے سے پہلے پہلے وہ ماس لے آئے گا۔شہر کی طرف جانے والی سڑک پر اندھیرے اور روشنی کا ملاپ ہو رہا تھا۔کہیں اندھیرا چھاجاتا اور کہیں روشنی اپنا لبادہ اوڑھ لیتی۔سڑک کنارہ چلتی مانی سے ہوا اٹکیلیاں کرنے لگی ایک جھونکا آتا اور مانی کا چوغہ نما قمیض اوپر اٹھا دیتی۔

مانی نے سوز سے پر آواز میں صدا لگائی "ہے کوئی جو مجھے اللہ کے نام پر کھانے کو ماس دے دے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ مسلسل صدا لگاتا شہر کی گلیوں میں چلتا گیا، کسی ایک گھر کا دروازہ بھی مانی کیلئے واہ نہ ہوا۔کسی ایک شہری نے بھی مانی سے یہ نا پوچھا کہ سورج نکلنے سے پہلے ہی وہ شہر کی گلیوں میں اللہ کے نام پر ماس کھانے کو کیوں مانگ رہا ہے، کسی نے اس سے یہ جاننے کی کوشش نہ کی کہ رات اس کے ابا نے ماں کو کیوں مارا تھا؟ماں کی رات بھر کراہنے کی آواز نے اسے بھی بے چین رکھا تھا۔وہ یہ سوچ کر جھگی سے ماں کو بتائے بنا ہی نکل آیا ہے کہ باپ کیلئے ماس لے کر ہی جائے گا۔شہر بھر کے لوگ خواب خرگوش کے

مزے لے رہے تھے۔

مانی، باپ کیلیئے شہر کے رؤسہ سے ماس مانگ رہا تھا اور جھوگیوں میں سوتے جھگی واسیوں پر قیامت صغرا برپا ہو گئی۔ سورج نکلنے سے پہلے ہی آگ کی چنگاری جھگیوں کے سامنے پڑے کاغذ، پلاسٹک اور کچرے کے ڈھیروں کے ساتھ ساتھ جھگیوں کے شہر کو بھی جلا گئی۔ آن کی آن میں ساری جھگیاں خاکستر ہو گئیں ۔ جھگیوں میں سوئے اکثر جھگی واس جل کر موت کی آغوش میں چلے گئے باقی آگ کی لپیٹ میں آ گر جھلس گئے۔ آگ پر قابو پانے کیلیئے شہر سے فائر بر گیڈ کے آ نے تک آگ ننگے بھوکے جھگی واسیوں سے اپنا پیٹ بھر چکی تھی۔ مانی جب ماس لے کر جھگیوں میں واپس آیا تو ان جھلسی، سڑی لاشوں میں اس کے ابا اور اماں کی لاش بھی پڑی تھی جن کو لوگ جھگیوں سے اٹھا اٹھا کر باہر لا رہے تھے۔ مانی کی ماں نے اسے ایک اچھا گداگر بنا دیا تھا۔ اسے مانگنے کا ڈھنگ آ گیا تھا۔ اسے صدا لگانی آ گئی تھی۔ وہ شہر کی گلیوں میں دن بھر کاغذ اور کچرا اکٹھا کرتا اور سر شام "اللہ کے نام پر ایک روٹی کا سوال ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔" کی صدائیں لگاتا۔

ایک روٹی کے ملتے ہی واپس اپنی جھگی میں پلٹ آتا۔

آج بہت دن بعد باہر کھانا کھانے آے تھے

آج ان کی شادی کی سالگرہ تھی. اور آج کا دن وہ بہت ہی خوشی سے مناتے تھے بیگم بھی من پسند تھیں اور نوکری بھی تو جیب بھی اجازت دیتی تھی اور دل بھی.

عثمان صاحب. اور ان کی محبوب بیگم. شبانہ کے. چار بچے تھے دو بیٹے دو بیٹیاں دونوں بڑی تھیں بیٹے چھوٹے. سمن. سارہ. فہد. اور سعد. سو یے لوگ بڑے دن بعد باہر نکلے تھے.. بچے بھی خوب خوش تھے. اچانک کوئی ان کی ٹیبل کے پاس اکر روکا اور بولا معاف کیجے گا اپ عثمان ہیں؟؟. جی عثمان نے حیرت سے دیکھا اور زور دار نعرہ بلند کیا آصف میرے یار. میرے دوست. عثمان اٹھا اور دونوں بغل گیر ہو گے

آصف ان کے بچپن کا دوست جو حادثے زمانہ مے بچھڑ گیا تھا. آج ان کے سامنے تھا. بچے بھی حیرت سے دیکھ رھے تھے. تعرف کے بعد عثمان نے پوچھا کہاں ہے کیا کر رہا ہے.؟؟ آصف نے بتایا لندن میں ہوں. اپنا سٹور ہے. شادی بھی وہیں کی ہے آج کل کسی کزن کی شادی پر آیا ھوں غرض کے پھر ساری باتوں کے بعد یے لوگ پھر ملنے کے وعدے پر رخصت ہو گئے. دو دن بعد ہی آصف صہب کی آمد ہو گی یوں ہر روز ملاقات اور ہونے لگی آج بھی آصف آیا تھا اور کھانا کھا کر رخصت ہو گیا تھا عثمان گہری سوچ میں گم بیٹھے تھے شبانہ کام سے فارغ ہو کر ائی تو ایسے بیٹھے دیکھ کر پوچھا کیا بات ہے اپ ایسے گم بیٹھے ہیں؟؟

.شبانہ آج آصف نے مجھے پیش کش کی ہے

.وہ کیا۔؟؟اس کا ارادہ ہے کے وہ اپنے سٹور کی کی ایک شاخ کینیڈہ میں بھی کھولنا چاہتا ہے اور اس نے مجھے آفر دی ہے کے میں سٹور سنبھالو۔ ہیوی سیلری بھی ہے اور ہر سہولت بھی۔شبانہ کی تو خوشی کی انتہا نہ تھی۔ ہر عورت کی طرح ان کا بھی یے ہی خواب تھا کے کسی باہر کے ملک میں شفٹ ہو جایں اور اب قدرت نے خود بخود یے موقع دیا تھا۔ پھر اپ نے کیا سوچا؟؟

ابھی تو کچھ نہی سوچا۔۔

.تو اس میں سوچنے والی کیا بات ہے۔ہاں کر دیں۔ فوراً

عثمان نے کچھ نہی کہا شبانہ کچھ دیر دیکھتی رہی۔ کوئی جواب نہ پا کر اٹھ گیں صبح ناشتہ کرتے ہوے

بچوں کو بھی بتا دیا۔ آج تو ناشتہ بھی دم دار تھا شبانہ کے موڈ کی طرح

ٹی وی کھولا تو قومی نغمہ چل رہا تھا ارے میں تو بھول ہی گئی ایک ہفتے باد تو چودہ اگست ہے اور ہمیں تو بہت سی تیاری کرنی ہے اسکول میں بھی فنکشن ہے۔ اور محلے میں بھی

.فہد کی زبان چل پڑی۔ ہاں مجھے بھی تو نیا ڈریس لینا ہے۔ مما مجھے سوٹ کی میچنگ جولری بھی چاہیے گرین اور وائٹ۔ سب کو اپنی اپنی چیزیں یاد آ گیں۔ شبانہ تو اپنی ہی دھن میں تھی۔ عثمان بچوں کی فرمائشوں پر مسکراتے رهے۔۔ افس جاتے ہوئے دیکھا سارے راستے سج رهے تھے ہر عمارت ہر گھر پر سبز ہلالی پرچم آویزاں تھا بری چھوٹی عمارتوں پر لائٹیں لگائی جا رہی تھی۔ افس سے واپسی پر بچوں کی فرمائش کی چیزیں لیں اور برقی قمقموں سے جگمگاتی عمارتوں کو دیکھتا ہوا گھر کی طرف چلا محلے کے بچے جن میں فہد اور سعد بھی تھے گلی کو جھنڈوں اور رنگ برنگ جھنڈیوں سے سجا رهے تھے۔ گھر پہنچا تو لاؤنج سے آوازیں آ رہی تھی سمن سارہ قومی نغمے کی پریکٹس کر رہی تھیں۔ سوہنی دھرتی اللّٰہ رکھے قدم قدم آباد تجھے۔ قدم قدم آباد تجھے۔۔ موبائل کی توں بج رہی تھی اور اسکرین پر آصف کا نام آ رہا تھا۔ عثمان نے مسکراتے ہوئے یس کا بٹن دبایا۔ اسے پتا تھا کے اسے آصف سے کیا کہنا ہے۔۔

یہی کے کنیڈا میں بہت پیسہ ہے۔ بہت آسائشیں ہیں لیکن یار وہاں کی دھرتی سوہنی نہی ہے۔ عثمان نے فون کان سے لگا لیا سمن نے آواز اور تیز کر دی تھی۔۔ سوہنی دھرتی اللّٰہ رکھے قدم قدم آباد تجھے قدم قدم آباد تجھے.......

غزل

دغا بازوں کی محفل میں تیرا کیا کام ہے اے دل

یہ لفظوں کے ہیں کاریگر، مگر تیرے تو لب ہیں سل

یہ شان بے نیازی سے قتل کرتے ہیں جذبوں کا

تیرے بے لوث جذبوں کو یہ کر دیں گے اجل واصل

یہ وہی لوگ ہیں اے دل تجھے تھی آرزو جن کی

مگر تو جان لے اب یہ، وہ تیرے تھے نہیں قابل

کہاں یہ جان پائیں گے، وہ تیری ان کہی باتیں.

رہے جو عمر بھر یونہی تیرے اس حال سے غافل..

۔ لبادہ اوڑھ رکھتے ہیں اسیر ان محبت کا..

یہ نفسوں کے پجاری ہیں، اور ایمان ہے باطل۔۔۔

سنو تم دغابازوں 'کہ میں ہوں بادشاہ دل کا......

دغا خود کو دیا تم نے، سمجھ کر مجھ کو اک سائل

ہما لیلٰی ہاشمی ساہیوال

چاہت

چاہت کو تیری میں نے تھا رکھا سنبھال کے

لمحوں کو تھام کے تیری یادیں سنوار کے

کتنی قلیل تھیں وہ تیری رفاقتیں

پھر بھی دیئے کیوں شوق سے غم انتظار کے

مجھ سے نظر چرا کے چلا ہے تو کس نگر

تو نے نہ زخم دیکھے دلِ سوگوار کے

مجھ کو تو شوق تھا اسے دیکھوں میں عمر بھر

لیکن ایام کم تھے میرے غم گسار کے

کیونکر کہوں میں غیر سے اپنا یہ حالِ دل

قصہ یہ سنانا ہے بس پہلو میں یار کے

جس کی نظر کو میں نے نہ دیکھا تھا کبھی نم

اب زندگی ہے نام اسی اشکبار کے

ہما لیلٰی ہاشمی ساہیوال

افتتاحَ ۔

بدستِ میاں ذوالفقار امجد ۔۔سیکریٹری وزارتِ مزدوراں

مورخہ ! ۲۔جنوری۔۱۹۹۳

سب لوگ اسے جنونی اور کچھ حد تک پاگل کہتے تھے۔ہاں وہ واقعی پاگل ہی تو تھا۔کوئی عشق میں اتنا بھی جنونی ہو سکتا ہے!یقین نہیں آتا۔وہ عشق کی اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ اسے نا اپنی ماں کی دبی دبی سی سرد سسکیوں کی پرواہ رہی تھی اور ناں ہی یہ احساس کہ اس کا باپ اب بڑھاپے کی اس سیڑھی پہ قدم رکھ چکا ہے جہاں اسے جوان سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔اور وہ اپنے اکلوتے سہارے کو قربان کر دینے کی ہمت نہیں رکھتا۔مگر یہ سب اُس کے عشق کی جنوں خیزی کے سامنے ہیچ تھا۔اگر محبت کی ننھی کلی اُس کے دل میں پھوٹ رہی ہوتی تو اس کا علاج شاید ممکن ہوتا۔مگر اس کے وجود میں تو عشق کا وہ پودا جڑ پکڑ چکا تھا جس کا بیج گھٹی کے ساتھ ہی بو دیا گیا تھا۔وہ نہیں جانتا تھا کے کب سے اس کی آنکھوں نے یہ خواب دیکھنا شروع کیا اور کیوں کیا۔مگر اس کا بس ایک ہی خواب تھا جو وہ جاگتی آنکھوں سے دیکھا کرتا تھا۔۔شہادت۔۔!بس شہادت!

اماں آپ کو کیسا محسوس ہو گا جب آپ نیلے مخملی ڈبے میں سجا میری شہادت کا میڈل لینے جائیں گی!! آپ

اس اعزاز کو سینے پہ سجا کے رکھیے گا۔ فخر محسوس ہو گا ناں آپ کو!

آنکھوں کے پردے پر ابھرتے اس منظر کو سوچ کر اس کے لب آپ و آپ مسکرائے جاتے۔ یہ تصور اس کے لیے اتنا دلفریب ہوتا کہ وہ اس میں کھو کر اپنی ماں کے آنسوؤں سے بھی بے نیاز ہو جاتا۔ وہ آنسو جو تابوت میں بند لاش اور اس کے سینے پہ سجے پھولوں کے تصور سے ہی لڑیوں کی صورت میں ثریا خاتون کی آنکھوں سے بہنے لگتے۔ماں تو اولاد کے دل میں اٹھنے والی معمولی سی خواہش کے پیچھے اپنا آپ وار دیتی ہے۔ مگر ثریا خاتون۔۔! وہ خود کو ایسی بے بس ماں محسوس کرتیں جو اپنے لختِ جگر کی خواہش کے پورا ہونے کی دعا تک نہیں مانگ سکتیں تھیں۔وہ خواہش جو اس کے احمد کی زندگی کا سب سے بڑا اور اکلوتا خواب تھی۔ یہ سب دو دھاری تلوار پر ننگے پاؤں چلنے کی مانند تھا۔ پتا نہیں وہ مائیں کیسا آہنی دل رکھتی تھیں جو خود اپنے ہاتھوں سے اپنے لاڈلے کو موت کا پروانہ تھماتی تھیں۔

ان کا دل کٹنے لگتا تھا۔ ان کا بس کسی چیز پر نہیں تھا۔اگر کچھ تھا تو وہ صرف آنسو!!

ایف ایس سی کے بعد جب وہ پاک آرمی کے پہلے ٹیسٹ میں پاس ہوا تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ اُس دن تو اس کی اماں بھی بہت خوش تھیں۔ بیٹے کی آنکھوں کی چمک ہی اتنی بڑھ گئی تھی ناں۔ جسمانی ٹیسٹ، انٹرویو دیگر تمام مراحل سے گزرنے کے بعد جب وہ کراچی اپنا آخری میڈیکل چیک اپ کروا کر آرہا تھا تو پر امید تھا کہ اس کی منزل اب دور نہیں۔ پھر نا جانے اس کے جنوں میں کوئی کمی تھی یا ثریا خاتون کی آنسوؤں میں اتنی طاقت! وہ طبعی معائنہ میں نااہل قرار دے دیا گیا تھا۔ بچپن کے ایک حادثے کے نتیجہ میں ٹوٹ جانے والے بازو کی ہڈی، جڑ جانے کے بعد بھی اپنی اصل جگہ پر نہیں تھی۔ کبھی کبھار ہونے والی اس درد کو اس نے کبھی خاص اہمیت نہیں دی تھی اور اب وہی معمولی سی شئے اس کی زندگی کا روگ بننے والی تھی۔ وہ اب کبھی بھی پاک آرمی کا حصہ نہیں بنسکتا

تھا۔ کبھی بھی نہیں۔
خواہشوں کے سب جگنو ہی دم توڑ گئے تھے۔ اس دن
وہ کھل کر رویا تھا۔ اتنا کہ اس کے آنسوؤں نے آسمان
کو بھی رُلا دیا تھا۔
وقت بہت بڑا مسیحا ہوتا ہے۔ زمانے کی گرد بہت سے
غم بھلا دیتی ہے مگر کچھ خواہشیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو
جاتے جاتے بھی ایک میٹھا سا روگ دے جاتی ہیں۔

خاندان کے پہلے سول انجینئر احمد کے لیے ثریا اماں نے
رشتے دیکھنے شروع کر دیے تھے۔ گھر گھر پھر کر ہر
لڑکی کے دل میں آس کے دیے جلانا اور پھر انکار کی
سرد ہوا سے ان کو بجھا دینا کبھی بھی احمد کے لیے
پسندیدہ نہیں رہا تھا۔ اس لیے اس نے پہلے ہی اماں سے
کہہ دیا تھا کہ وہ ایسا کوئی کام نہیں کریں گی جس کے
نتیجہ میں کسی لڑکی یا اس کے گھر والوں کی دل آزاری
ہو۔ اس کی نیک تمناؤں کا پھل اُس کو نمل کی صورت
میں ملا تھا۔ وہ بہت خوبصورت نہیں تھی، عام سے
معاشرے کی عام سی مگر پڑھی لکھی لڑکی۔ جس نے
کسی شہزادے کے خواب آنکھوں میں نہیں سجائے
تھے بس ایک نیک چاہنے والے ہم سفر کی خواہش
ضرور کی تھی۔ ان دونوں کی حسین چاہتوں کے سفر
میں ننھے زیدِ نے نئے رنگ بھر دیے تھے۔ اب سب
کی تمناؤں کا مرکز صرف وہی ایک جان تھی جس کی
کلکاریوں کی گونج ہی گھر میں زندگی کا احساس دلاتی
تھی۔ وہ سارے خواب جو کبھی احمد نے اپنے لیے
دیکھے تھے وہ اسے زِید کی صورت میں پھر سے ہوتے
دیکھائی دینے لگے تھے۔
بابا۔ شہید کسے کہتے ہیں۔ (پانچ سالہ زِید ٹی وی پر
نظریں جمائے پر سوچ انداز میں سوال کر رہا
تھا (شہید۔!جی ۔بابا بتائیں ناں!
بیٹا اسلام کی خاطر کفر کی جنگ میں وفات پا جانے والے
مسلمان کو شہید کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ کشمیر
میں مرنے والے سب مسلمان شہید ہوئے
ناں۔ چھوٹے بچے بھی شہید ہوتے ہیں بابا! وہ
دیکھیں !وہ۔۔
)اب وہ ٹی وی پر نظر آنے والے منظر کی طرف اشارہ

کر رہا تھا۔ جہاں ایک ماں اپنے چند سالہ بچے کی خون آلود لاش کو چٹا چٹا چوم رہی تھی۔ اس کے پیاسی ممتا آسمان کا سینہ شک کر دینے کے لیے کافی تھی۔ مگر اس کی بد قسمتی یہ تھی کہ اسلام کے علمبر داروں کے دل ابھی کافی مضبوط تھے۔ اور وہ تب تک مضبوط رہنے تھے جب تک کسی ہندو فوجی کی اندھی گولی ان کے گھر کا رخ نہ کر لیتی (

اگر ہم کشمیر کے مسلمانوں کے لیے لڑیں گے تو ہم بھی شہید کہلائیں گے کیا؟ زید کی آواز اسے پھر سے واپس کھینچ لائی تھی۔

وہاں بھی تو مسلمان کفار سے لڑ رہے ہیں۔ اور ہم مسلمان ہیں۔

ہاں بیٹا ہم بھی مسلمان ہیں۔

)زید کی بے محل سی گفتگو اس کے لیے سوچ کا نیا دروا کر گئی تھی۔(

حاجی اللہ بخش کے پاس کشمیر جانے والے مجاہدین میں ڈاکٹروں، رضاکاروں کے علاوہ ایک عدد انجینئر کا بھی اضافہ ہو چلا تھا جو کہ یقیناً باعثِ مسرت تھا۔ ایک ماہ کے تربیتِ کیمپ کے بعد بالآخر انہیں بارڈر کے پار بھیج دیا گیا۔ جموں کشمیر کے حالات ویسے نہیں تھے جیسے کے ٹی وی سکرین پر دیکھائے جاتےتھے۔ اور ویسے بھی نہیں جیسے ہم سمجھتے تھے۔ کبھی حالات بہت پر سکون ہوتے اور کبھی جب کسی معاملے پر پاک انڈیا تعلقات کشیدہ ہو جاتے تو کشمیریوں کے لہو سے دامن کی آگ بجھائی جاتی۔ کچھ عرصہ تو احمد کو حالات سمجھنے میں لگا۔ وہ اکیلا کچھ بھی نہیں تھا۔ مگر وہ قطرہ سمندر بنانے میں تو اپنا کردار ادا کر سکتا تھا ناں! جذبے جب سچے ہوں تو منزل کے نشاں ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اپنوں سے کوسوں دور اپنوں کو ہی بچانے آیا تھا وہ۔ ایک سادہ مجاہد اور ایک تکنیکی نکات پر عبور رکھنے والے شخص میں جو فرق تھا اسے وہ واضح کرنا تھا۔ اپنے عمل سے ان کے ردِ عمل پر حکومت کرنی تھی۔ پھر دنوں کی بات تھی کہ انڈین آرمی کے لیے وہ لوہے کا چنا بن گیا جسے نگلنا ان کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔ جنگ میں وہ زیادہ نقصان اٹھاتا ہے جو اپنے مخالف

کو کمزور سمجھنے لگ جاتا ہے۔طاقت کے نشے میں ڈوبے دشمن کو بھی بالاخر اسکے جذبوں کی جنوں خیزی کے ہاتھوں بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔کوئی ان کے خفیہ ٹھکانوں کو یوں بھی جا لے سکتا ہے۔!وہ انگشت بدنداں تھے۔شدتِ غم وغصے سے ظلم بڑھا دیے گئے، قانون و قائدے جنگل کے ہو گئے۔مگر سہنے والے یہ بھی سہہ گئے کہ شاید وہ نہیں تو ان سے آگے آنے والی نسلیں اپنے اس مسیحا کی بدولت آزادی پالیں گی۔

قضا تو ازل سے مقدر ہے۔مگر جو لوگ جراءت و بہادری سے مالا مال ہوتے ہیں صفحہ قرطاس پہ ان کا نام خوشبوں سے لکھا جاتا ہے۔چار سال کی محنت کا پھل شاید اسے اس کی شہادت کی صورت ملا تھا۔وہ ابھی اور جینا چاہتا تھا۔اس کا مقصد ابھی باقی تھا۔کچھ علاقہ وہ پاک کر سکا تھا مگر ابھی کافی باقی تھا۔مگر شاید قدرت کی طرف سے ودیعت کردہ معیاد پوری ہو چکی تھی۔ ٹھکانے پہ فائرنگ کے نتیجے میں تین لوگ شہید ہوئے جو باقیوں کو بچانے کی خاطر اپنی جان پر کھیل گئے۔ان میں ایک نام انجینئر ضیاء احمد کا بھی تھا۔

ناں تو اس کی تابوت میں لپٹی لاش اس کے گھر والوں کو ملی اور ناں ہی اس پر سجا کوئی مخملی میڈل!وہ پاکستان آرمی کا شہید تھوڑی تھا وہ تو کشمیری مجاہد تھا۔جس کے بارے میں ابھی پاکستان یہ فیصلہ نہیں کر سکا تھا وہ شہید ہے یا مجرم!!

پھر بھی جانے والا تو اپنا خواب پورا کر گیا تھا۔اک روشن شمع جلا گیا تھا اور اس کی لو کو زندہ رکھنے کی ذمہ داری اگلی نسل کو سونپ گیا تھا۔

اپنے محسن کے جانے کا سوگ کشمیریوں نے اس کے مقصد کو زندہ رکھ کر منایا۔بارڈر کے اِس پار کے میڈیا کی جب غیرت جاگی تو اس کے نام کو ہیڈ لائنز کا حصہ بنایا گیا۔بحث ہوئی، ٹک شوز منعقد کیے گئے۔اس کی زندگی کی ڈاکومنٹریز بنیں، گھر والوں اور خاص طور پر اس کی نسل کے امین کے محفوظ مستقبل کے وعدے کیے گئے۔اظہارِ عقیدت کے طور پر اس کے زیرِ سایہ شروع ہونے والے پراجیکٹ کو اس کے نام سے منسوب کر دیا گیا۔

ضیاء شہید چوک ۔۔ایک پر وقار تقریب ہوئی جہاں صاحبِ صدر کی ولولہ انگیز تقریر نے ایک بار پھر لوگوں کو اپنے مسلمان بھائیوں کے غم میں اشک بہانے پر مجبور کر دیا۔

ورلڈ کپ شروع ہوا ۔فلش لائٹس کا رخ بدل گیا۔نئے میز سجنے لگے۔کرکٹ کے پرستاروں کو سب بھول گیا۔

ابے او بابو! آج پھر تو نے میری سواری مار لی۔آج تو تیری خیر نہیں۔(استاد بشیر کی کڑک دار آواز پر چوک میں موجود سب رکشہ ڈرائیوروں نے اپنے اپنے سر اونچے کر کے اسے دیکھا۔پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔)

نہیں بھائی یہاں پر کوئی نہیں تھا ۔ چھ بج رہے تھے۔سواری آئی تو میں نے اسے بیٹھانا تو تھا ہی ناں!

اوئے تجھے کتنی بار سمجھایا ہے کہ زیادہ استادیاں ناں جھاڑا کر۔یہاں کا یہی اصول ہے۔میں جب بھی آؤں بدھ کی پہلی سواری میری ہے۔

اور جمعرات کی میری۔ (اشرف ٹیڈی نے بھی اپنا حصہ ڈالنا ضروری سمجھا۔)

مگر یہ تو زیادتی ہے بھائی۔

ادھر آ تجھے بتاتے ہیں زیادتی کا مطلب۔۔(دیکھتے ہی دیکھتے ساری رکشہ کمیونیٹی پندرہ سالہ زید پر ابل پڑی۔جو صبح اس لیے جلدی اٹھ جاتا کہ اسے سواریاں چھوڑ کر کالج بھی جانا ہوتا۔ دادی کی دوا کے علاوہ حالات سے لڑتی کمزور ماں کا بھی خیال ہوتا۔دادا تو عرصہ ہوا اپنے بوجھ سے نجات دے گئے تھے۔)

پانچ فروری۔۔۲۰۲۷۔یومِ یک جہتیِ کشمیر پورے ملک میں زور و شور سے منایا گیا۔کشمیر کے شہدا کی یاد میں موم بتیاں جلائی گئیں۔ضیاء احمد شہید کے نام کو خصوصی طور پر یاد کیا گیا۔ان کے نام پہ بنایا گیا وہ عظیم چوک آج بھی ان کی قربانی کی یاد دلاتا ہے۔ہم اپنے بہادروں کی قربانی کبھی نہیں بھولیں گے۔ (ٹی وی اینکر سیاہ لباس پہنے مغموم انداز میں بول رہی تھی۔ چہرے کی گلابیاں اور سلیقے سے کرل کیے گئے

بال جنہیں وہ بار بار جھلاتی تھی اس کے سوگوار حسن میں اضافہ کر رہے تھے۔)

واقعی ہم کچھ نہیں بھولے۔۔ایک تاریخی چوک۔اس کے کتبے پہ لکھا ضیاء شہید کا نام۔۔بس اک اضافہ ہی ہوا تھا۔۔ اس کے کنارے کی پٹی پہ جما پندرہ سالہ زید احمد کا لہو!

نہ جانے کیوں وہ اپنا درد چھپاتی تھی

نہ جانے کیوں وہ اپنا غم دل میں دباتی تھی

دن بھر کی زیادتیوں کو وہ اکثر

رات کو اپنے بستر میں آنسووں سے بہاتی تھی

آنسوؤں کا سمندر بہا بہا کر

پیار بھرے خواب وہ دیکھا کرتی تھی

ہونٹوں پہ مسکراہٹ آنکھوں میں نمی تھی

کہنا چاہتی تھی وہ بہت کچھ لیکن

نہ جانے کیوں وہ اپنا درد چھپاتی تھی

فاطمہ خان کراچی

نام: افشاں شاہد

سلام علیکم کیسی ہیں آپ؟

- وعلیکم السلام اللہ کا کرم ہے۔
- ٭ اور آج کل کیا مصرفیات ہیں؟
- کچھ خاص نہیں خانہ امور داری لکھنا اور پڑھنا

٭

- کس شہر سے تعلق رکھتی ہیں؟
- میرا تعلق روشنیوں کے شہر کراچی سے ہے

٭

- زبردست,, لکھنا کب شروع کیا؟
- میں شاعری تو نویں جماعت سے کر رہی ہوں لیکن افسانے اور آرٹیکل وغیرہ ایک ڈیڑھ سال سے لکھ رہی ہوں۔
- ٭ پہلی تحریر کس میگزین میں شائع ہوئی اور اس وقت کیا ردعمل تھا آپ کا؟
- پہلا شعر میرا آغاز اخبار میں شائع ہوا اور پہلا آرٹیکل روزنامہ ایکسپریس میں اور پہلا افسانہ حنا ڈائجسٹ میں اور میں بہت زیادہ خوش تھی کیونکہ پہلی دفع حاصل کی جانے والی ہر چیز کی خوشی غیر معمولی ہوتی ہے۔
- ٭ آپ کی شادی کو کتنا عرصہ بیت گیا اور کتنے بچے ہیں؟

- میری شادی کو بارہ سال کا عرصہ بیت گیا میرے ماشاء اللہ دو بیٹے ہیں
- * ماشاء اللہ، فیملی کی جانب سے لکھنے میں کبھی کوئی رکاوٹ پیش آئی ؟
- نہیں میری فیملی میں مجھے لکھنے سے کوئی بھی نہیں روکتا بس شادی کے بعد ذمہ داریوں کی وجہ سے میں نے ہی لکھنا ترک کر دیا تھا *
- کس وقت لکھنے کا مزہ آتا ہے رات کی تنہائی میں یا دن کے کسی بھی پہر وقت مل جائے تو لکھ لیتی ہیں ؟
- مجھے صبح سویرے لکھنے میں مزا آتا ہے جب میرے گھر میں مکمل خاموشی ہوتی ہے *
- کس رائٹر کو زیادہ شوق سے پڑھتی ہیں ؟
- مجھے عمیرہ احمد بہت پسند ہیں لیکن مجھے پڑھنے کا وقت بہت کم ملتا ہے
- * کوئی خواب جس کو اب تک پورا کرنے کی جدوجہد میں ہیں ؟
- جی میرا خواب ہے کہ میں بہت اچھا لکھوں جو لوگوں کو ہمیشہ یاد رہے میرے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی انشاء اللہ آپ کا خواب ضرور پورا ہو گا بس اللہ سے پُر امید رہنا چاہیئے. انشاء اللہ *
- آپ کو جوائینٹ فیملی رہنا پسند ہے یا پھر علیحدہ ؟
- میں علیحدہ رہتی ہوں مجھے زیادہ شور شرابا پسند نہیں *
- کس طرح کی کہانیاں لکھنا اور پڑھنا پسند ہیں ؟
- مجھے ایسی کہانیاں لکھنا اور پڑھنا اچھا لگتا ہے جس میں کوئی میسیج ہو جسے پڑھ کر قاری سیدھی راہ کی طرف گامزن ہو مجھے ایسی کہانیاں اچھی نہیں لگتی جس میں صرف رومانس ہی ہو
- آپ کس مزاج کی مالکن ہیں ؟
- میں بہت سنجیدہ ہوں کبھی کبھی مجھے لگتا ہے مجھ میں ہنسی مزاح کی حس ہے ہی نہیں

- زندگی میں کوئی ایسی شخصیت جن کے بنا آپ کو سب کچھ ادھورا محسوس ہوتا ہو؟
- :میرے بچوں کے بنا مجھے اپنا وجود نامکمل لگتا ہے میں اپنے بچوں کے بنا ایک پل بھی نہیں رہ سکتی
- * بچپن سے ایسی ہیں یا پھر اس سنجیدگی کی کوئی خاص وجہ ہے؟
- نہیں میں بچپن سے ہی ایسی ہوں میں بہت حساس ہوں میں کسی کو تکلیف میں دیکھ لوں تو میں اسے بھلا ہی نہیں سکتی مجھے اس دنیا میں رونے کی سو وجوہات دکھتی ہیں مگر ہنسنے کی ایک بھی معقول وجہ نظر نہیں آتی اور میں اتنی بے حس نہیں ہوں کہ لوگ بیچارے اتنی تکلیفوں میں مبتلا ہیں اور میں قہقے لگاتی رہوں
- * آپ کھانے میں سب سے زیادہ اچھا کیا بناتی ہیں جس کو کھانے کے بعد میاں صاحب تعریف کیئے بنا نہ رہ سکیں؟
- یہ تو منہ میاں مٹھو بننا پڑے گا ویسے میری کوکنگ اچھی ہے میرے میاں اکثر میرے پکائے ہوئے کھانوں کی تعریف کرتے ہیں
- * بیرون ملک جانے کا شوق رکھتی ہیں,اور اگر کبھی موقع ملے تو کس ملک جانا پسند کریں گی؟
- جی مجھے شوق ہے بیرون ملک جانے کا لیکن جب بھی مجھے موقع ملا تو میں مکہ مدینہ جانا پسند کرونگی کیونکہ دنیا میں اس سے اچھی جگہ کوئی نہیں اسکے بعد میں لندن جانا پسند کرونگی
- * آپ کا پسندیدہ موسم کون سا ہے جو آپ کے مزاج پر بھی گہرا اثر چھوڑتا ہو؟
- میرے خیال سے دل کا موسم اچھا ہونا چاہیے اگر آپ کے دل کا موسم حسین ہے تو آپ کو خزاں بھی بہار لگتی ہے
- * کوئی ایسا یادگار لمحہ بتائیں جس کو سوچ کر آج بھی آپ مسکراتی ہوں؟
- ایسا کوئی لمحہ نہیں جسے سوچ کر میرے لبوں پر مسکان آجائے

- ٭ آپ کہ خیال میں زندگی کیا ہے؟:
- میرے خیال میں زندگی ایک سفر ہے ایسا سفر جو ہمیں طے کرنے کے لیے اس دنیا میں بھیجا گیا ہے اب یہ ہمارے ہاتھ میں ہے کہ ہم اس سفر کو خوشیاں بانٹ کر یادگار بناتے ہیں یا دوسروں کی راہوں میں کانٹے بچھا کر اس سفر کی توہین کرتے ہیں
- ٭ عزت محبت دولت میں سے کوئی ایک چیز چُننی پڑے تو کیا چُنیں گی اور اس کو چُننے کی وجہ؟
- تینوں ضروری ہیں کیونکہ تینوں کے بنا انسان ادھورا ہے یہ کہنا کہ دولت کے بنا انسان رہ سکتا ہے تو یہ سراسر جھوٹ ہے ٭
- پڑھنے والوں سے کچھ کہنا چاہیں گی؟ مطالعہ کریں اور ناکامی سے کبھی بھی دلبر داشتہ نہ ہوں کیونکہ ناکامی ہی کامیابی کا پہلا زینہ ہے ٭
- اپنے دل کی باتیں کس سے شئیر کرتی ہیں؟
- میں اپنی ہر بات اپنے اللہ سے شئیر کرتی ہوں

٭

- ڈائجسٹ داستانِ دل کے لئے ایک لائن؟
- داستان دل کی میں دل سے قدر کرتی ہوں کیونکہ یہ میگزین نئے لکھنے والوں کو سپورٹ کر رہا ہے جو کہ واقعی قابلِ تعریف عمل ہے
- شکریہ افشاں آپ نے ہمارے لیئے وقت نکالا بہت اچھا لگا آپ سے بات کر کے
- مجھے بھی بہت اچھا لگا آپ سے بات کر کے اور وقت کیسے گزر گیا پتا ہی نہیں چلا۔

آپ اپنی پسند کی شخصیت کا بھی ہمیں بتا سکتے ہیں کہ آپ کس شخصیت کا انٹرویو پڑھنا چاہتے ہیں ہماری ٹیم پوری کوشش کرے گی کہ ہم آپ کے معیار پر پورا اتر سکیں۔ ایڈیٹر

وہ ٹکٹکی باندھے اپنی ٹھوڑی کو اپنے میلے کچیلے ہاتھوں پر ٹکائے حسرت بھری نگاہوں سے....سامنے سے گزرتے صاف ستھرے یونیفارم میں ملبوس، چمچماتے شوز پہنے _سکول جاتے بچوں کو دیکھ رہا تھا...وہ ایک نظر اپنے تیل سے لتھڑے گریس سے داغدار کپڑوں کو دیکھتا اور کبھی سامنے سے گزرتے بچوں کے اجلے یونیفارم کو...وہ آج 7 بجے ہی ورکشاپ کے تھڑے پر آ کر بیٹھ گیا تھا....ابھی کل ہی تو اسے استاد نے دیر سے آنے پر مارا تھا ... گالیوں سے استادنے شروعات کی تھی ...ماں کے لیئے بولے گ ئے نازیبا الفاظ اس سے برداشت نہیں ہوئے تھے وہ استاد کے آگے بول اٹھا تھا" مجھے جو مرضی کہیں میری ماں کو تو کچھ مت کہیں ...."لجاجت بھرے انداز میں کی گئی شکایت "استاد "کی نام نہاد عزت نفس کو شاید مجروح کر گئی تھی...اسی جرم کی پاداش میں دی گئی سزا کے نقوش ابھی تک اس کے گالوں اور کمر پر موجود تھے .استاد تو اسے کام سے نکالنا چاہتا تھا لیکن اس کی اماں کی منت سماجت پر شاید اسے ترس آگیا تھا....شاید اسی وجہ سے آج وہ صبح سویرے ہی گھر سے شام کی بچی روٹی کو دہی کے ساتھ زہر مار کر کے یہاں آن پہنچا تھا....

غربت کی چکی کے پاٹوں میں کچلے ہوئے خاندان سے اس کا تعلق تھا...خاندان کیا....بس چھوٹا سا 3افراد پر مشتمل کنبہ تھا اس کا ...نازو،وہ اور اماں...یہی کل کائنات تھی اس کی ...ابا کا پھٹا پرانا شناختی کارڈ ہی تو تھا....جس سے اسے اپنے باپ کی شکل وصورت سے شناسائی ہوئی تھی....

اس کے سن شعور کو پہنچنے سے پہلے ہی وہ ٹی بی کے ہاتھوں...انہیں بے یارومددگار چھوڑ کر چل بسا تھا..

اماں...بڑے لوگوں کے گھروں میں جا جا کر دن بھر برتن مانج کر اپنے جگر گوشوں کے لیے دو وقت کی روٹی کا ساماں پیدا کر رہی تھی....

"اماں....میں نے بھی سکول جانا ہے...تو مجھے سکول کیوں نہیں بھیجتی...مجھے بھی یونیفارم پہننا ہے تو مجھے بستہ کیوں نہیں لے کر دیتی..اماں !....وہ ساتھ والی گلی میں حسیب ہے نا...اسے اس کے بابا روز سکول چھوڑنے جاتے ہیں...اماں تو مجھے کیوں صبح صبح اس استاد کے پاس بھیج دیتی ہے؟؟؟""

روانی میں اماں سے سوال پوچھتے ہوئے اس کے لہجے میں جہاں بھر کی حسرت ویاس سمٹ آتی تھی ---اماں کو اس کے سوال پریشان کر دیتے...اس کی اس خواہش کو پورا کرنے کی شاید اماں میں سکت ہی نہیں تھی....اس سے جب کوئی جواب نہ بن پاتا تو اسے جھڑک دیتی "تو اپنے منہ دھیان کام پر جایا کر...ادھر ادھر کیوں تکتا ہے رے تو"...

وہ اپنی انہی سوچوں میں غلطاں اپنی ناتمام خواہشات کے دیپ سینے میں جلائے بیٹھا تھا....

"بیٹا....تم کیوں بیٹھے ہو ادھر؟؟"

ایک ہمدرد سی آواز نے اس کی محویت کو توڑا...

اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے پینٹ کوٹ میں ملبوس شفیق سی صورت والے ایک صاحب

کھڑے تھے....وہ اپنی چمچاتی کالے رنگ کی کار کھڑی کر کے اتر آئے تھے...

"صاحب جی !!میں ادھر ورکشاپ میں کام کرتا ہوں نا...استاد نہیں آیا ابھی اس لیئے وکشاپ کے باہر بیٹھا ہوں"

اس نے بڑھی وضاحت سے جواب دیا...

"بیٹا...تم سکول کیوں نہیں جاتے؟؟؟"

"صاحب جی "نے اس کی دکھتی رگ کو چھیڑ دیا تھا...اس کی آنکھوں کے کٹورے چھلک سے پڑے... دو گرم آنسو اس کے گالوں سے لڑھک گئے" ___ جن کے ابو ہوتے ہیں وہ سکول جاتے ہیں...صاحب جی __!!میرے ابا اللہ کے پاس چلے گئے ہیں...اماں نہیں بھیجتی مجھے___کہتی ہے میرے پاس پیسے نہیں ہیں تمہاری فیس کے لیئے میں تمہیں کھانا کھلاؤں یا سکول پڑھاؤں...اماں کہتی ہے تم کام سیکھو اور پیسے کماؤ سکول کے خواب مت دیکھو..بس صاحب جی اسی لیئے نہیں جاتا"

اپنی میلی آستین سے آنسو پونچھتے ہوئے اس نے جواب دیا...آستین پر لگی کالک نے اس کے گال پر آنسوں کی نمی میں گھل کر نقش و نگار سے بنا ڈالے تھے...اس کے جواب نے "صاحب جی "کو بھی آبدیدہ کر دیا تھا..

وہ اس کے سر کو شفقت سے تھپتھپاتے ہوئے کہنے لگے" بیٹا تمہارا نام کیا ہے"

قاسم نام ہے جی میرے....

صاحب جی سے بات کرنا اسے بڑا اچھا لگ رہا تھا....

"بیٹا تمہاری فیس میں دوں گا تم کل سے یہاں نہیں آؤ گے بلکہ ان بچوں کے ساتھ تم بھی کل سکول جاؤ گے"....

یہ سنتے ہی اس کے من میں خوشی کا فوارہ سا پھوٹا تھا...فرط جذبات سے اس کے گال تمتما اٹھے تھے"

ابھی اٹھو اور مجھے اپنے گھر لے چلو ...صاحب جی نے کہا....

اگلے ہی دن اس کا یونیفارم اور بیگ آگیا تھا...صاحب جی نے اسے اسکول میں داخل بھی کروا دیا....تھا اور اس کے سارے تعلیمی اخراجات کا ذمہ بھی لے لیا تھا....

آج کاشف نعمان صاحب اسی جگہ کھڑے قاسم کو اجلا یونیفام پہنے خوش وخرم سکول کی طرف جاتا دیکھ رہے تھے...جہاں کل انہوں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جنت میں قربت حاصل کرنے کا سودا کیا تھا....انہیں یقین کامل ہو چلا تھا کہ جنت میں اللہ مجھے پیارے حضور کا ساتھ ضرور نصیب کرے گا کیوں کہ دریتیم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی تو کہا تھا" انا وکافل الیتیم فی الجنت ھکذا"

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح قریب ہوں گے جس طرح شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی"

کبھی اِس طرف دھیان ہی نہیں گیا، آج سوچنے بیٹھا ہوں تو یہ ہولناک انکشاف ہوا ہے کہ مجھے تو اپنے کسی بچپن کے دوست کا نام ہی یاد نہیں۔کافی دنوں سے میں فیس بک پر اپنے بچپن کے دوستوں کو ڈھونڈنے کی پلاننگ کر رہا تھا، آج فرصت اور فراغت ملی تو میں بُت بنا بیٹھا ہوں، کس دوست کو ڈھونڈوں؟ گلو، ببا، شیدا، دیمی، ٹیری، جگنو، نادی، لمبو، چکری، تیکی، ٹارزن، ڈھلو، رنگو، شانی، جبی، موٹو، کالو، فوجا، رکھا.... کسی کا بھی اصل نام نہیں پتا، نہ کبھی اصل نام پتا کرنے کی ضرورت پڑی، وہ بھی مجھے "پپو" کے نام سے ڈھونڈ رہے ہوں گے اور میں یہاں گل نوخیز اختر بنا بیٹھا ہوں۔نوٹ کیجئے گا، ہمارے اکثر پیارے اِسی اصل نقل کے چکر میں کہیں گم ہوگئے ہیں، کیا حسین دور تھا جب کوئی کسی کی اصلیت سے واقف نہیں تھا، کسی کو نہیں پتا تھا کہ کون شیعہ ہے، سنی ہے، وہابی ہے ، بریلوی ہے یا دیوبندی ہے۔کسی کی پہچان اُس کا مذہب یا فرقہ نہیں تھی،ہم اکٹھے کھیلتے تھے، ایک گلاس میں پانی پیتے تھے، ایک جیسی گالیاں نکالتے تھے اور ایک جیسے ہی گھروں میں رہتے تھے۔ہر گھر معمولی تھا، ہر مکین بے ضرر تھا،ہر دوکاندار چاچا جی تھا، ہر عورت خالہ تھی۔ دوکانوں پر" جھونگا"عام ملتا تھا۔کسی گھر سے کھانے کی کوئی چیز پلیٹ میں ڈھکی ہوئی آتی تو کوئی نہیں پوچھتا تھا کہ یہ نیاز ہے، کونڈے ہیں

یا ختم کی چیز ہے۔ کسی کو کسی کے پہناوے پر اعتراض نہیں تھا، سب بچے عید میلاد النبی ﷺ کی محفلوں میں بھی کھانے پینے کے لیے موجود ہوتے تھے اور محرم میں شربت کی سبیلوں پر بھی گلاس کے گلاس چڑھا جاتے تھے، کسی گھر میں دیگ پکتی تھی تو عقیدے سے زیادہ چاولوں کی مہک سب کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔ بے فکری ایسی کہ گلی میں چارپائیاں ڈال کر سونے کا رواج عام تھا۔ خوف ابھی اتنے بڑے نہیں ہوئے تھے، اُن کا حجم بہت کم تھا، سکائی لیب گرنے کا خوف، سر کٹے کے آنے کا خوف، سیلاب کا خوف، کچی چھت گر جانے کا خوف، امتحان میں فیل ہوجانے کا خوف، بیٹی کی شادی میں کھانا کم پڑ جانے کا خوف۔ یہ خوف بڑوں سے بچوں میں منتقل ہوتے تھے، اُس دور کے بڑے بھی تو بچے ہی تھے۔

سیاست صرف کونسلر کے الیکشن تک محدود تھی، کونسلر ہی سب سے بڑا سیاستدان تصور کیا جاتا تھا۔ بلدیاتی الیکشن کے دنوں میں کونسلر کسی بڑے سے گھر کے کھلے صحن میں "جلسے" منعقد کیا کرتے تھے جن میں حاضرین کو بوتلیں پیش کی جاتی تھیں۔ جلسے کے بعد حاضرین فخر سے بتایا کرتے تھے کہ انہوں نے چھ بوتلیں پی ہیں۔ ہر گھر کے دروازے کھلے رہتے تھے، بچے کھیلتے ہوئے کسی بھی گھر میں گھس جاتے تھے اور بعض اوقات کھانا بھی کھا آتے۔

بدمعاش وہ ہوتا تھا جس کا گریبان کھلا ہوتا، نیفے میں گراری والا چاقو ہوتا اور وہ اونچی آواز میں بولتا تھا، تاہم اِس بدمعاش کی بدمعاشی بھی صرف ہوٹلوں میں مفت چائے پینے تک محدود ہوتی تھی۔ اُس دور میں ماسٹر اگر بچے کو مارتا تھا تو بچہ گھر آکر اپنے باپ کو نہیں بتاتا تھا، اور اگر بتاتا تھا تو باپ اُسے ایک اور تھپڑ رسید کردیتا تھا

۔ یہ وہ دور تھا جب " اکیڈمی "کا کوئی تصور نہ تھا،
ٹیوشن پڑھنے والے بچے نکمے شمار ہوتے تھے
۔بڑے بھائیوں کے کپڑے چھوٹے بھائیوں کے
استعمال میں آتے تھے اور یہ کوئی معیوب بات
نہیں سمجھی جاتی تھی۔لڑائی کے موقع پر کوئی
پستول نہیں نکالتا تھا، صرف اتنا کہنا کافی ہوتا تھا
کہ " میں تمہارے ابا جی سے شکایت کروں گا،،۔
یہ سنتے ہی اکثر مخالف فریق کا خون خشک
ہوجاتا تھا۔اُس وقت کے اباجی بھی کمال کے
تھے، صبح سویرے فجر کے وقت کڑکدار آواز
میں سب کو نماز کے لیے اٹھا دیا کرتے
تھے۔بے طلب عبادتیں ہر گھر کا معمول تھیں،
کوئی گلی ایسی نہ تھی جہاں سے فجر کی اذان کے
بعد کوئی بزرگ بلند آوازدرود شریف پڑھتے
ہوئے نہ گذرتے۔کسی گھر میں مہمان آجاتا تو
اِردگرد کے ہمسائے حسرت بھری نظروں سے
اُس گھر کودیکھنے لگتے اور فرمائشیں کی جاتیں
کہ " پروہنے "کو ہمارے گھر بھی لے
کرآئیں۔جس گھر میں مہمان آتا تھا وہاں پیٹی
میں رکھے، فینائل کی خوشبو میں‌بسے بستر نکالے
جاتے ، خوش آمدید اور شعروں کی کڑھائی
والے تکئے رکھے جاتے ، مہمان کے لیے دھلا
ہوا تولیہ لٹکایا جاتااور غسل خانے میں نئے صابن
کی ٹکیا رکھی جاتی تھی۔جس دن مہمان نے
رخصت ہونا ہوتا تھا، سارے گھر والوں کی
آنکھوں میں اداسی کے آنسو ہوتے تھے، مہمان
جاتے ہوئے کسی چھوٹے بچے کو دس روپے کا
نوٹ پکڑانے کی کوشش کرتا تو پورا گھر اس پر
احتجاج کرتے ہوئے نوٹ واپس کرنے میں لگ
جاتا ، تاہم مہمان بہرصورت یہ نوٹ دے کر
ہی جاتا۔بچوں کے لیے تفریح کا واحد ذریعہ
Slidesالمعروف" گھیسیاں"ہوتی
تھےں۔لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بڑے بڑے
قہقہے لگایا کرتے تھے، کسی موت پر پورا محلہ
سوگوار ہوجایا کرتا تھا،گلی میں کولڈ کریم کی
شیشیاں بھرنے والا آتا تو محلے کی ساری لڑکیاں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ہاتھوں میں آٹھ آٹھ آنے اور تبت سنو کی خالی شیشیاں پکڑے آموجود ہوتیں۔یہی صاحب دنداسہ، سُرمہ، پت مار پاؤڈر، ٹیلکم پاؤڈر اور اسی اقسام کے دیگر پاؤڈر بھی فروخت کیا کرتے تھے۔لڑکیاں سٹاپو، ککلی ،کوکلا چھپاکی، پرچیاں، اور گڑیوں سے کھیلتی تھیں، لڑکے اڈا کھڈا، پٹھو گول گرم، لکن میٹی، باندر کلا،بنٹے،چور سپاہی، اونچ نیچ، یسو پنجو، چڑی اڈی کاں اُڈا، کیرم بورڈ اور لڈو کے شیدائی تھے۔تاش کھیلنے والے کو بہت برا سمجھا جاتا تھا۔

شادی بیاہوں میں سارا محلہ شریک ہوتا تھا، شادی غمی میں آنے جانے کے لیے ایک جوڑا کپڑوں کا علیحدہ سے رکھا جاتا تھا جو اِسی موقع پر استعمال میں لایا جاتا تھا، جس گھر میں شادی ہوتی تھی اُن کے مہمان اکثر محلے کے دیگر گھروں میں ٹھہرائے جاتے تھے، محلے کی جس لڑکی کی شادی ہوتی تھی بعد میں پورا محلہ باری باری میاں بیوی کی دعوت کرتا تھا۔کبھی کسی نے اپنا عقیدہ کسی پر تھوپنے کی کوشش نہیں کی، کبھی کافر کافر کے نعرے نہیں لگے، سب کا رونا ہنسنا سانجھا تھا، سب کے دُکھ ایک جیسے تھے ، سب غریب تھے، سب خوشحال تھے،کسی کسی گھر میں بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی ہوتا تھا اور سارے محلے کے بچے وہیں جاکر ڈرامے دیکھتے تھے۔دوکاندار کو کھوٹا سکا چلا دینا ہی سب سے بڑا فراڈ ہوتا تھا، گھروں میں چوریاں ہوتی تھیں،ڈاکے نہیں پڑتے تھے۔یہ وہ وقت تھا جب امی ہوتی تھی یا ماں۔ممی ، مما یا مام ایسے الفاظ ابھی ایجاد نہیں ہوئے تھے، والد صاحب کو بھی ابو، بابا اور ابا جی کہا جاتا تھا، کوئی پاپا، ڈیڈی، ڈیڈ نہیں ہوتا تھا۔کوئی بیمار ہوتا تھا تو پورا محلہ عیادت کو امڈ پڑتا تھا،بزرگوں کی دعائیں لی جاتی تھیں،سرشام ہی لوگ سونے کی تیاریاں کرنے لگتے تھے اور اگلے دن ہشاش بشاش اٹھتے تھے،کسی نے شوگر، ہیپاٹائٹس، ایڈز، ڈینگی، بلڈ پریشر،ڈپریشن کا نام

تک نہیں سنا تھا، سب کو نیند آتی تھی اور خوب آتی تھی۔ناشتے اوررات کے کھانے پر سب اکٹھے بیٹھتے تھے۔مذہب کبھی موضوعِ گفتگو نہیں ہوتا تھاکیونکہ اُس وقت سبھی مسلمان تھے۔یہ وہ وقت تھا جب زمینی فاصلے زیادہ اور دِلوں کے فاصلے بہت کم تھے۔اُن دنوں موبائل نمبر نہیں" پی پی "نمبر ہوتا تھا جو ہمسائے کا ٹیلی فون نمبر ہوتا تھا۔مصروف سے مصروف بندہ بھی شام کو فارغ ہوکر گھر لوٹتا تھا، تب Busy ہونے کا رواج نہیں پڑا تھا۔تب بہت امیر لوگ بھی نہیں ہوتے تھے، غریب ہوتے تھے یا غریبوں سے کچھ بہتر۔حیرت کی بات ہے کہ تب جمہوریت بھی نہیں ہوتی تھی۔میں اُس دور کے دوستوں کو ڈھونڈنے بیٹھ گیا ہوں جس دور کا سکہ بھی ناپید ہے۔کوئی حال نہیں!!!....

آج اس سے میری پہلی ملاقات ہونے والی تھی. وہ لاہور کا ایک معروف تاجر تھا. ان دنوں میں اپنے نئے کاروبار کے سلسلے میں کافی پریشان تھا. آج ہماری ایک اہم میٹنگ تھی. یہ میٹنگ میری کمپنی کی ترقی کے لئے بہت اھمیت کی حامل تھی. ہماری ملاقات ہوٹل مری میں طے تھی. ٹریفک زیادہ ہونے کی وجہ سے میں کچھ تاخیر سے پہنچا. ہوٹل کے اندرونی حصے میں بیٹھا وہ میرا انتظار کر رہا تھا آپ سلیم فاروقی ہیں؟ اس نے مجھے پہچاننے کی کوشش کی

جی میں ہی سلیم فاروقی ہوں۔۔

میں کافی دیر سے آپ کا منتظر تھا اس نے کہا

ٹریفک کا رش زیادہ ہونے کی وجہ سے تاخیر ہو گئی میں معزرت چاہتا ہوں...

میں نے معزرت خواہانہ لہجے میں کہا جی کوئی بات نہیں اس نے قدرے دھیمے لہجے میں کہا پھر علیک سلیک کے بعد ہماری گفتگو شروع ہو گئی. ہوٹل کا ماحول کافی پر سکون تھا. خاص طور پہ شام کی ٹھنڈی ہوائیں روح کو سرشار کر رہی تھیں. بہت دیر تک ہماری کاروباری گفتگو چلتی رہی, گفتگو کے اختتام پر اچانک میری نظر اسکی انگلیوں پر پڑی جہاں ایک نیلی اور نہایت خوبصورت انگوٹھی چمک رہی تھی,

یہ خالص فیروزہ ہے اٹلی سے درآمد کی گئی ہے اسنے مجھے ٹوکتے ہوئے کہا اسکے پہننے کی کوئی خاص وجہ؟

میں نے استفسار کیا فیروزہ گرم مزاج والوں کے لیئے بہت مفید ہے, ساتھ ہی یہ حادثات سے بچاؤ میں بھی بہت مؤثر ہے, خاص کر کاروبار میں ترقی کے لئے یہ بہت فائدہ مند ہے. میں نے جب سے اسے پہنا ہے

مسلسل ترقی ہو رہی ہے. میں آپ کو بھی مشورہ دوں گا
کہ آپ بھی اپنے حساب سے ایک بنوا لیجئے.
نہیں.... الحمدللہ میں یونہی ٹھیک ہوں...
میں نے بات ختم کرتے ہوئے کہا اس کے بعد
کاروباری مصروفیات کی وجہ سے میں اس سے دوبارہ
نہیں مل سکا. پھر حالات ایسے ہو گئے کہ اسکے بعد کئی
سال تک مجھے لاہور جانے کا موقع نہیں ملا, آہستہ
آہستہ میرا کاروبار ترقی کر رہا تھا اب کراچی کے علاوہ
دیگر شہروں میں بھی میرے پروجیکٹس چل رہے
تھے, انہی دنوں مجھے لاہور میں ایک جگہ روڈ بنانے کا
کنٹریکٹ ملا, میری دیگر جگہوں پر مصروفیات کی وجہ
سے وہ پروجیکٹ میرا بھائی چلا رہا تھا, البتہ نگرانی کے
طور پر میں ہفتے میں ایک چکر ضرور لگا آتا, اس بار
مصروفیات کچھ زیادہ تھیں مگر پھر بھی میں چند دن کی
تاخیر سے لاہور پہنچ گیا, پروجیکٹ پر کام بہت تیزی
سے چل رہا تھا اور مزدور دن رات کی شفٹنگ پر کام کر
رہے تھے, معائنے کے دوران اچانک میری نظر ایک
مزدور پر پڑی, وہ چہرہ مجھے شناسا سا لگا مگر میں پہچان
نہ پایا, اس نے بھی مجھے دیکھا پر شاید نظریں
چرا گیا, لیکن پھر شفٹ ختم ہونے کے بعد وہ میرے
پاس آیا, جب اس نے اپنا تعارف کرایا تو مجھے بہت
حیرانی ہوئی,
تمہاری یہ حالت کیسے ہو گئی؟
بس صاحب! حالات نے مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا
میرا کاروبار ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا, میں بہت خوشحال
تھا پھر نجانے کس کی نظر لگ گئی میرا کاروبار آہستہ
آہستہ ختم ہوتا گیا جو پیسے بچے تھے وہ ٹھیکیدار ہڑپ
کر گیا میں نے بہت کوشش کی مگر میں حالات نہیں
سنبھال پایا, اور حال یہاں تک آ پہنچا۔۔
تمہاری اس انگوٹھی کا کیا ہوا جو تم نے کاروبار میں ترقی
کے لئیے لی تھی؟؟
میں نے پوچھا وہ بھی میری قسمت کی طرح کھوٹی نکلی
اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔۔
میں تمہیں اسی وقت بتانا چاہتا تھا مگر شاید وہ وقت
مناسب نہ تھا کہ میرے بھائی ساری کی ساری ترقی اپنی
محنت اور خدا کی عطا پر منحصر ہے. ایک معمولی پتھر بھلا
کیسے تمہارے کاروبار میں ترقی کا سبب بن سکتا ہے
جبکہ وہ خود اپنے آپ پر قادر نہیں ہے, یہ تو پھر بھی
ایک بے حیثیت پتھر تھا تم نے وہ بات نہیں سنی کہ
"حضرت عمر نے حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر کہا

تھا کہ میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے نہ کسی کو نفع دے سکتا ہے نہ ہی کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے میں نے اگر اپنی نبی کو تجھے چومتا ہوا نہ دیکھا ہوتا تو میں ہر گز تجھے نہ چومتا" اب تم ہی بتاو حضرت عمر جیسے عظیم صحابی جنت سے لائے گئے پتھر کے بارے میں ایسا کہہ رہے ہیں تو اسکے سامنے تمہارے اس عام پتھر کی کیا مجال کہ یہ اچھے برے پر قادر ہو؟

میرے بھائی ہر کام کا اصل خالق اللہ ہے اللہ کی اجازت کے بغیر پرندے کا اڑنا تو بہت دور صرف پر اٹھانا بھی محال ہے, میں نے ابھی اپنی بات مکمل کی ہی تھی کہ وہ اپنے مزدوری کے کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھا اسکی آنکھوں میں ندامت کے آنسو تھے مجھ سے غلطی ہو گئی میں ایک بے جان پتھر سے امیدیں لگا کر اپنے خالق حقیقی اور اپنے اصل مالک کو بھول گیا اسکا چہرہ متغیر تھا شاید اب وہ اپنے نقصان کی اصل وجہ جان چکا تھا اگلے ہی لمحے اسکی انگوٹھی سامنے سڑک پر پڑی تھی جسے گزرتے ہوئے ٹرک نے چکنا چور کر دیا تھا اور وہ میرے ساتھ میرے آفس کی جانب جا رہا تھا جہاں اسکے لئے ایک نئی جاب اسکی منتظر تھی...

یہ تحریر ہمارے بہت ہی پیارے دوست جناب شہباز علی کی فرمائش پہ لکھی ہے ۔ اور افسانہ کا نام دیا ہے ۔۔ یہ حقیقی داستان ہے اور تمام واقعات حقیقت پہ مبنی ہیں ۔۔ احباب پڑھ کے آراء سے نوازئے گا ۔۔ امید امریتا کے مشرقی عشق کی داستان آپ سب ممبران کو بہت پسند آئے گی ۔۔۔۔

امرتا پریتم نے1919 ئمیں گوجرانوالہ میں آنکھ کھولی، 1936 میں ان کی پہلی کتاب "امرت لہراں" چھپی ۔ انہوں نے تقسیم ہند پر انسانیت کے قتل کو ایسے الفاظ دیئے جو روح تک اترجائیں۔ امرتا پریتم کے ناول " پنجر " پر بالی ووڈ نے اسی نام سے ایک فلم بھی بنائی جس میں برصغیر کی تقسیم کے دوران ہندو مسلم تعلقات کے درمیان پیدا شدہ تناؤ کو موضوع بنایا گیا ۔ پدما شری، پدما بھوشن سمیت کئی بڑے ایوارڈز اس عظیم شاعرہ، ناول نگار اور کہانی نویس کی نذر کئے گئے ۔

امرتا پریتم کی پہلی شادی کی پریتم سنگھ کے ساتھ ہوئی جو1960 ئ تک چلی اور یہ شادی ٹوٹنے کی وجہ بنی ساحر لدھیانوی بنے دونوں کی پہلی ملاقات1944 ء کے ایک مشاعرے میں ہوئی ، امرتا کے مطابق اس روز ہونے والی بارش نے محبت کی پہلی آبیاری کی ۔ امرتا پریتم

نے ساحر سے منہ موڑا تو آرٹسٹ امروز کو اپنا
جیون ساتھی بنایا جس کی وجہ ساحر اور گلوکارہ
سدھا ملہوترا کی دوستی بنی

برصغر پاک و ہند میں امرتا پریتم اور ساحر
لُدھیانوی کی لازوال محبت جو امر ہو کر رہ گئی
امرتا ہندو تھیں ،ساحر مسلمان امرتا اور امریتا
کے نام سے مشہور ہو کر کی پریتم تک پُہنچنے والی
اس خواب نگر کی دیوی کا انگ انگ ساحر
لدھیانوی کے عشق میں مستغرق تھا ،

جب ساحر امریتا سے ملنے جاتے اور وہاں بیٹھ کر
بڑی بڑی دیر سگریٹ پیتے رہتے ساحر کے جانے
کے بعد امرتا پریتم سگریٹ کے اُن ٹکڑوں کو
اکٹھا کرتیں اور سنبھال کر کُل کائنات سے بڑھ
کر متاع جاں سمجھ کر اُن سگریٹ کے ٹوٹوں کے
محفوظ کر لیتیں امریتا ساحر کے سپنوں کی
شہزادی بننے کا سپنہ لیے گھر کی دہلیز پہ بیٹھی رہی
مگر امریتا اور ساحر کا یک جان دو قالب کا رشتہ

امر ہوتے ہوتے رہ گیا ،ہو ایوں کے ساحر نے
فیروزہ سے شادی کر لی مگر امریتا ساحر کے سحر
میں ڈوبی رہی ،اور امریتا نے شادی نہ کروائی
شادی والی بات ذرا قابل تشکیک ہے اس کے
بارے میں مختلف رائے ہے ۔یوں امریتاپریتم
اور ساحر امر ہوگئے اور آج بھی امریتا کی
شاعری میں مشرقی عورت ظلم و جبر سفاکیت و
بربریت کی چکی میں پستی ہو ئی نظر آتی ہے اور
امریتا پر یتم کی شاعری سے آج بھی یوں لگتا
ہے جیسے امریتا آج بھی کسی بھٹہ مالک کی
فرعونیت و قارونیت اور مظلوم فریادی دوشیزہ کی
بے بسی اور بے کسی پہ نوحہ کناں نظر آتی ہے ۔
آج بھی امریتا کوٹھے پہ بیٹھی اُس پری کو گُلستان
میں لیجانا چاہتی ہے جس کو رات کے پچھلے پہر
جنگلی درندے رات کی تاریکی میں کُلی سے اُٹھا
لائے تھے وہ دن اور آج کادن پھر وہ پلٹ کر
گھر نہ گئ، امریتا کی شاعری آج بھی دولت کی
پرستار اُس ماں پہ شب وطعن کرتے ہوئے

نظر آتی ہے جس نے چاند کے ٹکڑے جیسی نوخیز کلی کو حُسن کے پرستاروں کی جھولی میں ڈال دیا امریتا پریتم اور ساحر لُدھیانوی اپنے نام اور کام کی طرح اَمر ہوگئے...

ساحر اس کی زندگی میں آنے والا واحد مرد تھا جو اس کے دل تک پہنچا۔ ایک فیصلے کی خواہش میں اس نے ساحر کو گھر بلوایا، سلگتا ہوا شاعر آ تو گیا مگر فیصلہ نہ کر پایا اور واپس لوٹ گیا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں مذہب کو دخل تھا، کچھ کا ماننا ہے کہ ساحر اور امرتا دونوں اپنے وقت کے دھنوان تھے سو ان کا سنجوگ ناممکن تھا۔

مگر ان حقیقتوں سے قطع نظر، امرتا ساحر کی محبت سے ساری عمر فرار نہ حاصل کر سکی۔ کبھی کسی پریس کانفرنس میں وہ کاغذ پہ بے دھیانی میں سینکڑوں بار ساحر لکھتی تو کبھی اس کے نام آخری خط لکھ کر افسانوں کی صورت چھپواتی۔ وہ ملنے آتا تو دونوں گھنٹوں ایک لفظ بولے بنا چپ چاپ بیٹھے رہتے، ساحر سگریٹ پھونکتا رہتا اور امرتا اپنی نگاہوں سے اس کی آرتی اتارتی رہتی۔

ساحر کے جانے کے بعد وہ البتہ کسی اور وجود میں ڈھل جاتی۔ بچے کھچے سگریٹ کے ٹکڑے جمع کرتی، انہیں سلگاتی اور ساحر کو یاد کر کے آہیں بھرتی۔

کئی سالوں بعد جب امرتا نے اس نامکمل اور مختصر کہانی کا ذکر خشونت سنگھ سے کیا تو خشونت سنگھ نے از راہ مذاق کہا کہ اتنی مختصر کہانی تو ڈاک ٹکٹ کے پیچھے لکھی جا سکتی ہے۔ امرتا نے اپنی آپ بیتی رسیدی ٹکٹ کے نام سے ہی شائع کروائی۔

ساحر کے جانے کے بعد امرتا نے زندگی کے باقی ماندہ دن امروز کے ساتھ گزارے اور

2005میں پنجاب کی یہ بیٹی دلی کے حوض خاص میں انتقال کر گئی۔

امروز، ایک مصور جو امرتا کی آنکھوں کے عشق میں مبتلا تھے اور آخری وقت تک اس کی دیکھ بھال کچھ سیواکاریوں جیسی ہی کرتے رہے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو صرف محبت دینا جانتے ہیں ، معکوس رابطوں پہ ایمان نہیں رکھتے۔ جب سے امرتا گئی ہیں انہوں نے بھی برش اور کینوس کو ہاتھ نہیں لگایا۔

اب حوض خاص والے اس گھر میں جابجا امروز کی بنائی ہوئی امرتا کی تصویریں، سندھی اجرکیں، بلھے شاہ کی خطاط ہوئی کافیاں، مختلف چائے کی پتیاں اور ڈھیروں کتابیں ہر سانس کے ساتھ امرتا کو یاد کرتی ہیں۔ یوں تو یہ گھر چالیس برس کی رفاقت کی بہت سی یادوں سے اٹا پڑا ہے مگر ایک نظم ہے جو امرتا نے خاص امروز کے لئے کہی۔

میں تینوں فیر ملاں گی

کتھے؟ کس طرح؟ پتہ نہیں

شاید تیرے تخیل دی چنہہ بن کے

تیرے کینوس تے اتراں گی

یا خورے تیرے کینوس دے اتے

اک رہاسمائی لکیر بن کے

خاموش

تینوں تکدی رہواں گی...

ساحر کی موت پہ امریتا اپنے تاثرات یوں قلمبند کرتی ہے ----۔

26/27اکتوبر کی درمیانی رات دو بجے کے قریب ایک فون آیا کہ ساحر لدھیانوی نہیں رہے تو پورے بیس دن پہلے کی وہ رات اس شب میں مل گئی جب میں بلغاریہ میں تھی۔

ڈاکٹروں نے کہا تمہارے دل کی حالت تشویشناک ہے۔ اس رات میں نے نظم کہی

اج میں اپنے دل دریا وچ اپنے پھل پرواہے

اور اچانک میں اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھنے لگ گئی کہ ان ہاتھوں نے اپنے دل کے دریا میں تو اپنی ہڈیاں بہائی تھیں۔ پھر یہ ہڈیاں کیسے تبدیل ہو گئیں؟ یہ فریب ہاتھوں نے کھایا تھا یا موت نے؟

وقت سامنے آگیا جب دلی میں پہلی ایشین رائٹرز کانفرنس ہوئی تھی شاعروں اور ادیبوں کو ان کے ناموں کے ڈیلی گیٹ" بیج "دیئے گ ےئ جو سب نے اپنے کوٹوں پر لگا رکھے تھے۔ ساحر نے اپنے کوٹ پر میرے نام والا" بیج "لگا لیا تھا اور اپنے نام کا" بیج "اپنے کوٹ سے اتار کر میرے کوٹ پر لگا دیا تھا اس وقت کسی کی نظر پڑی اور اس نے کہا ہم نے غلط" بیج "لگا رکھے ہیں۔ ساحر ہنس دیا تھا کہ بیج دینے والوں سے غلطی ہوئی ہو گی۔ لیکن اس غلطی کو ہم نے درست کرنا تھا نہ کیا۔ اب برسوں بعد رات کو دو بجے خبر سنی کہ ساحر نہیں رہے تو لگا جیسے موت نے اپنا فیصلہ اس بیج کو پڑھ کر کیا جو میرے نام والا تھا اور ساحر کے کوٹ پر لگا ہوا تھا۔

میری اور ساحر کی دوستی میں کبھی بھی الفاظ حائل نہیں ہوئے۔ یہ دو خاموشیوں کا ایک حسین رشتہ تھا۔ میں نے اس کے لیے جو نظمیں کہی تھیں اس مجموعہ کلام کو ساہیتہ اکاڈمی ایوارڈ ملا۔ پریس والے میری تصویریں لینے لگے۔ میں نے اس وقت محسوس کیا کہ میں کاغذ پر کچھ لکھ رہی ہوں۔

فوٹو گرافر جب تصویر لے کر چلے گ ےئ تو کاغذ اٹھا کر دیکھا تو اس پر بار بار صرف ایک لفظ لکھا گیا تھا۔

ساحر۔ ساحر۔ ساحر۔۔۔۔

اپنے اس دیوانگی کے عالم پر بعد میں گھبراہٹ ہوئی کہ صبح جب اخبار میں تصویر چھپے اور تصویر والے کاغذ پر سے یہ نام بھی پڑھا جائے گا تو کیسی قیامت آئے گی؟ لیکن قیامت نہیں آئی۔ تصویر چھپی تو کاغذ بالکل کورا دکھائی دے رہا تھا۔

یہ الگ بات ہے کہ بعد ازاں یہ حسرت رہی کہ خدایا یہ کاغذ جو خالی دکھائی دے رہا تھا یہ خالی کاغذ نہیں تھا۔ شاید یہی کورے کاغذ کا رشتہ تھا کہ آج سے تیس برس پہلے جب" تلخیاں "کا ایک نیا ایڈیشن شائع ہو رہا تھا تو ساحر نے مجھے دیباچہ لکھنے کے لیے کہا تھا مگر میرے احساسات میری طرح خاموش رہے۔ نہ جانے کورے کاغذ کی یہ کیسی ضد تھی میں" تلخیاں "کا دیباچہ نہیں لکھ پائی۔

کورے کاغذ کی آبرو آج بھی اسی طرح ہے۔ میں نے اپنی سوانح عمری" رسیدی ٹکٹ "میں اپنے معاشقے کی داستان لکھی تھی۔ ساحر نے پڑھی تھی۔ لیکن اس کے بعد کسی بھی ملاقات میں رسیدی ٹکٹ کا ذکر نہ میری زبان پر آیا نہ ساحر کی زبان پر۔

آج جب ساحر دنیا میں نہیں اور" تلخیاں "کا ایک نیا ایڈیشن چھپ رہا ہے۔ تو اس کے پبلشر نے چاہا ہے کہ اس کا دیباچہ لکھ دوں۔ نظموں کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گی کیوں کہ ساحر کی شاعری کا مقام لوگوں کی روح اور تاریخ کی رگوں کا حصہ بن چکا ہے۔

مجھ پر ساحر کا قرض تھا۔ اس دن سے جب اس نے اپنے مجموعہ کلام پر دیباچہ لکھنے کو کہا اور مجھ سے لکھا نہیں گیا۔ آج وہی قرض اتار رہی ہوں۔ اس کے جانے کے بعد دیر ہو گئی !خدایا بہت دیر ہو گئی!

مجھے یاد ہے ایک مشاعرے میں کچھ لوگ ساحر سے آٹو گراف لے رہے تھے جب چلے گئے اور میں اکیلی اس کے پاس کھڑی رہ گئی تو ہنستے

ہوئے میں نے اپنی ہتھیلی اس کے سامنے بڑھا دی۔ کورے کاغذ کی طرح۔ اور اس نے میری ہتھیلی پر اپنا نام لکھ دیا اور کہا۔"یہ بینک چیک پر میرے دستخط ہیں جو رقم چاہو لکھ لینا اور جب چاہو کیش کروا لینا۔ "چاہے وہ کاغذ مانس کی ہتھیلی تھی۔ لیکن اس نے کورے کاغذ کا نصیب پایا تھا۔ اس لیے کوئی حرف اس پر نہیں لکھا جا سکتا تھا۔

حرف تو آج بھی میرے پاس نہیں۔ یہ تو محض کورے کاغذ کی داستان ہے۔ اس داستان کی ابتداء بھی خاموش تھی اور ساری عمر اس کی انتہا بھی خاموش رہی۔ آج سے چالیس برس پہلے جب لاہور میں ساحر مجھ سے ملنے آتا تھا۔ آکر چپ چاپ سگریٹ پیتا رہتا۔ راکھ دانی جب سگریٹ کے ٹکڑوں سے بھر جاتی تھی تو وہ چلا جاتا اور اس کے جانے کے بعد میں اکیلی سگریٹ کے ان ٹکڑوں کو جلا کر پیتی تھی۔

میرے اور اس کے سگریٹ کا دھواں صرف ہوا میں ملتا تھا۔ سانسیں بھی ہوا میں ملتی رہیں اور نظموں کے لفظ بھی ہوا میں۔

سوچ رہی ہوں ہوا کوئی بھی فاصلہ طے کر سکتی ہے وہ پہلے بھی شہروں کا فاصلہ طے کرتی تھی اب اس دنیا اور اس دنیا کا فاصلہ بھی ضرور طے کرے گی۔

امریتا کا ساحر کے نام آخری خط،

"میرے محبوب ویسے تو جب بھی کوئی نغمہ لکھنے لگتی هوں ، مجھے محسوس هوتا هے میں تم کو خط لکھنے لگی هوں ۔۔ لوک گیتوں کی گوری کبھی کوؤں کو قاصد بناتی هے، اور کبھی کبوتروں کے پیروں میں پیغام لپیٹ دیتی هیں ۔پرانے وقت اب گزر گئے ، جب کوئی برہمن سر کے پراندے سے دگاگہ توڑتی تھی اور کسی جاتے راہ گیر کے پلو سے باندھ دیتی تھی ۔

وہ لوگ خوش قسمت ھوتے ھیں جو کسی چٹھی

رساں کے قدموں کے سراغ لیتے ھیں۔ مگر

جب ۔۔ کسی کو خط ڈالنا ممکن نہ ھو تو اس وقت

صرف ھوایئں ھی رہ جاتی ھیں جن کے پلو میں

کوئی پیغام باندھ دیں ۔۔ کوئی میگھ جیسے کالی داس

کا نامہ بر بن گیا تھا، میرا ھر نغمہ میرا ایک خط

بن گیا ھے ۔۔"

"مجھے یاد ھے جب میں نے پہلے تمہیں لکھا تھا،

ایک بیگانہ گاؤں تھا اور میں سوچنے لگی تھی کہ

گاؤں بیگانہ ھے مگر تم کیوں بیگانے نہیں"

ایک دن میرے گھر کی دہلیز کو تمہارے قدموں

نے چھوا ۔۔ میں نے تمھاری آواز سنی تو مجھے

محسوس ھوا،، جس ھوا میں تمھاری سانس ملی

ھے اس میں ایک مہک آنے لگی ھے

ایک دن تم آئے، تمھارے ھاتھ میں کاغذ تھا،

میں نے کہا پڑھ کر سناؤ گے ؟ اور تم نے اپنا

نغمہ پڑھ کر سنایا۔۔ مجھے محسوس ھوا کہ تمھاری

آواز جیسی میں نے کبھی آواز نہں سنی ۔۔

تمھارے نغمے جیسا میں نے نغمہ نہیں سنا ۔۔

"میں پھر آ ؤنگا" یہ زندگی میں تم نے پہلا قول

دیا تھا ۔۔

مجھے زندگی میں تمھارا پہلا خط ملا " میں تیس

تاریخ کو آؤنگا ۔۔ مجھے لگا جیسے میرے انتظار میں

تمہاری ایک ھی سطر نے رنگ بھر دئے"

پھر کبھی تمھارا خط نہیں آیا ۔۔

میرے محبوب میں آج تمہیں آخری خط لکھ

رھی ھوں ۔۔ اس کے بعد کبھی نہیں لکونگی ۔۔

اور جب تم میرے جنگلی گیتوں کو پڑھو گے تو یہ

نہ سوچنا کہ میں تمہیں خط لکھنا بھول گئی ھوں

۔۔ میں ان ھاتھوں سے صرف جنگلی گیت

لکھونگی اور ایک نئی صبح کا انتظار کرونگی جو سیاہ

نظام کو بدل دے ۔۔ دنیا کے اس نظام کو بدل

دے جو شکاریوں اور لیٹروں کو پیدا کرتا ھے

اور اگر میری زندگی میں وہ نئی روشن صبح آئی تو
میں تمہیں اپنے پیار کا سنہری خط لکھونگی ۔۔

...

امریتا کے ایک بچے کی شکل ہو بہو ساحر جیسی
تھی ۔۔۔جب ہوش سنبھالا تو تو اسے لوگوں
نے باتیں کی کہ وہ ساحر کا نا جائز بیٹا ہے ۔۔۔
وہ اپنی ماں امریتا سے پوچھتا ہے کہ کیا لوگ سچ
کہہ رہے ۔۔۔پتہ امریتا کیا جواب دیتی

کہتی کہ ساحر نے آج تک مجھے چھوا نہیں ہے
۔۔ رہ گی شکل ملنے کی بات تو میرے وجود میں
وہ چھایا ہے رگ و پے میں اس کی شکل ہے
۔۔۔ میرے اندر ساحر ہی ساحر ہے ۔ تم میرے
وجود کا حصہ ہو اس لیے ساحر تم میں جھلک لیے
۔۔۔آخر میں یہی کہوں گا کہ ساحر لدھیانوی
اور امریتا پریتم۔ یہ کیسا عجیب سا تعلق تھا۔
دوستی تھی یا محبت یا پھر عشق شاید اس سے بھی
زیادہ قیمتی رشتہ کہ اس رشتے کی کوئی ڈیفی نیشن
کم از کم میرے پاس نہیں۔ بہت اچھا لگتا ھے
جب ساحر اور امریتا سے متعلق کچھ پڑھتا ھوں
کہیں۔ بہت خوبصورت تعلق تھا۔ ...امریتا اور
ساحر تو چل بمگر اان کگے کے عشق کی یہ دستان
ایک لازوال ہے اور عشق کرنے والوں کے لیے
ایک تقدس بھری اور اور عشق کے اسرار و
رموز سے پردے اٹھاتی داستان ہے ۔۔ جس کا
لفظ لفظ محبت کرنے والوں کو حیرت زدہ کر دیتا
ہے ۔۔ ہیر رانجھا ۔۔۔ لیلی مجنوں کی موت
نےان کے عشق کو امر کیا مگر امریتا اور ساحر
کی زندگی نے انکی داستان عشق کو تاریخ میں
نقش کیا ۔۔۔

از قلم ۔۔۔۔ اویس قرنی شاہین

نہیں مما میں نے چوری نہیں کی میں نے چوری نہیں کی۔ پلیز مت ماریں مجھے۔۔۔ تیرہ سالہ حنا رو رو کر فریاد کر رہی تھی۔ اگر تم نے چوری نہیں کی تو پھر کس نے کی ہے۔ تم ہی تھی روم میں حنا کی سوتیلی ماں اسکو مار مار کر چوری کا اعتراف کرا رہی تھی۔ دور ہو جاؤ میری نظروں سے....

ارے ارے یہ آپ کیا کر رہی ہیں کیوں معصوم بچی کو مار رہی ہیں.. بات کیا ہے پلیز بتائیں۔

بات کیا ہے ذرا اس سے ہی پوچھو بڑی معصوم بنی پھرتی ہے میرے پوچھنے پر حنا کی امی نے بڑے غصے سے مجھے کہا اور اپنی بچی کو گود میں اٹھا کر روم میں لے گئی۔

اللہ تعالیٰ مجھے کیوں پیدا کیا تھا اگر میری ماما کو اپنے پاس بلانا تھا تو وہ رو رو کر اللہ تعالیٰ سے کہہ رہی تھی۔

یا اللہ تو رحم کر اس معصوم بچی پر۔ میرا حنا سے کوئی خونی رشتہ تو نہیں تھا پر اس کی امی میری سہیلی تھی اس وجہ سے حنا کو کوئی کچھ کہتا تو مجھے بھی دکھ ہوتا۔ کیا بات ہے حنا میں نے بڑی ہمدردی سے پوچھا کیوں غصہ ہو رہی ہے تمہاری مما تم پر۔ آنٹی میں نے چوری نہیں کی مما کی بالیں پتا نہیں کہاں چلی گئی ہیں اور مما مجھ پر شک کر رہی ہیں۔ آج میری ممی ماں زندہ ہوتی تو دیکھتی کہ کیسے مجھ پر الزام لگاتی۔ ابو شہر سے دور رہتے ہیں جو مما بتاتی ہیں اس پر یقین کم ہی کرتے ہیں حنا ایک لائق ا سٹوڈنٹ تھی ہر سال اچھے نمبروں سے پاس ہوتی تھی سکول کی ٹیچرز حنا پر فخر کرتی تھیں۔ محلے کے بچے حنا سے دوستی کے لیے ترستے تھے وہ تھی ہی دوستی کے لائق۔

ایک تو گھر کا راشن بہت جلد ختم ہو جاتا ہے ابھی کچھ
دن پہلے یہی تو چینی کی بوری منگوائی تھی جو اب ختم بھی
ہو گئی میں اپنے گھر کے معاملے میں بول رہی تھی چادر
لاؤ بیٹی میری۔ اماں شور کیسا تھا یہ کچھ نہیں بیٹی حنا کی
ماں اسے سے برا سلوک کر رہی تھی چوری کا الزام لگا
رہی تھی۔ تو اماں چادر اور جلدی بازاز سے آ جانا۔ اچھا
نہیں دروازہ بند کر لو۔ ایک تو سبزی کی قمیتس بھی
آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ بھائی یہ گوبی کس بھاؤ
ہے سبزی والا ابھی قمیت بتا ہی رہا تھا کہ ایک دم
پھڑوں کی بارش ہونے لگی ارے یہ تربیت دی ہے
میری ماں نے مجھے ارے یہ کیا سکھایا ہے تجھے ماں کو کہو
کہ پیسے گھر سے دے کر بھیجا کرے تجھے۔ ارے بہن
کیوں مار رہی ہو اس معصوم بچی کو ارے یہ معصوم ہے
میرا پرس چوری کیا ہے اس نے اب مان نہیں رہی اور
بچی رو رو کر منتیں کر رہی تھی آنٹی میں نے پرس نہیں
چورایا آپکا مگر وہ عورت یقین ہی نہیں کر رہی تھی۔
پلیز بہن مت مارو ہو سکتا ہے۔ تمہارا پرس کہیں اور گر
گیا ہو میں نے بڑی مشکل سے اس بچی کو چھوڑ دیا اور

اپنے سینے سے لگاتے ہوئے اس بچی کی شکل پر نظر ڈالی
میری تو جیسے جان نکل گئی ہو پنکی تم۔۔ یا اللہ ماں باپ
کے کیے کی سزا اولاد کو ہی کیوں ملتی ہے میرا دل کہتا
ہے کہ یہ بچی چوری نہیں کر سکتی کیوں مجھے پتا ہے محلے
کے بچوں کا۔ بچی کو اٹھایا اور اسکی ماں کے حوالے کر
تے ہوئے میں اسکی ماں کو ساری کہانی سنائی نہیں میری
بچی چوری نہیں کر سکتی بکواس کرتی تھی وہ عورت
میری بچی گیارہ سال کی ہے وہ ایسی حرکت نہیں کر
سکتی اسکی بیٹی ایسی حرکت کر سکتی ہے یا نہیں لیکن جب
اس عورت نے معصوم سی حنا پر الزام لگایا تھا تب اسے
ایک لمحے کے لیے بھی ہر خیال نہیں آیا کہ حنا بھی ایسی
حرکت نہیں کر سکتی تھی جس بچی پر پتھروں کی بارش
ہو رہی تھی اصل وہ اس عورت کی بیٹی تھی جس نے
معصوم حنا کو چوری کے جھوٹے الزام میں بے رحمی
سے مارا تھا دنا بھی یہ تماشا دیکھ رہی تھی خدا رہ ڈرو، اللہ
کے عذاب سے معصوم بچوں کو ظلم کا نشانہ بنانے سے
پہلے سوچ لو کہ کہیں تمہاری اولاد تو کہیں نشانہ نہیں
بن رہی۔ ویسے بھی اللہ پاک نے یتیموں اور مسکینیوں

کو بڑا درجہ دیا ہے قرآن پاک میں ہمیں ایک لمحے کے
لیے سوچنا چاہیے ان یتیم اور مسکین بچوں کی شہادتیں
ہماری آخرت میں نجات بھی کروا سکتی ہیں۔ میری
آخر میں اپیل ہے کہ اللہ کی مخلوقات سے محبت کریں
پلیز اگر اللہ کی رضا چاہتے ہیں تو اپکی دعاؤں کی منتظر
راشدہ عمران چک حمعرہ

غزل

بچھڑا وہ مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں
وہ میری زندگی میں آیا تو تھا
ترک تعلق کا کبھی سوچا نہ کبھی ہم نے
ہم کو بہت بار اس نے آزمایہ تو تھا
بہار کے موسم میں بچھڑنے کا سبب جو بنا
خزاں کے زرد موسم میں ہمیں اپنایا تو تھا
گھنے درخت کی چھاؤں تلے بیٹھ کر اس نے
سہانے مستقبل کا سپانہ دیکھا تو تھا
اسکی وفاؤں کا صلہ دینا ممکن نہیں ہے نور
اندمیری منتب میں دیا روشن کا جلایا تو تھا

سیدہ راشدہ عمران

اک چہرہ تھا میرے خیالوں میں
اک شخص تھا میرے گمانوں میں
وہ کل جب مجھ سے مخاطب تھا
اک سوال تھا میرے جوابوں میں
مسرف تو نہ تھا میری بتی میں
اک اک ذرہ تھا میرے خالوں میں
شب ہجر تھی ڈھل جاتی ہے تو بھی
اک غم اور ہے میرے ملالوں میں
وہ نہیں ہے مگر ہوتا ہے یہیں
اک کمال یہی ہے میرے کمالوں میں
کچھ اسطرح سے ہوتی واردات عشق
اک حسن ہو ار سوا زمانوں میں
زمانہ بھی اسکے مطابق نہ تھا
اک ہم کیوں کتنے اسکے جلالوں میں
عائزہ سخاوت

....

بسمہ اللہ الرّحمٰن الرّحیم

زندگی کی حقیقت

تحریر: عریشہ سہیل

شہر: کراچی

* زندگی کا دوسرا نام ادھوراپن ہے۔

* زندگی گزر جائے تو آسان ہے اور اگر گزارنی پڑے تو عذاب ہے۔

* جب نصیب پھوٹتا ہے تو انسان سوائے تڑپنے کے کچھ نہیں کر سکتا۔

* حقیقت تو یہ ہے کہ روزے داروں سے زیادہ بے روزے داروں کو روزہ لگتا ہے۔

* دنیا کہاں سے کہاں چلی گئی اور پاکستانی آج بھی میڈیکل اور کامرس میں الجھے ہوئے ہیں۔

* انسان دو طریقوں سے گرتا ہے۔ ٹھوکر لگنے سے اور نظروں سے۔ ٹھوکر کھا کر گرنے سے انسان کو چوٹ لگتی ہے جبکہ کسی کی نظروں سے گرنے والے کو کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن جس کی نظروں سے گرتا ہے وہ ٹوٹ جاتا ہے۔

* ہمارے معاشرے میں مرد پچاس سال کا بھی ہو جائے تو جوان تصور کیا جاتا ہے لیکن عورت کو تیس سال کی عمر میں ہی بوڑھا قرار دے دیا جاتا ہے۔

* دنیا میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری کی وجہ وہ لوگ ہیں جو ضرورت نہ ہوتے ہوئے بھی نوکری کرتے ہیں اور ضرور تمندوں کا راستہ روک لیتے ہیں۔

* عورت بہت بھولی ہوتی ہے۔ شوہر کے لاکھ ظلم سہتی ہے لیکن جب کبھی وہ کسی غرض کے تحت اسے پیار سے پکارتا ہے تو وہ سب بھول کر اس کی طرف دوڑی چلی جاتی ہے۔

* ہمارے ہاں دیواروں پہ لگے اشتہارات دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ہماری قوم اللہ سے زیادہ اپنے جیسے بندوں پہ ایمان رکھتی ہے۔

بیگم زید بیحد پریشانی کے عالم میں مسلسل اپنے بیٹوں کو فون ٹرائی کر رہی تھیں. مگر کسی سے بھی رابطہ نہیں ہو رہا تھا....

اف کیا کروں۔۔۔۔۔۔۔

وہ اسی خیال میں محو تھیں کہ اپنی ساس کی بے چین آواز پر چونکیں سامنے ہی ان کے ساس سسر بے چین کھڑے تھے۔۔۔۔۔۔

کیا ہوا زید کو...؟؟ڈاکٹر کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟

ابھی تو کچھ بھی نہیں بتایا چیک اپ کر رہے ہیں۔۔ بیگم زید نے نمدیدہ آنکھوں کے ساتھ جواب دیا۔ تھوڑی دیر پہلے زید صاحب اپنے کمرے میں اچانک بے ہوش ہو کر گر گئے انکی بیگم اپنے نوکر اور ڈرائیور کی مدد سے انہیں شہر کے سب سے بڑے ہسپتال لے آئیں

زید صاحب ایک بہت بڑے بزنس مین اور تین ہونہار بیٹوں کے باپ تھے اور اس احساس سے وہ ہمیشہ سرشار رہتے تھے۔۔۔

۔بہترین اسکول، بھترین ٹیوٹرز اور بہترین اسپورٹس لائف۔۔۔۔۔۔اپنے بچوں کی تربیت کے معاملے میں ان کا انتخاب ہمیشہ بہتر نہیں بہترین کی طرف گیا۔ بچوں کے ذہن میں انہوں نے شروع سے ہی یہ بات فیڈ کر دی تھی کہ کیریئر سب کچھ ہے اور اسے حاصل کرنے کے لئے جی جان لگا دو۔

زید صاحب نے بھی یہ مقام بہت سخت محنت کے بعد حاصل کیا تھا اس لیے اپنے بچوں کے مستقبل کے بارے میں وہ کافی فوکسڈ تھے۔ یہاں تک کے بچوں کو پڑھائی کے سلسلے میں سازگار ماحول فراہم کرنے کے لئے انہوں نے اپنی جوائنٹ فیملی کو بھی چھوڑ

دیا۔ اسوقت ماں باپ بہت آرزدہ ہوئے بہت روکا بھی مگر۔۔۔۔

"میرے بچوں کے مستقبل کا سوال ہے" یہ کہ کر انہیں چپ کروا دیا وقت اپنی جولانیوں کے ساتھ گزرتا رہا بڑا بیٹا عبید MBA کرنے کے بعد انکے ساتھ بزنس میں شامل ہو گیا، جبکہ دوسرا بیٹا نوید امریکہ میں MBBS کر رہا تھا اور تیسرا بیٹا جنید ACCA کر رہا تھا اس کے علاوہ اگر ان کی کوئی تفریح تھی تو وہ شہر کے رؤسا کا کلب تھا جہاں ان کے معیار کی تفریحات میسر تھیں.....

مگر آج جبکہ زید صاحب کو ہسپتال لائے ہوئے ڈیڑھ گھنٹہ گزر چکا تھا ان کا کوئی بھی بیٹا ہسپتال نہیں پہنچا تھا نوید تو خیر ملک سے باہر تھا مگر باقی دونوں بھی اپنے والد کی حالت سے لاعلم تھے۔۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹرز نے بتایا کہ ہائی بلڈ پریشر کی وجہ سے ان پر فالج کا حملہ ہوا ہے............

بالآخر دو گھنٹوں بعد جنید جو کہ Combine study کی وجہ سے اپنا فون سائلنٹ پہ رکھے ہوئے تھا جب اس نے والد کی طبیعت کا میسج پڑھا تو ہسپتال پہنچا انکی خیریت دریافت کی ڈاکٹرز سے تفصیلات جان رہا تھا اسی دوران عبید بھی جو ایک ضروری میٹنگ میں تھا آ گیا اور ڈاکٹر سے سب رپورٹس لے کر نوید کو بھیجیں تاکہ وہ وہاں کے ڈاکٹروں سے رائے لے سکے.

زید صاحب کو ابھی مزید چار گھنٹے آبزرویشن میں رکھا جانا تھا اس لئے اپنے پرانے نوکر صادق کو ہدایات دے کر دونوں بیٹے اپنی والدہ اور دادا دادی کو لے کر گھر چلے گئے...... صبح جب زید صاحب کی آنکھ کھلی تو وہ ہسپتال کے کمرے میں تھے انہیں صادق کا دھندلا سا چہرہ نظر آیا جو انہیں ہوش میں آتا دیکھ ان کے قریب آ کھڑا تھا آہستہ آہستہ جب وہ شعوری کیفیت میں آئے تو انہیں ادراک ہوا کہ وہ اپنے جسم کو ٹھیک سے حرکت نہیں دے پا رہے انہوں نے گھبرا کر صادق کو پکارنا چاہا تو ان کی زبان سے الفاظ گڈمڈ ہو کر نکلے

انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا اتنے میں صادق ڈاکٹر کو کال کر چکا تھا ڈاکٹر نے انہیں تسلی دی اور کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں انشاءاللہ آپ جلد نارمل ہو جائیں گے مگر ظاہر ہے زید صاحب کے لئے اپنے وجود کا اس

حالت میں ہونا اتنا ہی تکلیف دہ تھا جتنا کسی انسان کا تختہ
دار پر ہونا ڈاکٹرز نرسز آتے اپنی ڈیوٹیز دے جاتے مگر
انہیں کچھ ہوش نہ تھا وہ تو اپنے گھر والوں کے منتظر
تھے تاکہ وہ ان سے اپنا دکھ اپنی تکلیف بانٹ سکیں ان
کی آنکھوں سے بے بسی کے آنسوؤں کا ایک کارواں
جاری تھا دس بجے تک انکے والدین ہسپتال آئے اور
اپنے بیٹے کی اس حالت کو دیکھ کر ان کا کلیجہ پھٹ گیا مگر
پھر بھی بظاہر ہمت دکھاتے ہوئے انہیں تسلی دی اور
ہمت بندھائی ساتھ ہی ڈھیروں دعائیں بھی دیتے رہے
زید صاحب کو کافی سکون ملا اور ہمت بھی بنی بیگم عبید
کے ساتھ بارہ بجے آئیں شوہر کی بے بسی دیکھ کر وہ بھی
آبدیدہ ہو گئیں عبید ڈاکٹر سے فارغ ہو کر والد کے پاس
آیا انکی خیریت دریافت کی دو بول تسلی کے بولے کچھ
دیر بیٹھا اور پھر واپس آفس چلا گیا جنید اپنے انسٹیٹیوٹ
سے واپسی پر والد کے پاس آیا اسکا دل بھی اپنے والد کی
یہ حالت دیکھ دکھی تھا مگر اسکی اسٹڈیز بہت ٹف تھیں
اسلئے وہ بھی کچھ دیر بیٹھ کر چلا گیا زید صاحب کا ایک
ہاتھ جو کام کر رہا تھا اس سے وہ جو کہنا چاہتے موبائل
میں ٹائپ کر دیتے نوید کو بھی زید صاحب نے میسج کے
ذریعے کہا امتحان تو ہو گئے ہیں کچھ دن کے لئے پاکستان
آجاؤ تو چونکہ اس نے کچھ پریکٹسز جوائن کیں تھیں جو
اسکے کیریئر کے لئے بہت اہم تھیں اس لئے وہ نہ آسکا
اپنے والدین کو زید صاحب نے زبردستی گھر بھیج دیا
رات کو انکے پاس صادق ہی ٹھہرا تھا وہ جی جان سے انکی
خدمت کر رہا تھا اسی طرح دو دن گزر گئے اور ان دو
دنوں میں انہیں شدت سے یہ محسوس ہوا کہ آج وہ
اپنی اولاد کی توجہ چاہتے ہیں مگر ان کے پاس وقت
نہیں ہے وہ اپنی اولاد کے اس رویئے سے بہت دکھی
تھے آج لفظ کیریئر انہیں گالی کا سا لگ رہا تھا.......
وہ خود ہی تو تھے جنہوں ان کے ذہن میں یہ بات فیڈ
کی تھی کہ کیریئر ہی سب کچھ ہے یہاں تک کہ اپنے
ماں باپ کو چھوڑ کر یہ بات بھی انکی تربیت میں ڈال دی
تھی کہ کیریئر اور کامیابی والدین سے بھی اہم ہے آج
وہ اسوقت کو کوس رہے تھے
کیونکہ انہوں نے اپنے بچوں بہترین زندگی، روشن
مستقبل اور پر آسائش زندگی تو مہیا کی مگر رشتوں کی
اہمیت انکی قدر نہیں سکھائی اگلے دن وہ ڈسچارج ہو کر
گھر لے آئے گئے انکے لئے فل ٹائم میل نرس کو رکھا
گیا ہاسپٹل بیڈ بھی لیا جا چکا تھا بہترین فزیو تھراپسٹ کا
بھی انتظام کیا گیا مگر بستر پر پڑے دن رات کاٹنا بہت

مشکل اور تکلیف دہ ہوتا ہے اور خاص طور پر تب جب

اپنوں کا ساتھ اپنے پاس نہ ہو

بظاہر انکی سہولت کی ہر چیز موجود تھی مگر وہ مطمئن نہیں تھے ان کے بیٹے دن میں ایک بار آکر حاضری لگا جاتے تھے مگر کبھی محبت سے ان کا دل نہیں بہلایا نہ ہی کبھی اپنے ہاتھوں سے کچھ کھلایا... آج اس حالت میں وہ ان سے باتیں کرنا چاہتے تھے ان کی توجہ چاہتے تھے مگر ان کے پاس وقت نہیں تھا زید صاحب کا دل دھڑکتا نہیں بلکہ سسکتا تھا وہ اس وقت کو کوستے تھے جب انہوں نے کبھی اپنے بچوں کو ماں باپ کے حقوق نہیں سکھائے آج وہ اپنا بویا خود کاٹ رہے تھے کہ کاش انہوں نے اپنے بچوں کو پیسہ کمانے کی اہمیت سمجھانے کے بجائے والدین کی خدمت کا سبق دیا ہوتا یہ جدید زندگی کا فلسفہ ان کی زندگی کو بری طرح سے روند گیا ٹھیک ویسے ہی جیسے انہوں نے اپنے والدین کے جذبات کو روندا تھا آج انہیں اپنی اقدار کی اہمیت صحیح معنوں میں سمجھ آئی مگر افسوس اب بہت دیر ہو چکی تھی......

از قلم......

مائدہ آصف... کراچی

عنوان: ادھوری جنت

سعدیہ نے کچن کے کاموں سے فارغ ہو کر باہر آ کے ٹی وی آن کیا جیسے ھی ٹی وی کی آواز ای اماں جان کمرے سے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آکر بیٹھ گئیں سعدیہ ان کے پاس جا کے بیٹھ گئی۔ اس کی شادی کو ابھی کچھ ھی عرصہ ھوا تھا اماں جان

اس کے شوھر عاطف کی دادی تھیں سعدیہ کو یہ نرم مزاج پر خلوص سی اماں جان بہت اچھی لگتی تھیں اماں جان کیا حال ہے اپ کا؟؟ اس نے محبت سے پوچھا

ٹھیک ہوں بیٹی۔۔۔ زرا ریموٹ پکڑا دو

سعدیہ نے ریموٹ ان کو پکڑا دیا اور خود انکے پاس ھی بیٹھ گئی اماں جان مختلف چینلز بدلنے لگیں سعدیہ خاموشی سے اماں جان کو دیکھنے لگی ان کی نظرین سکرین پہ جمی تھیں سعدیۂ کا دل دکھی ہو گیا

آج اماں جان پھر سارا دن ٹی وی کے آگے بیٹھی رہیں گی،

رات کو صفدر صاحب سعدیہ کے سسر جیسے ھی اماں
جان کے کمرے میں گ ءے گھبر ا کے بیٹے کو آواز
دی اماں جان کی طبیعت بہت خر اب تھی
اماں جان اللہ کا واسطہ ہے اپنا خیال رکھا کریں، آپ
آج بھی سارا دن روتی رھی ہیں بی پی لو ہو رہا ہے کتنی ند
ھال ہو رہی ہیں۔۔ صفدر صاحب تین بھاءی تھے ان
سے چھوٹے سکندر اور سب سے چھوٹا عباس جو پانچ
سال کی عمر میں اس دنیا کے میلے میں کہیں کھو گیا تھا ا
س بات کو چالیس برس گزر چکے تھے اماں کو وہ قیامت
خیز دن آج بھی اسی طرح یاد تھا جب بازار جاتے ھو
ہے ننھے عباس کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے رش میں چھو
ٹ گیا دیوانوں کی طرح تلاش کرنے کے باوجود عباس
کا کچھ پتا نہ چلا اماں جان اپنے ہوش کھو بیٹھں ان کا
بھت علاج کرایا گیا مگر ان کی پیاسی ممتا کو آج تک چین
نصیب نہ ھوا وہ آج بھی عباس کی یاد میں تڑپتی ہیں
چالس سال گزرنے کے باوجود آج بھی بازار میں اسی
جگہ جا کے بیٹھنے کی ضد کرتی ہیں گھنٹوں ٹی وی کے آ
گے بیٹھی رھتی ہیں کے شاید کوئ رفاعی ادارہ کوئ
چینل ان کے بچھڑے بیٹے کی صورت ان کو دیکھا
دے اس کی یاد میں روتے ہوے آج بھی بیمار ہو گیں
تھیں ہر وقت اسی کے لیے دعا کرتی رہتیں ہیں۔۔
اماں جان ہم دو بھائ اور ہم دونوں بھائیوں کے پانچ
بیٹے کیا آپ کے لیے کچھ بھی نہیں؟؟
صفدر صاحب دکھ سے بولے ہمیں دیکھ کے خوش رہا
کریں ہماری خاطر،،
اماں نے ایک نظر ان کو دیکھا اور بولیں "تم لوگوں
کے سہارے ھی تو اب تک زندہ ہوں ورنہ چالیس
سال پہلے ھی مر چکی ہوتی تم سب کی اپنی جگہ ہے مگر
اس کا دکھ بھت بڑا ہے اس کا دکھ تم میں سے کوئ بھی
نھی مٹا سکتا میرے دل کے ایک حصے میں ہر وقت
قیامت بپا رہتی ہے یہ تو دنیا ہے اس کے بغیر تو مجھے
جنت میں بھی چین نہی آءے گا اس کے بغیر تو میری
جنت بھی ادھوری رہے گی۔۔
اماں رو رہی تھیں اور سب گھر والوں کی آنکھیں بھیگ
رہی تھیں

از قلم بنت رحمان

عنوان:خوشبو

امجد کے قدموں کو زمین نے جکڑا...

اسے رکنا پڑا..کیونکہ سامنے ہی شہر کے مہنگے ترین اسکول کی وین کھڑی تھی.

اور تایا کے گھر کا دروازہ ہمیشہ کی طرح نیم وا تھا.. تبھی اندر سے ماہین نکلی. اور وین میں سوار ہوئی،ماڈرن تائی ہمیشہ کی طرح تب تک اسے ہاتھ ہلاتی رہیں جب تک وین نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی. وین چلی گئی.. تائی بھی اندر غائب ہو چکی تھیں.... امجد بہت دیر تک وہیں جما

پر سوچ نگاہوں سے تایا کے گیٹ کو تکتا رہا... پھر سر جھٹکتا چل پڑا..

ماہین جس ادارے میں پڑھتی تھی وہاں کے اخراجات امجد کے گھر کی آمدن سے بھی زیادہ تھے..ماہین بہت خوبصورت، نرم ونازک ہونے کے ساتھ ساتھ اکلوتی بھی تھی.. تایا کا کاروبار خوب چمکتا ہوا تھا.. اس لیے بھی ماہین کی گردن میں ہمہ وقت سریافٹ رہتا.. اور وہ اپنے ددھیال والوں کو منہ نہیں لگاتی تھی.. وہ کوایجوکیشن میں پڑھتی تھی. چونکہ ماہین امجد سے منسوب تھی.. اس لیے امجد کو اسکی بلاضرورت کی آزادی بہت چبھتی تھی.. کیونکہ ماہین بہت آزاد خیال بھی تھی... امجد نے بارہا اپنی بھولی ماں سے کہا بھی کہ وہ تایا سے بات کرے.. کہ ماہین کا لڑکوں کے ساتھ پڑھنا ٹھیک نہیں. مگر ماں ہمیشہ ٹال جاتی. امجد جانتا تھا کہ اسکی ان پڑھ ماں پڑھی لکھی ماڈرن تائی سے دبتی ہے اس لیے امجد نے آج کام سے واپسی پر خود تائی سے بات کرنے کی ٹھانی.. اسے کام پہ خاصی دیر ہو گئی.. شام کا ملگجہ اندھیرا پھیلنا ہی چاہتا تھا...جب امجد نے اپنی گلی میں قدم رکھا..

یہ کیا؟؟؟؟

امجد کو زمین ہلتی ہوئی محسوس ہوئی..ماہین اک خوبصورت سے لڑکے کے ساتھ بائیک پہ بیٹھی تھی.

اور جس انداز میں بیٹھی تھی.. امجد کی آنکھیں شرم سے جھک گئیں.. بائیک اڑتی ہوئی امجد کے پاس سے گزری اور ڈھیروں گرد اس کے اوپر ڈال گئی. اسکا فشار خون بلند ہوتا گیا.. وہ سیدھا تایا کے گھر گیا.. پھر تائی اور امجد کے درمیان گھمسان کا رن پڑا،

اتنے میں تایا بھی آ گئے.. تائی نے بیٹی کی پردہ پوشی کی خاطر امجد کو کوسنا شروع کر دیا.. رونے لگیں..

"دیکھ لیا آج اپنی آنکھوں سے.. یہ کس طرح ہماری معصوم بیٹی پر الزام لگا رہا ہے.. وہ بے چاری اکیڈمی پڑھنے گئی ہوئی ہے، میں کہتی تھی کہ یہ سب میری بیٹی سے جلتے ہیں.. ارے انکے پورے خاندان میں کسی نے میٹرک سائنس کے ساتھ نہیں کیا.. اور میری بیٹی ایف. ایس. سی کر رہی ہے.. یہ میری بیٹی کے قابل ہی نہیں.."

امجد ہکا بکا بگڑتی صورتحال دیکھتا رہا.. رشتہ وہی پہ ختم ہو گیا. دونوں گھروں میں فاصلے بڑھ گئے.. وقت گزرتا رہا... ماہین نے ایک بار پھر شہر بھر میں اول پوزیشن لی.. امجد کی شادی پھوپھی کی بیٹی سے ہو گئ.. ماہین اب نڈر ہو چکی تھی.. اس روز جو لڑکا ماہین کے ساتھ تھا. وہ اسکا کلاس فیلو تھا.. بہت امیر خاندان سے تھا.. اسکے بعد بھی بارہا امجد نے ان دونوں کو اکٹھے دیکھا.. پارکوں میں، ہوٹلوں میں.. اس نے ہمت کر کے ایک بار پھر سے تائی سے بات کرنے کی ٹھانی.. کیونکہ آخر ماہین اسکے خاندان کی عزت تھی. تائی بولیں

.."مجھے اپنی بیٹی پہ بھروسہ ہے.. وہ تم لوگوں کی طرح کنویں کی مینڈک نہیں ہے.. وہ اپنا اچھا برا تم سے بہتر جانتی ہے.. تم بہتان لگاتے ہو میری بیٹی پر.."

تائی نے ایک بار پھر سے جھٹلا دیا

اسے دن اور رات کا ہیر پھیر چلتا رہا.. وہ لڑکا اب ماہین کے گھر بھی آنے لگا.. تائی اسکی خوب آءو بھگت کرتیں.. محلے میں چہ مہ گوئیاں ہونے لگیں. تایا اور امجد کی چھتیں ملی ہوئی تھیں. ایک دن امجد اپنے گھر کی چھت پہ کھڑا تھا. کہ تائی اور ماہین کے لڑنے کی آوازیں آنے لگیں.. امجد نے غور کیا.. ماہین کا رزلٹ خراب آیا تھا اس لیے تائی سیخ پا ہو رہی تھیں.. ماہین ماں کو دو بدو جواب دے رہی تھی..

"میں منع کرتی رہی تمہیں کہ پڑھائی پہ دھیان دو.. مگر تمہیں تو عشق کا خمار چڑھا تھا..."

تائی کا یہ کہنا قیامت ڈھا گیا. ماہین چلانے لگی.. آوازیں گھر کی حدود پھلانگ کر چھتوں اور گلیوں کی زینت بنیں - کہ ماہین اس امیر لڑکے سے فوراً شادی کرنا چاہتی ہے. مگر تائی چاہتی تھیں کہ پہلے وہ تعلیم مکمل کرے.. مگر وہ بے خبر تھیں.. پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا.. اور

جوانی سرکش ہو چکی تھی.. یہ باتیں زبان زد عام ہو گئیں..

"توبہ.. توبہ.. لڑکی سے جوانی سنبھالی نہیں جا رہی.."

"باپ بھی غیرت بیچ چکا ہے"

"ماں کی ڈھیل ہے".

جب یہ باتیں تایا کے پاس بازار جا پہنچیں تو انہوں نے ماہین کو دھنک کے رکھ دیا.. ماہین کا کالج چھڑوا دیا گیا..

ماہین گھر میں قید ہو کے رہ گئی.. وہ تو آزاد فضاؤں کی عادی تھی.. قید برداشت نہ کر سکی.. اور ایک دن

چڑھتے سورج نے خبر دی کی

"رات کو ماہین گھر سے فرار ہو گئی ہے"

اور کہانی یہاں پہ ختم ہو جاتی اگر وہ لڑکا اسکے ساتھ مخلص ہوتا. اس نے ماہین کو اپنانے کی بجائے استعمال کر کے.. ناکارہ ٹشو کی طرح کر دیا.. اور جس روز نیم مردہ ماہین باپ کی دہلیز پہ واپس آئی.. اسی روز تایا کی حرکت قلب بند ہو گئی.. تائی ڈھے گئی.. سارا غرور خاک میں مل گیا.. تائی نے امجد کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے.. اور تین بچوں کے باپ نے عزت کا معاملہ جان کر ماہین سے عقد ثانی کر لیا... مگر وہ ماہین سے نفرت کرتا ہے.. اسے گھن آتی ہے اسکے وجود سے..

ماں کے مرنے کے بعد ماہین اپنے والدین کے گھر میں بدل گئی ہے.. اور امجد کے بدلنے کا اکیلی رہتی ہے.. وہ انتظار کر رہی ہے..

"اپنے کردار کو موسموں سے بچا کے رکھنا....

از قلم نیلم کہ لوٹ کر آتی نہیں پھول میں خوشبو

شیزادی، کوٹ مومن

عنوان: اپنا آنگن

امی،

نمرہ،

کہاں ہیں آپ لوگ؟؟؟

ثوبان نے گھر میں داخل ہوتے ھی امی اور بہن کو آواز

دی

جی بھائی؟؟

نمرہ کچن سے ہاتھ پونچھتی ہوئی باہر آی

یہ دیکھو، ثوبان نے چابی لہرای

گھر کی چابی۔۔۔!! نمرہ خوشی سے چلای

اسی گھر کی چابی جو ہم نے دیکھا تھا؟؟

ہاں۔۔۔ ثوبان بولا

امی دیکھیں بھائی چابی لے بی آے۔۔

ٹھیک ہے۔۔ امی آہستہ سا بولیں

نمرہ، ثوبان کے ابو دو سال پہلے وفات پاگ ۓ تھے

تب ثوبان اپنی تعلیم مکمل کر کے جاب کی تلاش

میں تھا اس وقت ابو کے ایک دوست نے اپنے ساتھ

بزنس کا مشورہ دیا امی سے مشورے کے بعد ثوبان نے

حامی بھر لی آج اللہ کے فضل سے بزنس چل نکلا تھا

ثوبان نے گاڑی بھی لے لی تھی اب ثوبان اور نمرہ کسی

ماڈرن سوسائٹی میں رہنے کا سوچنے لگے دونوں بہن

بھائی گھر بھی دیکھ آے تھے جب کہ امی اپنا گھر اپنا

محلہ چھوڑ کے نہیں جانا چاہتی تھیں مگر بچوں کی خوشی

کے لیے خاموش ہو گیں نمرہ بہت خوش تھی آج

ن ۓ گھر میں ان کا پہلا دن تھا نمرہ کی خالہ اور

ان کی بیٹی مہوش بھی ان کے ساتھ تھیں نمرہ

خوشی خوشی سامان سیٹ کر رہی تھی مہوش بجھے

دل سے ساتھ کام کروا رہی تھی،،

نمرہ دل میں سوچ رہی تھی، اچھا ھوا ہم وہاں سے آ

گ ۓ ورنہ اسی پھیکے رنگ والی مہوش سے بھائی

کی شادی کرنی پڑتی اب یہاں سے کوئی اچھی سی لڑکی

دیکھوں گی بھائی کے لیے۔۔!!

امی کتنے دن ہو گ ۓ یہاں آے ہوے محلے سے

کوی بی نہیں آیا، نمرہ کچھ مایوسی سے بولی ہاں بیٹا یہاں

شاید ایسا ھی ہوتا ہو گا

امی میں چلی جاؤں آج شام کو؟؟

سامنے والے گھر وہاں دو لڑکیاں بھی ہیں

چلی جاؤ، امی تھوڑا سوچ کر بولیں! مگر اکیلی نہ جانا
مہوش کو بلا لو..
امی کچھ نہیں ہوتا میں نے دیکھ لیا ادھر صرف دو
لڑکیاں ہیں ان کے امی ابو اور ایک ملازم ہے بس،
شام کو اچھی طرح تیار ہو کر نمرہ سامنے والے گھر چلی
گئی بیل بجانے پر ملازم نے گیٹ کھولا اور ڈرائنگ روم
میں بیٹھا کے چلا گیا کافی دیر انتظار کے بعد آنٹی آئیں
دونوں لڑکیاں تو تھیں ھی نہیں، نمرہ کے تعارف کرا
نے پے بولیں، ہاں آپ لوگوں کا پتا چلا تھا سامان دیکھا
تھا آپ لوگ شاید کسی چوٹے شہر سے آے ہیں،، جی
ہم یہاں سے ھی آے ہیں،
اوہ۔۔!
اچھا سامان سے لگا کہ کسی گاؤں سے آے ہیں کچھ دیر
خاموشی سے گزر گئی کیسے آنا ھوا؟؟ انٹی نے پوچھا
ویسے ھی ملنے آی تھی، نمرہ بولی
میں نے کہیں جانا تھا،، انہوں نے ٹائم دیکھا
اوہ،، نمرہ اٹھ کھڑی ہوئی نمرہ منہ لٹکا کے واپس آگئی
اسی طرح چند دن گزر گ ئے نمرہ نے اب ساتھ
والے گھر جانے کا سوچا جہاں سے بچوں کے
کھیلنے کی آوازیں آتی تھیں آج بھی نمرہ خوشی
خوشی تیار ہو کے چل پڑی ساتھ والوں کی بیل
بجا کے کھڑی ہو گئی کچھ دیر بعد ایک چھوٹی بچی
نے گیٹ کھولا!
نمرہ کو اندر آنے کو کہا تو وہ مسکرا کے اندر آگئی! جیسے
ھی اندر داخل ہوئی ایک بلند چیخ کی آواز آی نمرہ گھبرا
رک گئی! آجائیں باجی،، یہ ہمارے صاحب کا بیٹا ہے
بیچارہ ذہنی معذور ہے!
اوہ افسوس ھوا، نمرہ نے دکھ سے دس بارہ سالہ بچے کو
دیکھا سامنے سے ایک خوبصورت جوان سی خاتون آ
رہی تھیں
اپ ساتھ والے گھر سے آی ہیں؟؟
جی،، نمرہ بولی! میں نے اپ سے کہنا تھا کہ پلیز اپنی
گاڑی تو ٹھیک کرائیں میرا بیٹا اس کی آواز سے ڈر جاتا
ہے لان میں کھیل رہا ہو تو، شائد آپ کی گاڑی پرانی
ہے
جی ضرور میں آج ھی بھائی کو کہتی ہوں نمرہ نے سنجید
گی سے جواب دیا
آجائیں اندر آئیں،، ان خاتون نے کہا لیکن اب نمرہ بد
دل ہو چکی تھی

نرمی سے انکار کر کے واپسی کے لیے مڑ گئی نمرہ جب سے واپس آئی تھی بہت اداس تھی امی نے دو تین بار پوچھا مگر وہ کوئی جواب نہ دے سکی شام کو بھائی کے آتے ھی بھائی سے بولی بھائی مجھے اپنے پرانے گھر جانا ہے لے جائیں نا پلیز۔۔

آج کیا ھوا کیوں یاد آگئی پرانے گھر کی ؟؟ نمرہ سر جھکا کے امی کی طرف مڑی

امی میرا دل نہیں لگ رہا یہاں، میرا دل کر رہا ہے ہم واپس چلے جائیں

نمرہ بھر آئی آواز میں بولی ارے، میرا بچہ، اتنی اداس ہو گئی ؟؟ امی نے پیار سے پوچھا

جی امی میں بھت اداس ہوں مجھے یہاں اچھا نہیں لگ رہا بلکل بھی، میرا دل کر رہا ہے ہم واپس چلے جائیں

۔۔۔ نمرہ امی کے کندھے سے لگی کہہ رہی تھی امی نے نمرہ کا کندھا تھپکا

بچے میں تو پھلے ھی کہہ رہی تھی اپنا گھر اپنا آنگن ھی اچھا ہوتا ہے خیر کوئی بات نہیں تم لوگوں کو سمجھ آگئی

ثوبان بھی امی کے ساتھ آلگا امی میرا بھی یہی خیال ہے کہ واپس چلیں یہاں تو کرایہ دینے کے بعد باقی سارے پیسے پیٹرول پہ خرچ ہو جاتے ہیں کچھ بھی بچت نہیں ہوتی میں تو پریشان ہو گیا بچت نہیں ہو گی تو گھر کیسے بنے گا نمرہ کی شادی کیسے ہو گی

ہاں بیٹا واپس اپنے گھر چلے جانا ھی بہتر ہے

امی نے ثوبان کے سے کہا پھر اس کے سر پے ہاتھ پھیرتے ھوے بولیں اور تمہاری شادی بھی تو کرنی ہے نا مہوش بھی تو انتظار کر رہی ہے،

جی امی،، نمرہ خوشی سے چلائی ثوبان نے بھی مسکرا کے سر جھکا لیا امی نے سکون سے آنکھیں بند کر لیں

از قلم... ثمینہ ناز (چکوال)

عنوان: احساس ندامت

شام کے سائے ڈھل رہے تھے - کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی

جملیہ: اِس وقت کون آگیا..

اور تیزی سے دروازہ کھلتی ہے تو سامنے باجی کھانے کو کچھ دے دو.. صبح سے کام نہیں ملا میرے بچے بھوکے ہوں گے

"جملیہ: معاف کرو، یہ کوئی وقت ہے،

باجی بھوک کا کوئی وقت نہیں ہوتا صبح سے کچھ نہیں کھایا۔

"اللہ آپ کی ہر دعا قبول کرے گا میں فقیر دعا کے سوا کچھ نہیں دے سکتا"

جملیہ غصے سے: دفعہ ہو جاؤ.. کچھ نہیں ملے گا!

جملیہ کی کام والی یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اگر اِس کو کچھ دے دیتی تو کونسی اِن کے کھانے میں کمی ہو جانی تھی اِتنے طرح کے کھانے پڑے ہوئے تھے....

فقیر بچارا سر پکڑ کر اُدھر ہی بیٹھ گیا۔ کیسے لوگ ہیں وہ سوچتا ہے؟؟

مریم اپنا روز کا تھیلا اٹھاتی ہے جس میں مالکن اُس کو بچا ہوا کھانا وغیرہ دیتی ہے بچوں کے لیے...

باہر نکلتے ہی اُس کی نظر مانگنے والے پر پڑھتی ہے، تو وہ اُس کے پاس چلی جاتی ہے۔ اور تھیلے میں سے کھانا نکال کر اُس کو دے دیتی ہے.. یہ سوچے بغیر کہ اُس کے اپنے بچے آج بھوکے سوئیں گے!

اِسی سوچ میں وہ گھر داخل ہوتی ہے۔ تو اُس کی چھوٹی بیٹی ارم اکر ماں سے لپٹ جاتی ہے...

امی جی بہت بھوک لگی ہوئی ہے، اُس کی بڑی بیٹی طاہرہ اکر کہتی ہے امی جی ہاتھ منہ دھولیں کھانا کھاتے ہیں۔ مریم بہت پریشان ہو گی کہ اپنے دونوں بچوں سے کیا کہے گی!...

مریم کمرے میں داخل ہوتی ہے تو اندر کا منظر دیکھ کر حیران ہو جاتی دستر خوان بہت طرح کے کھانوں سے سجا ہوا تھا وہ حیران ہو کر طاہرہ سے پوچھتی یہ کھانا کہاں سے آیا آیا ہے؟؟

تو طاہرہ کہتی ہے کہ یہ کھانا امی جی سامنے والوں کے گھر سے آیا ہے اُن کے بیٹے کی شادی تھی آپ کو تو کچھ بھی یاد نہیں رہتا

جی بیٹا باجی نے بتایا تھا۔ مریم دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی کہ جو مالکن نے کھانا دیا تھا یہ تو اُس بہت زیادہ اور مزے کا ہے...

"وہ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہی تھی کہ میں نے اُس غریب کی مدد کی تو کیا میرے بچے بھوکے رہا

سکتے تھے وہ سب کا مالک ہے ناسب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور خدا کا شکر ادا کیا۔۔۔!

مریم رات میں یہی سوچتے ہوئے سوئی کہ لوگوں نے اتنے بڑے گھر تو بنا رکھے ہیں مگر اُن کے دل بہت چھوٹے ہیں۔۔۔۔۔

اِن ہی دونوں مالکن کی بیٹی کی شادی کی خوب تیاریاں ہو رہی تھی۔جملیہ بہت خوش تھی اور چاہتی تھی کہ اپنی بیٹی کو ہر چیز دے۔جملیہ کی بیٹی بہت اچھی اور سمجھدار تھی اور وہ جملیہ کی طرح دوسروں کو کمتر نہیں سمجھتی تھی وہ رحم دل اور پیار کرنے والی تھی۔۔۔نازیہ بہت چھوٹی تھی جب سے مریم اَن کے گھر کام کرنے کے لیے آ رہی تھی۔۔۔مریم اَسے اپنی بیٹی کی طرح پیار کرتی جو کہ جملیہ کو بلکل پسند نہیں تھا، لیکن کام کے لیے مریم سے بہتر اُسے کوئی نہیں مل سکتا تھا اس لیے وہ مریم کو برداشت کر رہی تھی نہیں تو کب کی نکال چکی ہوتی اُسے۔۔۔

مریم آج کل اِس پریشانی میں تھی کہ نازیہ کو اُس کی شادی میں کوئی اچھا سا تحفہ دے لیکن اُس کی اتنی حثیت نہ تھی۔۔۔!

مریم نے محلے کی ایک باجی سے قرصہ لینا کا فصیلہ کیا۔۔ تا کہ نازیہ کے لیے اچھا سا تحفہ لے لیا جائے۔۔میں غریب ضرور ہوں لیکن میرا دل بھی کرتا ہے وہ میری بیٹی جسی ہے اور اگلے ہی دن وہ محلے کے اُس گھر میں جاتی ہے۔۔۔نازیہ باجی بہت اچھی ہیں وہ میری مدد کرے گی اور مجھے کچھ پیسے ادھار دے دیں گی۔۔۔!!

"ماہین باجی میں تنخواہ ملتے ہی آپ کو واپس کر دوں گی۔۔۔میری مالکن کی بیٹی کی شادی ہے اور وہ میری بیٹی جسی ہے

ماہین مریم کی محبت دیکھ کر منا نہیں کر سکی۔۔۔اور اُسے کچھ پیسے دے دیتی ہے۔

جملیہ اِن دونوں بیٹی کی شادی کی شاپنگ میں مصروف تھی۔۔۔نازیہ اپنی امی سے کہتی کہ مریم آنٹی بہت اچھی ہیں میری شادی کے لیے اُن کے لیے بھی ایک اچھا سا سوٹ لے کر آیئے گا جو وہ میری شادی والے دن پہنے گیں۔۔۔

جملیہ بیٹی کی بات کبھی نہیں ٹالتی اور منہ بنا کر اندر چلی گی دوسرے دن شاپنگ کرتے ہوئے اُسے بیٹی کی بات

یاد آتی ہے تو وہ مریم کے لیے سوٹ لینے ایک دوکان میں گی.. بھیا ایک سوٹ دیکھا دیں وہ جملیہ کو دیکھ کر اچھے سے سوٹ نکال کر اُس کے سامنے رکھنے لگا

تو جملیہ بولی بھیا کوئی اچھا سستے ولاک کپڑا دکھاؤ میری بیٹی کی شادی ہے میں نے اپنی نوکرانی کو تحفے میں دینا ہے.. تو دکان دار اور کپڑے دکھاتا ہے جملیہ اس میں سے مریم کے لیے لے لیتی ہے....

اگلے دن جملیہ مریم کو سوٹ دیتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ میری بیٹی نے تمہارے لیے لیا ہے-اس کی شادی والے دن تم نے یہ پہننا ہے.. ویسے تو تم غریب لوگوں کی قسمیت میں نہیں.

مریم خاموشی سے پکڑ لیتی ہے اور شام میں گھر جانے سے پہلے اُسی دکان پر جاتی ہے یہاں سے مالکن نے اُس کے لیے سوٹ خرید اتھا... اور دکان دار سے کہتی ہے بھیا کوئی اچھا سا سوٹ دیکھا دیں-وہ مریم کی حالت دیکھ کر اُس کو سوٹ نکال کر دیتا ہے تو مریم دکان دار سے کہتی ہے! بھیا: کوئی قیمتی سوٹ دیکھا دو میری مالکن کی بیٹی کی شادی ہے... اور میں اُسے تحفے میں دنیا چاہتی ہوں یہ سنتے ہی دکان دار حیران ہو جاتا ہے....

شادی والے دن مریم جملیہ کا دیا ہوا سوٹ پہن کر آتی ہے... اور شام میں سب مہمان اپنے اپنے تحفے پشیں کرتے ہیں تو مریم بھی نازیہ کو اپنا تحفہ دیتی ہے-نازیہ مریم کا تحفہ دیکھ کر خوش ہو جاتی ہے.. جملیہ نازیہ سے کہتی ہے کہ مہندی سے پہلے سارے تحفے کھول کر دیکھ لینا تاکہ جو رکھنا والا ہو ار کھ لینا باقی کام والی کو دے دینا جو پسند نہ آئے...

نازیہ سب سے پہلے مریم کا تحفہ کھلتی ہے اور وہ دیکھ خوش ہو جاتی ہے-نازیہ خوشی سے گلے سے لگا جاتی ہے

بہت پیارا سوٹ ہے... جملیہ کی یہ دیکھ کر آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہا جاتی ہیں! اُس دن وہ یہ کہا کر سوٹ چھوڑ کر آئی تھی کہ میں نے تو نوکرانی کو تحفے میں دینا ہے ًمریم وہی سوٹ نازیہ کے لیے لے کر آ گی....

"زندگی میں پہلی دفعہ جملیہ کو احساس ندامت ہوئی اور اور وہ اپنی ہی نظروں میں گر گئی" انجانے میں سہی مریم نے جملیہ کی آنکھیں کھول دی تھی ,, کہ امیر اور

غریب کی سوچ میں کتنا فرق ہوتا ہے,وہ غریب ہو کر بھی اتنا اچھا سوٹ نازیہ کے لیے لے کر آئی اور وہ امیر ہو کر بھی اُس کے لیے غریبوں والوں...!!

جملیہ کو احساس ہوا وہ کتنی غلط تھی..مریم نے وہ کیا جو وہ امیر ہو کر بھی نہیں کر سکتی تھی....!

"آج مریم کی وجہ سے جملیہ کو اچھے سے سمجھ آ گئی تھی کہ غربت کا تعلق جیب سے نہیں بلکہ انسان کی سوچ سے ہوتا ہے"

آمنہ رشید...پیر محل

جنوری کے لیے ہمارے گروپ میں اس دفعہ "دوستی" کے عنوان پر مقابلہ ہو گا آپ سب آج ہی ہمیں انبکس کر سکتے ہیں مقابلے کے لیے دوستی کے عنوان پر افسانہ شکریہ---

داستان دل بہت جلد مارکیٹ آرہا ہے جس کے سلسلہ وار ناول کون کون لکھنا چاہتا ہے جلدی سے لکھ کر ارسال کر دیں۔ داستان دل کا لنک اپنے ادبی دوستوں سے لازمی شئیر کریں۔ اور ہمیں اپنی ٹیم کے لیے ادبی شوق رکھنے والے لوگوں کی ضرورت ہے خواہشمند ہم سے رابطہ کریں اور داستان دل کی مکمل معلومات کے لیے اور ہمارے فیس بک گروپ کی معلومات کے لیے 03225494228 واٹس اپ پر اپنا نام لکھ کر سینڈ کر دیں آپکو ہر اپ ڈیٹ انبکس میں سینڈ کر دی جائے گی شکریہ

....

ماں جی!

میرے جانے میں ابھی ایک گھنٹہ رہتا تھا ،اور

ماں کی آنکھیں ابھی سے تر تھیں...

"ماں جی تُو رو نہیں بس چند مہینو ں کی تو بات

ہے"

"پتر تیرے یہ چند مہینے آخر کب ختم

ہونگے...؟پچھلی بار بھی یہی کہا تھا تونے"....

"ہاں ماں... پر..... ماں میں کیا کروں پرائی

نوکری جو ہوئی....

جیسے ہی چھٹی ملتی ہے.. آ تو جاتا ہوں نا...

اچھا چلتا ہوں.... تُو اب رو نہیں..

میں گیٹ سے باہر نکلا اور چلتے ہوئے سامنے

ریت کے ٹیلے کو عبور کرتے ہوئے پختہ سڑک

پر آگیا تھا....

اچانک ایک آواز سی آئی....

"پتر اک منٹ ٹھہر"..

مڑ کے دیکھا تو ماں جی دکھائی دِیں..

اللہ خیر کرے.. کیا بات ہے.... ؟

کیا میں کچھ بھول آیا ہوں.. ؟

اور یہ ماں جی نے پلیٹ میں کیا چیز اٹھا رکھی

ہے.. ؟میں انہیسوچوں میں تھا کہ ماں جی نے

قریب آ چکی تھیں...

"پتر... ذرا یہ)... خشک آٹے کی پلیٹ پہ ہاتھ

پھیر دے.... خیرات کے لیے... اور ہاں سفر

کرنے سے پہلے یا راہ میں کسی غریب کو پیسے بھی

دے دینا"...

میں نے پلیٹ پر سے ہاتھ رکھا. اور پھر جیب

ٹٹولی تو.. پانچ سو کے تین نوٹ نکلے..

ماں دیکھتے ہوئے..

"کیا کھلے پیسے نہیں ہیں تیرے پاس.. ؟

اچھا میں دیکھتی ہوں"...

اور پھر ماں جی نے اپنی چُنی) دوپٹہ (کے پلو

سے بندھی گانٹھ کھولی....

"اوہ... میرے پاس تو یہی ہیں اس وقت..

باقی الماری میں پڑے ہیں... چل لے پتر رکھ

لے..

"کیا ماں جی... ؟پانچ روپے کا سکہ.. ؟

"ہاں باقی تو جب کھلے کراؤ.. تو تب کسی فقیر کو

دے دینا...

ہاں مگر پہلے یہ پانچ روپے تُو دے دینا"...

"جی اچھا..... اب میں چلوں"..

"رب راکھا پتر"...

اور ماں جی نے ماتھا چوم کے الوداع کردیا...

راہ چلتے ایک فقیر کو میں نے دس روپے دیے

تھے...

اور مجھے نوکری پر آئے ایک ماہ چودہ دن ہو

چلے ہیں....

پر... میں نے وہ پانچ روپے ابھی تک اسلیۓ

سنبھال رکھے ہیں کہ ان میں..

میری ماں جی کی محبت محسوس ہوتی ہے...

اور میں اس پانچ روپے کے سکے کو جب جب

بھی چوما ہے..

مجھے بیحد سکوں ملا ہے.....

،* آئی لوّ یو.... ماں جی*....

تحریر : سجاد شبیر بھکر سٹی.

"سونی بیٹا کھانا کھالو!

ممانے بڑے پیار سے سوونیا سے کہا۔۔ سونی نے ایک نظر مما کو دیکھا اور بد تمیزی سے بولی۔۔۔ کتنی بار آپ سے کہاہے کہ مجھے بار بار ایک ہی بات نہ کہا کریں جب مجھے بھوک ہو گی میں خود ہی کھالوں گی، اور ہاں بیٹا تو مجھے بالکل بھی نہ کہا کریں کیوں کہ میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں یہ کہ کرپاؤں پٹختی کمرے سے نکل گئی۔۔۔ مسز وقار نے دکھ اور افسوس سے ہلتے ہوئے پردے کو دیکھا اور زوبیہ کو گود میں لیئے کھڑی ہو گئیں۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔سونیا اپنے کمرے میں بیٹھی غصے سے کھول رہی تھی، اسے اپنی کلاس فیلو بینا کی مما کی باتیں نئے سرے سے یاد آنے لگیں جو انھوں نے چھٹی ٹائم پر کہی تھیں۔۔۔۔جب وہ بینا کو اسکول لینے آئیں تو سونیا کو پیار کرتے ہوئے کہنے لگیں، ہائے بن ماں کی بچی۔۔۔۔ اگر آج تمھاری ماں زندہ ہوتی تو سب کام چھوڑ کر میری طرح تمھیں لینے آجاتی۔۔ بس تم پر تو اللہ ہی رحم فرمائے سوتیلی ماں کبھی اپنی نہیں ہوتی ۔۔۔۔ سونیا کو آئے دن کسی نہ کسی سے ایسی ہی باتیں سننے کو ملتی

سونیا10 سال کی تھی جب اسکی مما کار ایکسیڈنٹ مین جاں بحق ہو گئیں۔۔10 سالہ سونیا کو سنبھالنا وقار صاحب کے بس کی بات نہ تھی۔۔۔۔نہ ہی وہ سونیا کو پوری طرح نوکروں کے رحم وکرم پر چھوڑ سکتے تھے خود دن رات بزنس میں مصروف رہتے تھے ۔دوستوں کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے انھوں نے زینت بیگم دوسری شادی کرلی اس شادی سے سونیا بہت خوش تھی کہ اب پھر اس کو مما مل گئیں، مگر دنیاوالے کسی کو بھی خوش نہیں دیکھ سکتے، معصوم سے ذہن مین دن رات ملنے جلنے والوں نے سوتیلی ماں سے نفرت کو پروان چڑھانے میں بھرپور کردار ادا کیا، ڈھیروں جملے ذہن میں نقش ہو گئے کہ دیکھنا اب سونیا کی کوئی ویلیو نہیں ہو گی، کون پرائی اولاد کو اپناتا ہے، اپنی اولاد ہوتے ہی زینت بیگم کو سونیا اپنی دشمن نظر

آئے گی سوتیلی ماں سوتیلی ہی ہوتی ہے وہ کبھی اپنی نہیں بن سکتی، پیار بھی کرے گی تو دنیا دکھاوے کو یا وقار صاحب کے دل میں گھر کرنے کے لیئے لیکن دل میں بغض ہی رکھے گی۔۔۔ غرض اسی طرح کی باتیں سنتے سنتے سونیا بڑی ہو گئی۔۔۔ زینت بیگم ایک نیک فطرت، مثبت سوچ رکھنے والی نرم مزاج خاتون تھیں، مگر انھوں نے جتنا سونیا کے نزدیک ہونے کی کوشش کی وہ اتنا ہی دور ہوتی گئی، وہ ان کے پیار، محبت، نرمی سب کو ایک ڈھونگ گردانتی تھی۔۔ زندگی اسی طرح رواں دواں تھی، اسی دوران اللہ نے مسٹر اور مسز وقار کو ایک اور بیٹی سے نوازا تھا، زوبیہ جہاں ماں باپ کی آنکھوں کا تارا تھی وہیں حیرت انگیز بات کہ سونیا بھی زوبیہ سے بہت پیار کرتی تھی مگر زینت بیگم کے سامنے کبھی اظہار نا کیا ان کے اِدھر اُدھر ہوتے ہی زوبیہ کو خوب پیار کرتی تھی مگر زینت بیگم کے سامنے زوبیہ سے لاتعلق ہی رہتی تھی۔۔۔۔ اب سونیا کالج میں تھی اور زوبیہ نے اسکول جانا شروع کر دیا تھا، ایک دن کالج سے واپسی پر ڈرائیور کی لاپرواہی سے بہت خوفناک ایکسیڈینٹ ہو گیا، سونیا کو شدید چوٹیں آئیں۔۔۔۔ خون بے تحاشہ بہہ رہا تھا، بے ہوش سونیا کو ہاسپٹل لایا گیا۔۔ سونیا کو خون کی اشد ضرورت تھی، اور سونیا کا بلڈ گروپ بھی O- تھا جو بہت ہی نایاب ہوتا ہے۔۔ چاہ کر بھی مطلوبہ مقدار میں دستیاب نہ ہو سکا۔۔۔ سونیا ہنوز بے ہوش تھی، تب زینت بیگم نے اپنا بلڈ دینے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ ان کا اور سونیا کا بلڈ گروپ ایک ہی ہے۔۔۔۔۔۔ جس وقت سونیا ہوش کی دنیا میں آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ برابر والے بیڈ پر زینت بیگم لیٹی ہیں اور ان کا خون قطرہ قطرہ اس کے جسم میں داخل ہو کر اس کی نئی زندگی کا ضامن بن رہا ہے، تب ہی وقار صاحب اندر داخل ہوئے، پیار سے سونیا کا سر سہلاتے ہوئے اس کی طبعیت پوچھی اور بتایا کہ کس طرح زینت بیگم نے بضد ہو کر اس کے لیئے خون فراہم کیا، سونیا پر جیسے آگہی کے کئی در ایک ساتھ وارد ہو گئے۔۔۔ وہ سوچنے لگی۔۔۔ شروع سے آج تک جیسا رویہ میں نے مما کے ساتھ اپنایا اس کے بعد بھی مما نے اپنا خون مجھے دیا صرف میری زندگی بچانے کے لیئے، یہ تو ڈھونگ، دکھاوہ نہیں ہو سکتا، بلکہ اگر وہ واقعی مجھے اپنا نہیں سمجھتیں یا میرا برا چاہتیں تو یہ تو اچھا موقع تھا مجھ سے باآسانی ان کی جان چھوٹ سکتی تھی پھر انہوں نے ایسا

کیوں کیا؟ کیا واقعی مما مجھے دل سے چاہتی ہیں؟ ایسی تمام سوچیں ذہن میں لیئے وہ صحت یاب ہو کر گھر آ گئی تو جیسے اپنے دل و دماغ کی کشمکش سے گھبرا کر زینت بیگم کے کمرے میں چلی آئی اور ایک دم ان کی گود میں سر رکھ کر بری طرح رونے لگی،،،، مما مجھے معاف کر دیں، پلیز مجھے معاف کر دیں، میں نے آپ کو ہمیشہ سوتیلی ماں ہی سمجھا مگر آپ تو مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں، بالکل اِتنا ہی جِتنا زوبیہ سے، زینت بیگم نے اُسے چپ کروایا اور پیار کرتے ہوئے کہا، سونیا بیٹا، میری جان میں واقعی تم سے اُتنا ہی پیار کرتی ہوں جِتنا زوبیہ سے کیونکہ میں ایک "ماں" ہوں اور جو ماں ہوتی ہے وہ نا سگی ہوتی ہے نا سوتیلی وہ صرف ایک ماں ہوتی ہے---

از قلم: ریحانہ اعجاز کراچی

اپنی ماں کے نام،

ماں کی قبر پہ سر رکھے میں تنہا ہی بیٹھا رہ گیا اِے ماں اب تو میں خود تنہا رہ گیا بلا لے پاس مجھے کہ اب بن تیرے دل نہیں لگتا اپنے تو اِب سارے ساتھ چھوڑ گئیے اور ماں تیرے جانے کے بعد کُچھ رشتے بچے وہ بھی آہستہ آہستہ چُھوٹ رہے ہیں ماں آپ بھی مجھے چھوڑ گئی بھری دنیا میں میں بس تنہا رہ گیا جن کو پالا تھا --راتوں کو جاگ کر بڑے ہوئے تو سرد راتوں میں وہ مجھے بے آسرا چھوڑ گئے

ماں ____ ماں! کہاں ڈھونڈوں میں تمھیں ماں اب میں تھک گیا ہوں میں اپنے آپ کو سنبھلتے ہوئے اِس بھری دنیا میں کوئی نہیں ہے جس کے سر رکھ کر رؤں اِے ماں بس اب بلا لو پاس مجھے آج شدت سے ____ دل چاہ رہا ہے ماں بند آنکھیں کھولوں اور تم سامنے ہو جن کے پاس ماں ہے اس عظیم نعمت کی حفاظت کریں اِس سے پہلے کہ یہ نعمت تم سے بچھڑ جائے۔ اور جن کے پاس نہیں ہے ہمیشہ یاد رکھنا کہ انھوں نے تمھارے لیے کیا کچھ کیا اور ان کی مغفرت کے لیے دعا کرتے رہنا

تحریر محمد مسعود نونگھم یوکے

ادھوری ماں

آپ کو میرا کوئی خیال نہیں آپ خود غرض ہیں ہمیشہ صرف اپنا ہی سوچتی ہیں کب تک میں آپ کی مرضی سے چلوں گا خدارا مجھے اپنے لئے جینے دیں۔۔۔

یہ الفاظ میرے دماغ میں گویا ایٹم بم کی طرح پُھٹ رہے تھے اور ان کی گونج نے میرے اعصاب کو شل کر دیا تھا کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا یہ کیا تھا؟؟

کیا میری بات اتنی غلط تھی کے وہ ادب و تہذیب کو بالائے ترر کھ کے گویا مجھ پر برس پڑا. کیا مجھے اس کے معاملے میں بولنے کا کوئی حق نہیں؟؟؟

یا شاید میری بے بسی نے مجھ سے سارے حق چین لئے ایسے بہت سے سوالات میرے دماغ میں گردش کر رہے تھے جن کا ایک ہی جواب بن رہا تھا وہ یہ کہ میری بے بسی نے مجھے اتنا ارزاں کر دیا کہ آج میں ہر حق کھو چکی ہوں یا شاید میرا وجود میرے اپنوں کے لئے بوجھ بن گیا ہے مگر کیوں میں نے خود تو اپنے لئے اس حالت کا انتخاب نہیں کیا تھا یہ تو بے درد وقت تھا جو مجھے اپنے روش پہ بہاے لے جارہا تھا آج سے تقریبا ۲۱ سال پہلے جب بیاہ کر اس گھر میں آئی تھی تو میرا دل بھی ارمانوں سے سرشار تھا حسیب ایک بہت اچھے اور سمجھدار شوہر ثابت ہوئے زندگی سے کوئی شکوہ نہ تھا زندگی ہواؤں کے دوش پر تھی مگر کچھ مہینوں بعد حسیب کو کاروبار میں دھوکے کا سامنا ہوا اور بہت کچھ چھن گیا اور جو کچھ بچا تھا وہ تھا ہمارا ساتھ, ہمارا ایک دوسرے پر یقین اور ہمارا ننھا عمیر. حسیب کی ہزارہا دوردھوپ کے باوجود بڑی مشکل سے گزارا ہو رہا تھا کہ ایک ننھی کلی سدرہ ہمارے آنگن میں کھلی ذمہ داریوں کا بوجھ دوہرا ہو گیا تھا زندگی نہایت خستہ حالی کے ساتھ گزر رہی تھی ہر ماں کی طرح میں بھی اپنے بچوں کے لئے آسودہ زندگی کی خواہاں تھی. چھوٹی چھوٹی خواہشات کو حسرت نہیں بننے دینا چاہتی تھی اسلئے میں نے ملازمت کرنے کا فیصلہ کیا الحمدللہ میں زیور تعلیم سے آراستہ تھی اور یہ میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے جلد ہی ایک مناسب ملازمت مل گئی اب ہم ایک مناسب زندگی گزارنے لگے عمیر کو بھی ایک مناسب اسکول میں داخلہ دلوادیا زندگی مشکل ضرور ہو چکی تھی مگر دل کو اطمینان تھا وقت کا پہیہ گھومتا رہا بچے بھی بڑے ہونے لگے تھے ہماری ملازمتیں بھی بہتر ہو چکی تھیں کہ اچانک آیک روز وقت نے پھر اپنا وار کر دیا اور میں ایک بھیانک حادثے کا شکار ہو کر بستر

پر آن پڑی مہروں میں ہو جانے والی گڑبڑ نے مجھے
پیروں سے معذور کر دیا........ آہ یہ ستم جسے قبول
کرنے میں مجھے ہر ایک دن ایک صدی کا سا لگا. شوہر
اور بچوں پر مجھ بدنصیب کا بوجھ آن پڑا... شوہر کو
نوکری میں ترقی ملی اور فکر معاش کچھ کم ہوا زندگی
اپنے رستوں پہ رواں دواں تھی میں بھی وہیل چیئر
کے ساتھ روزمرہ کے کام انجام دینے کی عادی ہوتی
جا رہی تھی مگر ایک احساس ہمیشہ کاٹتا تھا کہ میں ایک
بوجھ ہوں اپنے اپنوں پر.......!!

عمیر نے زندگی کے سولہویں سال میں قدم رکھا جوانی
کا جوش سر ابھار رہا تھا وہ غصے کا کچھ تیز واقع ہوا تھا یا
شاید بن گیا تھا.......... ہر مسئلے کے پیچھے مجھے اپنا
آپ ہی مجرم نظر آتا تھا آج بھی اسنے دوستوں کے
ساتھ رات بھر چلنے والی ایک پارٹی میں جانے کا کہا اس
نے اجازت نہیں چاہی تھی صرف مطلع کیا تھا جس پر
میں نے اسے جانے سے منع کیا...ماں تھی نہ اسکے
اجازت نہ مانگنے پر بھی اپنا حق جتاتے ہوئے اسے منع یا
مگر یہ کیا وہ تو پھٹ پڑا اور ان سماعتوں نے وہ کچھ بھی
سن لیا جو وہ کبھی سننا نہیں چاہتی تھیں اور بھی اس نے
نجانے کیا کچھ کہا مگر میری سماعتیں تو بے بہرہ ہو چکی

تھیں وہ یہ سب کہہ کر چلا گیا اور میں نہ جانے کب تک
ساکت و جامد بیٹھی رہی درد کی شدت اتنی زیادہ تھی
کہ آنکھوں کے سے آنسو بھی نہ نکلے کہ حسیب کی
آواز اور اس کے ساتھ موجود سدرہ کی چہک مجھے
شعوری دنیا میں واپس لے آئی. حسیب آفس سے
واپسی پر اسے کوچنگ سے لے لیا کرتے
تھے........ میں نے فوراً ہی اپنے اوپر مسکراتا ہوا
خول چڑھا لیا اور مصروف ہونے کی کوشش دکھاتی
رہی

یہ عمیر کہاں ہے؟؟ حسیب کے پوچھنے پر میں نے ایک
معقول سا بہانہ بنا دیا

سب کاموں سے فراغت پا کر میں پھر سے انہی
سوچوں میں گم ہو گئی اور پھر سے میرے وجود میں
دلائل اور وکالت کی بحث چھڑ گئی...... کیا آج میں
سب حق کھو چکی ہوں کیا ایک ماں تب ہی ماں ہے جب
وہ نارمل ہو میں ایک ادھوری ماں ہوں

ہاں ہاں.... میں ایک ادھوری ماں ہوں میں اپنی اولاد
کی لئے وہ سب کچھ نہیں کر سکی جو ایک ماں کو کرنا
چاہیے اپنے دل و دماغ کی عدالت میں الزام مجھ پر ہی

ثابت ہوا مگر....... مگر میں اپنے بیٹے کو آوارہ فیشن کی
نظر ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی رات 11 بجے عمیر گھر
لوٹا میرے پوچھنے پر اس نے کہا وہ کھانا کھا چکا ہے اور
اپنے کمرے میں چلا گیا میں چاہ کر بھی کچھ نہ کہہ پائی
میں چاہ کر بھی کچھ نہ کہہ پائی وہ رات تھی کہ کٹ ہی نہ
رہی تھی حسیب حسب معمول جلدی سو چکے تھے
سدرہ بھی اسکول کا بستہ تیار کر کے سونے جا رہی تھی
میں لاؤنج میں اپنی وہیل چیئر پر بیٹھی تھی وجود ڈھیر سا
گیا تھا اولاد کی جوانی اور میری بے بسی نے یکلخت مجھے
عمر رسیدہ بنا دیا تھا نہ جانے کتنے گھنٹے یونہی گزر گئے میں
اپنے آپ کو بہت شکست خوردہ محسوس کر رہی
تھی........ لیکن اگر میں نے اسے اس کی مرضی سے
سب کچھ کرنے دیا تو کل کو خدانخواستہ غلط راستے کا
راہی نہ بن جائے ایک بار پھر فکر اولاد نے مجھے ہمت
دی اور میں نے اپنے آپ کو سمجھایا کہ وہ بچہ ہے
جذباتی ہے مگر تم....ماں ہو ادھوری ہی سہی...اور
ایک ماں کبھی ہمت نہیں ہار سکتی ہمت مجتمع کر کے عمیر
کے پاس گئی جو ڈرائنگ روم کو اپنے کمرے کے طور پر
استعمال کرتا تھا میں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ
پھیرا تو فوراً ہی اس نے میرا ہاتھ تھام کر اسے چوم لیا

اسکی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں میرا ہاتھ تھامے
وہ ہچکیاں لے لے کر روتا رہا پھر کہنے لگا امی مجھے معاف
کر دیں میں نے آپ کو بہت برا بھلا کہا مجھ سے اتنا بڑا
گناہ سرزد ہو گیا میں جوش میں یہاں سے چلا تو گیا مگر
پارٹی میں نہیں گیا کوئی قوت تھی جو میرے قدم روک
رہی تھی میں چاہ کر بھی نہ جا پایا آپ کی قربانیاں ایک
ایک کر کے مجھے یاد آ رہی تھیں آپ نے اپنا آپ
ہمارے لیے قربان کر دیا آپ نے اپنی ضروریات پر
ہماری خواہشات کو ترجیح دی اس حالت کے باوجود بھی
آپ نے ہمیں اور گھر کو بہترین طریقے سے سنبھالا ہوا
ہے آپکے ان الفاظ نے "کہ میری اولاد ہی میرا سرمایہ
ہے اگر یہ سنور گئی تو سمجھو ہر محرومی کا ازالہ ہو گیا" کی
قوت ہی تھی جنہوں نے میرے قدم جکڑ لیے تھے اور
میں رستے سے ہی لوٹ آیا اپنی ماں کی آنکھوں کی
ٹھنڈک بننے تاکہ ایک دن میں آپ کی ہر محرومی کا
ازالہ کر سکوں

تحریر-مائدہ آصف........... کراچی پاکستان

بے زبان ہستی

درد چلا جاتا ہے میرے گھر کی دہلیز سے اداس ہو کر

پریشان نہیں ہوتا میں کبھی اپنی ماں کے پاس ہو کر

میری سویرے جب آنکھ کھلی تو گائے اپنے بچھڑے کے پاس کھڑی اماں کے انتظار میں تھی کہ وہ آئیں دودھ دھوئیں تو میں اپنے بچے کو دودھ پلاؤں۔ امی نے کام میں تھوڑی دیر کر دی تو گائے زور زور سے بلانے لگی تھی۔

" اماں! آپکی لاڈلی چلانے لگی ہے چلی جائیں ۔۔" میں نے ہنس کر کہا

" ہاں ہاں جا رہی ہوں کہیں اس کا کلیجہ نہ پھٹ جائے۔۔" امی بالٹی اٹھا کر تیز چلتے ہوئے بولیں تھیں " اتنی سی دیر میں۔۔۔؟؟"

" ماں ہے بیٹا تم کیا جانو ماں کیا ہوتی ہے۔؟" اماں دودھ دھوتے ہوئے بتانے لگیں تھیں

" ماں تو ہوئی مگر پانچ منٹ کیا دیر ہوئی اس نے دھرتی سر پر اٹھالی۔؟"

" ایک سیکنڈ ماں سے برداشت نہیں ہوتا اور تم پانچ منٹ کی بات کر رہے ہو۔؟ یہ تو ابھی بے زبان ہے۔۔"

" شکر ہے بے زبان ہے ورنہ ساری دنیا کو پتا چل چکا ہوتا آپ اس کو بچھڑا نہیں دے رہی اور وہ بھوکا ہے۔۔" میں نے کہا

"ماں اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتی۔۔"

"کیوں۔؟"

" کیونکہ اسکی محبت بے لوث ہوتی ہے اور اسے اپنے جذبات پر اختیار نہیں ہوتا۔۔" اماں دودھ دوہنے کے بعد میرے پاس آ بیٹھیں تھیں

" ماں کے جذبات باقی جانداروں سے کیوں الگ ہیں اماں۔؟"

"کیونکہ ماں کے دل میں اللہ نے ممتا رکھی ہے جس کا کوئی نعم و بدل نہیں۔۔" اماں کی باتیں مجھے

سوچوں میں ڈال گئی تھیں۔ اگلی صبح بچھڑا بیمار ہو گیا۔ وہ دودھ نہیں پی رہا تھا۔ گائے اسے اٹھاتی رہی مگر وہ گردن گرائے ہوئے تھا۔ اماں نے بہت سی دوائیں دی تھیں مگر جو اللہ کا منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اللہ نے کوئی آئی ہم پر مصیبت ٹالی اور اس کی زندگی تمام ہو چلی۔ گائے آوازیں دے دے کر اسے اٹھاتی رہی مگر وہ نہیں اٹھا۔ وہ سارا دن اسے بلاتی رہی اٹھاتی رہی مگر وہ کہاں سنتا تھا۔

میرا کلیجہ منہ کو آتا تھا جب میں اسے ایسے دیکھتی تھی۔ شام کو جب دودھ دوہنے کا وقت آیا تو وہ بھاگ کر اسی کھونٹے کے پاس جا ٹھہری جہاں اس کا بچھڑا بندھا ہوتا تھا۔ کھونٹے پر منہ رکھ کر وہ آنسو بہاتی رہی اور ماں نے دودھ نکال لیا تھا۔ میرے آنسو رکنے نہیں پا رہے تھے جب میں نے اس بے زبان ہستی کے آنسو دیکھے تھے۔

مجھے بچھڑے کے جانے کا کوئی غم نہ تھا مگر اس ماں کی کیفیت ناقابلِ برداشت تھی۔

''وہ بول سکتی ہوتی تو دل کھول کر رو لیتی مگر نہ وہ بین ڈال سکتی ہے اور نہ ہی فریاد کر سکتی ہے۔۔'' میں نے کہا

''ہاں! ماں ہے ناں جگر کا ٹکڑا اس کا جدا ہو گیا ہے وہ دکھ میں نڈھال ہے اس وقت۔۔ اسی طرح عورت بھی جب اولاد کے لیے نڈھال ہو کر آہ و زاری کرتی ہے جب اس کے جگر کے لال کو کچھ ہو جائے تو مرد طعنے بازی کرنے لگتا ہے کہ وہ صبر نہیں کرتی۔ بے شک صبر کا بڑا اجر ہے مگر اس وقت کیسے صبر ہو گا جب ہوش و حواس قابو میں نہ ہوں صبر تو ہوش رکھنے کا کام ہے۔۔۔''

اماں نے افسردگی سے کہا تھا

''ماں کے جذبات مرد سے الگ کیوں ہیں اماں۔؟''

''کیونکہ اللہ نے محبت ماں کے دل میں جتنی رکھی اتنی باپ کے دل میں نہیں اسی لیے اللہ اپنی محبت کو ماں سے تشبیہ دیتا ہے کہ وہ ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے۔۔۔''

" لیکن باپ کو بھی اولاد پیاری تو ہوتی ہے

" ہاں مگر ماں سے زیادہ نہیں۔۔۔ماں تو وہ قیمتی زیور ہے جو خریدنے سے حاصل نہیں ہوتا اور ماں کی ممتا لافانی ہوتی ہے بلاشبہ باپ محبت اولاد سے بے پناہ کرتا ہے اور اسی کے لیے دوڑ دھوپ کرتا ہے مگر پھر ماں جیسی محبت نہیں کر سکتا۔ اللہ پاک نے مرد کو طاقت دی ہے اور عورت کو محبت سے فیض یاب کیا۔

تم دیکھو آج کل کسی مرد کو طلاق ہو جائے یا پھر بیوی مر جائے تو وہ دوسری شادی کر لیتا ہے چاہے اس کے بچے ہوں کیونکہ اسے کسی عورت کی ضرورت ہوتی ہے مگر اس کے بجائے جب عورت بیوہ یا طلاق یافتہ ہو جائے جب وہ ماں ہو تو وہ تمام زندگی وقف کر دیتی ہے۔ بہت کم ایسی مائیں ہیں جو شادی کر لیتی ہیں وہ بھی اولاد کو تحفظ دینے کے لیے مگر زیادہ تر مائیں اپنے بچے کے مستقبل کے بارے میں سوچتی ہیں۔ ان کے لیے وہی باعثِ راحت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماں کی محبت بے لوث ہوتی ہے۔ ماں کی محبت میں قدامت اور جدیدیت کا کوئی تصور نہیں۔"

اماں نے مجھے سینے سے لگایا اور پیار کیا

تحریر: مریم مرتضیٰ

ماں

کام سے گھر آتے ہوئے اسے اس کا پرانا کلاس فیلو احمد نظر آیا جو ایک بیکری سے کافی کچھ خرید کر نکل رہا تھا ۔۔۔ اسے دیکھ کر احمد رک گیا سلام ودعا کے

□ □ □ اس نے پوچھ

اگھر پہ کوئی خاص پروگرام ہے...؟؟

ارے تم کو پتہ نہیں.. آج مدرس ڈے ہے ...؟ احمد بولا

وائف نے بولا تھا □ □ □ آج پارٹی دینی ھے...

وہ حیران ھوا

.پارٹی کس لیے..؟؟

.یار میری وائف بچوں کو مدر ڈے کی اھمیت
بتانا چاھتی ھے : وہ مسکرایا
احمد بولا تم کیوں مسکرائے...؟؟
وہ بولا کتنے ذھین ھیں ھم ھر رشتے کو ایک
ایک دن دے دیا ھے..
تو اس میں غلط کیا ھے؟؟ احمد بولا...
کچھ غلط نھیں.پر جب تم پیٹ میں تھے وہ عورت جس
نے ایک ایک پل تم کو سینچا. تمھاری ھر مومنٹ پہ
ھنسی...مومنٹ رک جانے پر گھبرا جاتی...اس کے
لیے بس ایک دن....؟؟
خود کو موت کی وادی سے گزار کر تم
کو پیدا کیا...اس کے لیے بس ایک دن...جب تم نے
چلنا نھیں سیکھا تھا اپنے ھاتھ تمھارے پاوں کے نیچے
رکھ کر چلنا سیکھایا...تم کو بولنا سیکھایا.. تمھارے ھنسنے
پر ھنسی تمھارے رونے پہ بے چین ھو گئی... تمھیں
بخار ھونے پر رات بھر جاگی...اس کے لیے بس ایک
دن.....؟؟
تم نے سکول جانا شروع کیا.. تمھادے
واپس آنے پر خدا کا شکر ادا کرنے والی.. تمھاری نظر
اتارنے والی...تم جوان ھوے تم نے موبائل مانگا...

شوھر سے لڑ کر تم کو وہ بھی لے دیا... تم نے دیر سے
گھر آنا شروع کیا تو اس نے سب سے تمھاری پڑھائی کا
بھانہ کر دیا... ھر جگہ تمھاری محافظ بنی رھی..اس
کے لیے بس ایک دن....؟؟
تم کو لڑکی پسند آئی تو خاندان سے لڑ کر تم کو تمھارا پیار
دلوایا... تمھاری بیوی کی نوکری کرتے کرتے اس کے
بالوں میں سفیدی آ گئی...پھر تمھارے بچوں کی آیا
بن گئی.. تمھاری خوشیوں کے لیے اس نے ساری عمر
خود کو پیش پیش رکھا...اور آج اس کو دینے کے لیے
تمھارے پاس بس ایک دن...؟؟
زندگی بھر کی ملازمت کا صلہ بس ایک دن....؟؟
اس دن تم پہ کیا گزرے گی جب تمھارے بچے تم کو
ایک سال بعد یاد کیا کریں گے
کے تم ان کے باپ ھو....یہ کہتے ھوئے وہ گھر کی
جانب چل دیا جب کہ احمد کی آنکھوں میں ندامت
تھی اور اس کو اس کے پاوں منوں وزنی لگ رھے
تھے....
آپ رہ لیندی سی بُھکھی جیھڑی پُتراں نور جھاون
لئی---

بس اِکو دن رکھ چھڈیا نے اونہوں اپنا پیار ویکھاون لئی۔۔۔

از قلم۔۔۔ریحان سحرؔ

عنوان: میری ماں

"دیکھنا کاشف آج کے تقریری مقابلے میں ہار جاؤں گی میں۔
یہ مشاعرہ نہیں ہے۔ آپ میری بات مان جائیں ابھی بھی وقت ہے یہ تقریری مقابلہ رہنے دیتے ہیں۔"
سعدیہ نے بڑے سوگوار لہجے میں کہا۔ "
نہیں جناب ہمیں یقین ہے ہماری بیگم ہی جیتیں گی یہ بھی بھلا کوئی بات ہوئی کہ ہمیشہ جیتنے والی شاعرہ آج تقریر کرنے سے گھبرا رہی ہے۔"
دیکھ لیجئے گا میں بیس منٹ سے پہلے ہی فارغ ہو جاؤں گی۔ " میری ماں موضوع " اب تک کا مشکل ترین موضوع ہے ۔ امی جان ساتھ ہوتیں تب بھی مشکل تھا اب جب وہ مجھے چھوڑ کے اس دنیا سے دور جا چکی ہیں تو میں بہت بے بس ہوں خود کو سمجھانے میں کہ یہ کام مجھ سے ہو سکے گا۔ "
اچھا چلو مان لیا تم ہار گئی تو پھر کیا ہو گا؟؟
خود کو مضبوط کرو۔ خالہ کی بھی یہ خواہش تھی نا کہ تم ہر مقابلے میں حصّہ لو اور یہاں تو صرف اپنی والدہ کے متعلق اپنے احساسات بتانے ہیں۔ چلو اب جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" کاشف یہ کہنے کے بعد اپنی بیٹیوں نورین اور کشف کے پاس اسٹڈی روم میں چلا گیا۔ ٹھیک دو گھنٹے کے بعد کاشف اور اس کی فیملی اس ہال میں پہنچ چکے تھے جہاں تقریری مقابلہ منعقد کیا گیا تھا۔ سعدیہ ہی جانتی تھی کہ اس نے اسٹیج تک کا سفر کس دل سے طے کیا تھا۔

"السلام علیکم سامعین...... آج میں نے جس موضوع کا انتخاب کیا ہے وہ ہے ماں۔ ماں وہ ہستی ہے جب جب ہمیں تکلیف پہنچتی ہے وہ بھی سکون سے سو نہیں پاتی۔ زیادہ دور نہیں جاتے میں آپ کو اپنے ہی گھر کا ایک حقیقت پر مبنی قصّہ سناتی ہوں۔ یہ میری شادی سے پہلے کی بات ہے جب میں امتحانات کی وجہ سے ذہنی دباؤ کا شکار ہو گئی تھی۔ ساری رات سو نہیں پاتی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے آنکھیں پتھر کی ہو گئی

ہیں- بہن بھائیوں نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ اسکا ذہن ختم ہو گیا ہے یہ ایسا جان کے کر رہی ہے- میری والدہ سب کو ڈانٹ دیتی تھیں- وہ واحد تھیں جو ماہر نفسیات کے پاس لے کر گئیں مجھے- شام میں روز شدید گھبراہٹ ہوتی تھی وہ مجھے گھر سے باہر لے جاتی تھیں- ہم کچھ دیر یوں ہی بے مقصد سڑکوں پر پھرتے رہتے تھے کیونکہ بقول بہن بھائیوں کہ میں تو پاگل تھی اور اب مجھے بھی یقین آتا جا رہا تھا لیکن امی کہتی تھیں وہ سب جھوٹ بولتے ہیں دیکھنا ایک دن تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی اور سب خاموش ہو جائیں گی- میری بیٹی تم ہیرا ہو- خاص انسان کو دکھ بھی بہت گہرے ملتے ہیں لیکن دیکھنا ایک دن یہ مایوسی ختم ہو جائے گی اور پھر ہر شام کی گھٹن آہستہ آہستہ ختم ہونے لگ گئی- میں سوچتی تھی کہ میری امی بہت بہادر ہیں لیکن جب میں ٹھیک ہو گئی تو مجھے میری چھوٹی بہن نے بتایا کہ جب تم ڈاکٹر کی دوائی کے بعد سوتی تھی تب والدہ بہت روتی تھیں وہ مجھ سے پوچھتی تھیں کہ سعدیہ ٹھیک تو ہو جائے گی نہ؟؟؟

آپی ہم سب بہت حیران ہوتے تھے کہ آپ کے سامنے ان میں اتنا حوصلہ کیسے آ جاتا تھا- میں شاید مر ہی جاتی اگر والدہ کا ساتھ اس وقت میرے پاس نا ہوتا- ماں کی آغوش دنیا کی سرد نظروں سے بچا لیتی ہے- ماں کیا ہے اس کا ٹھیک طرح سے اندازہ ہی اس وقت ہوتا ہے جب وہ ہم سے بہت دور چلی جاتی ہے اتنا دور کے بس پھر یادیں ہوتی ہیں اور ان گنت آنسو-

"سعدیہ کی آنکھوں سے آنسو لگاتار بہ رہے تھے- پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا- آج سعدیہ پھر سے ایک مقابلہ جیت چکی تھی لیکن ایک انمول رشتہ کھو بیٹھی تھی جس کی وجہ سے اس کے الفاظ کی گہری میں شدّت آ چکی تھی-

"اللہ میری بیٹی کو ہمیشہ کامیاب کرے" (آمین) سعدیہ کی والدہ کے یہ الفاظ تقریب کے اختتمام پر اس کے ذھن میں گردش کر رہے تھے-

رائیٹر سیدہ عروج فاطمہ ملتان

عنوان:

ہسپتال میں رش بڑھتا جا رہا تھا, چھ قتل ایک ساتھ, لوگوں کی دلچسپی کا باعث تو تھے طُرّہ یہ کہ قتل جس

نے کیئے, وہ حیران کن تھا لیکن سب سے حیران کن
جاں بلب وجود کے منہ سے نکلتے لفظ تھے,,,,
ساجد! کہاں جارہا ہے پتر؟؟
اماں جب باہر جاتا ہوں پیچھے سے آواز مت دیا کر,,
او پتر تو نے لسی نہیں پی گرمی ہے میں نے رانو کو بولا
تھا کہ تجھے لسی دے,,
ماں کا جملہ پورا ہونے سے پہلے وہ دروازے کو ٹھوکر مار
کر باھر نکل گیا تھا, حاجرہ اس کو آواز دیتی رہ
گئی۔۔۔۔
اماں اٹھ شام ہو رہی ہے اس ویلے دروازے پہ بیٹھنے
سے تیرا پتر جلدی نہیں آجائے گا, رانو نے حاجرہ کو
سہارا دے کر اٹھایا
اماں کھانا کھالے تیرے پتر نے بھوکا نہیں رہنا بلو نے
کھانا تیسری بار ماں کے منہ کے آگے رکھا, پر حاجرہ
نے چنگیر کو دھکیل کر پرے کر دیا, پتہ نہیں ساجو نے
کچھ کھایا بھی ہے یا نہیں؟؟
یہ سوال روز کا معمول تھا جو وہ خود ہی بڑبڑاتی رہتی تھی
دیکھ ساجو,, میں ریشماں کو تیرے نام پر زیادہ دن نہیں
بٹھا سکتی تیری ماں کو تو اپنی بیٹیوں سے فرصت نہیں
ہے اوپر سے بے شرمی کی انتہا کہ اس عمر میں پھر سے
ماں بننے جارہی ہے, چچچچ,
نہ پھوپھی یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟؟
لے بھلا مجھے پتہ ہے اور تو اس گھر میں رہ کر بے خبر
ہے؟ پھوپھی نے اس کا لال ہوتا چہرہ دیکھ کر آگ میں
مزید گھی ڈالا,,
او بے خبر یا گھر کا اکلوتا بیٹا ہے وہ جو چھ جو نکیں پیدا کی
ہیں نا تیرے ماپیو نے ان کی بھی خبر رکھا کر, رانو کی خبر
ہے تجھے؟؟
او صاف بات کر پھوپھی,, پھوپھی سے بات کرتے اس
کی نظریں آس پاس طواف کرتی ریشم پر تھیں جو اس
انتظار میں تھی کہ کب اماں کوئی بہانہ کر کے ان کو
تنہائی کا موقع دے اور وہ ساجد کو اپنے ہاتھ سے نوالے
کھلائے..
ملکوں کے لڑکے اور رانو کے بارے میں,,, آگے تو
اب چھوٹا کا کا نہیں ہے آہو,, ساجد اٹھ کر کھڑا ہو گیا
اس کی سانس کا تنفس تیز ہو گیا تھا اس نے ایک نظر
پھوپھی پہ ڈالی اور بغیر کچھ کہے تیز قدموں سے باہر
نکل گیا ریشماں نے ماں کو گلہ بھری نظر سے دیکھا,,

اری کچھ نہیں ہوتا آجائے گا پھر پھرا کے تیرے ہی پاس, تیرے لئے ہی کر رہی ہوں تاکہ وہ حاجرہ اور اس کی بیٹیوں سے الگ رکھے اور جلد شادی کر لے, ورنہ تو بڑھی ہوتی رہنا اور بھائی میرا اپنی بیٹیاں بیاہتا رہے گا, ہاں نہیں تو

ست بسمالله آج تو میرا پتر اندھیرا ہونے سے پہلے آ گیا ہے نی کڑیو.. بھائی کے لئے کوئی کھانا پانی کرو حاجرہ کو تو بیٹے کو عصر سے پہلے گھر دیکھ کے سمجھ نہیں آرہا تھا۔ کہ کیا کرے پتر کے قدموں میں بچھی جا رہی تھی.

ادھر رانو بھی سوچ رہی تھی کہ آج بھائی کو بتادے کہ وہ کنوئیں سے پانی بھرنے جاتی ہے تو ملکوں کا لڑکا اس کو چھیڑتا ہے. ان کی سوچوں سے پرے ساجد کے دماغ میں کچھ اور ہی لاوا پک رہا تھا اور پھر کچھ دیر میں وہ ہو گیا جس کے تصور سے بھی روح لرز جائے کچے صحن میں جابجا ادھڑی ہوئی لاشیں پڑی تھیں, رانو کو قتل کرنے والے ساجد کا ہاتھ تین سال کی ننھی سی بہن کو ذبح کرتے بھی نہ کانپا اور ماں جس پہ وار کرتے ہوئے اس کے ہاتھ نہ کانپے کہ جو سراپا دعا تھی اس کے لئے,,,, آپ کیا سمجھے کہ کہانی یہاں ختم ہوتی ہے.

نہیں آیئے یہ ہسپتال کا ایمرجنسی وارڈ ہے اس میں ایک عورت جس کے اکلوتے بیٹے نے اس کی چھ بیٹیوں کی جان لے لی ہے ایک اولاد اس کے شکم میں ہی ختم ہوگئی ہے. اس لہولہان ماں کے منہ سے کچھ بے ربط الفاظ نکل رہے ہیں۔,, غور سے سنیں وہ کہہ رہی ہے ساجو,,, پتر کدھر چل,, چلا گیا اس نے تو کھانے بھی نہیں کھایا ہے ہائے الله مغرب ہوگئی ہے اس کو کوئی کھا کھ,,, کھانا کھلا,, دو, الله اس کو معاف کر دینا میرا پُتر بھوکا ہے, میرے الله میرے بیٹے کو بخش دینا, میری بیٹیو, وہ لاعلم ہے اس کو معاف کر دینا... کوئی ساجد کو ڈھونڈ دو.. مجھے اس کو مل کے جانا ہے. اس کا ماتھا چومنا ہے..

مصنفہ: طیبہ عنصر مغل راولپنڈی

ماں کی مجبوری

مشہور ہسپتال کے آئی سی یونٹ کے باہر شیشے سے میں مسلسل اندر جھانک رہی تھی- میرا جوان بیٹا موت وزیست کی کشمکش میں اندر بے ہوش پڑا تھا اور اس شیشے کے باہر میری بے قرار ممتا تڑپ رہی تھی-

میرے آنسوؤں سے وہ شیشہ بھی دھندلا رہا تھا کئی بار
کوشش کی کہ یہ شیشے کی دیوار جو میرے اور میرے
بیٹے کے درمیان حائل ہے اسے توڑ کر اپنے ناراض
بیٹے کو منالوں اور اسے بتادوں کہ بیٹا میں آگئی ہوں
تو اپنے بیوی بچوں کو لے کر چلا گیا تھا اور اب اتنے
دنوں کے بعد تجھے دیکھا بھی تو کس حال میں یہ میری
ممتا کا امتحان ہی تو ہے میں نے سوچتے ہوئے اپنا سر
شیشے کی دیوار پر رکھ دیا اور سوچنے لگی وہ بے ہوش
ہے تو کیا ہوا وہ میری بے قرار ممتا کی خاموش چیخوں کو
سن کر ہوش میں آجائے گا
آپ پلیز یہاں سے ہٹ جائیں ماں جی-ابھی ڈاکٹر
راؤنڈ پر آنے والے ہیں آپ ادھر آکر بیٹھیں"
ایک نرس نے میرا کندھا آکر ہلایا تو میں نے چونک کر
اس کی طرف دیکھا
میں کیسے یہاں سے ہٹ جاؤں اندر میری دنیا ہے میرا
سب کچھ ہے میں نے نم آنکھوں سے اس کی طرف
دیکھ کر کہا
میں آپ کی ممتا کی تمام کیفیات سے آگاہ ہوں اور
جانتی ہوں کہ اس وقت آپ کے دل پر کیا گزر رہی ہو
گی اللہ بہتر کرے گا آپ نے سب کو گھر بھیج دیا آپ
بھی کچھ دیر کے لیے گھر جا کر آرام کر لیں بہت تھک
گئی ہوں گی"
وہ مجھے بازوؤں سے تھام کر لاؤنج کی طرف لائی اور
ایک صوفے پر بٹھا دیا اور خود کاؤنٹر کی طرف چلی گئی
،میں نے زبردستی اپنی بہو کو گھر آرام کرنے بھیج دیا تھا
میں اپنے بیٹے کے پاس سے ایک منٹ کے لیے نہیں
ہٹنا چاہتی تھی اپنے بیٹے کی زندگی کی دعائیں مانگتے ایک
دم مجھے اونگھ آگئی اور میں خوابوں کی دنیا میں پہنچ گئی
تم کون ہو؟
کوئی مہربان آواز مجھے نیند میں سنائی دی میں
ایک ماں ہوں، شاید میں نے جواب دیا تھا
تمہارا یہ نام ماں کس نے رکھا؟
تمہارے ماں باپ نے؟ پھر پوچھا گیا
نہیں! یہ نام مجھے فطرت نے دیا ہے-میرے پیارے
اللہ نے مجھے یہ عظیم پہچان اور عظیم مرتبہ دیا ہے ایک
ایسا عظیم مرتبہ جو آج تک دنیا کا کوئی ادارہ نہ دے سکا
-میں نے کہا
تم جانتی ہو اللہ نے تمہیں یہ مقام یہ عزت اور مرتبہ
کیوں دیا-؟
وہی مہربان آواز ابھری

تخلیق کے تکلیف دہ مرحلے سے اپنی جان سے گزر کر جب عورت ماں بنتی ہے تو اللہ کو اس پر بے حد پیار آتا ہے-شاید یہ اسی پیار کا اعزاز ہے انعام ہے میں نے کہا

صرف یہی نہیں کہ تم تخلیق کے کرب اور تکلیف سے گزرتی ہو بلکہ وہ ہر رات جو تم اپنی اولاد کے لیے اپنی نیند قربان کرتی ہو خود تکلیفیں اٹھا کر اپنی اولاد کو راحت دیتی ہو کبھی تم اپنے معصوم بچے کی پیاس بجھانے کی خاطر پانی کی تلاش میں پتھروں پر ننگے پاؤں دوڑتی ہو اپنے پاؤں کے چھالوں کی پرواہ کئے بغیر کہ کہیں سے پانی مل جائے اور تمہارا بچہ سیر اب ہو جائے ممتا کی اس تڑپ پر رحمت الٰہی جوش میں آتی ہے اور اسی کو دیکھ کر اللہ نے معجزہ دکھایا اور پیاسے بچے کی ایڑیوں کی رگڑ سے وہاں قیامت تک کے لیے میٹھے پانی کا چشمہ جاری کر دیا اور ماں کے برہنہ پا دوڑنے کو قیامت تک کے لیے ایک عظیم عبادت کا لازمی رکن بنا دیا-اللہ نے تمہیں اتنا عظیم اعزاز بخشا کہ جنت کو تمہارے قدموں تلے بچھا دیا-اللہ نے تمہیں بہترین تحفہ قرار دیا اللہ نے تمہارے وجود کو محبت اور مہربانی کے خمیر سے گوندھا ہے اس لیے کہ خود رحمت ہے

اور اپنی یہ صفت اس نے تمہارے وجود میں اتاری ہے "-وہ مہربان آواز یوں لگا جیسے میرے سارے دکھ چن رہی ہو

ہاں! میں نے اپنی اولاد کے لیے سب کچھ کیا ہے میں" اپنی اولاد کے لیے وہ خوشبو دار اور تازہ پھل والا درخت ہوں جس سے اولاد ہمیشہ ثمر حاصل کرتی ہے میرے وجود کے شجر میں میری اولاد کے لیے کوئی کانٹا نہیں ہے اور جب میری جڑوں سے میری اولاد پرورش پاتی ہے تو بھی میں تازہ پھل اور پھول کی طرح کھلی رہتی ہوں اور جب میری اولاد بڑی ہو جاتی ہے تو بھی میں اس کے لیے اس شجر سایہ دار کی طرح کھڑی رہتی ہوں جو تنہا زمانے کی سختیاں اور دھوپ سہتا رہتا ہے مگر اپنی اولاد کو زمانے کی دھوپ اور بارش سے بچاتا ہے

میں راتوں کو جاگ کر اپنی نیند قربان کر کے اپنے بچے کی بھوک کی تسکین کا باعث بنتی ہوں-خود بھوکی رہ لوں گی مگر اپنی اولاد کو اپنے منہ کا نوالہ بھی دے دوں گی-اور اس کی بہترین تربیت کے لیے سب کچھ کر گزرتی ہوں کیونکہ اللہ نے میری گود کو میری اور اس

کی بہترین تربیت کے لیے سب کچھ کر گزرتی ہوں کیونکہ اللہ نے میری گود کو میری اولاد کے لیے پہلا مکتب بنایا ہے کیونکہ ہر ماں اپنی اولاد کو سب سے بہتر دیکھنا چاہتی ہے۔ میں اپنے بچے کی مرشد، رہبر اور معلم بنتی ہوں۔ اگر کبھی اولاد میری نافرمانی بھی کرے تو بھی میرے دل سے اس کے لیے میرے دل سے اف تک نہیں نکلتی اور کیوں نکلے اولاد میرے وجود کا حصہ، میرے دل اور جگر کا ٹکڑا، میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور روح کا سکون ہے۔ ماں اپنی اولاد کو کسی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی کوئی کانٹا بھی چبھ جائے تو وہ کانٹا اپنے دل اور روح میں اترتا محسوس ہوتا ہے۔ میرے اللہ! آج میرا بیٹا موت وزیست کی کشمکش میں ہے۔ میں تجھ سے اپنے بچے کی زندگی کی بھیک مانگتی ہوں اس نے جو کچھ میرے ساتھ کیا اسے تو معاف کر دے تو تو اپنے بندوں کو ستر

ماؤں سے بڑھ کر چاہتا ہے تو اسی محبت اور اپنی رحمت کے صدقے میرے بیٹے کی زندگی عطا کر دے۔" میں نیند میں بڑبڑا رہی تھی اللہ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر اس سے بھی بڑھ کر جو ایک ماں مہربان ہوتی ہے غم نہ کر اللہ تیری فریاد کو رائیگاں نہیں جانے دے گا تو دنیا میں اپنی اولاد کو تکلیف میں دیکھ کر تڑپ اٹھی ہے اور میں اس دنیا سے جانے کے بعد آج تیرے دکھ پر بے قرار ہوں" میں حیران رہ گئی یہ تو میری مرحومہ ماں کی مہربان آواز تھی جو خواب میں مجھے تسلی دینے آئی تھی تو پریشان نہ ہو میری بچی! اللہ تیری ضرور سنے گا بس اس کے آگے جھک جا" ماں نے کہا اور مجھے یوں لگا جیسے کسی نے مجھے جھنجھوڑ کر اٹھا دیا ہو۔ ماں کی باتیں میرے کانوں میں اب بھی گونج رہی تھیں واہ میرے اللہ تو نے ماں اور اولاد کا رشتہ ایسا مضبوط بنایا ہے جو مر کر

بھی نہیں ٹوٹتا میں آج اپنے بیٹے کے لیے تڑپ رہی ہوں اور تیرے پاس میری ماں میرے دکھ پر بے چین - اولاد تکلیف میں ہو تو ماں کو قرار کہاں "میں نے نیند سے پوری طرح بیدار ہو کر سوچا اور پھر ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے ٹھنڈے اور پکے فرش پر مصلی بچھا کر اپنے اللہ کے حضور جھک گئی اپنی ٹانگوں اور گھٹنوں کے درد اور تکلیف کی پرواہ کئے بغیر - میں رو رو کر اللہ سے اپنے بچے کی زندگی کی بھیک مانگتی رہی -

جانے کب تک مجھے اپنا ہوش ہی کہاں تھا نرس نے آکر مجھے اٹھایا ماں جی اٹھیں! اللہ نے آپ کی دعا سن لی -" میں نے اپنا آنسوؤں سے تر چہرہ اور سرخ آنکھیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا

سامنے آئی سی یونٹ سے ڈاکٹر باہر آرہے تھے مبارک ہو ماں جی آپ کے بیٹے کو ہوش آگیا ہے اور اب وہ خطرے سے باہر ہے کچھ دیر میں آپ کو ملواتے ہیں -" ڈاکٹر نے مجھے خوشخبری دی اور میری آنکھوں سے تشکر کے بے تحاشہ آنسو بہنے لگے کچھ دیر بعد میں اپنے بیٹے کے پاس تھی - اس کے ہاتھ معافی کے انداز میں بندھے تھے اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے میں نے اس کا ماتھا چوم لیا تمہیں تمہاری ماں کی دعاؤں سے نئی زندگی ملی ہے اس ماں نے اپنی ہر تکلیف کی پرواہ کئے بغیر اللہ کے آگے جھک کر اور رو کر تمہیں مانگا ہے

اللہ ماں کی ممتا کو امتحان میں ڈالتا ہے تو اسے سرخرو کرتا ہے ماں کو ناراض کبھی نہ کرو وہ تمہیں تکلیف میں دیکھ کر کس طرح تڑپتی ہے یہ آج دیکھ لیا ہے" ڈاکٹر میرے بیٹے کو سمجھا رہا تھا - میرے بیٹے کی آنکھوں سے ندامت کے اور میری آنکھوں سے تشکر کے آنسو بہہ رہے تھے - ایک ماں کی بے قرار دعائیں قبولیت کے رنگوں میں لپٹی میرے اردگرد دھنک بکھیر رہی تھیں تم ایک ماں ہو اس لیے اپنی اولاد سے بے لوث اور بے غرض محبت کرتی ہو مگر وہ تمہارا رب تمہیں

ستر ماؤں سے بڑھ کر پیار کرتا ہے دور کہیں سے آتی
آواز میری سماعتوں میں خوشبو بن کے اتر گئی ختم شد

از قلم لبنا غزل

ماں جی

عشق حقیقی ہو یا محمدی صل اللہ علیہ والہ وسلم لکھنا جذبات بیان کرنا بہت ہی مشکل ہے اور جب یہ مشکل ہے تو پھر ماں کی محبت کو بیاں کرنا بھی ایک مشکل امر ہے کیونکہ اللہ زوالجلال نے اپنے بندوں سے اپنی محبت کو بیاں کرنے کے لئے ماں کی محبت کی مثال پیش کی ہے.... میں لکھنا چاہتی ہوں ماں پہ مگر لکھ نہیں پاتی... ماں جی.... خوبصورتی اور رعنائی سے بھرپور لفظ ہے.. شہد کی چاشنی لئے... ماں وہ ہستی ہے جو اولاد کی خاطر کٹھن سے کٹھن گھڑیاں بھی اچھے دنوں کی آس میں گزار دیتی ہے.. ماں جی وہ ہستی ہیں جو منہ کا نوالہ اپنے بچوں کے منہ میں ڈالتی ہے... اپنی ماں جی بارے میں کیا لکھوں ابھی اس قابل سمجھتی ہی نہیں کہ حق ادا کر پاوں گی... ماں جی وہ ہستی ہیں جو اولاد کی خاطر آبلہ پائی کا سفر طے کرتی ہے.. ہر دکھ خود پہ جھیل کر اولاد کو ہر سہولت فراہم کرتی ہے.. ریزہ ریزہ وجود کے ساتھ اولاد کو جوڑتی ہے... ان کی خاطر حق پہ ڈٹنے والی ماں جی... محبت کا اظہار الفاظ سے نہیں عمل سے کرنے والی ہستی ہیں... جب ساری دنیا آپ کو جھٹلائے وہ اعتبار کا مرہم رکھتی ہے... ہر لمحہ آپ کو آگے دیکھنے کی سعی میں خوش اس بات سے بالاتر کہ آگے والے پیچھے مڑ کر دیکھنا بھی بھول جاتے ہیں... قطرہ قطرہ اکٹھا کر کے اولاد کو سمندر بنانے والی ہستی صرف ماں ہی کی ہے... اپنے خواب گروی رکھ کر آپ کہ پلکوں پہ ستارے چمکانے والی ہستی... اپنی آرزوئیں دفنا کر آپ کی تمنا پوری کرنے والی ہستی... آپ سے لاکھ شکایتیں ہوں خاموشی کی چادر اوڑھنے والی ہستی صرف ماں کی ہے.. آپ کی غلطیاں، کوتاہیاں نظر انداز کر کے آپ کو شفاف بنانے والی ہستی ماں ہی کی ہے.. ماں کی محبت ایک ایسا سمندر ہے جس کی لہریں آپ کی بادباں کو کامیاب منزل تک پہنچاتی ہے.. ہر بات پہ دعاوں کے سفینوں سے نوازنے والی ہستی ماں جی ہی ہیں... لکھ تو دیا مگر بات وہی ہے حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا....

تحریر: فاطمہ عبدالخالق

عنوان: میری ماں

ماں ممتا سے بھرپور ایک ایسے احساس کا نام ہے جو بچے کے کہنے کے بغیر بھی سب سمجھتی ہیں, لیکن بچے جب بڑے ہو جاتے ہیں ماں کی وہ پکار وہ دعائیں محبتیں یہ کہہ کر حق ادا کر دیتے یہ تو اس کا فرض تھا کوئی کوہ کاف سے ہیرا لا کر تراشا نہیں تھا, اور مہینے کا خرچ دے اپنی فیملی میں مگن ہو جاتے ہیں بعض تو اس کا بھی تکلف نہیں کرتے.. یہ میری ماں کی دعاؤں کا اثر ہی ہے کہ میں آج ڈاکٹر ہوں جب بیرونی ملک میں پڑھتی تھی فون اور انٹرنیٹ کی سہولت میسر نہ تھی. ماں چڑیوں سے باتیں کرتی تھی اور صبح سویرے بہت سارے پرندے میرے ارد گرد چڑیوں کی چہچہاہٹ سے ماں کے پیغام کا احساس ہو جاتا تھا جب گھر کا نمبر ملاتی ماں ہیلو نہیں کہتی تھی بس یہ کہتی تھی چڑیوں اور ہوا نے تجھ تک پیغام پہنچایا کہ میں کتنا یاد کرتی ہوں کتنا تڑپتی ہوں اور میرے آنکھوں سے آنسو کا سیلاب امڈ پڑتا تھا وہی تو ہوا تھا چڑیوں کی آواز ہوا کی سوندھی سوندھی خوشبو نے ہی ماں کا پیغام دیا کہ ماں مجھے آواز اور ہوا بھی وہی. بیٹی کی شادی ہو جانے کے بعد بیٹی ماں مل بھی نہیں سکتی بیٹی بڑی ہو کر ماں کی ہمراز ہوتی ہے. ماں عظیم نعمت ہوتی ہے شازیہ نے اتنا ہی لکھا تھا کہ شوہر کی آواز آئی

...شازیہ شازیہ...

شازیہ فوراً قلم چھوڑ کر بات سننے چل دی اور سوالیہ انداز سے شوہر کی طرف دیکھا؟

جی کیا ہوا؟

کچھ چاہیئے تھا؟

آپ میرا اور اپنا سامان باندھو تمہیں آج ماں سے ملانے لے جا رہا ہوں اور شازیہ سامان پیک کرتے ہوئے سوچ رہی تھی محبت میں انسان کو ایک دوسرے کے دل کی خبر ہو ہی جاتی ہے جیسے اسے ماں کی ہوئی اور اس کے شوہر کو اس کی اداسی کا سبب بنا بتائے ہی معلوم ہو گیا وہ خوشی خوشی ماں سے ملنے کی تیاریاں کرنے لگی

از قلم: خدیجہ کشمیری

ماں

اجالا کب سے لیٹی ہوئی صرف اپنی مما کے بارے میں سوچ رہی تھی. ماں اتنا خوبصورت لفظ ہے کے اس کے ادا ہوتے ہی لبوں پر خود بخود مٹھاس آ جاتی ہے. اجالا کی زندگی آج سے تقریبا آٹھ سال پہلے خوشیوں سے بھری ہوئی تھی. وہ ایک طرف اپنے مما پاپا کی آنکھوں کا تارہ اور دل کا چین تھی تو دوسری طرف اپنے تین بھائیوں کی لاڈلی اور چہیتی بہن تھی. اس کے مما پاپا اور اسکے بھائی اسکی ہر بات مانتے تھے. اسکی کسی بات سے کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ بذات خود بہت اچھی تھی. سب کا بے حد خیال رکھتی تھی.

اجالا جب میٹرک میں تھی تو اچانک اسکے پیروں نے کام کرنا چھوڑ دیا. اسکے مما پاپا نے سب جگہ دکھایا کوئی ڈاکٹر کوئی حکیم کوئی روحانی معالج نہیں چھوڑا مگر کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ اسکے ساتھ کیا ھوا ہے.

اجالا نے بھی سب کچھ قسمت پہ چھوڑ دیا تھا. اسکی مما اسکا ہر کام خود کرتی تھیں. اجالا کو بلکل اچھا نہیں لگتا تھا وہ سوچتی تھی میں کیسی بیٹی ھوں بیٹیاں تو ماؤں کا سہارا بنتی ہیں انکی خدمت کرتی ہیں یہاں میری ماں میری خدمت کرتی ہے. یہ دیکھ کر اجالا کو بہت دکھ ہوتا تھا مگر وہ بھی رب کے آگے مجبور تھی کیونکہ اللہؐ نے اسے اپنے پسندیدہ بندوں میں چنا تھا اور اس پر یہ آزمائش ڈالی تھی. اجالا کی مما اسے بہت سمجھاتی تھیں کہ بیٹا تم اداس مت رہا کرو پہلے کی طرح خوش رہا کرو تم دیکھنا ایک دن ایسا ضرور آے گا کے تم پہلے کی طرح ٹھیک ھو جاؤ گی. اللہؐ کے گھر دیر تو ہے مگر اندھیر نہیں ہے بس تم ثابت قدم رہ کر اس آزمائش کا مقابلہ کرو. اسکی مما ہر وقت اجالا کے لئے اللہؐ سے دعا کرتی تھیں اے پروردگار میری بیٹی پر اپنا رحم و کرم کر دے اسکے بیجان پیروں میں جان ڈال دے اسے شفاء دے دے اسکے ساتھ جو بھی مسلہ ہے تو بہتر جانتا ہے ہم ناسمجھ ہیں نادان ہیں تو ہماری دعاؤں کو سن لے مالک. پھر ایک دن ایسا ھوا کے اجالا سو کر اٹھی. اس نے آرام سے اپنے پیر بیڈ سے نیچے اتارے اور دل سے اپنے رب کو پکارا اور کہا. یا اللہؐ میری مدد فرما تجھ سے بہتر کوئی مددگار نہیں یہ کہہ کر وہ اللہؐ کا نام لیکر کھڑی ہوئی پہلے قدم لڑکھڑاے مگر اس نے رب کا نام زبان پہ رکھا اور کھڑی ھو گئی اسکی مما آئیں تو اجالا کو

کھڑی دیکھ کر فوراً اسکی طرف بڑھیں. مما کبھی اسکا ماتھا چومتی کبھی اسکے بالوں کو بوسہ دیتیں کبھی ہاتھوں کو چومتیں انھیں یقین نہیں آرہا تھا کے ان کی بیٹی ٹھیک ھوگئی ہے اتنے میں اجالا کے پاپا اور بھائی بھی آگئے ان کی خوشی کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں تھا. اللہ نے اجالا کو ٹھیک کر دیا تھا اور یہ صرف اسکی ماں کی دعاؤں کا اثر تھا کیونکہ ماں کی دعا کبھی رائیگاں نہیں جاتی ماں جب دعا کرتی ہے اللہ پاک اس دعا کو فوراً قبولیت کا شرف بخشتا ہے ماں صرف محبت ہے ماں کی محبت کا کوئی نعم البدل نہیں ہے ماں سر تا پا محبت ہے ماں کے لئے لکھنے بیٹھیں تو شاید الفاظ ختم ھو جائیں مگر ہم اسکی تعریف بیان نہیں کر سکتے.

از قلم: ثناء شہزاد

،،

ہری مرچ کے نام

ماں

ایک ایسا لفظ بلکہ احساس ہے جس کا اظہار الفاظ سے ممکن نہیں۔۔۔ گرچہ بہت سے قلمکاروں نے سورج کو آئینہ دکھانے کی کوشش کی۔ماں کی عظمت، تقدس اور اسکی بڑھائی بیان کرنے کی کوشش کی ۔۔۔ مگر جس خراج و تحسین کی وہ مستحق ہے وہ ادا کرنے سے ابھی تک قاصر ہیں۔۔۔کیونکہ خدا کے بعد سب سے بڑی خالق ہستی ماں کی ہے۔اس مقام اور مرتبے کو تخلقیت کے کربناک مرحلے سے گذرے بغیر محسوس نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ تخلیقیت وہ عمل ہے جس سے گذرنا کسی عذاب سے کم نہیں۔۔۔۔۔درد ،کرب، اذیت ایسے کہیں الفاظ تخلیقیت کے اس مرحلے کا اظہار کرنے سے قاصر ہے جس سے ایک ماں گذر کے اپنے وجود سے ایک نیا وجود جنم دیتی ہے ۔۔۔شاید یہ کفیت خدا کے علاوہ اور اس ماں کے کوئی اور محسوس کر سکے۔۔۔ایک کرب سے گذرتے ہوئے جب روح تک درد محسوس کر رہی ہوتی ہے تب انگ انگ میں مسرت وخوشی اور سرشاری کی کفیت طاری ہونا۔۔۔یقیناً ایک بڑی خالق ہستی کا اعجاز ہے ۔۔۔وہ ہستی خدا کے بعد کائنات کی بڑی خالق ہے ۔۔۔۔۔ماں کی تعریف مرد اور وہ عورتیں بھلا کیسے کر سکتیں جو تخلقیت اس مرحلے کی درد و لذت سے نا آشنا ہیں۔۔۔ایک خوبصورت سی مثال دیتا چلوں۔۔۔افغانستان میں جب طالبان کی

حکومت تھی۔ ایک عورت نے ملا عمر کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا کہ اس کے بیٹے نے اسے مارا ہے اور گھر سے نکال دیا ہے۔۔۔ ملا عمر کا وہ فیصلہ ایسا کہ ہر کوئی سوچے اور داد دیئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔۔۔ جی ہاں ملا عمر نے ایک نومولود بچے کے وزن کے برابر ایک گٹھری تیار کروائی اور اس شخص کے یعنی اس عورت کے بیٹے کے پیٹ کے ساتھ نو ماہ کے لیے باندھنے کا حکم دے دیا۔۔۔ اور نو ماہ اس شخص کو اس حالت میں گذارنا پڑے۔۔۔ اگر ماں کی حقیقت اور رتبے کا حقیقی ادراک کرنا ہو تو نو مہینے نہیں محض ایک ہفتے کے لیے یہ کام کر کے دیکھیں تھوڑا بہت احساس ہو جائے گا۔۔۔ اور آخر میں یہی عرض کروں گا ماں سے عقیدت اور پیار کے اظہار کے لیے ایک دن ناکافی ہے بلکہ پورا سال بھی آپ ہر روز یوم ماں مناتے رہیں تب بھی آپ اس عظیم خالق ہستی کو خراج تحسین پیش نہیں کر سکتے۔۔۔ ہر دن ماں کا ہر پل ماں کا

طالب دعا۔۔۔ اویس قرنی شاہین

زارا صدف قمر عنوان ۔۔۔

ماں

شادی کو 11 سال ہو گزرے تھے

خود کو آج بھی اپنے میاں کی نظروں میں چہیتی بنائے رکھنا زینب کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔۔ گھر کے کاموں میں دھیان کم سے کم ہوتا جارہا تھا۔ یہ گھر کے اندر اس چھوٹے ڈبے کا کمال جس پر سارا دن یک بعد دیگرے پروگرام نشریات ہوتے یا اسکا اپنے اوپر وقت پر دھیان نہ دینا تھا ۔زیادہ سے زیادہ کولیسٹرول والی غذائیں مرغ مسلم ڈھیروں آئل اک دو کپ آئل اگر مرغ پر نہ ڈالا گیا ہو تو زینب حیدر کی نظروں میں اچھی شیف نہیں تھی ۔اور دونوں اس بات سے انجان تھے یہی آئل باڈی میں جاکر خون میں شامل ہوتا ہے جو کہ کولیسٹرول بڑھا دیتی ہے ابلی ہوئی سبزیاں جو کہ مریضوں والا کھانا لگتا مگر ایسا کھانا صحت مند زندگی کی ضامن ہے ۔۔۔اور یوں اپنی جان پر ظلم کرتے یہ ماں باپ پھر

کیسے آزر ،بالاج ،اور ہادی کا خیال رکھتے جو تینوں
بیٹوں کی شکل میں اللہ نے نعمتیں عطا کی تھی
آئے دن تھک جاتے جلد غصہ کر جاتے ماں
باپ سے اپنے ہی مسئلے حل نہیں ہو پا رہے تھے
۔کون کس کو کتنا ٹائم دیتا ہے حیدر اور زینب
دونوں کی سر گرمی اسی نقطے پر تمام ہوتی
۔۔۔آج اسکول سے آزر اور بالاج کے آنے پر
زینب نے بچوں کے کام کاج میں انکا ہاتھ بٹا کے
انکو کھانا کھلایا تھا ۔۔۔حیدر دوپہر میں آفس سے
کھانا کھانے اکثر گھر آتا تھا دروازہ بجا تھا ۔زینب
کے گیٹ کھولتے ہی سمجھ جانا تھا کے کام کرنے
کی ڈیوٹی ہے ۔۔۔اس نے اپنی کمر کس لی تھی
اور کچن کی جانب دوڑ لگائی تھی ۔کھانے کا
دسترخواں بچھا کے لاوازمات لانے دوبارہ کچن کی
جانب روا تھی ۔۔۔سالن کی ڈش رکھتے ہی حیدر
کا منہ بگڑا تھا۔یہ تم نے کیا مرغی کو پانی میں
ابال کے نکالا ہے زینب نے آئی برو اچکائی تھی
۔۔۔دونوں نے ہاتھ دھو کر منہ کو پانی لگایا تھا
۔۔ہادی نے بچا ہوا پانی نیچے گرا ڈالا تھا ۔جو اب
زینب کو صاف کرنا پڑا اک کام ہادی نے عین
کھانے کے وقت بڑھایا تھا ۔۔۔زینب کو بچوں کا
کھاتے وقت تنگ کرنا ازحد ناگوار لگتا تھا ۔چپ
چاپ کھانا ختم کرتے ہی دونوں نے شکر ادا کیا
تھا ۔

کھانے کا دسترخواں بھی ایک مسئلہ کشمیر سے کم
نظر نہیں آیا ۔۔۔اسکے لیئے بطور خاص جنکا ڈش
میں رکھی بچاری مرغی سے اس وقت کوئی تعلق
بھی قائم نہیں ہوا تھا ۔۔ زینب نے اندر بھیٹے
آزر اور بالاج کو ندا کی کے وہ یہ استعمال شدہ
برتن لیں جائیں ۔۔۔حیدر نے چائے کا حکم ہوا
میں چھوڑا تھا حیدر کی آواز سے چینی پتی دودھ
خود اٹھ کر چائے کی پتیلی کے ساتھ چولہے پر
بیٹھ جاتے مگر اس کام کیلیئے زینب کے ہاتھ کسی
آلارم لگی گھڑی کی طرح فورا جابجا کام کو تمام
نمٹا دینے کی لگن میں وہ اب چائے بھی لے

آئی تھی ۔حیدر نے چائے کو منہ لگاتے ہی آذر
اور بالاج کو پیسے بطور تحفہ پیش کئے تھے ۔روزانہ
یہ بچے پانچ پانچ کا سکہ ہاتھ میں تھامے
سرگوشیاں کرنے لگتے ۔ایسے میں زینب ٹیوشن
کیلئے آزر اور بالاج کو نہلاتی دھولاتی جیسے کل
عید کا دن ہو اور آج بقرہ لینے جارہے ہو ۔آزر
اور بالاج چاک و چوبند اپنے آپ کو آئینے میں
دیکھ کر خوشی محسوس کرتے کہ امی کے ہاتھوں
میں جادو ہے

پڑ جائے تو وہ بھی ٹائٹ آدھا جملہ ساتھ ہی
کھڑے بھائی نے مکمل کیا تھا اور لگ جائے تو وہ
بھی ۔۔۔۔

گھر میں اب ہادی اور زینب کے علاوہ کوئی نہ بچا
تھا سب اپنے اپنی منزل کی طرف روا تھے ۔مگر
گھر کے تمام کام جو زینب کی منتظر تھے ۔اگر
وقت پر نہ کرتی تو گھڑی کی سوئیاں تو نہیں
رکتی ہاں البتہ رات کو حیدر کے آتے ہی یہ

ضرور سننے کو ملتا کہ تم سارا دن کرتی ہی کیا ہو
۔۔یا پھر کبھی حیدر موڈ میں ہوتا تو اکثر شرارتی
لہجہ میں فقرہ جو چٹکلے کا کام کرتا معلوم ہوتا ۔

بڑےےے مزےےے ہیںءءءء بئی
۔۔۔۔۔ گر کام نہ کرے تو اس جملے سے اسکی
گھر کی دیواریں بھی انجان نہ تھی ۔گھڑی کی
سوئیوں کے پیچھے دوڑتی زینب کام کو انجام دینے
میں مصروف تھی کہ دروازہ بجا تھا ۔۔سوئیاں تو
جوں کی توں دوڑتی رہی مگر زینب سر پکڑ کے
ساتھ ہی لگی پلنگ پہ دھم سے بیٹھی تھی ،،،

افففف!!!

یہ نزہت باجی ہی ہونگی سارا ٹائم کھا لینگی اب
میرا ۔۔۔۔،،،خود سے ہمکلام نزہت سوچتی رہ گئی
کے گیٹ کھولے یا نہیں مگر زینب کا نزہت
سے اک ہمدردی اک حقوق العباد کا بھی تعلق
تھا ۔۔گیٹ کھلتے ہی نزہت باجی اپنا ہی گھر
سمجھتے ہوئے سامنے پڑی کرسی پر اجماد ہوئی تھی

۔جیسے وہ کرسی خاص انکے لیئے تیار کر رکھی ہو ۔وہی پرانی گھسی پٹی باتوں سے زینب کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔نزہت سے معزرت کرتے ہی زینب گپ شپ کو اور لطف اندوز کرنے کیلیئے چائے بنانے گئی تھی زینب کے ہاتھوں میں جادو تھا یا کچھ اور صرف چیزوں کو دیکھتی اور چیزیں زینب کے ہاتھوں سے چپک کر فوراً اپنا کام انجام دیتی ۔چائے کا کپ ہاتھوں میں تھامے نزہت اور زینب کی باتوں میں ہادی کی نیند خراب ہوئی تھی ۔باجی سے باتیں کرتی زینب اب چائے کو پیتی ہوئی اب ہادی کو چائے سے بسکٹ کھلا رہی تھی ۔۔

گھڑی میں دوڑتی یہ سوئیاں جتنا زینب سے قریبی تعلق پیش کر رہی تھی اتنا ہی نزہت باجی سے دور ۔اک بار پھر گیٹ بجا تھا ۔۔بچے ٹیوشن سے آچکے تھے ۔زینب کی مسکراہٹ نے بچوں کی آمد کو سرہایا تھا ۔۔۔جاتے جاتے نزہت باجی ،،ارے زینب تم میری وجہ سے اپنا کام مت روکو بچوں کو دیکھو میں چلتی ہوں ۔زینب کی مسکراہٹ کے ساتھ نزہت باجی اب جاچکی تھی جو کہ زینب کے ہی پڑوسن تھی ۔۔۔زینب کو اک بار پھر کام پہ غصہ آیا تھا ۔۔۔مگر چائے کی آدی زینب نے نزہت باجی کی وجہ سے چائے کا لطف اٹھایا تھا ۔۔۔لہزا زینب دل سے انکی شکر گزار ہورہی تھی ۔۔۔جسے رب نے کوئی فرشتہ بھیجا تھا ۔۔

زینب بچوں کو کچھ بنا کے پیش کرتی تو کچھ شام کی ہنڈیاں کی تیاری کرتی چونکہ حیدر تازہ کھانا اور مرغ مسلم کے دیدہ تھے ۔۔شام کے کھانے سے فارغ ہوکر زینب نے آج کا دن کا ٹاس کامیابی سے پورا کیا تھا ۔۔بستر میں خود کو قید کرتی زینب نے دن بھر کی تھکن کی اک ٹھنڈی آہ بھری تھی ۔ جیسے اگلے دن کی ٹاس کا پھر سے بزر بجنے والا ہو ۔آنکھیں موندیں زینب خود

سے ہمکلام تھی ۔۔۔کیا تھی میں ؟؟ کیا سے کیا ہوگئی ۔۔۔بس کام زندگی پر حاوی ہوگیا ،،،یہ بچے یہ حیدر اب میری مکمل زمہ داری ہوگئے ہیں ۔۔۔کہ زینب کو کل کا پڑھا ہوا داستانِ دل سے عنوان) ماں (پر شائع ہونے والا زارا صدف قمر کا شمارہ اک بار پھر زینب کے دماغی اسکرین پر تیزی سے گشت کررہا تھا ۔۔

جس میں لکھا تھا ،،،،،،

عورت اس وقت اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتی ہے ۔جب وہ اپنی محبت اور شفقت اپنے بچوں پر نچھاور کرتی ہے ۔اور فرمانبردار عورت کو جنت کی ضمانت ہیں ۔۔۔ اور زینب بھی تو یہی سب کررہی تھی جس سے ہر ماں کو گزرنا پڑتا ہے زینب کی امی نے بھی یہی سب کیا ہوگا اور بے شک لڑکی سے ماں تک کا صفر مشکل ضرور ہے مگر جس کے ساتھ اللہ رب العزت ہو اسکے ساتھ آسماں سے فرشتے مدد کو اتر آتے ہیں ۔۔

زینب کی ہمت کل کے دن کے چیلنج کیلئے اور مزید ابھری تھی ۔۔اب کی بار زینب کی آنکھ گہری نیند میں زینب کے چہرے پر سکوں کا منظر سجا رہے تھے۔۔۔

زارا صدف قمر

ہمارے بابا سائیں فرماتے ہیں کہ اللہ کی آواز سننے کی پریکٹس کرنی چاہیئے، جو شخص اللہ کی آواز کے ساتھ اپنا دل ملا لیتا ہے، اسے کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں رہتی۔ کسی نے بابا جی سے پوچھا کہ "اللہ کی آواز کے ساتھ اپنا دل ملانا بھلا کیسے ممکن ہے؟" تو جواب ملا کہ "انار کلی بازار جاؤ، جس وقت وہاں خوب رش ہو اس وقت جیب سے ایک روپے کا بڑا سکہ (جسے اس زمانے میں ٹھیپہ کہا جاتا تھا) نکالو اور اسے ہوا میں اچھال کر زمین پر گراؤ۔ جونہی سکہ زمین پر گرے گا، تم دیکھنا کہ اس کی چھن کی آواز سے پاس سے گزرنے والے تمام لوگ متوجہ ہوں گے اور پلٹ کر زمین کی طرف دیکھیں گے،

کیوں؟

اس لئے کہ ان سب کے دل اس سکے کی چھن کی آواز کے ساتھ "ٹیون اپ" ہوئے ہیں۔ لہٰذا اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ یا تو تم بھی اپنا دل اس سکے کی آواز کے ساتھ "ٹیون اپ" کر لو یا پھر اپنے خدا کی آواز کے ساتھ ملا لو" بابا جی کا بیان ختم ہوا تو نوجوانوں کے گروہ نے ان کو گھیر لیا اور سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ کسی نے پوچھا" سر! ہمیں سمجھائیں کہ ہم کیسے اپنا دل خدا کے ساتھ "ٹیون اپ" کریں کیونکہ ہمیں یہ کام نہیں آتا؟" اشفاق صاحب نے اس بات کا بھی بے حد خوبصورت جواب دیا،

فرمانے لگے "یار ایک بات تو بتاؤ، تم سب جوان لوگ ہو، جب تمہیں کوئی لڑکی پسند آجائے تو تم کیا کرتے ہو؟

کیا اس وقت تم کسی سے پوچھتے ہو کہ تمہیں کیا کرنا چاہیئے؟

نہیں، اس وقت تمہیں سارے آئیڈیاز خود ہی سوجھتے ہیں، ان سب باتوں کے لئے تمہیں کسی گائیڈینس کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ اس میں تمہاری اپنی مرضی شامل ہوتی ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ جب خدا کی بات آتی ہے تو تمہیں وہاں رہنمائی بھی چاہئے اور تمہیں یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ خدا کے ساتھ اپنے آپ کو" ٹیون اپ "کیسے کرنا ہے؟

از قلم مدیحہ شبیر شاہ نکڑر

گورنمنٹ ھائی سکول کے داخلی گیٹ کے پاس ایک باباجی بریانی کی ریڑی لگایا کرتے تھے ان کا نام عبد الرحیم تھا مگر سب ان کو "بابوجی بریانی والے" کے نام سے یاد کرتے تھے۔

انتہائی غریب، سادہ مگر جفاکش، بااخلاق اور صالح انسان تھے امیر و غریب سب کے ساتھ یکساں معاملہ کرتے تھے اور لاچار و بے آسرا لوگوں کا سہارہ بننا جیسے ان پر فرض و لازم تھا ایک دن وقفہ ختم ہونے کی گھنٹی (بیل) بجی سب بچے اسکول کو چل دیئے مگر میں تھوڑا لیٹ ہو گیا، اسی لمحے تین لمبے تڑنگے آدمی بابوجی کی طرف بڑھے، بابوجی کی پیشانی پر خوف و پریشانی کے آثار نمایاں ہوئے لیکن کپڑا لیا اور لگے بینچ صاف کرنے.. انھوں نے آتے ہی پانی لانے کا اشارہ کیا جب پانی ملا تو ایک نے گلاس جبکہ دوسرے نے جگ کو منہ سے لگالیا گویا تمیز نام کی کوئی چیز ان کے اندر نہیں تھی پھر ہر ایک نے مرضی کا آرڈر دیا اور بابوجی نے جھٹ سے تیار کر کے پیش کر دیا جب کھانے سے دوھاتھ کر لئے اب لمبی ڈکاریں لیتے ہوئے ایک طرف کو چل دیئے تو باجوجی گویا ہوئے خدارا..! میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ان کا پیٹ پالنے کے لئے یہاں کھڑا ہوتا ہوں خود کی زندگی تو بیت چلی جو ملا کھالیا آپ لوگ روزانہ اس طرح کھا پی کہ بغیر روپے دیئے چل دیتے ہیں کچھ تو خوف خدا بھی کرو بس یہ سننا تھا کہ لال پیلے ہو گئے ایک نے آگے بڑھ کر دھکا دیا تو بابوجی پیٹھ کے بل جا گرے اور ٹوپی نالی میں، پھر دو نے بریانی کی دیگ اٹھا کر الٹادی اور زور سے پاؤں زمین پر پٹختے ہوئے دھمکی دے کر ایک طرف کو ہو لئے میں یہ سارا ماجرہ دیکھ رہا تھا مگر کیا کرتا بس اپنی بے بسی کو کوستا رہا، جب وہ بدمعاش کچھ دور گئے تو میں نے آگ بڑھ کر بابوجی کو سہارہ دے کر بٹھایا اور پانی کا گلاس ان کے منہ سے لگایا ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور ان کی

آنکھ سے آنسو زار و قطار بہہ رہے تھے میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور دو سو روپے جو ماموں نے بطور انعام دیئے تھے بابو جی کی ہتھیلی پر رکھ دیئے وہ لینے سے انکار تو کر رہے تھے مگر ضرورت ان کے چہرے سے عیاں ہو رہی تھی میں ان سے ڈھیروں دعائیں لیتا واپس ہوا تو کچھ دور لوگوں کا اک ہجوم دیکھا معلومات لیں تو پتا چلا کہ وہ تینوں ایک تیز رفتار گاڑی کی ضد میں آ گئے تھے ان میں سے دو موقع پر مر گئے اور تیسرے کی حالت انتہائی نازک بتائی جا رہی تھی یہ سن کر میں جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا اور جبکہ ان تینوں کو اپنے کیے کا بدلہ جلد ہی مل چکا تھا_

سچ کہتے ہیں کہ مظلوم (کافر ہی کیوں نہ ہو) کی بدعاء سے بچو کہ وہ عرش الہی کو ہلا دیتی ہے.

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتق دعوۃ المظلوم (مشکوۃ شریف)

از قلم اسامہ جمیل

عنوان: ۱۲ رہنما اصول

۱) اپنی خواہشوں کو کبھی اپنے قدموں سے آگے نہ نکلنے دو جو مل گیا اس پر شکر کرو جو چھن گیا اس پر افسوس نہ کرو۔

۲) جو مانگ لے اس کو دے دو، جو بھول جائے اسے بھول جاؤ۔

۳) دنیا میں بے سامان آئے تھے، بے سامان واپس جاؤ گے، سامان جمع نہ کرو۔

۴) ہجوم سے پرہیز کرو، تنہائی کو ساتھی بناؤ۔ جسے خدا ڈھیل دے رہا ہو، اس کو کبھی احتساب نہ کرو۔

۵) بلا ضرورت سچ فساد ہوتا ہے، کوئی پوچھے تو سچ بولو، نہ پوچھے تو چپ رہو۔

۶) لوگ لذت ہوتے ہیں اور دنیا کی تمام لذتوں کا انجام برا ہوتا ہے۔

۷) زندگی میں جب خوشی اور سکون کم ہو جائے تو سیر پر نکلنے جاؤ، تمھیں راستے میں سکون بھی ملے گا اور خوشی بھی

۸) دولت کو روکو گے تو خود بھی رک جاؤ گے، چوروں میں رہو گے تو چور ہو جاؤ گے۔

۹) اللہ راضی رہے گا تو جگ راضی رہے گا، وہ ناراض ہو گا تو نعمتوں سے خوشبو اڑ جائے گی۔ سادھوؤں میں بیٹھو گے تو اندر کا سادھو جاگ جائے گا۔

۱۰)۔ تم جب عزیزوں، رشتے داروں، اولاد اور دوستوں سے جڑنے لگو تو جان لو اللہ تم سے ناراض ہے اور تم جب اپنے دل میں دشمنوں کے لیے رحم محسوس کرنے لگو تو سمجھ لو تمہارا خالق تم سے راضی ہے۔

۱۱) کبھی خود نہ چھوڑنا دوسرے کو فیصلے کا موقع دینا یہ اللہ کی سنت ہے اللہ کبھی اپنے مخلوق کو تنہا نہی چھوڑتا، مخلوق اللہ کو چھوڑتی ہے۔

۱۲) جو جا رہا ہے اسے جانے دینا، مگر جو واپس آ رہا ہو، اس پر کبھی اپنا دروازہ بند نہ کرنا، یہ بھی اللہ کی عادت ہے، اللہ واپس آنے والوں کے لیے ہمشہ اپنا دارواز ہ کھلا رکھتا ہے۔ تم یہ کرتے رہنا تمھارے دروازے پہ میلہ لگا رہے گا۔

تحریر: نوموکوموکہ مکرم

عنوان: جنوب کا ستارہ

گرمیوں کی ٹھنڈی میٹھی راتوں میں اکثر میں آسمان کو تکتے ایک ستارے کو تکا کرتی تھی جنوب کی طرف ایک تنہا ستارہ۔۔۔

میں اکثر اپنی امی سے پوچھا کرتی یہ جنوب کی طرف ایک اکیلا ستارہ کیا کرتا ہے؟؟ تھک جاتا ہو گا نا اور امی کہتی تھیں یہ اکیلا ہی کب ہوتا ہے پر امی میں نے تو جب بھی دیکھا چپ چاپ اور اکیلا ہوتا ہے امی بولتیں یہ بھٹکے ہوئے مسافروں کو راستہ دکھاتا ہے

کون سے مسافر؟؟

امی: جو راستہ بھول جاتے ہیں میری جان

مگر کہاں؟؟

امی: ہر جگہ صحرا ہو یا سمندر جنوب کے ستارے سے لوگ سمت کا تعین کرتے ہیں آج زندگی کے کتنے ہی برس گزر گئے زندگی میں کتنے ہی لوگ آ کر چلے گئے میں جنوب کے ستارے کی تلاش میں رہی پھر سوچا میں بھی تو جنوب کا ستارہ بن سکتی ہوں گمشدہ راستوں کے مسافروں کی ساتھی جو خود اکیلا ہو کر بھی لوگوں کو

منزل کا پتہ دیتا ہے وہ کسی کا ساتھ طلب نہیں کرتا
لوگوں کو کھونے نہیں دیتا وہ کسی کو نہیں کہتا دیکھو میں
کتنا اکیلا ہوں کتنا سنسان ہوں مسافر آتے ہیں چلے
جاتے ہیں جنوب کا ستارہ پوری آب و تاب سے جگمگاتا
ہے اب آپ فیصلہ کر لیں آپ مسافر بننا چاہتے ہیں یا
جنوب کا ستارہ

ارم

کہتے ھیں کہ ایک دن ایک چور کو
راستے میں ایک بٹوا ملا جس میں بہت
سے
پیسے تھے۔ اُس بٹوے پر کوئی دعا
لکھی ھوئی تھی اور ایک خانے میں
بٹوے کے مالک کا نام اور پتہ بھی
رکھا ھوا تھا۔ چور نے وہ بٹوا ثابت
اُس کے مالک کے حوالے کر دیا۔ اُس
شخص نے چور سے پوچھا کہ تم آرام
سے یہ پیسے رکھ سکتے تھے واپس
کیسے کر دئیے؟
چور نے جواب دیا: "آپ نے بٹوے جو
دعا لکھوائی ھے اِس عقیدے پر
لکھوائی ھو گی کہ اگر یہ کھو جائے
تو اِس دعا کی برکت سے آپ کو واپس
مل جائے۔ میں چور ضرور ھوں لیکن
صرف مال و دولت کا۔ کسی کا عقیدہ
چوری نہیں کر سکتا۔ اگر میں آپ کا
بٹوا واپس نہ کرتا اور آپ کا اعتقاد اِس
دعا پر کمزور پڑ جاتا تو تب میں آپ
کے ایمان کا چور ھوتا اور یہ مال و
دولت کی چوری سے ھزار گنا بڑا گناہ
ھے

از قلم ناز خان

حضرت سلیمان_علیہ_السلام نہر کے کنارے بیٹھے
ہوئے تھے کہ ان کی نگاہ ایک چیونٹی پر پڑی جو گیہوں
کا ایک دانہ لے کر نہر کی طرف جا رہی تھی، حضرت
سلیمان علیہ السلام اس کو بہت غور سے دیکھنے لگے،
جب چیونٹی پانی کے قریب پہنچی تو اچانک ایک مینڈک
نے اپنا سر پانی سے نکالا اور اپنا منہ کھولا تو یہ چیونٹی
اپنے دانہ کے ساتھ اس کے منہ میں چلی گئی، میڈک
پانی میں داخل ہو گیا اور پانی ہی میں بہت دیر تک رہا،
سلیمان علیہ السلام اس کو بہت غور سے دیکھتے رہے

،ذرا ہی دیر میں مینڈک پانی سے نکلا اور اپنا منہ کھولا تو چیونٹی باہر نکلی البتہ اس کے ساتھ دانہ نہ تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو بلا کر معلوم کیا کہ "ماجرہ کیا تھا اور وہ کہاں گئی تھی" اس نے بتایا کہ اے اللہ کے نبی آپ جو نہر کی تہہ میں ایک بڑا کھوکھلا پتھر دیکھ رہے ہیں، اس کے اندر بہت سے اندھے کیڑے مکوڑے ہیں، اللہ تعالی نے ان کو وہاں پر پیدا کیا ہے، وہ وہاں سے روزی تلاش کرنے کے لیے نہیں نکل سکتے' اللہ تعالی نے مجھے اس کی روزی کا وکیل بنایا ہے، میں اس کی روزی کو اٹھا کر لے جاتی ہوں اور اللہ نے اس مینڈک کو میرے لیے مسخر کیا ہے تاکہ وہ مجھے لے کر جائے، اس کے منہ میں ہونے کی وجہ سے پانی مجھے نقصان نہیں پہنچاتا، وہ اپنا منھ بند پتھر کے سوراخ کے سامنے کھول دیتا ہے، میں اس میں داخل ہو جاتی ہوں، جب میں اس کی روزی اس تک پہنچا کر پتھر کے سوراخ سے اس کے منہ تک آتی ہوں تو مینڈک مجھے منہ سے باہر نکال دیتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: "کیا تو نے ان کیڑوں کی کسی تسبیح کو سنا" چیونٹی نے بتایا: ہاں! وہ سب کہتے ہیں:

"اے وہ ذات جو مجھے اس گہرے پانی کے اندر بھی نہیں بھولتا"

نام ناذ خان

آج پھر ماں جیت گئی تھی۔۔۔

اماں، اماں۔ ذرا کمرے میں آنا اس کی طبیعت خراب ہے۔

تو مجھے کیوں بتا رہا ہے جا کہ دائی بشیراں کو بلالا۔ اور مجھے سونے دے اب۔ اماں ناراضگی چھوڑ دے اب اور، میرے ساتھ چل ذرا دیر کے لیے۔

میں نے کہا نا کہ میں نہیں آرہی۔ بشیراں کو بلالا۔

جب سے میری بیوی کی ڈولی اس گھر میں آیا۔ میری زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی۔ بیوی کی سنوں تو زن مرید، ماں کی سنوں تو بیوی کی نظروں میں برا۔

پچھلے آٹھ نو ماہ میں اس گھر کا نقشہ ہی بدل گیا۔ صبح شام کی چخ چخ نے مجھے محلے میں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ آئے دن لڑائی جھگڑے، چیخ و پکار اور طعنوں نے گھر کو جہنم بنا ڈالا۔

قصور۔؟ قصور تو شاید کسی کا نہیں تھا۔ اگر بیوی بدزبان تھی تو ماں میں بھی حوصلہ نہیں تھا۔ مگر وہ ماں تھی اور اسی بات کی بیوی کو سمجھ نہیں تھی۔

اب میرے گھر میں خوشخبری تھی۔ گو کہ ان دنوں ماں نے بہو کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ اور اکثر اوقات تو وہ اس کی جلی کٹی بھی برداشت کر گئی تھی، جس سے میں بہت خوش تھا کہ چلو اب شاید گھریلو ماحول میں اتنی کشیدگی کچھ کم ہو جائے۔ مگر میں آج آفس سے آیا تو، آج پھر صحن پانی پت کا میدان بنا ہوا تھا۔

اب میں اس ماحول میں کیا کرتا۔ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ پیچھے بیگم بھی آ گئی۔ اس نے مجھے خوش کرنے کی بہترین کوشش کی مگر میں منہ موڑے سو گیا۔ رات کو تقریباً 2 بجے اس نے مجھے جگایا کہ مجھے درد ہو رہا ہے۔

میں بھاگم بھاگ اماں کے پاس گیا کہ چلو اس کو خوشخبری دوں اور۔ مگر اماں نے میرا دل توڑ دیا۔ اس نے بالکل ہی لاتعلقی کا اظہار کر دیا۔

میں افسردہ انھی سوچوں میں ڈوبا دائی کے گھر جا پہنچا۔ اسے اپنے ساتھ لے کر آیا۔ اور، صبح کے 5 بجے میری بیوی نے انتہائی جانکنی کے بعد ایک بیٹے کو جنم دیا۔

دائی کے فارغ ہونے کے بعد میں کمرے میں گیا تو میری بیوی نیم بے ہوشی کی حالت میں تھی۔ میری موجودگی کا احساس پاتے ہی وہ گویا ہوئی، اماں یہ دیکھیں آپ کا پوتا کتنا پیارا ہے۔ گو کہ بچے کی رونے کی آواز سن کر میری ماں جو صبح نماز کے بعد قرآن کی تلاوت کر رہی تھی وہ بھی بے چین تھی، اور کمرے میں آنا چاہتی تھی، مگر ہچکچا رہی تھی۔

میں نے بیوی کے ماتھے پہ بوسہ دیا تو وہ جاگ گئی اور کہا اماں کہاں ہے۔؟ میں ایک خود غرض بیٹا، اس کے علاوہ بھلا کیا جواب دیتا

کہ چھوڑو اماں کو۔ اس نے کون سا تمھارا احساس کیا تھا۔

مگر میں ایک مرد تھا۔ کسی بھی ماں کا درد نہیں جان سکتا تھا۔ اس لیے جب میں بھٹکنے لگا تو ایک عورت (میری بیوی) نے ہی مجھے صحیح راستہ دکھلایا اور کہا

نھیں قربان۔ ایسے نہ کہو۔ وہ ماں ہیں اور میں بھی اب ایک ماں ہوں، اس لیے ماؤں کا دکھ سمجھ سکتی ہوں۔ جا کر اماں کو بلالاؤ تاکہ وہ بھی اپنے پوتے کو دیکھ سکے، تاکہ وہ بھی اپنے بیٹے کے بیٹے کو گود میں لے سکے، تاکہ وہ بھی اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر سکے

اور آج پھر ماں جیت گئی تھی۔!

محمد مبین امجد گوجرانوالہ

ایک یادگار واقعہ آج سے کوئی چھ سال پہلے کی بات ہے، ہم رات ہی اُس نئے گھر میں شفٹ ہوئے تھے ---آدھے سے زیادہ سامان سیٹ ہو چکا تھا۔ جب بچے اسکول اور اعجاز آفس جا چکے تو میں نے سوچا بچوں کے واپس آنے تک صحن میں سے اضافی سامان ہٹا کے صحن صاف کر دوں----کافی سامان اِدھر اُدھر کرنے سے صحن تقریباً خالی ہو گیا تو میں صفائی کرنے لگی ---ابھی تھوڑا سا صحن صاف ہوا تھا کہ مجھے اپنے پیچھے سے کچھ ایسی آواز آئی جیسے کوئی سیڑھیاں اتر کر نیچے آ رہا ہو------نیا گھر، نیا محلہ اور میں اکیلی---میرا تو مانو اُوپر کا سانس اُوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا، ایک ایک سیڑھی سے اترنے کی آواز ایک دم میرے پیچھے آکر رک گئی----میں دم سادھے اپنی جگہ بیٹھی تھی---ہمت کر کے ڈرتے ڈرتے آہستہ آہستہ سر گھما کے پیچھے دیکھا تو پھر جو میری ہنسی نکلی ہے تو رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی اسامہ کی باسکٹ بال میرے پیچھے پڑی تھی جو میں نے سامان سمیٹتے وقت صحن سے اُوپر جاتی سیڑھیوں میں چند اسٹیپس اُوپر رکھ دی تھی، وزنی ہونے کی بنا پر جب سیڑھیوں سے نیچے آئی تو ایسا ہی گمان ہوا جیسے کوئی انسان اسٹیپ بائے اسٹیپ نیچے اُترتا ہے------آج بھی جب یہ واقعہ یاد آتا ہے تو بے ساختہ ہنسی آ جاتی ہے۔

ریحانہ اعجاز کراچی

کہاں جارہی ہو؟'' انمول کی آنکھ کھلی تو عندلیب کو ڈریسنگ کے سامنے تیار ہوتے ہوئے پایا۔ اس نے وال کلاک پر نظر دوڑائی تو وہ گیارہ بجنے کی نوید سنا رہا تھا۔ وہ آنکھیں مسلتے ہوئے اٹھ بیٹھا اور یک ٹک عندلیب کی جانب دیکھ رہا تھا

''فہیم کا فون آیا تھا۔ آج ہم دونوں کالج جارہے ہیں۔۔'' لپ لوزر لگاتے ہوئے اس نے بے نیازی سے کہا

''میں بھی چلتا ہوں۔۔'' لحاف کو سرکا کر اس نے اٹھنا ہی چاہا تھا کہ عندلیب جھٹ پلٹی

''تمہیں جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔'' برق رفتاری سے کہا

''مگر کیوں؟'' اس نے استفہامیہ انداز میں عندلیب کی طرف دیکھا

''تم ایسے ہی بوریت محسوس کرو گے۔۔۔ ہم دونوں اپنی باتیں کریں گے یا پھر تم سے۔۔'' کہہ کر وہ پلٹی اور دوبارہ میک اپ کرنے میں مصروف ہوگئی

''کچھ نہیں ہوتا۔۔'' وہ اٹھا اور وارڈروب سے اپنے اپنا ڈریس نکالا

''کہاناں! کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں جانے کی۔۔ سمجھ نہیں آتی۔'' اس کے لہجے میں روکھا پن واضح تھا

''تمہیں میرے ساتھ جانے میں پرابلم ہے یہ پھر تم دونوں کے درمیان میرے ہونے سے۔۔'' اس نے غصے میں ڈریس بیڈ پر پھینک دیا۔

''تمہارا جو دل چاہے سمجھو۔۔۔ مگر میری جان چھوڑو۔۔'' پلٹ کر اس نے عقابی نظروں سے انمول

کی طرف دیکھا اور پھر پاؤں پٹختی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

* * * *

"ضرغام۔۔ جانا ضروری ہے کیا؟" پیکنگ کرتے ہوئے اس کے ہاتھوں نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ نا جانے کیوں اس کا دل اندر ہی اندر سے اسے کہہ رہا تھا کہ ضرغام کو جانے سے روک لے۔ ایک خوف تھا جو اسے اندر ہی اندر سے پریشان کئے ہوئے تھا

"جانا ضروری ہے۔۔" وارڈروب سے اپنے کپڑے نکال کر بیڈ پر رکھ دیئے۔ چہرے پر انتہا کی سنجیدگی تھی۔ ابھی تک اس نے اپنے دل کا حال وجیہہ کے سامنے نہیں رکھا تھا۔ کچھ دن اکیلے رہ کر وہ اپنے دل کا حال اپنے رب کے سامنے بیان کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے بنا کسی کو بتائے اس نے عمرہ کا سامان سفر باندھا تھا۔ گھر سے کسی اپنے کو ملنے کا کہہ کر وہ وہاں جا رہا تھا۔ وہ اپنا ہی تو ہے۔ خدا کا گھر ہر مسلمان کا اپنا ہی تو ہوتا ہے۔ وہ بھی اسی اپنے گھر میں جا رہا تھا جہاں دلوں کو ایک نئی زندگی ملتی ہے۔

"لیکن اچانک؟" وہ ضرغام کے دل کے حالات سے تو واقف نہ تھی مگر جو دیکھ رہی تھی اس کی بنا پر ایک ڈر اس کے دل میں کھٹک رہا تھا۔

"دنیا میں ہر کام اچانک ہی تو ہوتا ہے۔۔" ایک طمانت بھری نگاہ اس نے وجیہہ کے چہرے پر ڈالی تھی۔

"ٹھیک ہے۔۔" کچھ سوچتے ہوئے اس نے بجھے دل سے کہا تھا۔ پیکنگ کرنے کے بعد اس نے ایک نظر ضرغام پر ڈالی جو رسٹ واچ باندھ رہا تھا

"دیکھائیں۔۔ میں باندھ دیتی ہوں۔۔" اپنے ہاتھوں سے اس کی کلائی میں واچ باندھنے لگی۔ آنکھوں میں ایک عجیب سا ڈر ضرغام کی آنکھوں سے چھپ نہیں پایا

"تم اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو؟" اس نے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اس کی ٹھوڑی کو پکڑ کر اوپر کیا۔ جھکی نظروں نے ضرغام کو دیکھا تو ان میں پانی تیرنے لگا

"یہ کیا ان آنکھوں میں آنسو۔۔" پہلی بار اس نے

اپنے گرم ہاتھوں کے انگوٹھوں سے اس کے آنسو کو پونچھا۔اس کے چھونے کی دیر تھی کہ دل میں ایک سکوت اتر گیا

"تم خود ہی تو کہتی ہو جو ہوتا ہے اچھے کے لئے ہوتا ہے ۔میرا جانا ضروری ہے مگر دیکھنا میرا جانا ہمارے رشتے کو مزید مضبوط کر دے گا اور میری واپسی تمہارے لئے ایک نعمت ہو گی۔۔" ضرغام کی باتیں اس کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔وہ یک ٹک اسے دیکھتی جا رہی تھی

"یہ میرا وعدہ ہے کہ اب تمہیں کوئی تکلیف نہیں دونگا۔۔"اس کی آواز میں عجب مٹھاس تھی مگر نہ جانے کیوں ڈر تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔اُس نے رسٹ واچ پر نگاہ دوڑائی تو جانے کا وقت ہو چکا تھا

"جانے کا وقت ہو گیا ہے۔۔"اس کی آواز بھی بھر آئی تھی مگر وہ اپنے جذبات کو کنٹرول کرنا جانتا تھا۔نرمی کے ساتھ اس نے اپنا ہاتھ اس کے رخسار پر پھیرا اور پھر سوٹ کیس اٹھا کر کمرے سے باہر چلا گیا۔کچھ دیر اس کی راہ کو تکتے رہنے کے بعد وہ بھی باہر کو چل دی۔ایک ایک قدم اٹھانے کے لئے اسے جتنی جہد کرنی پڑ رہی تھی۔یہ صرف وہی جانتی تھی۔آگے دیکھا تو اسے نیچے ٹی وی لاؤنج میں پایا اور خود کو پہاڑ پر کھڑے ہوئے پایا۔ایک ایک سیڑھی اس کے لئے پل صراط تھی۔وہ سہارا لیتے ہوئے نیچے اتر رہی تھی۔شگفتہ بی بی اپنے ہاتھوں سے اس کو پیار کر رہی تھی

"خیال رکھنا اپنا۔۔اور کھانا وقت پر کھانا۔۔" بچوں کی طرح وہ نصیحت کر رہی تھی مگر یہ نصیحت آج اس گراں نہیں تھی۔وہ چاہتا تھا کہ آج اس جیسی کئی اور نصیحتیں کی جائیں وہ ان کو سننا چاہتا تھا۔ان پر عمل کرنا چاہتا تھا

"جی امی۔۔" اس نے پیار سے اُن کے ہاتھوں کو چوما تھا۔یہ دیکھ کر شگفتہ بی بی کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔انہوں نے جھٹ ضرغام کو اپنے گلے لگا لیا۔ایسا لگ رہا تھا۔جس وقت کا انہوں نے اتنا عرصہ انتظار کیا،وہ پل آ گیا ہے۔ان کا بیٹا،ان کے پاس ہے۔وہ

بیٹا جو ان کا اپنا تھا۔ ان کا کہا مانتا تھا۔ ممتا کی تشنگی تھی کہ
بجھنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ وہ بھی ان کے پاس
کھڑی آنکھوں میں اشک سموئے ہوئے تھی۔
"اب چلتا ہوں۔۔" آہستہ سے پیچھے ہٹا اور ایک نرم
گرم نگاہ وجیہہ کے وجود پر ڈالی تو جیسے اس کے بکھرے
وجود کو کنارہ مل گیا۔ اس کی خاموش نگاہوں نے اسے
وہ کچھ کہہ دیا جو شاید وہ بول کر بھی نہیں کہہ سکتا تھا
"اچھا پھر اب میں چلتا ہوں۔۔" آگے بڑھ کر اس
نے ابھی اپنا سوٹ کیس ہی اٹھایا تھا کہ مضبوط قدموں
کی آوازوں نے سب کو دروازے کی طرف دیکھنے پر
مجبور کر دیا۔ اس کے ہاتھ سے سوٹ کیس پھسل گیا۔
ایک زوردار آواز پیدا ہوئی۔ وجیہہ کی نظریں بھی
کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ شگفتہ بی بی بھی یک ٹک
دروازے کی طرف دیکھتی جا رہی تھیں۔ تین آدمی
بغیر اجازت کے گھر میں داخل ہوتے جا رہے تھے۔
تینوں سے سیاہ شرٹ اور خاکی پینٹ پہنی ہوئی تھی۔
ایک کے ہاتھ میں چھری اور ایک کے ہاتھ میں
ہتھکڑیاں تھی۔ تیسرا آدمی ان کا افسر معلوم ہوتا

تھا۔ وہ خالی ہاتھ بس سب چیزوں کو گھورتا جا رہا تھا
"جج جی آپ۔۔" ضرغام نے ہکلاتے ہوئے کہا تھا
"آپ ہی مسٹر ضرغام عباسی ہیں؟" اس افسر نے
تصدیق چاہی تھی
"جی میں ہی ضرغام عباسی ہوں۔۔" غیر یقینی نگاہوں
سے دیکھتے ہوئے اس نے جواب دیا
"آپ کو گرفتار کیا جاتا ہے۔۔!!" یہ آواز صور
اسرافیل کی مانند تھی۔ وجیہہ کی تو جان ہی نکل گئی۔
ایک ایسا دھچکا لگا کہ وہ صوفے سے ہی جا ٹکرائی۔ اسے
اپنی سماعت پر یقین ہی نہیں [illegible] آ رہا تھا۔
"کیا کہا آپ نے؟" شگفتہ بی بی نے بھی غیر یقینی طور
پر استفسار کیا تھا
"مسٹر ضرغام عباسی کو گرفتار کیا جاتا ہے۔۔۔" اس
نے ایک بار پھر کہا اور اپنے سے پیچھے کھڑے حوالدار
کو آنکھوں سے اشارہ کیا تو وہ آگے بڑھا اور ضرغام کے
ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنانے لگا۔ ضرغام تو جیسے اپنے
ہوش ہی کھو بیٹھا تھا۔ غیر یقینی طور پر وہ سب کو دیکھتا
جا رہا تھا

"مگر کیوں کر رہے ہیں آپ میرے بیٹے کو گرفتار؟
آخر کیا کیا ہے اس نے؟" شگفتہ بی بی نے سخت لہجے میں
استفسار کیا تھا۔
"آپ کے بیٹے کے خلاف زیادتی کی ایف آئی آر
کٹوائی گئی ہے۔۔" اس ایک جملے نے دوسری بار
صوراسرافیل کا کام کیا تھا۔ وجیہہ کی آنکھوں کے آگے
اندھیرا چھا گیا۔ ایک پل کے لئے نہ ہی وہ کچھ دیکھ سکی
تھی اور نہ ہی کچھ سن سکی تھی۔ شگفتہ بی بی کے پاؤں
تلے سے تو جیسے کسی نے زمین ہی چھین لی ہو۔ اپنے
آپ کو خلا میں کھڑا ہوا محسوس کر رہی تھیں۔ ضرغام
اس کی تو حالت ہی نا قابل بیاں تھی۔ حوالدار اس کو
ہتھکڑیاں پہنچا چکا تھا۔
"مس عنایہ نے ان کے خلاف زبردستی کرنے کی ایف
آئی آر کٹوائی ہے۔" اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ
گئیں۔ اس نے غیر یقین طور پر اپنا ہاتھ اٹھا کر دیکھا تو
ہتھکڑی میں جکڑا ہوا پایا
"نن نن نہیں۔۔۔ یہ جھوٹ ہے۔۔" شگفتہ بی بی نے
زیر لب کہا تھا
"دیکھئے۔۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔۔ میرا بیٹا ایسا
گھناؤنا کام نہیں کر سکتا۔۔" شگفتہ بی بی ان کے سامنے
آہ وزاری کر رہی تھی مگر ان سب کا کوئی فائدہ نہیں تھا
"دیکھئے ہمیں کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔ مِس عنایہ
ہمارے پاس خود آئی تھیں اور انہوں نے بذات خود
مسٹر ضرغام عباسی کے خلاف یہ ایف آئی آر کٹوائی
ہے۔ ہمیں اپنا کام کرنے دیں۔۔" وجیہہ پر ایک
ایک لفظ پہاڑ بن کر نازل ہو رہا تھا۔ وہ پھٹی آنکھوں
سے ضرغام کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شک دل میں جنم
دے رہا تھا
"آپ کا یوں اچانک کیسے پلان بنا آوٹ آف کنٹری
جانے کا؟" اپنا ہی سوال اس کے لئے وبال جان بن گیا
تھا۔ بار بار ایک جملہ اس کے ذہن میں ہتھوڑے مار رہا
تھا
"وقت کا تقاضا ہے کہ میں کچھ عرصہ کے لئے یہاں
سے چلا جاؤں۔۔۔"
"وہ جانا چاہتا تھا مگر کیوں؟ اس لئے۔۔" دل و دماغ
کی جنگ چھڑ گئی

”نہیں وہ ایسا نہیں ہے۔۔“ دل کہہ رہا تھا

”پھر اچانک جانے کی کیا ضرورت تھی بھلا؟“ دماغ کہہ رہا تھا

”میرا یقین کرنے کی کوشش کرو وجیہہ۔۔ یہ سب سچ نہیں ہے۔ یہ سب فریب ہے۔“ضرغام کی خاموش نگاہیں اس کے سامنے منتیں سماجت کر رہی تھیں۔

”تو پھر سچ کیا ہے؟“ اس کا دل بار بار پوچھ رہا تھا مگر اس سے پہلے وہ کچھ کہہ پاتا اسے وہاں سے لے جایا جا رہا تھا

”لے چلو اس کو۔۔“ حوالدار نے زبردستی اسے گھسیٹنا شروع کر دیا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے سات جا رہا تھا مگر اس کی نگاہیں وجیہہ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

”مت لے کر جاؤ۔۔ میرے بیٹے کو۔۔۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔۔“ممتا صفائی دے رہی تھی مگر اس کی شنوائی نہیں ہو رہی تھی

”چلو۔۔۔“ افسر باہر چلا گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے دونوں حوالدار بھی ضرغام کو گھسیٹتے ہوئے اپنے ساتھ لے گئے۔ شگفتہ بی بی آہ و بکا کرتی رہ گئیں

”رکو۔۔۔ کوئی تو روکو۔۔“ وہ دوڑتی ہوئی وجیہہ کے پاس آئیں

”وجیہہ روکو انہیں۔۔۔ کہو ان سے کہ ضرغام ایسی گھناؤنی حرکت نہیں کر سکتا۔۔۔“وجیہہ بت بنی ان کی باتیں سنتی رہی مگر اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوئی

”کچھ تو بولو۔۔۔“ اس کو جھنجوڑتے ہوئے شگفتہ بی بی نے کہا تھا تبھی انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو ضرغام کو لے جایا جا چکا تھا۔ وہ بھاگ کر دہلیز کے پاس گئیں

”ضرغام۔۔۔۔“ چیخ کر کہا اور پھر آہستہ آہستہ زمین بوس ہوتی گئیں

”امی۔۔“ وجیہہ شگفتہ بی بی کی حالت دیکھ کر ان کی طرف لپکی۔ اتنا بڑا صدمہ وہ برداشت نہ کر پائی تھیں۔ درد کی ایک لہر ان کے جسم کے بائیں حصے میں سرایت کرنے لگی

”امی۔۔“ وہ ہکلاتے ہوئے ان کے چہرے کو تھپتھپا رہی تھی۔ مگر ان کی آنکھیں مسلسل بند ہوتی جا رہی

تھیں

* * * *

ایمرجینسی وارڈ سے باہر رضیہ بیگم حوصلہ دے رہی تھیں مگر اس کی پریشانی تھی کہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی

"بیٹا حوصلہ کرو۔۔۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔" رضیہ بیگم کی آنکھوں سے بھی اشک جاری تھے

"امی۔۔۔"روتے ہوئے وہ ان کے گلے لگ گئی تبھی وارڈ کا دروازہ کھلا

"ڈاکٹر۔۔امی ٹھیک تو ہے ناں۔۔"وجیہہ ان کی طرف لپکی مگر اس ڈاکٹر کے چہرے پر ایک تاسف تھا

"دیکھیے۔۔ہم نے پوری کوشش کی مگر۔۔۔" نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئی

"نہیں۔۔۔" یہ کہتے ہوئے وہ وہ دروازہ کھول کر وارڈ میں گئی تو شگفتہ بی بی اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہی تھی۔ غشی ان پر طاری تھی۔ آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ وہ بھاگتے ہوئے ان کے پاس گئی اور ان کے سر پر کپکپاتے ہوئے ہاتھ پھیرنے لگی

"آپ کو کچھ نہیں ہو گا۔۔" وہ ایک ایک لفظ ہکلا کر بول رہی تھی

"وجیہہ۔۔" انہوں نے ہکلاتے ہوئے اس کا نام لیا تھا۔

"نہیں امی۔۔زیادہ نہیں بولنا۔۔ابھی آپ آرام کرو۔۔بعد میں جب ٹھیک ہو جائیں گی ناں آپ تب بات کریں گے۔۔" وہ بچوں کی طرح روتے ہوئے کہہ رہی تھی

"وجیہہ مم مجھ سے وعدہ کرو۔۔"انہوں نے کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے وجیہہ کا ہاتھ پکڑا تھا۔

"امی۔۔آپ مت بولیں۔۔"آنکھوں سے اشک جاری تھے۔رضیہ بیگم اور علی عظمت بھی اندر آ گئے

"ضرغام پر کبھی شک نہیں کرو گی۔۔۔اس کا ساتھ دو گی۔۔وہ ایسا کام نہیں کر سکتا۔یہ سب جھوٹ ہے۔۔"وہ گہرے سانس لیتے ہوئے کہہ رہی تھیں

"امی۔۔۔" وہ روتے ہوئے ان کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھی

"وجیہہ میں ایک ماں ہوں۔مجھے اپنے بیٹے کی ایک

ایک خصلت کا پتا ہے۔ میرا بیٹا بد لحاظ، بد تمیز ہو سکتا ہے مگر بد کردار نہیں۔ یہ اس پر بہتان باندھا گیا ہے۔ تم مجھ سے وعدہ کرو میرے بیٹے کا ساتھ نہیں چھوڑو گی۔ اس بہتان کو اس کے سر سے اتارو گی۔۔اس کی مدد کرو گی'' ان کی سانسیں اکھڑنے گی تھیں۔ ہاتھوں میں بھی لرزش زور پکڑ رہی تھی

''امی۔۔۔ یہ وقت ایسی باتیں کرنے کا نہیں ہے۔۔''

''وعدہ کرو مجھ سے۔۔۔ میرے بعد اس کا خیال رکھو گی۔۔'' سانسیں اکھڑنے کو تیار کھڑی تھیں مگر ایک ڈور انہیں روکے ہوئے تھی

''امی۔۔۔ پلیز۔۔'' آنکھوں سے اشک رواں دواں جاری تھی۔ دونوں ہاتھوں سے ان کا ہاتھ تھامے وہ ان کے سرہانے بیٹھی تھی

''وجیہہ۔۔۔و۔۔وع۔۔وعدہ۔۔۔کرو۔۔'' اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے ایک بار پھر کہا

''میں وعدہ کرتی ہوں۔۔'' شگفتہ بی بی کی حالت کو دیکھتے ہوئے اس نے بنا سوچے سمجھے اثبات میں سر ہلا دیا۔ شاید ان کی سانسیں یہی سننے کے لئے اٹکی ہوئی تھیں یہ لفظ سننے کی دیر تھی کہ ہاتھ ہوا کے پروں پر سوار ہو کر ان کے سینے پر آ گرا۔ پورا جسم بے جان ہو گیا

''امی۔۔۔'' وہ چلائی تھی مگر آواز ان تک پہنچنے سے قاصر تھی

''بیٹا! حوصلہ کرو۔۔۔'' علی عظمت نے وجیہہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا

* * *

انمول اور عندلیب کے درمیان فاصلے بڑھتے ہی جا رہے تھے۔ انمول نے کئی بار کوشش کی کہ وہ ان فاصلوں کو مٹائے مگر عندلیب ہر بار کچھ ایسی بات کر دیتی کہ فاصلے مٹنے کی بجائے بڑھتے گئے۔ وہ اس قدر اپنی زندگی میں الجھ چکا تھا کہ وجیہہ کی بکھری زندگی کی طرف دیکھنے کا خیال اس کے ذہن میں آیا ہی نہیں۔ صبح سے شام تک وہ صرف اپنے بارے میں سوچتا اپنے اور عندلیب کی الجھی ہوئی ڈوری کو سلجھانے کی کوشش میں رہتا

''کاش! ایک بار تم سمجھ جاؤ عندلیب۔۔'' آنکھ کھلی تو

آج بھی عندلیب کو بستر پر نہ پایا۔ ادھر ادھر دیکھا مگر وہ نظر نہ آئی۔ اس کے چہرے پر ایک تاسف چھا گیا۔ ماضی کی محبت اس کی آنکھوں کے فرد منڈلانے لگی

"وہ وقت ایک بار پھر آجائے۔۔" لحاف کو سرکا کر اٹھا اور وارڈروب سے سوٹ نکال کر واش روم کی طرف بڑھا۔ اس کا جسم تو یہاں تھا مگر اس کا ذہن کہیں اور ہی تھا۔

"آہ۔۔" ایک چیخ ابھری۔ درد سے کراہنے کی آواز واش روم سے آنے لگی مگر کمرے میں کوئی نہ تھا۔

حجاب کو آنے میں بھی کچھ وقت لگا۔ جلدی سے واش روم کا دروازہ کھولا تو جو دیکھا، وہ دیکھ کر اس کے حواس بکھر گئے۔ اس کے سامنے انمول زمین پر گرا پڑا تھا۔ اس کا پورا وجود تیزاب سے جل چکا تھا۔ وہ چہرہ جس پر کبھی وہ غرور کیا کرتا تھا آج تیزاب میں جھلس رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں پر بھی تیزاب تھا

"انمول۔۔۔" اس نے اپنے قدموں کو بچاتے ہوئے انمول کی مدد کرنے کی کوشش کی۔ اس کے ہاتھ پاؤں چہرے ہر حصے پر تیزاب کے نشانات تھے۔ پورا جسم ایسے کانپ رہا تھا جیسے کوئی مچھلی پانی کے بنا تڑپتی ہے۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ لبوں سے کراہنے کی آواز جاری تھی۔

"انمول۔۔۔" ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو ایک درد بھری آہ نکلی۔ اس کی آنکھیں بھی آنسو بہانے لگی۔

* * * * *

"اے تو نیا آیا ہے ادھر؟" ایک ادھیڑ عمر شخص سنگلوں کے پاس آکر ضرغام سے محو گفتگو تھا۔

"سنتا نہیں ہے کیا؟" زمین پر دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے وہ اپنے ہی خیالوں میں غرق تھا۔ کون کیا کہہ رہا تھا، اسے کچھ علم نہ تھا

"بھائی! سنا ہے اس چھوکرے نے کسی چھوکڑی کے ساتھ لپھڑا کیا ہے۔۔" اس کے پیچھے سے ایک آدمی اپنے دانتوں میں انگلی پھیرتا ہوا باہر کی طرف آیا۔

"ابھے۔۔ کیا کہہ رہا ہے تو؟ اس نے کسی چھوکڑی کے ساتھ۔۔ کیا بات کر رہا ہے۔۔" وہ جیسے اس کی باتوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔ کھلے گریبان کو مزید پیچھے کیا تو

اتنی ور سے ہی بد بو کے بھپکے آنے لگے۔ضرغام
نے حقارت آمیز نگاہ ان دونوں پر دوڑائی
"اے۔۔کیا دیکھتا ہے۔پہلے تو چھوکری کے ساتھ
چھیڑ چھاڑ کرتا ہے اور پھر اپن کو آنکھیں دیکھاتا
ہے' ' غصے میں آنکھیں دیکھاتے ہوئے وہ غرایا
"نہیں بھائی۔۔صرف چھیڑا چھیری ہی نہیں بلکہ
معاملہ اس سے بھی آگے تک ہے۔۔" ان کو تو جیسے
ایک نیا موضوع مل گیا تھا۔دونوں ضرغام کی زندگی کو
کرید کرید بیان کر رہے تھے۔اس کے زخموں کو ہرا کر
رہے تھے۔
"کیا بات کر رہا ہے۔۔"مصنوعی انداز میں چونکتے
ہوئے اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھا۔ضرغام اپنی
مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا
"ہاں بھائی!سنا ہے پوری آئیٹم تھی وہ چھوکری جس
کے ساتھ اس نے۔۔"خیالوں میں وہ مزے اڑا
رہے تھے
"اے۔۔جب سچائی کو تمھیں کوئی علم نہیں ناں۔۔تو
تمھیں کوئی حق نہیں پہنچتا کسی پر بھی کیچڑ اچھالنے
کا۔۔" جب ضرغام کے لئے نا قابل برداشت ہو گیا تو
وہ برق رفتاری سے اٹھا اور سلاخوں کے پاس پہنچ کر
جبڑے بھینچتے ہوئے غرایا
"اے چھوکرے۔۔اپنی اس زبان کو لگام دے۔۔تو
جانتا بھی ہے کس سے بات کر رہا ہے۔۔"ضرغام کا
جواب دینا انہیں پسند نہ آیا اور تیوری چڑھا کر وہ لڑنے
کے لئے تیار ہو گئے مگر سلاخوں کے درمیان میں
ہونے کے باعث وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے
"اوئے۔۔اپنی اپنی جگہ پر جا کر بیٹھو۔۔
چلو۔۔"حوالدار نے آکر سب کو حکم دیا اور معاملے کو
رفع دفع کروایا
"لگتا امیر زادہ ہے مگر کام تو دیکھو۔۔۔ہنہ" پان کی
پیک کو اس نے ضرغام کی سلاخوں کی طرف
تھوکا۔آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے۔
"وجیہہ میرا یقین کرو۔۔۔میں نے کچھ نہیں
کیا۔۔" وہ زمین بوس ہوتا گیا۔رف مخمل پر سونے
والا آج دھول مٹی سے اٹے ہوئے فرش پر بیٹھا ہوا
تھا۔دن میں چار چار بار اپنے آپ کو آئینے میں دیکھنے

والے نے آج پچھلے پانچ دنوں سے اپنا عکس تک نہیں دیکھا تھا۔ عکس دیکھتا بھی تو کیسے؟ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ پرچھائی کو بننے کے لئے بھی روشنی کی ضرورت ہوتی ہے مگر اس کی زندگی سے روشنی نکل چکی تھی۔ خاموشی سے نفرت کرنے والا آج خود خاموشی کے سمندر میں دھکیلا جاچکا تھا۔ عروج تک پہنچنے کی تمنا دل میں لئے گھر سے نکلنے والا آج زوال کے گڑھوں میں دھنستا جا رہا تھا۔

"میرا یقین کرو۔۔۔" اس کا لہجہ روہانسا تھا۔ کپڑے گرد سے اٹے ہوئے۔ بال بکھرے ہوئے۔ آنکھیں یادوں میں سوجھی ہوئیں۔ دل غم سے لبریز۔

"میں بدل چکا ہوں۔۔۔" دل ہی دل میں وہ پکار رہا تھا مگر سننے والا کوئی نہیں تھا سوائے رب۔

"جب انسان کو مصیبتیں چاروں اطراف سے گھیر لیں تو صرف ایک ہی ذات اس کو ان مشکلوں سے چھٹکارا دلا سکتی ہے اور وہ ذات صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے۔" شگفتہ بی بی کی نصیحت اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ کسی نے ابھی تک کوئی خبر اس تک نہیں پہنچائی تھی۔

"امی۔۔ آپ تو ماں ہی ناں۔۔ ایک ماں تو اپنے بیٹے کی ہر ہر خصلت سے واقف ہوتی ہے۔ آپ تو میری آنکھوں میں سچائی کو پڑھ لیتیں۔۔" وہ اپنا دکھ اپنے آپ سے بیان کر رہا تھا۔ اپنے دل میں اپنی ماں کو یاد کر رہا تھا

"امی۔۔ آپ نے تو ہمیشہ اپنی دعاؤں کا سایہ کئے رکھا تو آج کہاں گئی آپ کی دعا؟ آج کیوں آپ کی دعا نے مجھے یہاں سے نکالا؟ کیا آپ بھی مجھے غلط سمجھتی ہیں؟ کیا آپ کو بھی ایسا لگتا ہے کہ آپ کا بیٹا۔۔۔ آپ کا ضرغام۔۔ ایسا گھناؤنا فعل سرانجام دے سکتا ہے۔۔ بتائیں امی۔۔۔" دل روتا جا رہا تھا۔ آنکھیں بہتی جا رہی تھیں مگر امید کی سب کرنیں دم توڑتی چلی جا رہی تھیں

* * * *

"آپ کے شوہر نہیں آئے آپ کے ساتھ؟" لیڈی ڈاکٹر اپنے ہاتھ میں ایک فائل لے کر اپنی چئیر پر آبیٹھی۔

"جی۔۔وہ یہاں نہیں ہیں۔۔" نہ ہی وہ سچ بتا سکتی تھی اور نہ ہی جھوٹ بول سکتی تھی۔ اُس نے درمیان کی راہ لی مگر چہرے پر ایک عجیب سی سنجیدگی تھی جو وہ چاہ کر بھی چھپا نہیں سکتی تھی

"اگر وہ بھی آپ کے ساتھ آتے تو یہ خبر سناتے وقت مجھے اور بھی خوشی ہوتی۔۔" اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ جو وجیہہ کے نزدیک بے معنی تھی

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" کوئی تاثر دیئے بغیر اس نے پوچھا تھا

"مطلب یہ ہے کہ اب آپ صرف دو نہیں رہے بلکہ آپ کی زندگی میں اب ایک تیسرا آنے والا ہے۔۔" چہرے پر ہلکی سی کسک کے ساتھ اس نے یہ خوشخبری سنائی تھی۔

"اب آپ کو پہلے سے زیادہ اپنی صحت کا خیال رکھنا ہو گا۔ کسی بھی قسم کی سٹریس سے تو خاص طور پر دور رہنا ہو گا کیونکہ یہ آپ کے لئے اور نئی زندگی کے لئے بہت ضروری ہے۔۔" وہ اسے نصیحتیں کرتی جا رہی تھی اور یہ خاموشی کے ساتھ اس کے ہلتے لبوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے کچھ سمجھ نہیں آیا کہ وہ اس خبر کو سن کر خوش ہو یا پھر غم کا اظہار کرے۔ یقیناً ایک عورت کے لئے پہلی بار ماں بننا کسی نعمت سے کم نہیں ہوتا اور اس کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں ہوتا اور وہ اس کے لئے کہ اس کی دنیا اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کا شوہر اس کے ساتھ ہوتا ہے لیکن وجیہہ کے ساتھ تو کوئی نہیں تھا۔ حد سے زیادہ شفیق ساس اس دنیا سے کوچ کر چکی تھیں۔ سپنوں کو تعبیر بخشنے والا شوہر جیل کی کالی کوٹھری میں تھا۔ وہ ڈھیلے قدموں کے ساتھ کار تک آئی تھی۔ اپنے جسم کی پوری طاقت لگا کر اس نے دروازہ کھولا تھا۔

"اے خدا! یہ کیسا امتحان ہے۔۔" آنکھیں بند کر کے اس نے ٹیک کے ساتھ سر ٹکا لیا۔ کچھ دیر یونہی سوچتی رہی۔ آنکھوں سے آنسو اشک بن کر بہتے رہے۔

"وعدہ کرو۔۔۔وجیہہ۔۔۔وعدہ کرو۔۔۔" شگفتہ بی بی کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔ اس نے فوراً آنکھیں کھولی اور پیشانی سٹیئرنگ پر رکھی

"بدکردار مرد سوائے بدکار عورت یا مشرک عورت

کے (کسی پاکیزہ عورت سے) نکاح (کرنا پسند) نہیں کرتا اور بدکردار عورت سے (بھی) سوائے بدکردار مرد یا مشرک کے کوئی (صالح شخص) نکاح (کرنا پسند) نہیں کرتا" اس کا ہاتھ لاشعوری طور پر موبائل سے ٹچ ہوا تو سورہ النور کی تلاوت کی آواز اس کے کانوں میں شہد گھولنے لگی۔ صرف تیسری ہی آیت پر اسے اپنے سوالوں کا جواب ملنا شروع ہو گیا۔ اس نے اپنی پیشانی سٹیئرنگ سے اٹھائی اور دلجمعی سے تلاوت سننے لگی

"ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے (مخصوص) ہیں اور پلید مرد پلید عورتوں کے لئے ہیں اور (اسی طرح) پاک وطیب عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے (مخصوص) ہیں اور پاک وطیب مرد پاکیزہ عورتوں کے لئے ہیں۔۔"بس چھبیسویں آیت تک ہی اس نے تلاوت سنی تھی کہ اس کو اپنے ہر سوال کا جواب مل گیا۔ آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے اس نے کار سٹارٹ کی

"اب مجھے کسی سے کچھ پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔مجھے ہر سوال کا جواب مل چکا ہے۔" وہ سیدھا ضرغام سے ملنے جیل گئی تھی۔ ضرغام وجیہہ کو وہاں دیکھ کر ایک پل کے لئے چونکا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر آگے بڑھا۔ پولیس سے معاملات طے کرنے کے بعد اس نے ایک نظر حوالات کی طرف اٹھائی تو ضرغام کی نظروں کو اپنے اوپر مرکوز پایا۔ وہ خراماں خراماں اس کے پاس گئی مگر اس سے پہلے وہ کچھ کہتا۔ وجیہہ کے اس جملے نے اسے تسکین پہنچائی

"میں یہ تو نہیں جانتی کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ مگر اتنا ضرور جانتی ہوں کہ میں نے آج تک کبھی کوئی ایسا کام سرزد نہیں کیا جو اسلام کے احکام کے منافی ہو۔ ہمیشہ اپنے آپ کو ہر اس برائی سے دور رکھنے کی کوشش کی ہے جس کا قرآن نے حکم دیا ہے۔" وہ خاموشی سے اس کی باتوں کو سنتا جا رہا تھا

"جب میں نے کبھی ایسا کام نہیں کیا پھر بھلا کوئی ایسا مرد کیونکر میرا شوہر بن سکتا ہے جس کا کردار داغدار ہو؟" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا تھا۔

"وجیہہ میں بتا نہیں سکتا مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے اس وقت کہ تم نے میری سچائی پر یقین کیا۔۔"

"میں نے آپ کی سچائی پر نہیں بلکہ خدا کے قانون پر

عمل کیا ہے۔ مجھے یقین ہے میرا خدا میرے لئے کسی ایسے مرد کو منتخب نہیں کر سکتا جس کا کردار داغدار ہو۔ جس کا جسم ناپاک ہو۔'' وہ یہ کہہ کر پلٹی ہی تھی کہ ضرغام نے اس کے ہاتھوں کے سلاخوں کے پیچھے سے پکڑ لیا

''شکریہ!'' اس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے

''جس خدا نے تمہیں مجھ پر یقین کرنے کو کہا ہے دیکھنا وہی خدا تمہارے سامنے میری بے گناہی بھی ثابت کرے گا۔'' پہلی بار اس کی آنکھوں میں عجیب سے چمک وجیہہ نے دیکھی تھی۔ چند دنوں میں ضرغام کی شخصیت کتنی بدل گئی تھی۔ وہ یک ٹک اس کی طرف دیکھتی جا رہی تھی۔

''پرسوں سے آپ کی شنوائی ہے۔۔ دعا کیجئے گا۔۔'' اپنی جذبات کو ضبط کرتے ہوئے وہ پلٹی تھی

''مجھے دعا کرنے کی ضرورت نہیں۔۔ میرے لئے دعا کرنے والی میری ماں ہے'' اس کا لہجہ انتہا کا شیریں تھا۔ یہ سننے کی دیر تھی کہ وجیہہ اپنی آنکھوں سے ضبط کھو بیٹھی۔ آنکھوں سے اشک خوش بخود جاری ہو گئے

''اگر اس وقت وہ دعا کرنے والے ہاتھ ہوتے تو آپ یہاں نہ ہوتے۔۔'' یہ کہہ کر وہ بھاگتی ہوئی باہر چلی گئی۔ وجیہہ کے ایک جملے نے اس کے حواس گم کر دیئے۔ وہ بے سود کھڑا اس کو جاتا دیکھتا رہا۔ کافی دیر تک صرف وجیہہ کے یہ الفاظ ہی اس کے کانوں میں گونجتے رہے

''اگر اس وقت وہ دعا کرنے والے ہاتھ ہوتے تو آپ یہاں نہ ہوتے۔۔''

''اگر اس وقت وہ دعا کرنے والے ہاتھ ہوتے تو آپ یہاں نہ ہوتے۔۔'' ایک کے بعد ایک ضرب لگتی جا رہی تھی۔

''نہیں۔۔۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔'' وہ دیوار کے ساتھ جا لگا۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ ایسا لگا جیسے کسی نے آسمان اس کے سر پر لا کھڑا کیا ہو اور وہ زمین میں دھنستا ہی جا رہا ہو۔

''امی۔۔ مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتیں۔۔۔ نہیں جا سکتیں۔۔۔'' وہ بڑبڑاتا جا رہا تھا۔ دیوار کے ساتھ اپنے پشت کو گھسیٹتا ہوا وہ زمین بوس ہوتا جا رہا تھا۔ ممتا کے

کھو جانے کا خوف ایک پل میں اسے ہراساں کر گیا
''امی۔۔۔۔'' آنکھوں سے اشک خود بخود جاری
ہو گئے۔
''اگر اس وقت وہ دعا کرنے والے ہاتھ ہوتے تو آپ
یہاں نہ ہوتے۔۔''اس کی سمجھ میں اب آیا کہ کیوں
وہ اب تک یہاں سے باہر نہیں نکل سکا؟ کیوں اب
تک اس کی بے گناہی ثابت نہ ہو سکی؟ کیونکہ آج اس
کی ماں نہیں تھی۔ بچپن سے آج تک جب بھی کوئی
مشکل پیش آتی۔اس کی ماں راتوں کو اٹھ اٹھ کر اس
کے لئے دعائیں کرتی۔ صبح تک وہ مشکل دور ہو جاتی
لیکن اس بار ایسا نہیں ہوا۔ چھ دن چھ راتیں گزر گئیں
مگر ماں کی دعا نے اثر نہیں کیا۔وہ انتظار میں رہا مگر
انتظار بس انتظار ہی رہا۔ دعا کے لئے اٹھنے والے ہاتھ
آج منوں مٹی تلے دفن ہو چکے تھے۔اس کی ماں اس
کو چھوڑ کر جا چکی تھی
''جس دن میں مر گئی ناں۔۔اس دن یاد کرو گے تم کہ
ایک ماں ہوتی تھی جو میرے لئے رات رات بھر جاگتی
تھی''

''امی! آپ۔۔ایسے کیوں چھوڑ کر چلی گئی
مجھے۔۔۔'' گلوگیر لہجے میں وہ اپنی ماں سے مخاطب
تھا۔
''آپ کے ضرغام کو آج آپ کی ضرورت ہے۔ پلز
واپس آ جائیں۔۔دیکھیں ناں میں سدھر گیا
ہوں۔ آپ مجھ سے ہمیشہ یہی کہتی تھی ناں کہ میں
اسلام کے مطابق اپنی زندگی گزاروں۔ پانچوں وقت
نماز پڑھوں۔۔سارے روزے رکھوں۔۔میں وعدہ
کرتا ہوں آج کے بعد ہمیشہ نماز پڑھوں گا۔ کبھی کوئی
روزہ نہیں چھوڑوں گا۔ کبھی آپ کو شکایت کا موقع
نہیں دونگا مگر پلز آپ واپس آ جائیں۔۔یوں چھوڑ کر
مت جائیں مجھے۔۔امی۔۔'' وہ روتے ہوئے پکار رہا تھا
مگر اس کی پکار کالی کوٹھری سے باہر جانے سے بھی
قاصر تھی۔ صرف اندھیرا تھا جو اس کو چاروں
اطراف سے گھیرے ہوئے تھا
''میں ہمیشہ آپ کا کہا مانوں گا۔۔۔جیسا آپ کہیں گی
میں ویسا ہی کرونگا مگر پلز واپس آ جائیں۔۔اپنے
ضرغام کے پاس واپس آ جائیں۔ دیکھیں آپ مجھے

ماریئے گا۔ مجھے سزا دیجیے گا۔۔ چاہے تو کچھ دن تک
مجھ سے ناراض بھی رہئیے گا مگر اس طرح سے تو خفا
مت ہوں آپ۔۔" ہاتھ اٹھا کر وہ اپنی ماں کے فریاد
کر رہا تھا

"کوئی ماں اپنے بیٹے سے ایسے خفا ہوتی ہے کیا کہ اس
کو چھوڑ کر ہی چلی جائے۔۔" روتے روتے اس کی
ہچکیاں بندھ گئیں مگر آنسوؤں پر بن نہیں بندھا۔یہ
بہتے ہی جا رہے تھے۔ایسے میں کب اس کی آنکھ لگ
گئی۔اسے علم بھی نہ ہوا

* * * *

رضیہ بیگم اور حجاب سٹول پر بیٹھی اشک بہا رہی
تھیں۔علی عظمت کے چہرے سے بھی پریشانی عیاں
تھی بس فرق صرف اتنا تھا وہ اپنا دکھ اپنے سینے میں
دبائے ہوئے تھے

"پتا نہیں کس کی نظر لگ گئی ہے میرے بچوں
کو۔۔" رضیہ بیگم بین کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں

"پھپھو۔۔ پلز۔۔ روتے نہیں ہیں۔۔ دیکھنا۔۔ انمول
جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گے۔۔ دیکھنا۔۔" حجاب مسلسل
رضیہ بیگم کو حوصلہ دے رہی تھی مگر اشک تھے کہ
تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے

"پہلے وجیہہ کے ساتھ اتنا کچھ ہو گیا اور اب
انمول۔۔" وہ مسلسل قسمت کو کوس رہی تھیں۔ تبھی
چرچراہٹ کی آواز آئی۔سب کی نظریں آپریشن تھیٹر
کے دروازے پر جا ٹھہریں

"ڈاکٹر صاحب۔۔ اب ٹھیک تو ہے ناں میرا
بیٹا؟" رضیہ بیگم نے روہنسا ہو کر پوچھا تھا

"دیکھئے ابھی کچھ بھی کہنا ناممکن ہے۔۔" مضبوط قدم
اٹھاتے ہوئے وہ مسلسل آگے بڑھ رہے تھے۔ علی
عظمت مسلسل ان کا پیچھا کرتے رہے

"لیکن پھر بھی کچھ تو بتائیں انمول ٹھیک تو ہو جائے گا
ناں۔۔ اس کی اب حالت کیسی ہے؟ خطرے سے تو
باہر ہے ناں؟" ان کی نگاہیں بس ڈاکٹر کے ہونٹوں پر
مرتکز تھیں کہ لب ہلیں اور انمول کی صحت یابی کی خبر
سنائیں

"دیکھیں۔۔ مریض کے جسم کا پچاس فیصد سے زائد
حصہ جھلس چکا ہے۔ جس بنا پر ابھی کچھ بھی نہیں کہا

جا سکتا۔۔بس آپ دعا کیجیے۔۔"علی عظمت کی تو جیسے ہمت ہی ٹوٹ گئی۔

"مریض کے جسم کا پچاس فیصد سے زائد حصہ جھلس چکا ہے۔" یہ الفاظ ہتھوڑی کی طرح ان کے سر پر ضرب لگا رہے تھے۔انہوں نے شکست خوردہ نظروں سے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو ہمت مزید جواب دے گئی

"انمول۔۔"رضیہ بیگم روتے ہوئے زمین بوس ہو گئیں۔حجاب بمشکل انہیں سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔مگر اس کی ہمت خود جواب دے چکی تھی ۔عندلیب کو تو جیسے کوئی فکر ہی نہیں تھی۔حجاب پچھلے تین گھنٹوں سے اس کا فون ٹرائے کر رہی تھی مگر وہ مسلسل بند جا رہا تھا۔وجیہہ وہ تو جیسے اپنی ہی زندگی میں ایسے الجھ چکی تھی کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔اسے علم ہی نہ تھا۔شگفتہ بی بی کے گزر جانے کے بعد رضیہ بیگم اور علی عظمت نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ واپس آ جائے۔وہاں اکیلے نہ رہے۔ضرغام بھی نہیں ہے جو اس کا خیال رکھے مگر وہ نہ مانی

"لڑکی کا اصل گھر اس کا سسرال ہی ہوتا ہے۔اس کا جینا مرنا صرف اس کا سسرال ہوتا ہے اور مجھے اپنے سسرال سے کوئی گلہ نہیں جو میں اسے چھوڑ کر میکے میں آؤں۔جب تک میں ضرغام اور میری شادی قائم ہے میری شناخت صرف میرا سسرال ہے۔" اس لئے ابھی تک اس کے پاس انمول کی خبر بھی نہیں پہنچی تھی

* * *

دعائیں انسان کو موت کے منہ سے بھی نکال لاتی ہیں۔یہی حال انمول کے ساتھ ہوا۔کہنے کو تو اس کا پورا جسم جھلس چکا تھا۔چہرے پر مختلف جگہ پر داغ بن چکے تھے مگر دعاؤں نے اس کے چہرے کو مسخ ہونے سے بچا لیا۔اس کی روح کو اس کا جسم چھوڑنے نہیں دیا۔ایک دن کے مختصر سے وقت میں ہی اس نے تیزی سے ری کور کرنا شروع کر دیا۔

"انمول۔۔" وارڈ کا درواہ کھلا تو وہ پلٹی اور وجیہہ کو دروازے کے ساتھ پایا

"آپی! آپ۔۔۔"حجاب انمول کے بازو میں بیٹھی اس

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

کے ہاتھوں پر لیپ لگا رہی تھی مگر وجیہہ کو دیکھ کر اس کے ہاتھ رک گئے اور وہ دروازے کی طرف بڑھی

''اتنا کچھ ہو گیا اور تم نے مجھے اب بتایا؟'' اس نے معمولی سی خفگی کا اظہار کیا اور انمول کی طرف بڑھی۔

اس کے چہرے کے ایک ایک حصے کو بغور دیکھا۔ آنکھوں سے خود بخود اشک بہنے لگ گئے۔ لبوں کو دیکھا، جو کل تک گلابی تھے آج جھلس کر سیاہ ہو چکے تھے۔ بھنوؤں کو دیکھا جو کل تک ایک ادا سے اچکتی تھیں آج بے جان تھیں۔ آنکھوں کو دیکھا جہاں کل تک ایک رعنائی جنم لیتی تھی آج یاس و حسرت کا شکار تھیں۔ بند آنکھوں کے پیچھے چھپے غم کو وہ بآسانی پڑھ سکتی تھی

''آپی! گھبرانے والی کوئی بات نہیں ہے ڈاکٹر نے کہا ہے کہ انمول جلد ٹھیک ہو جائیں گے'' حجاب نے کندھے پر اپنے ہاتھوں کی پشت رکھی تھی۔

''انمول۔۔۔ تم ٹھیک تو ہو۔'' نرم ہاتھوں سے اس نے جیسے ہی اس کے بالوں کو چھوا تو وہ ہلکا سا کراہا تھا

''آپی! ڈاکٹر نے ابھی کسی بھی حصے کو چھونے سے منع کیا ہے۔۔ میں بھی اتنی دیر سے لیپ ہی لگانے کی کوشش کر رہی تھی''

''لیکن کیسے ہوا یہ سب کچھ؟'' حسرت کے ساتھ اس نے پوچھا تھا

''پتا نہیں آپی۔۔'' حجاب کی آواز بھر آئی تھی

''پتا نہیں سے کیا مطلب؟ تم سب گھر نہیں تھے کیا؟'' استفہامیہ انداز میں حجاب کی طرف دیکھا

''آپی گھر تو تھے لیکن انمول عندلیب کے کمرے میں تھا اور جب میں نے انمول کی کراہنے کی آواز سنی تو کمرے کی طرف لپکی مگر وہاں جا کر دیکھا تو۔۔'' اس دل بھر آیا تھا۔ اس نے حسرت کے ساتھ انمول کی طرف دیکھا جو آنکھیں بند کئے لیٹا ہوا تھا

''اور عندلیب۔۔ وہ کہاں تھی؟''

''پتا نہیں آپی۔۔۔ کہاں جاتی ہے؟ کب جاتی ہے؟ کسی کو کوئی خبر نہیں۔۔''

''اس کا مطلب ابھی تک اسے کچھ نہیں معلوم؟'' وجیہہ کے پوچھنے پر اس نے منفی میں سر ہلا دیا

''اللہ۔۔۔ جس کا ڈر تھا وہی ہوا۔۔۔'' وہ زیر لب

بڑبڑاتی ہوئی انمول کے پاس آ بیٹھی

"کتنی بار سمجھایا تھا ناں تمہیں۔۔ کتنی بار مگر تم نے ایک نہیں سنی۔ ہمیشہ حسن کے پیچھے بھاگتے رہے اور اپنے حسن پر فخر کرتے رہے۔ دیکھا آج یہ حسن تمہیں بھی دھدکار کر چلا گیا۔۔" درد بھرے لہجے میں وہ اسے سمجھا رہی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی کہ وہ اگرچہ آنکھیں بند کئے ہوئے ہے مگر سن سب کچھ رہا ہے۔

"دیکھو! آنکھیں بند کرنے سچائی چھپ نہیں جاتی۔۔ ابھی بھی وقت ہے۔ واپس آ جاؤ۔ دیکھو تمہارے سامنے کتنی زندگیاں ہیں۔۔ سب تم سے کتنا پیار کرتے ہیں۔ کتنا چاہتے ہیں تمہیں۔۔" وہ اسے سمجھا رہی تھی۔ ہلکا ہلکا اس کے بالوں کو سہلا رہی تھی

"دیکھو انمول۔۔ خوبصورتی چہرے کی ہی نہیں ہوتی بلکہ اصل خوبصورتی تو دل کی خوبصورتی ہے۔ جس کا من دوسروں کے کینوں سے پاک ہے۔ اصل خوبصورت تو وہ ہے۔ چہرے کے حسن پر کیا جانا؟ یہ سب عارضی ہے۔ انمول۔۔ چہرے کے حسن کو تو زوال ہو سکتا ہے مگر کردار کے حسن کو نہیں۔۔" یہ سنتے ہی اس کے جسم میں معمولی سی جنبش ہوئی تھی۔ شاید اس کی باتیں انمول پر اثر کر رہی تھیں

"دیکھو انمول۔۔ تمہیں تو زندگی کا سامنا کرنا اچھا لگتا تھا ناں! تم نے تو ہمیشہ زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی تھی پھر آج کیوں سچ سے دور بھاگ رہے ہو۔ میں جانتی ہوں تم جان بوجھ کر آنکھیں بند کئے ہو لیکن کب تک؟ کبھی نہ کبھی تو تمہیں سچائی قبول کرنی ہی ہو گی تو پھر آج کیوں نہیں؟" اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولنا شروع کیں تو حجاب کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھر آئی

"مم مم۔۔" اس نے بولنا چاہا تھا مگر اس سے بولا نہ گیا

"نہیں۔۔ تمہیں اتنے جتن اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے ابھی۔۔" اس نے پیار سے اس کے ماتھے کو بوسہ دیا تو اُس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اپنے نرم ہاتھوں سے اس نے انمول کے آنسو صاف کیے

"یہ کیا تمہاری آنکھوں سے آنسو نکل رہے ہیں۔ اتنے کمزور تم کب سے ہو گئے بھلا۔۔!!" اس کو زندگی کی

طرف لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا
"انمول آپ کو پتا ہے پھپھو اور پھپا آپ کے لئے کتنا پریشان تھے؟ اب بھی اتنی مشکل سے دونوں کو یہ کہ کر گھر بھیجا ہے کہ وہ صبح کو آجائیں۔۔۔ تکلیف آپ پر آئی تھی مگر تڑپے وہ دونوں تھے۔ آپ جانتے ہیں جب تک ڈاکٹر کے منہ سے یہ نہیں سن لیا کہ آپ کی حالت اب خطرے سے باہر ہے دونوں نے صحیح سے سانس بھی نہیں لی تھی۔ ایک سانس خود لیتے اور دوسری کے لئے دعا کرتے کہ وہ آپ کے نصیب میں ہو۔۔" حجاب کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے
"دیکھا انمول! سب تم سے کتنا پیار کرتے ہیں۔ امی ابو اور حجاب۔۔۔ تم جانتے ہو حجاب جب تمہیں لیپ لگا رہی تھی تو اس کی آنکھوں میں کتنا درد تھا تمہارے لئے۔ میں نے آتے ہی جب تمہیں چھوا تھا تو کراہے تم تھے مگر تکلیف حجاب کو ہوئی تھی۔ انمول یہ مت سمجھنا کہ میں تمہیں عندلیب کے خلاف بھڑکا رہی ہوں۔ میں صرف جو سچ ہے وہی کہہ رہی ہوں۔۔
" ایک پل کے لئے اس نے توقف کیا
"محبت وہ ہوتی ہے جو آپ کے دکھ میں بھی آپ کے ساتھ ہو۔۔ یہی محبت کی نشانی ہے اور یہی ایک بیوی کی صفت۔" پیار سے اس کے بالوں کو چھوا تو اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

* * * *

بھری عدالت میں وہ کالا کوٹ پہنے کرسی پر بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے کچھ فائلیں تھیں۔ اس کے سامنے پروسیکیوٹر وکیل بھی ایک عورت تھی۔ بڑے بڑے نین نقش کی مالک۔ ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھی تھی۔ وجیہہ نے اپنے پیچھے دیکھا تو پانچ چھ لوگ بھی کمرہ عدالت میں جمع تھے۔ آپس میں بات چیت ہو رہی تھی۔ اس نے دوبارہ نظریں اپنے سامنے موجود فائلوں پر مرکوز کیں۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے ایک نیلے رنک کی فائل اٹھائی اور اس کے ساتھ رکھا ہوا پین بھی اٹھایا۔ سرورق کو پلٹا اور پھر پڑھتے کچھ لفظوں کو انڈر لائن کیا۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو ابھی دس بجنے میں پانچ منٹ بقایا تھا۔ شنوائی کا ٹائم دس بجے کا تھا۔ اتنے میں مضبوط قدموں سے پولیس کے

دو جوان ضرغام کو ہتھکڑیاں لگائے کمرہ عدالت میں آئے۔ ضرغام کے آنے کے احساس نے اسے پیچھے مڑ کر دیکھنے پر مجبور کیا۔ ضرغام کی نظریں وجیہہ پر جا کر ٹھہر سی گئیں۔ سفید لباس پر سیاہ کوٹ اور پھر کھلے سیاہ بال اس کی شخصیت کو سب سے ممتاز کر رہے تھے۔ اس کا دل چاہا کہ آگے بڑھ کر کہے کہ اپنے سر کو ڈھانپے مگر اپنے ہی الفاظ اس کے ذہن میں ضرب لگانے لگے

"آج کے بعد میرے سامنے کبھی اپنے سر کو مت ڈھانپنا۔۔"

"کیوں کہے تھے اس نے یہ الفاظ۔۔۔؟ آخر کیوں؟" وہ اپنے آپ کو کوستا رہا۔ اسے کٹہرے کی طرف لے جایا گیا۔ وجیہہ نے ایک نظر اُس پر ڈالی اور خاموش نگاہوں سے کئی باتیں کر لیں۔ دل نے چاہا کہ اٹھ کر اس کے پاس چلی جائے مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنا ارادہ پایہ تکمیل تک پہنچاتی کمرہ عدالت میں جج صاحب داخل ہوئے۔ سب اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے اور جج صاحب کے بیٹھنے پر سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ نیچے بیٹھے گئے ایک آدمی نے ایک فائل ان کے سامنے پیش کی۔ انہوں نے فائل کو اٹھایا اور ایک سرسری نگاہ فائل پر دوڑائی اور پھر کمرہ عدالت میں موجود لوگوں کی طرف دیکھا

"کاروائی شروع کی جائے۔۔" جج کی طرف سے اجازت ملتے ہی پروسیکیوٹر صاحبہ برق رفتاری سے اٹھیں

"یور آنر! میرا نام تبسم ہے اور میں مس عنایہ کی طرف سے یہ کیس لڑ رہی ہوں۔ یور آنر! یہ کیس جتنا سادہ ہے اتنا ہی گھناؤنا بھی ہے۔ یہ شخص جو آپ کے سامنے اس کٹہرے میں کھڑا ہے۔ دیکھنے میں جتنا خوبصورت نظر آتا ہے کردار کے لحاظ سے اتنا ہی بدصورت اور گھٹیا ہے۔ سامنے موجود اس شخص نے نہ صرف میری موکل کے ساتھ پیار کا جھوٹا ناٹک کیا بلکہ ایک بیوی کے ہوتے ہوئے بھی جب اس کی خواہش پوری نہیں ہوئی تو اس نے اپنی ہوس کا نشانہ میری معصوم موکل مس عنایہ کو بنایا۔۔" اس نے ایک کے بعد ایک الزام ضرغام پر لگانا شروع کر دیئے

”یہ سب جھوٹ ہے جج صاحب!“ اپنے غصے کو قابو میں رکھتے ہوئے وہ زور سے بولی تھی۔ پہلی بار اس کی آواز کی گرج ضرغام نے دیکھی تھی۔

”اوبجیکشن سسپینڈڈ۔۔“ جج صاحب نے وجیہہ کو خاموش کروادیا

”تھینک یویور آنر! جی میں کہہ رہی تھی کہ اس ضرغام عباسی نے پہلے میری موکل کو اپنے پیار کے جھوٹے جال میں پھانسا اور پیار ہی پیار میں اسے اتنے قریب چلا گیا کہ اپنی حدوں کو ہی بھول گیا اور یہاں تک کہ یہ شخص یہ تک بھول گیا کہ آج وہ جو کچھ بھی ہے وہ صرف اور صرف میری موکل کی وجہ سے ہے۔۔“ اس نے ایک پل کے لئے توقف کیا اور پھر دوبارہ اپنا موقف پیش کیا

”میری موکل نے نہ صرف اس شخص کو شوبز کی دنیا میں انٹرڈیوس کروایا بلکہ اس کو ایک پہنچان حاصل کرنے میں بھی مدد کی مگر اس شخص نے ان سب احسانوں کا بدلہ ایسے دیا۔۔ کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی۔۔ میری عدالت سے استدعا ہے کہ اس ملزم کو جلد سے جلد مجرم قرار دیا جائے اور ایسی سزا دی جائے جو دوسروں کے لئے نشان عبرت ہو۔“ پروسیکیوٹر اپنے لب ولہجے کا استعمال اتنے بارعب انداز میں کر رہی تھی کہ ایک لمحہ کے لئے وجیہہ بھی ٹھٹک کر رہ گئی

”جی آپ کہیں۔۔“

”شکریہ جج صاحب! میں اپنی بہن سے بس یہی پوچھنا چاہوں گی کہ اب تک جو بھی انہوں نے الزام میرے موکل پر لگائے۔ کیا اُن کے پاس کوئی ثبوت ہے؟ کوئی گواہ ہے؟ جو وہ عدالت کے سامنے پیش کر سکیں؟“ وجیہہ نے نہایت شائستگی سے استفسار کیا تھا

”جی یور آنر۔۔ میری پہلی گواہ میری موکل خود ہیں اور جہاں تک ثبوت کی بات ہے تو ثبوت بھی ہے۔“ وہ جھٹ پلٹی اور ٹیبل سے ایک فائل اٹھائی اور اس میں سے ایک سی ڈی نکالی

”یہ ہے ثبوت۔۔“ عدالت میں اس سی ڈی کی نمائش کرتے ہوئے مزید کہا

”اس سی ڈی میں اس آدمی کی تمام حرکتیں ریکارڈ ہیں

جواس نے میری موکل کے ساتھ نہایت بے دردی کے ساتھ کیں''سی ڈی آگے بڑھائی گئی اور اسے پلے کیا گیا

''نہیں۔۔۔ضرغام۔۔پلزمت کرو۔۔۔میرے پاس مت آؤ۔۔۔پلز۔۔'' ہر طرف اندھیرا تھا۔ صرف دو عکس دیکھائی دے رہا تھا۔ایک لڑکی کا تھا اور دوسرا لڑکے کا۔لڑکی کے کا دھندلا رہا تھا مگر نین نقش دیکھ کر اس کی شناخت کی جا سکتی تھی۔سی ڈی کو ایک لمحے کے لئے پاز کیا گیا

''یہ لڑکی جو آپ کو نظر آرہی ہے یہ عنایہ ہے۔'' تبسم نے نشاندہی کروائی اور سی ڈی کو دوبارہ پلے کر دیا گیا

''نہیں۔۔۔'' ایک آدمی اس کی طرف بڑھا اور اس کے شانوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں سے پکڑا اور اپنی طرف مائل کرنا چاہا

''ضرغام چھوڑا مجھے۔۔'' عنایہ بے دردی سے چلا رہی تھی۔سی ڈی کو ایک بار پھر پاز کر دیا گیا

''یہ عکس جو آپ سیاہ شرٹ میں دیکھ رہے ہیں یہ وہ آدمی ہے جو اس وقت اس کٹہرے میں کھڑا ہے۔۔'' ضرغام کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔وہ یک ٹک سی ڈی کو دیکھتا جا رہا تھا اور اپنی گردن نفی میں ہلاتا جا رہا تھا

''اندھیرے کی بنا پر اس کا چہرہ تو ریکارڈ نہ ہو سکا مگر اس کی شرٹ،اس کے جسم کا خدوخال ہو بہو ضرغام جیسا ہے اور سب سے بڑھ کر اس کے ہاتھ میں موجود انگوٹھی دیکھیے اور سی ڈی میں موجود عکس کے ہاتھوں کی طرف دیکھیے۔۔دونوں کی انگوٹھی بالکل ایک سی ہیں۔۔'' وجیہہ نے ایک نظر ضرغام کے ہاتھوں کی طرف دوڑائی اور پھر سی ڈی کی طرف۔۔۔دونوں کو دیکھ کر ایک ہی شخص کا گمان ہو رہا تھا۔وجیہہ کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی مگر اس سے پہلے وہ اپنا موقف دیتی عدالت کا وقت ختم ہو گیا

''یہ عدالت اگلی شنوائی تک ملتوی کی جاتی ہے۔۔''

* * * *

''اے خدا! کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ؟'' سرد آہ بھرتے ہوئے اس نے اپنے بالوں کو سمیٹا تھا۔پورے

ٹی وی لاؤنج میں اندھیرے کا بول بالا تھا۔ آٹھوں پہر خاموشی تھی اور وہ اسی خاموشی میں اپنے آپ سے سوال وجواب کر رہی تھی۔ جب سے تعلیم مکمل کی۔ اس دن سے آج تک کبھی عدالت کا منہ بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہاں کیسے معاملات پاتے ہیں، اس کو الف ب بھی نہیں معلوم تھا۔ بس ایک آس تھی جو اس کے قدم خو بخود اس طرف کھینچ رہے تھے۔ اس نے ایک نگاہ سامنے ٹیبل پر بکھری ہوئی فائلوں پر دوڑائی۔ تقریباً ہر رنگ کی فائل تھی۔ کسی میں ایک پیپر تھا کسی میں۔ اس نے سب کو سرسری طور پر دیکھا اور پھر سوچتے ہوئے ان میں سے نیلے رنگ کی فائل کو اٹھایا اور لاشعوری طور پر اس کے ورق الٹنے لگی

''یہ رپورٹ بھی ضرغام کے خلاف ہے۔'' آنکھوں میں مایوسی کے بادل منڈلانے لگے۔ کمرہ عدالت میں ضرغام کی میڈیکل رپورٹ پیش کی گئی تھی۔ وہ رپورٹ بھی ضرغام کے خلاف گواہی دے رہی تھی۔ ایک کے بعد ایک ثبوت عدالت میں پیش کئے گئے اور وہ خاموشی کے ساتھ بیٹھی ان کو دیکھتی رہی۔ کچھ نہ بول سکی اور نہ ہی ان کو رد کر سکی۔ سی ڈی سے لے کر میڈیکل رپورٹ، یہاں تک کے اس کے گھر کے سامنے بیٹھا چوکیدار بھی ضرغام کے اس وقت وہاں ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بظاہر میڈیکل رپورٹ پر تھیں مگر نظریں ضرغام کے چہرے پر جو ہر ثبوت کے منافی گردن ہلا رہا تھا

''ضرغام۔۔۔ کیا کروں میں؟'' زیر لب کہتے ہوئے اس نے فائل کو ٹیبل پر اچھال دیا۔ سارے ورق ایسے بکھر گئے جیسے اس کے سپنے بکھر چکے تھے۔

''خوشیوں کی عمر بہت کم ہوتی ہے لیکن یہ بات یاد رکھنا کہ ہر مشکل کے بعد آسانی ہے۔ ہر رنج کے بعد راحت ہے۔ ہر دکھ کے بعد سکھ ہے۔'' ایک سرگوشی اس کے کانوں میں ہوئی تھی۔ وہ اٹھ کر کچن کی طرف بڑھی تو اسے ایسا لگا جیسے کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہو۔ اس نے جھٹ پلٹ کر دیکھا تو خاموشی اور تنہائی کے علاوہ کسی کو پایا۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ یہ دیکھ کر ایک پل کے لئے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''اچھے لوگوں کا دنیا اکثر امتحان لیا کرتی ہے اور بعض

اوقات تو انہیں اس امتحان سے اکیلے ہی گزرنا پڑتا ہے۔" کچھ سرگوشیاں مسلسل اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔ اس نے شیلف سے ایک گلاس اٹھایا جس پر گرد کی چادر اٹی ہوئی تھی۔ ایک وقت تھا جب ان کا کچن چمکتا رہتا تھا اور ایک آج تھا کہ ہر طرف گرد تھی۔ سنک کر طرف بڑھ کر اس نے گلاس کو دھویا تو نہ جانے کتنے وقت تک نل کھلا رہا۔ پانی بہتا رہا۔ آنکھوں کی روشنی رات کے اندھیرے میں مزید ماند پڑ گئی تھی۔ اس نے دوپٹے سے آنسو صاف کرنا چاہے مگر یہ دیکھ کر اس کا دل بھر آیا کہ اس کے شانوں پر تو دوپٹہ ہے ہی نہیں۔۔

"ضرغام! آپ نے میری سب سے بڑی دولت چھین لی" آنکھوں سے اشک بہتے گئے۔ پلٹ کر اس نے فریج سے پانی نکالا اور گلاس میں ڈال کر پانی پیا

"اوہ۔۔ میں یہ کیسے بھول گئی۔" پانی پیتے ہوئے اس کی نظر سامنے دیوار پر لٹکے کلینڈر پر پڑ گئی

"آج تو ڈاکٹر کے پاس جانا تھا۔۔۔" ہاتھ پیشانی پر رکھتے ہوئے اس نے افسوس کا اظہار کیا تھا۔ گلاس رکھ کر وہ دوبارہ ڈھیلے قدموں کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں آ گئی اور صوفے پر بیٹھ کر ساتھ رکھی ٹیبل سے شگفتہ بی بی کی تصویر اٹھا کر اسے صاف کرنے لگی۔ صرف چند دنوں میں ہی اس پر مٹی کی چادر چڑھ گئی تھی۔

"امی۔۔۔ اگر آپ یہ خبر سنتیں تو بہت خوش ہوتیں۔ میرے تو پاؤں بھی زمین پر نہ لگنے دیتیں مگر۔۔۔" آنکھوں سے آنسو چھلک کر تصویر کو بوسہ دینے لگے

"یہ خبر میں سب سے پہلے آپ کو سنانا چاہتی تھی لیکن شاید قسمت میں یہی لکھا تھا۔۔" اس نے حسرت کے ساتھ تصویر کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

* * * *

حجاب کی بدولت انمول تیزی سے اپنے آپ کو ری کور کر رہا تھا۔ اگرچہ خاموشی سے لیٹا حجاب کو دیکھتا رہتا مگر اس کی خاموشی کو پس پشت ڈال کر وہ اس سے باتیں کرتی رہتی۔ کبھی بچپن کے قصے سناتی تو کبھی ادھر ادھر کی باتیں کرتی۔ وہ خاموشی سے اس کے چہرے کو دیکھتا رہتا اور جب نیند کی چادر اوڑھ کر سو جاتا تو پھر

آنسو بہانا شروع کر دیتی۔ صبح سے شام اور شام سے صبح تک صرف انمول اس کی زبان سے جاری رہتا۔ رضیہ بیگم اور علی عظمت اسے سمجھاتے تب بھی یہ پیچھے نہ ہٹتی

''بیٹا! کچھ دیر کے لئے گھر جا کر آرام کر لو۔۔ تھک جاؤ گی۔ اتنے دن ہو گئے تمہیں ہسپتال میں۔۔ انمول کے پاس ہم ہیں''

''نہیں پھپا جان! میں ٹھیک ہوں! آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔''

''ہم تو آرام کر رہی رہے ہیں۔۔ تم ہمیں رکھنے کی کہاں دیتی ہو؟ دن میں دو گھنٹے کے لئے تو آتے ہیں تبھی دو گھڑی آرام کر لیتی ہو ورنہ تمہارا بس چلے تو چوبیس گھنٹے جاگتی رہو۔۔'' علی عظمت نے دھیمے لہجے میں سرزنش کی

''بیٹا! اپنی صحت کا بھی خیال رکھا کرو اگر تمہاری صحت اچھی ہو گی تو ہی انمول کا خیال رکھ سکو گی۔۔ یوں جاگتے رہنے سے تو تمہاری ہی صحت خراب ہو جائے گی''رضیہ بیگم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی

''پھپو۔۔ مجھے نیند ہی نہیں آتی ہر وقت ذہن میں انمول کا خیال رہتا ہے۔۔''

''خیال رکھنا اچھی بات ہے لیکن اپنی صحت کا بھی خیال رکھنا فرض ہے۔۔''

''پھپو۔۔ میں تو خود بخود ٹھیک ہو جاؤں گی جب انمول صحیح وسالم گھر لوٹیں گے۔۔ بس صبح شام اللہ سے یہی دعا کرتی ہوں کہ وہ انمول کو جلدی سے ٹھیک کر دے۔'' انمول کے خاموش چہرے کو دیکھتے ہوئے حسرت کے ساتھ کہا تھا

''دیکھ لینا! تمہاری دعا جلد ہی قبول ہو گی۔۔'' رضیہ بیگم نے حسرت سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا

''ویسے ڈاکٹر سے بات کی؟ کیا کہتے ہیں وہ کب لے جا سکتے ہیں ہم انمول کو گھر؟'' علی عظمت سے آس وامید کے ساتھ انمول کے چہرے پر نگاہ دوڑائی

''ڈاکٹر تو یہی کہتے ہیں کہ جیسے ہی ری کور ہو، گھر لے جاسکتے ہیں۔ امید کی جاسکتی ہے کہ دو ہفتوں میں انمول کی طبیعت میں مزید سدھار آجائے گا''

''خدا کرے۔۔۔''رضیہ بیگم نے کہا

* * * *

"کہاں ہے وہ؟" اس نے آتے ہی ضرغام کے بارے میں پوچھا تھا۔ حوالدار نے ایک طرف اشارہ کیا۔ وہ مٹکتے ہوئے اس طرف چل دی۔

"کیسے ہو تم؟" اس آواز کو بھلا وہ کیسے بھو سکتا تھا۔ اگر مر بھی جاتا تو بھی اس آواز کو پہنچان لیتا۔ اپنے سر کو گھٹنوں سے اٹھایا اور اس کی طرف دیکھا تو آنکھوں سے نفرت کے سوا کچھ ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ اپنی مٹھیاں بھینچتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور دوڑ کر اس کی طرف لپکا

"ابھی بھی میرے پاس پہنچنے کی کوشش کر رہے ہو۔۔" اس کے لبوں میں شاطرانہ ہنسی تھی

"جھوٹی! کیوں کیا تم نے یہ سب کچھ۔۔ کیوں؟" وہ سلاخوں کو مضبوطی س بھینچ رہا تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا ورنہ آگے ہاتھ بڑھا کر اس کا گلا دبا دیتا

"اوہ۔۔ اتنا غصہ۔۔ لیکن اس غصے کو اپنے قابو میں رکھو۔۔ کام آئے گا تمہارے۔۔" استہزائیہ انداز میں کہتے ہوئے اس کے ہاتھوں کو تھپتھپایا

"مجھے چھونے کی کوشش بھی مت کرنا ناپاک عورت۔۔" اس کے ہاتھ جھٹک کر پیچھے کیئے۔ اور اس کے کردار کو نشانہ بنایا جسے عنایہ بالکل برداشت نہ کر سکی

"بی ہیو یور سیلف۔۔ مجھ پر الزام لگانے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ تم بھی دودھ کے دھلے ہوئے نہیں ہو۔۔ ابھی تو صرف دو شنوائی ہوئی ہے اور تمہاری یہ حالت ہے، تیسری میں کیا حال ہو گا تمہارا؟" وہ تمسخرانہ ہنس رہی تھی

"مجھے اپنی بیوی پر پورا بھروسہ ہے۔۔ سمجھی تم۔۔ وہ مجھے بے گناہ ثابت کر کے رہے گی۔۔" جبڑے بھینچتے ہوئے کہا

"اچھا! لیکن کیسے؟" اس نے استفہامیہ انداز میں ضرغام کی طرف دیکھا

"اور ویسے بھی ثابت تو تب کرے گی ناں۔۔ جب اسے خود یقین ہو گا کہ تم بے گناہ ہو۔ بے چاری دو شنوائی میں تو دو بول بول نہیں پائی۔ تمہیں بے گناہ ثابت کرے گی۔۔ ہنہ۔۔" کندھے جھٹکتے ہوئے اس

نے ایک ادا سے ضرغام کی طرف دیکھا

''سچ ڈگمگاتا ضرور ہے مگر چھپتا نہیں اور جس دن یہ سچ سامنے آگیاناں۔۔'' وہ جھلاتے ہوئے کہہ رہا تھا مگر عنایہ نے اس کی بات مکمل ہی نہیں ہونے دی

''لیکن اگر اس ڈگمگاتے ہوئے سچ کو ہی ختم کر دیا جائے تو۔۔'' اس نے معنی خیز لہجے میں اپنے لبوں کو گول کیا تھا

''کیا مطلب ہے۔۔۔؟'' ضرغام کے دل میں کھٹکا ہوا تھا

''مطلب یہ کہ اگر اس امید کو ہی توڑ دیا جائے ۔۔۔'' اس نے معنی خیز نگاہوں سے ضرغام کے چہرے کو ٹٹولا

''جسٹ شیٹ اپ۔۔۔ تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔۔'' وہ جھلایا

''آواز مدھم۔۔۔ یہ تو تم بھی جانتے ہو میں کیا کر سکتی ہوں۔ تمہارے پاس تین راستے ہیں۔ پہلا راستہ: اپنا جرم مان لو اور کیس کو ختم کرو۔۔'' سیدے ہاتھ کی پہلی انگلی کھڑی کرتے ہوئے کہا

''ایسا کبھی نہیں ہو گا۔۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا

''دوسرا راستہ: جو ہوتا ہے ہونے دو اور پھر انجام کے ذمہ دار تم خود ہونگے۔۔۔'' اپنی دوسری انگلی کھڑی کرتے ہوئے

''تیسرا اور آخری راستہ: میں اپنا کیس واپس لے لیتی ہوں اور بھری عدالت میں تم سے معافی بھی مانگ لونگی مگر تمہیں وہ کرنا ہو گا جو میں کہتی ہوں۔ اُس کام کو پورا کرنا ہو گا جو ادھورا رہ گیا تھا۔۔'' تینوں انگلیوں سے اس کی طرف اشارہ کیا

''ایسا کبھی نہیں ہو گا۔۔ جس کام کی طرف تم مجھے بلا رہی ہو اس سے بہتر میں اس جیل میں سڑنا پسند کرونگا۔۔''اس نے سپاٹ لہجے میں کہہ دیا۔

''مرضی ہے تمہاری۔۔۔ میرا کام تھا تمہیں بتانا۔۔'' یہ کہہ کر وہ جانے کے لئے واپس پلٹی

''اور ہاں۔۔ تمہاری بیوی اکیلی رہتی ہے اور اس شہر میں کئی واقعات ہوتے رہتے ہیں۔۔'' معنی خیز لہجے میں کہہ کر چل دی

''عنایہ۔۔۔۔'' وہ بس چلاتا رہ گیا۔ آنکھوں سے

اس کا دکھ واضح ہو رہا تھا۔ اشکوں کی صورت میں بہہ رہا تھا۔ عنایہ کے جملے اس کے دل و دماغ میں بار بار دستک دے رہے تھے۔

"میں اپنا کیس واپس لے لیتی ہوں اور بھری عدالت میں تم سے معافی بھی مانگ لونگی مگر تمہیں وہ کرنا ہو گا جو میں کہتی ہوں۔ اُس کام کو پورا کرنا ہو گا جو ادھورا رہ گیا تھا۔"

"تمہاری بیوی اکیلی رہتی ہے اور اس شہر میں کئی واقعات ہوتے رہتے ہیں۔" وہ زمین بوس ہوتا گیا۔

"اے خدا! مدد کر۔" اس نے سچے دل سے اپنے رب کو پکارا تھا۔ ذہن میں سورہ یوسف تھی

"اے خدا! مجھے قید خانہ اس کام سے کہیں زیادہ محبوب ہے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہے اور اگر تو ان کے مکر کو مجھ سے نہ پھیرے گا تو میں اس کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں نادانوں میں ہو جاؤں گا"

وہ بھی اپنے رب سے دعا کرنے لگا اور اس کام سے پناہ مانگنے لگا جس کی دعوت وہ دے کر گئی تھی

"اللہ! تُو تو جانتا ہے کہ کیا سچ ہے کیا جھوٹ؟ کون حق پر ہے کون گمراہی کے راستے پر گامزن۔ کون اپنے کردار کو سینت رہا ہے اور کون اپنے کردار کو سرعام نیلام کر رہا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں پاک باز ہوں۔ میں تو گناہگار ہوں۔ ایسا گناہگار جس نے آج تک کبھی تجھے دل سے نہیں پکارا۔ ہمیشہ مطلب کے ساتھ تیرا نام لیا اور آج بھی جب خود پر بن آئی تو تجھے مطلب کے ساتھ پکار رہا ہوں لیکن اے میرے خدا! اگر آج بھی میں تجھے نہ پکاروں تو پھر کسے پکاروں؟ کس سے مدد مانگوں؟ کس کی پناہ میں آؤں؟ اے خدایا! تو نے ہمیشہ مجھ سے گناہ کو دور رکھا مگر میں اچھل اچھل کر گناہ کی طرف لپکتا رہا۔ تو مجھے بچاتا رہا اور میں تیری رحمت کا دامن چھوڑ چھوڑ کر گناہ کی طرف مائل ہوتا رہا۔ مگر تُو نے کبھی مجھے اکیلا نہیں چھوڑا۔ تُو نے ہمیشہ اپنے اس بندے کی مدد کی۔ ہمیشہ گناہوں کے دلدل سے اپنے اس بندے کو بچایا۔ اے میرے خدایا! آج ایک بار پھر میں گناہوں سے گھر چکا ہوں۔ چاروں اور گناہ ہیں۔ مجھے ان گناہوں سے بچا لے۔ اس راستے سے بچا لے جس پر چلنے سے کبھی فلاح نہیں ملتی۔ جس

پر چلنے سے ہمیشہ ہمیشہ کی گمراہی مقدر بنتی ہے۔ ایسے راستے سے بچالے۔ میرا دامن اگرچہ گناہوں کے غبار سے آلودہ ہے لیکن اے خدا! تُو تو جانتا ہے میں نے اپنا دامن کبھی اس گناہ سے داغدار نہیں کیا۔ کبھی اپنے کردار پر بہتان نہیں باندھا۔ آج میرے کردار پر انگلی اٹھائی گئی ہے۔ میری عزت کو مجروح کیا گیا ہے۔ اے خدا! عزت چاہے عورت کی ہو یا مرد کی ہوتی تو ایک نعمت ہے۔ آج یہ نعمت مجھ سے چھینی جا رہی ہے۔ اے خدا! اس نعمت کو چھننے سے بچالے۔ میری پاکدامنی کو تو اپنی رحمت سے ثابت کر دے۔۔ ثابت کر دے۔۔"

* * * *

"دیکھیے مس وجیہہ اگر آپ کے پاس کو ثبوت ہیں تو پیش کریں۔۔ ورنہ عدالت کو وقت ضائع مت کریں۔۔" جج صاحب نے برہم ہو کر کہا تھا۔ پچھلے تین شنوائیوں سے مسلسل وہ مہلت پر مہلت مانگے جا رہی تھی۔ جو بھی سوچتی ہمیشہ الٹ ہو جاتا۔ جو دلیل دیتی پروسیکیوٹر اس کو رد کر دیتی اور باتوں کے جال میں ایسی پھانستی کہ وجیہہ لاجواب ہو جاتی۔ آج بھی وہ کچھ وقت کے لئے مہلت مانگ رہی تھی۔

"جج صاحب! میری آپ سے درخواست ہے کہ مجھے صرف چند دنوں کی مزید مہلت دی جائے۔ انشاء اللہ میں اگلی شنوائی میں میں آپ کے سامنے ثابت کر دونگی کہ جو الزام میرے شوہر۔۔۔ سوری میرے موکل پر لگا ہے وہ صرف اور صرف بے بنیاد ہے۔" اس نے پورے وثوق سے کہا تھا

"یور آنر! میری ساتھی صرف اور صرف عدالت کا وقت ضائع کر رہی ہیں اور کچھ نہیں۔ ان کے پاس نہ ہی آج ثبوت ہیں اور نہ ہی کل ثبوت ہونگے اور نہ ہی کبھی ہو سکتے ہیں کیونکہ جو سچ تھا وہ تو میں پچھلے تین ماہ سے آپ کو بتا رہی ہوں۔۔"

"وہ سچ نہیں ہے۔۔" وجیہہ نے جھلا کر کہا

"وہی سچ ہے۔ اگر آپ کے موکل سچے ہوتے تو آپ اب تک کوئی نہ کوئی ثبوت عدالت میں دے چکی ہوتیں مگر یور آنر! ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ نہ ہی انہوں نے کوئی ثبوت دیا اور نہ ہی کوئی ایسی دلیل ہمارے

سامنے رکھی جس کی بنیاد پر انہیں اگلی شنوائی کے لئے وقت دیا جائے۔" وہ برق رفتاری سے بولتی جا رہی تھی۔ کمرہ عدالت میں ہر جگہ خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ صرف پروسیکیوٹر کی آواز گونج رہی تھی۔

وجیہہ نے کچھ بولنا چاہا مگر درد کی ایک لہر اس کے جسم میں سرایت کر گئی۔ وہ اپنا ہاتھ کمر کے پیچھے رکھ کر کرسی کے سہارے کھڑی تھی۔ زبان مسلسل خشک ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے لبوں کو بھینچ کر درد کو چھپانا چاہا مگر درد کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا

"بتائیں مس وجیہہ ضرغام عباسی۔۔ کیا یہ سچ نہیں ہے؟ کیا آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے جس کی بنیاد پر آپ اگلی تاریخ کی استدعا کر رہی ہیں؟" وہ عقابی نظروں کے ساتھ وجیہہ سے مخاطب تھی

"دیکھیے۔۔۔" اس نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا تھا۔ ضرغام کی نظریں وجیہہ کی طرف تھیں۔ وہ اس کی حالت کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"مم میں۔۔۔" اس کے لب لڑکھڑانے لگے تھے۔

"میں نے جو پوچھا ہے آپ صرف وہی جواب دیں؟ کیا آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے؟" وہ کراخت لہجے میں پوچھ رہی تھی

"مم مم۔۔۔" درد کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔ اب وہ مزید چھپا نہیں سکتی تھی۔ آگے بڑھنا چاہا تو قدم لڑکھڑا گئے۔

"وجیہہ۔۔۔" ضرغام نے آگے بڑھ کر وجیہہ کو سنبھالنا چاہا مگر اسے روک دیا گیا اور وہ صرف مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔

"وجیہہ سنبھالو اپنے آپ کو۔۔" پریشانی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ وجیہہ نے ایک نظر ضرغام کی طرف دیکھا جو اس کے لئے فکر مند ہو رہا تھا۔ دل چاہا کہ ابھی اس کے پاس جا کر اس کی بانہوں میں سانس لے۔ اپنا غم ہلکا کرے مگر وہ ایسا نہ کر سکی۔ اس کے پیچھے بیٹھی اس کی کولیگ نے وجیہہ کو شانوں سے پکڑ کر بٹھایا اور پانی پلایا

"آپ ٹھیک تو ہیں مِس وجیہہ؟" جج صاحب نے پوچھا تھا۔ پروسیکیوٹر بھی یک ٹک اسے دیکھتی جا رہی تھی

"دیکھیے۔۔ جج صاحب۔۔ میری بیوی کی طبیعت

ٹھیک نہیں ہے۔ پلزیہ شنوئی روک دیں اور مجھے اس کے پاس جانے دیں۔۔"ضرغام نے ہاتھ جوڑ کر جج صاحب سے درخواست کی تھی

"دیکھیے۔۔۔ آپ کو اُن کے پاس جانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی لیکن جہاں تک شنوائی کا تعلق ہے۔ یہ شنوائی اگلی تاریخ تک ملتوی کی جاتی ہے۔"

"پلز جج صاحب۔۔بس ایک بار۔۔مجھے اپنی بیوی کے پاس جانے دیں۔۔ پلز ایک بار۔۔۔" وہ ہاتھ جوڑ کر منت سماجت کر رہا تھا۔ وجیہہ درد سے مسلسل کراہتی جارہی تھی۔

"پلز جج صاحب! بس ایک بار مجھے وجیہہ کے پاس جانے کی اجازت دے دیں"قسمت نے ضرغام کو کیسے دوراہے پر لا کھڑا کیا کہ وہ کسی اور کے آگے منت سماجت کر رہا تھا اور وہ ابھی اس عورت کے لئے جسے پہلے وہ ناپسند کرتا تھا مگر نہ جانے کیوں اب وہی عورت اس کے لئے دل وجان سے بڑھ کر ہو چکی تھی۔ اس کی آنکھوں سے خود بخود اشک بہنے لگ گئے تھے۔ وجیہہ کے کراہنے کی آواز اس کے لئے ناقابل برداشت ہوتی جارہی تھی۔ جج صاحب نے ایک نظر ضرغام کی حالت پر ڈالی تو دوسری نظر وجیہہ کی حالت پر۔

دونوں کی حالت میں زیادہ فرق نہ تھا۔ وجیہہ درد سے کراہ رہی تھی اور ضرغام وجیہہ کو درد میں دیکھ کر۔ جب انسان کا دل صاف ہو تو لوگ بھی ان کے لئے نرمی کے احساسات رکھتے ہیں

"ٹھیک ہے۔۔ جب تک آپ کی بیوی کی حالت ٹھیک نہیں ہو جاتی آپ اُن کے ساتھ رہ سکتے ہیں مگر سکیورٹی کے طور پر آپ دونوں کے ساتھ پولیس کے دو آدمی رہیں گے۔۔" جج صاحب فیصلہ سنا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ بات سن کر تو جیسے ضرغام کی آنکھوں سے آنسوؤں کی روانی میں مزید اضافہ گیا۔ وہ انگلیوں کے پوروں سے آنسو پونچھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور آناًفاناً وجیہہ کے پاس گیا

"وجیہہ۔۔ ٹھیک تو ہوناں تم؟"اس کے چہرے کو تھپتھپایا جو درد کی شدت کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہو چکی تھی

"وجیہہ آنکھیں کھولو۔۔" پیار سے اس کا سر اپنے

شانوں پر رکھا اور مسلسل اس کا چہرہ تھپتھپاتا رہا مگر وہ ہوش میں نہ آئی۔ ایمولنس بھی دس منٹ میں وہاں پہنچ گئی۔ ضرغام اپنی بانہوں نے اسے اٹھا کر ایمولنس تک لایا اور پورا راستہ اس کے ہاتھ پاؤں مسلتا رہا اور اسے ہوش میں لانے کی پوری کوشش کرتا رہا

"دیکھیے! میں نے پہلے بھی ان سے کہا تھا کہ یہ سٹریس مت لیں لیکن انہوں نے میری بات نہیں مانی اسی لئے یہ سب کچھ ہوا ہے۔" وجیہہ کا چیک اپ کرنے کے بعد لیڈی ڈاکٹر ضرغام کے پاس آئی تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھا بے تابی سے ڈاکٹر کا ہی انتظار کر رہا تھا

"وجیہہ ٹھیک تو ہے ناں۔۔ کچھ ہوا تو نہیں۔۔" انہیں دیکھتے ہو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور فکر مندانہ لہجے میں استفسار کیا۔

"دیکھیں! آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس کمزوری ہے جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گی آپ کی بیوی۔ بس آپ ان کی خوراک کا خاص دھیان رکھا کریں۔ ایسے حالات میں خوراک میں ذراسی بھی احتیاطی نقصان دہ ہو سکتی ہے۔۔" ایک پرچے پر وہ دوا تجویز کرنے لگیں

"ایسے حالات میں؟؟" ضرغام نے استفہامیہ انداز میں کہا تھا

"جی بالکل! یہ وقت بچے اور ماں کے لئے انتہائی حساس ہوتا ہے۔ آپ کو ہی دونوں کا خیال رکھنا ہو گا"

"بچے اور ماں؟" ایک بار پھر اس نے استفہامیہ انداز میں کہا۔ وہ ڈاکٹر کی باتوں کا مطلب سمجھ نہیں پارہا تھا

"جی بچے اور ماں۔۔ آپ کی بیوی ماں بننے والی ہے اور اس لئے انہیں صرف وہی خوراک کھانی چاہئے جو نہ صرف ان کی صحت کے لئے بہتر ہو بلکہ آنے والے بچے کی لئے بھی بہتر ہو۔۔" تجویز کی گئی دوا کو ضرغام کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے مزید کہا

"اور کوشش کیجیے انہیں ہر قسم کی ٹینشن سے دور رکھیں۔۔" وہ مسلسل ضرغام کو نصیحت کرتی جارہی تھی جبکہ وہ تو سن ہی نہیں پارہا تھا۔ اس کے چہرے پر یکدم بہار امڈ آئی تھی۔

"میں۔۔ باپ بننے والا ہوں۔۔" خوشی سے آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے تھے۔ ایک پل کے لئے وہ سب

کچھ بھول چکا تھا۔ صرف ذہن میں جو بات گردش کر رہی تھی وہ یہ تھی کہ وہ باپ بننے والا ہے

"میں مل سکتا ہوں۔۔" خوشی میں اس کے لب ہکلانے لگے تھے

"جی کیوں نہیں۔۔" یہ سن کر وہ دوڑتا ہوا وجیہہ کے پاس گیا۔ جو آنکھیں بند کئے لیٹی تھی۔ دور سے ہی اس کا چہرہ دیکھا تو اس کے قدم جواب دے گئے۔ وہ یک ٹک محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ خراماں خراماں قدموں سے وہ آگے بڑھا۔ اس کے چہرے کی طمانت کو دیکھ کر ایک پل کے لئے مسکرایا۔ اور ہاتھ بڑھا کر اس کے بالوں پر پھیرا اور اپنے لبوں کی چاشنی اس کی پیشانی پر نقش کی۔ لبوں کے مس ہونے کی دیر تھی کہ اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ سامنے ضرغام کا مسکراتا ہوا چہرہ تھا۔ آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی۔ چہرے پر ایک عجیب سی رعنائی تھی۔ وہ یک ٹک اسے دیکھتا ہی جا رہا تھا۔

"وجیہہ تم نہیں جانتی میں کتنا خوش ہوں۔ میں اپنی خوشی کو اپنے لفظوں میں بیاں نہیں کر سکتا۔ تم نے مجھے میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی دی ہے۔ اس کے لئے میں تمہارا ہمیشہ احسان مند رہوں گا۔۔" وہ اس کا داہنا ہاتھ پکڑے آنکھوں کو لگائے ہوئے تھا۔ وہ اس کی آنکھوں برسات، آنکھوں کی ٹھنڈک اپنی انگلیوں کے پوروں پر محسوس کر سکتی تھی۔ وجیہہ نے اٹھنے کی کوشش کی تو اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کے شانوں کو پکڑا۔

"نہیں۔۔ ابھی آرام کرو۔۔" وہ اس پر تقریباً جھکا ہوا تھا۔

"ضرغام۔۔" اس نے کچھ بولنے کے لئے ابھی لب ہی ہلائے تھے کہ اس نے اپنی انگلی اس کے لبوں پر رکھ دی

"نہیں۔۔ آج کچھ نہیں بولو گی تم۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔ بس سنو گی۔ جو میں کہوں گا۔ جو میں کہنا چاہتا ہوں تم وہی سنو گی۔ میری باتوں کو۔ میرے احساسات کو بس آج تم سنو گی۔۔" آنکھوں میں رعنائی لئے وہ اس کی طرف دیکھا جا رہا تھا۔ پھر اپنے بائیں ہاتھ سے اس کے بالوں کی لٹوں کو کان کے پیچھے اڑیسا

"تم ہمیشہ مجھے سمجھاتی رہی کہ اس راستے پر نہ چلوں مگر میں تمہاری باتوں کو نظر انداز کر کے اسی راستے پر گامزن رہا۔ تم جانتی ہو ناں میں ایسا کیوں کر رہا تھا؟ مجھے منزل چاہئے تھی۔ ایسی منزل جس پر عروج کو بھی دوام حاصل ہو۔ جس کے بعد کوئی مقام نہ ہو۔ جس پر میرے علاوہ کسی اور کا کوئی حق نہ ہو۔ لیکن جانتی میں وہ منزل نہیں پا سکا۔ صرف اور صرف تمہاری وجہ سے۔ تمہاری وجہ سے میں اس منزل پر پہنچ ہی نہیں سکا۔" ضرغام کی باتوں پر اسے ایک کرنٹ لگا تھا

"تم نے مجھے اس منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی ایک نئی منزل کی طرف گامزن کر دیا۔ پہلے میں تمہیں کوستا تھا کہ تم کیوں آئی میری زندگی میں؟ کیوں میری زندگی کو برباد کرنے پر تُلی ہوئی ہو؟ کیوں میرے راستے کا کانٹا بن رہی ہو؟ اور اس لئے میں نے ہمیشہ تم نے بے اعتنائی برتی۔ ہمیشہ تم سے دور رہنے کی کوشش کی لیکن وجیہہ میں یہ نہیں کر سکا۔" اس نے شکست خوردہ انسان کی طرح سرد آہ بھرتے ہوئے کہا تھا

"کیوں؟"

"پتا نہیں کیوں؟ میں خود نہیں جانتا کہ میں تم سے کیوں دور نہ رہ سکا۔ جب جب میں تم سے دور جانے کی کوشش کرتا تب تب ایک انجانی سے طاقت مجھے تمہاری طرف کھینچتی۔ تمہارے خیال میرے ذہن پر محو رقص ہوتے۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی تمہیں سوچنے پر مجبور ہو جاتا۔ تم جاتی ہو ایسے کرنے سے مجھے بہت غصہ آتا۔ دل چاہتا کہ تم پر اپنا غصہ اتاروں کہ آخر کیوں تم مجھ پر اتنا حاوی رہتی ہو لیکن میں ایسا بھی نہیں کر سکا۔ جب جب میں تمہارے چہرے کو دیکھتا میرا دل پگھلنا شروع ہو جاتا۔ میرے لب میرا ساتھ چھوڑ دیتے۔ میرے الفاظ بدل جاتے۔ میں کہنا کچھ چاہتا تھا اور کہتا کچھ تھا۔ اور یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوا ۔۔۔" اس نے ایک لمحے کے لئے گہرا سانس لیا۔ وہ اس کی باتوں کو بڑے دھیان سے سن رہی تھی

"میرے دل میں تمہارا وجود خود بخود اپنی جگہ بنانے لگا۔ ضرغام عباسی جس کے نزدیک صرف اپنی ذات اہمیت رکھتی تھی نہ جانے کیوں تمہارے بارے میں

سوچنے لگا۔ جس کا مقصد صرف اور صرف عروج تھا،
تمہاری خاطر پستی میں اترنے کے لئے بھی تیار
ہو گیا۔ تم جانتی ہو وجیہہ۔۔۔" اس نے پیار سے اس
کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان کیا اور
پوری توجہ سے اس سے مخاطب ہوا
"تمہاری وجہ سے ہی میں نیکی اور بدی میں فرق کر پایا۔
تمہاری وجہ سے ہی خیر و شر کے درمیاں میں تمیز کر
پایا۔ تمہاری بدولت ہی میں نے نیکی کی روشنی کو
محسوس کیا۔ نیکی کی چاشنی کو محسوس کیا۔ اور تم جانتی
ہو آج تمہاری وجہ سے ہی میں اپنے دامن کو بچانے
میں کامیاب ہو سکا۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں
اگر تم میری زندگی میں نہیں آتی تو آج میں اپنا دامن
میلا کر چکا ہوتا۔ اپنے دامن کو داغدار کر چکا ہوتا۔ ان
لوگوں کی صفوں میں کھڑا ہو چکا ہوتا جن کے لئے خدا
نے عذاب کی وعید سنائی ہے لیکن تمہاری عبادت،
تمہاری ریاضت، تمہاری دعائیں مجھے جہنم کے گڑھے
سے نکال لائیں۔ آج تمہاری دعاؤں کی بدولت ہی میں
تمہارے سامنے اپنا دامن بچائے کھڑا ہوں۔ مجھے اس
بات کا غم نہیں کہ لوگ میرے اوپر کیچڑ اچھال رہے
ہیں۔ میرے کردار پر انگلیاں اٹھا رہے ہیں۔ لوگوں کا
تو کام ہی یہی ہے۔ مجھے خوشی تو اس بات کی ہے کہ
میرے رب نے مجھے گناہ عظیم سے بچا لیا۔ میرے
دامن کو پاک رکھا۔ برسوں پہلے حضرت یوسف نے
گناہ پر قید کو ترجیح دی تھی۔ آج میں بھی ابدی رسوائی
پر ظاہری رسوائی کو ترجیح دیتا ہوں۔ جس طرح میرے
رب نے یوسف کی پاکدامنی ثابت کی تھی۔ مجھے بھی
یقین ہے کہ وہی رب میری بھی پاکدامنی کو ثابت
کرے گا۔۔" اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے
تھے مگر ان آنسوؤں میں بھی ایک امید تھی۔ ایک
آس تھی جسے وہ بآسانی دیکھ سکتی تھی۔ اس نے اپنے
ہاتھوں سے ضرغام کی آنکھوں سے آنسو صاف کئے
"ایک طرف رب پر بھروسہ کرتے ہیں آپ تو
دوسری طرف آنسو بھی بہاتے ہیں۔۔۔"!!
"یہ آنسو شکوہ شکایت کے نہیں بلکہ خوشی کے آنسو ہیں
کہ اس نے مجھ جیسے گناہگار انسان کو بھی اپنی اس نعمت
سے نوازا۔۔"

''وہ تو ہمیشہ نواز تا ہے بس ہم ہی نہیں سمجھ سکتے۔۔ہماری ہی عقل اس کی نعمت کو شمار نہیں کر سکتی۔۔'' وجیہہ کی اس بات پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا

''بس اب دیکھنا! ایک بار یہ امتحان ٹل جائے پھر ہم خود اپنی دنیا بسائیں گے۔۔۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے

''انشاء اللہ جلد ٹل جائے گا۔۔'' ایک بار پھر اٹھنے کی کوشش کی تو ضرغام نے سہارا دے کر اسے بٹھایا

''آپ کی ملاقات کا وقت ختم ہو چکا ہے۔۔'' ایک حوالدار باہر سے آیا اور گرج دار آواز میں کہا

''اچھا۔۔۔''اس کے چہرے پر ہلکا سا تاسف چھا گیا

''تمہارے پاس صرف پانچ منٹ ہیں۔۔'' یہ کہہ کر باہر چلا گیا

''اب پتا نہیں کب ملاقات ہو۔۔'' اس کے لہجے میں تاسف چھایا ہوا تھا

''دیکھنا جلد ہی یہ امتحان ختم ہو جائے گا۔اس کے خزانے میں دیر ضرور ہے مگر اندھیر نہیں۔۔۔'' وجیہہ نے حوصلہ دیا

''بس یہی امید ہے۔۔۔'' یہ کہہ کر وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا

''اپنا خیال رکھنا۔۔۔'' جھک کر اس کے ماتھے کو چوما

''آپ بھی۔۔۔'' جیسے ہی وہ پلٹا تو وجیہہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔پہلی بار ایک عجیب سی کشمکش میں اس کا وجود الجھا ہوا تھا۔اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھوں کو اپنے وجود سے علیحدہ کیا اور باہر کی طرف بڑھنے لگا مگر دل بار بار پلٹنے کو چاہ رہا تھا۔اور آخر دل کی سن لی اور وہ پلٹ کر اس کے پاس آ گیا

''آج کے بعد اس کو مت اتارنا۔۔''اس کی قربانی رائیگاں نہیں گئی۔صرف ایک قربانی نے ضرغام کے دل پر اتنا اثر کیا تھا اور آج وہ خود اپنے ہاتھوں سے اس کے سر کو عزت کی چادر سے ڈھانپ رہا تھا۔پہلے تو وہ صرف ایک کپڑا اوڑھتی تھی مگر آج اس کے سر پر اس کی عزت تھی۔اسکا مان تھا جو اس کے شوہر نے خود اس کے سر پر رکھا تھا۔

''ضرغام۔۔۔''پیار سے اس نے ضرغام کے ہاتھوں

کو چوم لیا مگر وہ اب نہیں رک سکتا تھا اور رکتا تو شاید خود بھی اپنے جذبات پر و قابو کھو بیٹھتا اسی لئے چل پڑا

"میں آپ کو کچھ نہیں ہونے دو نگی۔۔" جیسے ہی وہ دروازے کے قریب پہنچا تو اس نے زیر لب کہا تھا مگر جب دل جڑ جائیں تو درمیاں کی ہر رکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔ اس کے لفظ اس کے کانوں رس گھولنے لگے۔

اس نے پلٹ کر ایک نرم گرم نگاہ اس کے وجود پر ڈالی تھی

"یہ وعدہ ہے میرا۔۔"

"مجھے یقین ہے تم پر۔۔" یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ پل بھر میں جو خوشی ملی تھی۔ ہوا کے جھونکے کی مانند ثابت ہوئیں۔ آئی اور چلی گئیں۔

"پہلے تو میں صرف ایک ماں سے کیا گیا وعدہ نبھا رہی تھی مگر اب عدالت میں ایک بیوی آئے گی جو اپنے شوہر کی بے گناہی کو ثابت کرے گی۔" اس نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا تھا

٭ ٭ ٭ ٭

"ابھی تک آیا نہیں انمول۔۔" رضیہ بیگم کی نگاہیں بس دروازے پر ہی ٹکٹکی باندھے ہوئے تھی

"امی! آپ بے فکر رہیں۔۔ آجائے گا۔۔ ابو اور حجاب ہیں ناں اس کے ساتھ۔۔" وجیہہ نے ان کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔ رضیہ بیگم کبھی ٹی وی لاؤنج میں ٹہلتی تو کبھی دروازے کے پاس جا کر کھڑی ہو جاتیں۔ آج انمول گھر آرہا تھا۔ اس کے زخم تقریبا مندمل ہونا شروع ہو چکے تھے۔ اسی لئے ڈاکٹر نے اسے گھر لے جانے کی اجازت دے دی۔ سب گھر والے بہت خوش تھے۔ علی عظمت تو خود اسے لینے گئے تھے اور رضیہ بیگم اُن کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا، انہوں نے بھی ساتھ جانے کی ضد کی تھی مگر تبھی وجیہہ آگئی اس لئے انہیں گھر پر رکنا پڑا۔

"لگتا ہے آگئے۔۔!!" باہر سے کار کے رکنے کی آواز آئی تھی۔ وجیہہ اور رضیہ بیگم دروازے کے پاس آکر کھڑی ہو گئیں۔

"السلام علیکم !۔۔" حجاب نے آتے ہی سلام کیا۔ وجیہہ اور رضیہ بیگم نے جواب دیا اور انمول کو دیکھنے لگیں۔

"انمول؟" انمول کو سامنے نہ پاکر رضیہ بیگم کے چہرے پر مایوسی چھاگئی

"السلام علیکم! امی۔۔۔" علی عظمت وہیل چیئر کو پکڑے اندر آرہے تھے۔ انمول کی س حالت کو دیکھ کر رضیہ بیگم کو ایک دھچکا سالگا تھا

"انمول؟ یہ۔۔۔!!" استفہامیہ انداز میں پوچھا تھا

"امی آپ فکر مت کریں۔۔ انمول بالکل ٹھیک ہے وہ بس پاؤں ذرا سے جھلسے ہوئے ہیں جیسے ہی ٹھیک ہو جائے گیں۔ انمول پہلے کی طرح چلنے پھرنے لگے گیں۔۔" حجاب کے منہ سے یہ الفاظ سنے تو رضیہ بیگم کے دل کو ذرا تسلی ہوئی

"ٹھیک تو ہے ناں میرا بیٹا۔۔!!" اس کی طرف بڑھ کر اس کے ماتھے کو چوما۔ اس کو پیار کیا۔ اس کے بالوں کو پیار سے سہلایا۔ وہ خاموش نگاہوں سے مسکراتا جارہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں پہلے جیسی چاشنی تھی اور نہ ہی دلکشی۔ لیکن پھر بھی وہ مسکرا رہا تھا۔ شاید یہ بات وہ بھی اچھی طرح جانتا تھا اس لئے بناوٹی مسکراہٹ سجائے ہوئے تھا۔

"اب طبیعت کیسی ہے؟" وجیہہ نے آگے بڑھ کر پوچھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے

"ارے! یہ کیا آنسو؟ یہ آنسو بہت قیمتی ہوتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر انہیں بہا کر ضائع نہیں کرتے۔۔" وجیہہ نے اس کے چہرے سے آنسوؤں کو اپنے انگوٹھوں سے پونچھا

"مم معاف کر دیں مجھے آپی!" جو لفظ سننے کو اس کے کان ترس گئے تھے آج جب ادا ہوئے تو آنسو بہے بغیر نہ رک سکے۔ زندگی میں پہلی بار انمول کے لبوں سے لفظ آپی کا سننا جیسے اس کی کانوں کی تشنگی کو مٹا گیا تھا۔ آنکھوں کی رعنائی کو ایک نیا موڑ دے گیا۔ وہ روتے ہوئے وجیہہ کے سامنے ہاتھ جوڑ رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھی۔ لفظوں میں کرب نمایاں تھا۔ وجیہہ نے لپک کر اس کے ہاتھوں کو چوما اور اس کو اپنے گلے سے لگالیا

"ایک بار پھر کہنا۔۔۔" وہ یہ لفظ پھر سننا چاہتی تھی

"آپی!" ایک پل کے لئے اسے علیحدہ کیا اور دوبارہ اپنے گلے لگالیا۔ جذبات اپنی حدوں کو پار کر رہے

تھے۔ رضیہ بیگم نے بھی حسرت کے ساتھ علی عظمت کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھیں بھی بھر آئی تھیں

"تم۔۔ تم جانتے نہیں ہو یہ لفظ سننے کے لئے میرے کان ترس گئے تھے۔۔" جذبات میں اس کے الفاظ لرز رہے تھے مگر پھر وہ بول رہی تھی

"میں نے آپ کے ساتھ بہت برا کیا۔ مجھے معاف کر دو۔۔" وہ روتے ہوئے اپنی غلطیوں کی معافی مانگ رہا تھا

"نہیں۔۔۔" وہ مسلسل نفی میں گردن ہلا رہی تھی

"میں نے ہمیشہ آپ کے ساتھ برا سلوک کیا۔ کبھی آپ کا کہنا نہ مانا۔۔ آپ نے ہمیشہ میرا بھلا چاہا مگر میں ہمیشہ آپ کو غلط سمجھتا رہا۔ آپ کو اپنی باتوں کے ذریعے تکلیف پہنچاتا رہا۔ آپ نے ہمیشہ اپنا بڑی بہن ہونے کے ناطے فرض ادا کیا مگر میں۔۔ ایک اچھا بھائی نہیں بن سکا۔ نہیں سکا ایک اچھا بھائی۔۔" جذبات میں بہکتے ہوئے آج وہ الفاظ کہہ رہا تھا جو شاید آج سے پہلے کبھی نہیں کہے تھے۔ علی عظمت کی آنکھوں سے بھی آنسو آ گئے مگر چہرے پر ایک مسکراہٹ نمایاں تھی

"نہیں۔۔ تم تو سب سے اچھے بھائی ہو۔۔" اس کے جھلسے ہوئے چہرے پر اپنے نرم و ملائم ہاتھ پھیرے اور اس کی پیشانی کو ایک بار پھر بوسہ دیا

"نہیں۔۔۔ نہیں ہوں میں ایک اچھا بھائی۔۔۔ اگر اچھا ہوتا تو آپ کا کہا مانتا۔۔ آپ کو کبھی آپ کے نام سے نہیں پکارتا۔۔ معاف کر دیں۔۔ پلز مجھے معاف کر دیں آپی۔۔" وہ ہاتھ جوڑ رہا تھا

"نہیں۔۔ اب ایک آنسو بھی نہیں بہانا۔۔ ایک آنسو بھی نہیں۔۔ سمجھے۔۔" پیار سے اس کے آنسو صاف کئے اور کھڑے ہو کر اس کی چیئر کو اندر لے گئی۔ حجاب، رضیہ بیگم اور علی عظمت بھی اندر چلے آئے۔

"آپ جانتے ہیں! آج آپ کی پسند کے کھانے بنائے ہیں پھپو نے۔۔" سب انمول کا بچوں کی طرح خیال رکھ رہے تھے۔ اس کو اس بات کا احساس ہی نہیں ہونے دے رہے تھے کہ وہ اتنے بڑی مشکل سے نکل کر آیا ہے یا اس کا جسم جھلس چکا ہے اور اب وہ پہلے جتنا

حسین نہیں رہا۔ اس نے ٹیبل کی طرف نگاہ دوڑائی تو اپنے آپ کو دیکھا۔ نہیں وہ یہ نہیں تھا وہ تو کوئی اور ہی تھا۔ وہ قریب ہوا تو عکس مزید واضح ہو۔ ادھر ایک جھلسا ہوا عکس تھا۔ چہرہ مرجھایا ہوا تھا۔ شام تنہائی کے زیر اثر ساری رونقیں ماتم میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ شوخ نین آج افسردہ تھیں۔ سیاہ بھنویں جل کر بھوری ہو چکی تھیں۔ لہراتی زلفیں اب سکوت کا شکار تھیں۔ ایک نظر ہاتھوں کی طرف گئی۔ جن ہاتھوں میں کل شوخیاں تھی۔ مذاق تھا۔ ایک زندگی تھی آج صرف موت طاری تھی۔ سرخ وسفید رنگ مزید سفید ہو کر جھلس چکا تھا۔ سیاہی کے نشانات آویزاں تھے۔ جس شکل وصورت پر کل تک وہ غرور کرتا تھا۔ جس کے آگے وہ دوسروں کو نیچا تصور کرتا تھا۔ آج وہی غرور اس کا خاک میں مل چکا تھا۔ عاجزی وانکساری طبعیت میں پیدا ہو چکی تھی۔ کہتے ہیں ناں انسان جب تک ٹھوکر کھا کر نہیں گرتا۔ نہیں سنبھلتا۔ شاید ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ دنیا میں موجود ہر شے ٹھوکر لگنے سے ٹوٹ جاتی ہے مگر انسان واحد شے ہے جو ٹھوکر لگنے سے ہی جڑتا ہے۔ انسان کی انسانیت ٹھوکر کھا کر ہی باہر آتی ہے۔ اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ اس نے ایک نظر حجاب پر ڈالی جو اس کے لئے جوس لے کر آئی تھی

"یہ لیجیے۔۔ ٹھنڈا ٹھنڈا جوس۔۔ اآپ کو پسند ہے ناں۔۔ انار کا جوس؟؟ ابھی ابھی خود اپنے ہاتھوں سے بنا کر لائی ہوں۔" اس کے چہرے پر ایک عجیب سا تاثر تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اس کے رویے میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ لوگ اس کے حسن کی وجہ سے اس سے میل جول رکھتے ہیں مگر وہ غلط تھا۔ جن کے لئے وہ اپنا تھا اُن کے نزدیک اس کی ظاہری شکل وصورت کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ وہ اس سے اب بھی پہلے کی طرح پیار کرتے تھے۔ اس کا خیال رکھتے تھے۔ مگر شاید یہ ہی اس کے قابل نہ تھا

"مجھ معاف کردو۔۔" جیسے ہی وہ جوس کا گلاس پکڑانے کے لئے جھکی تھی۔ انمول نے اس کے ہاتھوں کو پکڑ لیا۔ وہ یکدم پکڑنے سے ایک پل کے لئے ٹھٹک

کر رہ گئی تھی۔ اس نے اوپر اٹھنے کی کوشش کی مگر اس
کی ہمت جواب دے گئی اور وہ ایک ثانیے کے لئے
اس کے چہرے کو ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی
”میں نے تمہارے ساتھ بھی بہت غلط کیا ہے۔ تمہیں
ہمیشہ نیچا دیکھانے کی کوشش کی۔ ہمیشہ تم پر ظلم
کیا۔ تمہارے ساتھ ناانصافی کی۔ تمہارا حق غضب
کیا۔ مجھے معاف کر دو۔۔“ وہ اشک بہاتے ہوئے
حجاب سے بھی اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا تھا۔
”تم نے ہمیشہ میرا خیال رکھا اور میں نے تمہیں صرف
دکھ دیا صرف دکھ۔ میری وجہ سے تمہاری آنکھوں
سے ہمیشہ آنسو بہے۔۔۔ ہمیشہ آنسو بہے۔۔۔“ حجاب
کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے
پکڑے ہوئے وہ انہیں آنکھوں سے لگائے ہوئے تھا۔
حجاب کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔ وجیہہ نے
انمول کو جب حجاب سے معافی مانگتے دیکھا تو اس کا بھی
دل بھر آیا
”نہیں انمول۔۔ آپ کو معافی مانگنے کی کوئی ضرورت
تھی۔۔“ پیار سے اس کے ہاتھوں کو سہلاتے ہوئے کہا

تھا
”نہیں۔۔ میں نے تمہارے ساتھ بہت ناانصافیاں
کیں۔ ہمیشہ تمہارے رنگ کا مذاق اڑایا۔ تمہیں
تمہارے رنگ کا طعنہ دیا۔ ہمیشہ تمہیں بدصورت کہا
اور آج اس کی سزا مجھے مل گئی۔۔ آج میں تم سے بھی
زیادہ۔۔“ اس کا دل بھر آیا تھا۔ ہاتھوں کی گرفت
کمزور ہو گئی۔ حجاب مسلسل نفی میں سر ہلاتی جا رہی تھی
”نہیں۔۔۔ ایسا سوچیے گا بھی مت۔۔ سنا آپ نے۔۔
میرے لئے آپ کل بھی حسین تھے اور آج بھی
۔۔۔“ گلوگیر لہجے میں انمول کے چہرے پر ہاتھ
پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھی
”لو بھئی۔۔ آج تو حجاب کو بھی مان مل گیا۔۔“ ڈائنگ
ٹیبل سے وجیہہ ٹی وی لاؤنج کی طرف بڑھی اور ایک
پھلجڑی چھوڑی تو حجاب کے چہرے پر ہلکی سی
مسکراہٹ پھیل گئی۔ سیدھے ہوتے ہوئے اپنے
رخسار سے آنسو صاف کئے
”آج کا دن تو خوشی ہے اور دونوں رو رہے ہو۔۔ ایسا
نہیں چلتا۔۔ اوکے۔۔ چلو اب دونوں اپنا موڈ جلدی

سے ٹھیک کرو۔۔ چلو۔۔" وجیہہ نے انمول کے
چہرے سے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے کہا تھا
"اور حجاب تم۔۔۔ تم نے کیا میرے بھائی کو بھوکا رکھ
کر مارنا ہے؟ چلو اسے جلدی سے کمرے میں لے جاؤ
اور فریش کر کے لاؤ۔۔" وجیہہ کے کہنے کے بعد اس
نے ایک نظر اوپر سیڑھیوں کی طرف دیکھا تو اس کے
چہرے پر ہلکا سا تاسف چھا گیا
"ارے۔۔ اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟" استفہامیہ
انداز میں وجیہہ نے کہا تھا
"وہ سیڑھیاں۔۔۔" وہ ہچکچائی تھی
"تو کیا ہوا؟ تمہارا کمرہ تو نیچے ہے ناں۔۔ تم اپنے
کمرے میں لے جاؤ۔۔"
"لیکن۔۔۔"
"ارے لیکن ویکن کیا؟ ابھی تو خوشی خوشی ایک
دوسرے سے معافی مانگی ہے اور ابھی سے سوچ میں پڑ
گئی کہ کیسے سنبھالوں گی اپنے شوہر کو" ہنستے ہوئے کہا
"نہیں آپی۔۔ ایسی بات نہیں ہے۔"
"ایسی ہی بات ہے ورنہ بنا سوچے سمجھے انمول کو اپنے
کمرے میں لے کر جاتی۔۔" حجاب نے انمول کی
طرف دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تو وہ خوشی
خوشی اس کی چیئر کو اپنے کمرے کی طرف لے کر چلی
گئی اور پندرہ منٹ میں سے فریش کرنے کے بعد واپس
ٹی وی لاؤنج میں آ گئی
"واہ۔۔ بیوی کے ہاتھوں سے تیار ہو کر تو اور بھی اجلے
اجلے لگ رہے ہو۔۔" معنی خیز لہجے میں وجیہہ نے کہا
تھا
"ہاں اجلے اجلے تو لگے گا ہی آخر جلے پر نیا ماسک تو
چڑھا دیا ہے۔۔" عندلیب ابھی ابھی گھر میں داخل
ہوئی تھی اور آتے ہی طنز کے تیر چلانے لگی
"کہاں تھی تم؟" وجیہہ اس کے سامنے سینہ تان کے
کھڑی ہو گئی
"تم سے مطلب؟" حقارت آمیز لہجے میں جواب دیا
"عندلیب۔۔ ایسے بات کرتے ہیں آپی
سے۔۔" انمول نے اس کی سرزنش کی
"اوہ۔۔ کچھ مہینے ہسپتال میں گزارہ کر آئے، ان کے
نام کی مالا ہی لاپنے لگ گئے۔۔" عندلیب نے تمسخرانہ

کہا تھا

"اپنی زبان کو لگام دو۔۔" انمول نے کہا تھا

"چلو۔۔اب جھگڑا بند کرو۔۔۔ آج تو خوشی کا دن ہے کہ انمول اتنے دنوں بعد گھر لوٹ کر آیا ہے اور تم نے آتے ہی جھگڑا شروع کر دیا" رضیہ بیگم نے پاس آکر صلح صفائی کرانے کی کوشش کی

"کیا کہا خوشی کا؟۔۔۔ ہنہ۔۔ کہاں سے خوشی کا ہے دن اور اتنے دن بعد بھی لوٹ کر آنے کا کیا فائدہ؟ چہرہ تو ویسے ہی جھلسا ہوا ہے۔" بے رخی سے وہ بڑبڑائی تھی

"عندلیب۔۔" اب کی بار حجاب چلائی تھی

"چلاؤ مت۔۔۔ چلانا مجھے بھی آتا ہے۔" عندلیب غرائی تھی

"حجاب سے ایسے بات کرنے کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے۔۔" انمول نے کہا تھا

"دو دن اس نے تمہاری دیکھ بھال کیا کر لی۔۔۔ اس کے شیدائی ہی ہو گئے۔۔" اس نے طنزیہ کہا تھا

"دیکھو۔۔۔ اب اپنی لمٹ کراس مت کرو۔۔" انمول نے لہجے کو کنٹرول کرتے ہوئے کہا تھا

"اگر اتنی ہی لمٹ کراس کر رہی ہوں تو چھوڑ کیوں نہیں دیتے مجھے۔۔۔ کم سے کم ایک جلے ہوئے انسان کے ساتھ رہنے کو تو نہیں پڑے گا۔۔"

"عندلیب۔۔۔" حجاب نے ایک طماچہ اس کے دائیں رخسار پر رسید کیا تھا

"آئندہ کبھی یہ الفاظ کہے ناں تو مجھ سے برا کچھ نہیں ہو گا۔۔ آئی بات سمجھ میں۔۔۔" عقابی نظروں سے اس پر جھپٹی تھی

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے تھپڑ مارنے کی۔۔" دہکتی آنکھوں سے الٹا وار کیا

"اور تمہاری ہمت کیسے ہوئی انمول کے خلاف ایسے لفظ بولنے کی۔۔۔ یہ مت بھولو کہ وہ اب بھی تمہارا شوہر ہے اور ایک بیوی کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے نقص کو اس پر عیاں کرے اور اس کا مذاق اڑائے۔۔"

"بڑا ہی پیار آرہا ہے تو تم ہی کیوں نہیں رکھ لیتی اس کو۔۔۔ کم سے کم میری جان تو چھوٹ جائے

گی۔۔۔'' گردن جھٹکتے ہوئے کہا

''رکھ لوں۔۔۔اور مجھے بہت خوشی ہو گی۔ابھی تو انمول کا صرف جسم کا کچھ حصہ جلا ہے اگر ان کا پورا وجود بھی جھلس جاتا ناں تب بھی میں انہیں اکیلا نہیں چھوڑتی۔ان کے پاس رہتی۔ان کا خیال رکھتی۔ تمہاری طرح ان سے گھن نہ کھاتی۔۔۔''

''تو پھر رکھو اس کو بدصورت کو اپنے پاس۔۔۔مجھے اس کے ساتھ رہ کر اپنا وقار خراب نہیں کرتا ۔۔۔'' منہ چڑھا کر وہ اپنے کمرے میں گئی اور آناً فاناً اپنے کپڑے سوٹ کیس میں پیک کر کے باہر آگئی

''عندلیب۔۔یہ کیا بچپنا ہے۔؟'' وجیہہ نے سمجھانے کی کوشش کی

''میں بچپنا کر رہی ہوں میں؟'' طنزیہ کہا

''ضد چھوڑو۔۔۔عندلیب۔۔میاں بیوی کے درمیاں تو چھوٹی موٹی باتیں ہوتی رہتی ہیں،اس طرح کوئی گھر چھوڑ کر تھوڑی جاتا ہے۔۔!!؟'' رضیہ بیگم نے آگے بڑھ کر عندلیب کو سمجھانے کی کوشش کی مگر جن کی عقلوں پر پردہ پڑ جائے،ان کے آگے نصیحت کرنا بے کار ہوتا ہے

''یہ آپ کے لئے چھوتی موٹی بات ہو گی مگر میرے لئے نہیں۔۔آپ انمول کو اس حالت میں قبول کر سکتے ہیں مگر میں نہیں۔۔۔!!'' اس نے کراخت لہجے میں کہا تھا

''ایک بات یار رکھنا کہ اگر آج تم گئی ناں تو ہمیشہ کے لئے اس تعلق کو بھول جانا۔۔'' انمول نے بنا دیکھے کہا تھا

''مجھے کوئی شوق بھی نہیں ہے اس رشتے کو نبھانے کا۔۔دو دن بعد خلع کے پیپرز میں خود ہی بھجوا دونگی۔۔'' یہ کہہ کر وہ تیز قدموں کے ساتھ باہر دروازے کی طرف چل دی

''انمول۔۔روکو اسے۔۔رشتے مذاق نہیں ہوتے کہ جب چاہا نبھا لیا اور جب چاہا دل چرا لیا۔روکو اسے۔۔'' رضیہ بیگم انمول کو سمجھا رہی تھی

''امی جانے دیں اسے۔۔میں اچھی طرح جانتا ہوں اسے یہ کبھی نہیں رکنے والی۔۔جو بات اس کے دل میں آجائے وہ کر کے ہی گزرتی ہے۔پہلے مجھ سے

شادی کرنا اس کی ضد تھی۔ میں نے سمجھایا کہ کچھ وقت انتظار کیا جائے مگر یہ نہیں مانی اور اب اگر اس کا دل مجھ سے اکتا گیا ہے تو یہ کبھی نہیں رکنے والی۔ آپ جتنا سمجھائیں گے یہ اتنا ہی سر پر چڑھے گی۔۔ کسی کی نہیں ماننے والی یہ لڑکی۔۔" انمول نے صاف صاف کہہ دیا۔

"لیکن بیٹا!" علی عظمت نے کچھ کہنا چاہا

"نہیں ابو۔۔ جانے دیں۔۔ اور آپ کو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔ یہ رشتہ ایک نہ ایک دن تو ٹوٹنا ہی تھا۔ بھلا جس رشتے میں ماں باپ کی مرضی ہی شامل نہ ہو بھلا وہ کب تک نبھایا جا سکتا تھا۔ ایک نہ ایک دن اس رشتے پر شام خزاں آنی ہی تھی۔" وہ افسوس بھرے لہجے میں کہتا ہے

"لیکن بیٹا۔۔!!" رضیہ بیگم آگے بڑھی تھیں

"امی۔۔" اُن کے دونوں ہاتھوں کر پکڑ کر کہا

"مگر یہ رشتہ کبھی نہیں ٹوٹے گا۔۔" اس کا اشارہ حجاب کی طرف تھا۔ یہ سن کر کر اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ چھا گئی۔

* * * *

"آپی اب آپ یہاں پر ہی رہا کریں ناں۔۔ وہاں اکیلے گھر میں آپ کا جی گھبراتا ہو گا۔۔" انمول نے ناشتہ کرتے ہوئے کہا تھا

"نہیں انمول۔۔ میں وہاں اکیلی تھوڑی ہوں۔۔" وجیہہ نے مسکراتے ہوئے کہا

"کیا مطلب؟" رضیہ بیگم کے ساتھ ساتھ سب کی سوالیہ نظریں وجیہہ پر تھیں۔ اس کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے

"مطلب یہ ہے کہ ضرغام کا احساس ہر وقت میرے ساتھ تو ہوتا ہے۔۔" وہ ہچکچاتے ہوئے کہہ رہی تھی

"احساس۔۔؟ تم کچھ چھپا رہی ہو ناں ہم سے۔۔" علی عظمت نے کہا تھا

"وہ بات یہ ہے ابو کہ آپ نانا بننے والے ہیں۔۔" اس کی آنکھیں شرم و حیا سے جھک چکی تھیں

"کیا؟" خوشی میں سب کے چہرے چہک اٹھے تھے

”میں ماموں بننے والا ہوں۔۔“ انمول کے چہرے پر بھی خوشی کی لہر دوڑی تھی

”اور میں ممانی۔۔“ اپنی خوشی پر قابو کرتے ہوئے حجاب نے کہا تھا

”اتنی بڑی خبر تم ہمیں اب سنا رہی ہو؟“ علی عظمت اٹھ کر وجیہہ کے پاس گئے اور اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا

”ضرغام کو پتا ہے؟“ رضیہ بیگم نے استفسار کیا تھا

”جی۔۔ انہیں معلوم ہے۔۔“ نظریں جھکائے وہ سب کا پیار سمیٹ رہی تھی۔

”یہ اچھی بات نہیں آپی! آپ نے اتنی دیر سے ہمیں یہ خبر سنائی۔۔“ حجاب وجیہہ کے گلے آلگی تھی۔ انمول بھی خوش ہو کر وجیہہ سے باتوں میں مصروف تھا تبھی علی عظمت کی نظر رضیہ بیگم کے چہرے پر پڑی۔ جہاں اگلے ہی لمحے خزاں نے بسیرا کر لیا تھا۔ علی عظمت رضیہ بیگم کے اس تاسف کو دیکھ کر حیران ہوئے

”کیا ہوا بیگم؟ یہ تو خوشی کی گھڑیاں ہیں اور تم اداس ہو۔۔!!!“ آہستہ نے انہوں نے رضیہ بیگم کو مخاطب کیا تھا۔ رضیہ بیگم نے ایک حسرت بھری نگاہ علی عظمت پر ڈالی تو آنکھوں میں [illegible] آنسو آ گئے

”یہ کیا؟ اب بھی آنسو۔۔۔“ علی عظمت نے پیار سے ان کے آنسو صاف کیے

”خوشی کی اس گھڑی میں بھی وجیہہ آج کتنی اکیلی ہے ناں۔۔ اس وقت اسے ضرغام کی ضرورت ہے اور وہ۔۔۔“ ان کی آواز بھر آئی تھی

”کس نے کہا کہ وجیہہ اکیلی ہے؟ وہ اکیلی نہیں ہے۔ اکیلے وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے اپنے ان کے پاس نہیں ہوتے۔ ذرا ادھر دیکھو۔۔۔“ علی عظمت نے ہاتھ کے اشارے سے رضیہ بیگم کی توجہ تینوں کی طرف مبذول کروائی۔ وجیہہ کرسی پر بیٹھی تھی۔ ضرغام اس کے ساتھ ہی چیئر پر تھا۔ حجاب وجیہہ کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی۔ تینوں کے چہرے پر ایک ہنسی تھی۔

”دیکھو! وہ تینوں کتنے خوش ہیں۔ اور تم نے سوچ بھی کیسے لیا کہ وجیہہ اب اکیلی ہے۔ اُس کا بھائی اور بھابھی

اس کے ساتھ ہیں۔ دیکھو جب سے انمول کو اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے کیسے وجیہہ کے آگے پیچھے پھر رہا ہے۔۔اور حجاب وہ تو آپی آپی کہتے نہیں تھکتی۔۔۔تم اب بھی کہتی ہو کہ وہ اکیلی ہے۔ نہیں وہ اکیلی نہیں ہے۔ سب کا پیار اس کے ساتھ ہے اور سب سے بڑھ کر ضرغام کی محبت اس کو کبھی تنہا ہونے ہی نہیں دیتی۔"

"کہہ تو آپ ٹھیک رہے ہیں لیکن اگر وہ کبھی۔۔۔" انہوں نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا

"ایسا سوچنا بھی مت۔۔!!" علی عظمت نے انہیں تنبیہہ کی

"ہماری بیٹی اتنی کمزور نہیں ہے کہ اتنی جلدی ہار مان لے۔ دیکھنا تم وہ اس کیس کو جیتے گی اور ضرغام کو باعزت رہا بھی کروائے گی۔ مجھے یقین ہے اپنی بیٹی پر۔۔۔" بڑے مان کے ساتھ انہوں نے وجیہہ کی طرف دیکھا تھا

"مجھے بھی۔۔۔" اثبات میں سر ہلاتے ہوئے انہوں نے تینوں پر نگاہ دوڑائی تھی

* * * *

"یہ لیجیے۔۔ دودھ پی لیں آپ۔۔" حجاب نے دودھ کا گلاس لا کر وجیہہ کے سامنے ٹیبل پر رکھ دیا مگر اسے خبر نہ تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں میں موجود ایک موٹی سی سیاہ کتاب پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ حجاب نے گلاس رکھ کر ایک نظر وجیہہ کی طرف دیکھا جو اپنی زندگی سے بے خبر صرف ضرغام کے کیس میں محو تھی

"آپی۔۔" اس نے آہستہ سے شانوں کو چھوا تو وہ بری طرح چونکی تھی

"ارے حجاب تم؟ تم کب آئیں؟" اپنے حواس کو مجتمع کرتے ہوئے کتاب کو بند کر کے ٹیبل پر رکھا اور پوری توجہ سے اس کی طرف دیکھا۔ آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں مگر دیکھنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی

"جب آپ سٹڈی میں مصروف تھیں۔۔" اس نے دودھ کا گلاس اٹھایا اور وجیہہ کے ہاتھوں میں تھما دیا

"اگر برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں۔۔" وہ بلا تکلف بیڈ پر بیٹھ گئی۔ وجیہہ نے ایک گھونٹ پی کر اس کی جانب

کر سی موڑی اور اثبات میں سر ہلایا

"ہاں۔۔ بولو۔۔۔ برا ماننے کی کیا بات ہے؟"

"آپ کسی دوسرے وکیل کے ہائر کر لیں اور آپ آرام کریں۔۔"

"نہیں حجاب۔۔ یہ کیس میری زندگی ہے۔ یہ صرف ضرغام کے لئے ہی نہیں بلکہ میرے لئے بھی ایک امتحان ہے اور مجھے اپنے رب پر یقین ہے کہ وہ اس امتحان میں ہم دونوں کو سرخرو کرے گا۔۔"

"لیکن آپی۔۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ ایسے حالات میں آپ؟" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی

"ایک بیوی صرف اسی صورت میں آرام کر سکتی ہے جب اس کے سر پر شوہر نامی چھت ہو جو اس پر محبت کا سایہ کیے رہے کیونکہ ایک بیوی جو راحت اپنے شوہر کے ہوتے ہوئے پاتی ہے کبھی اس کے بنا نہیں پا سکتی"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں مگر ضرغام بھائی بھی یقیناً یہی چاہیں گے کہ آپ۔۔۔"!!

"حجاب۔۔ بس ایک بار وہ آجائیں پھر جیسا وہ چاہیں گے ویسا ہی ہو گا۔۔ بس ایک بار باہر آجائیں۔۔۔" وجیہہ نے مداخلت کی تھی۔ حجاب اب مزید کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس نے وجیہہ کی آنکھوں میں دیکھا جہاں صرف تنہائی تھی مگر اس تنہائی میں بھی امید کی کرن روشن تھی۔ وہ خاموشی کے ساتھ کمرے سے باہر آگئی مگر چہرے پر ایک الگ اتاسف تھا۔ اپنے کمرے میں آئی تو انمول کی نظروں سے اس کی پریشانی چھپ نہیں سکی۔ کل تک جس کا پریشان ہونا اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ نہ جانے کیوں آج اس کے چہرے پر وہ پریشانی کے آثار بھی نہیں دیکھ سکتا تھا

"کیا ہوا؟" وہ بیڈ پر ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ ہاتھ میں موجود کتاب کو بند کر کے اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور پوری توجہ کے ساتھ حجاب کی طرف متوجہ ہوا جو گم صم دروازے سے داخل ہوئی اور وارڈروب کی طرف بڑھ رہی تھی

"کوئی بات ہے حجاب؟" وہ اپنے خیالوں میں اس قدر محو تھی کہ اسے انمول کی آواز سنائی ہی نہیں دی۔ وہ بس یک ٹک وارڈروب پر ہاتھ رکھے ہوئے انجان سے

دنیا میں گم تھی۔ انمول کے چہرے پر شکن ابھرنے لگے۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر جھلسے ہوئے پاؤں رکاوٹ بنے مگر اس نے ہمت جاری رکھی

''آہ۔۔'' درد کی ایک ٹیس نے جنم لیا مگر اس نے ہمت نہ ہاری۔ دونوں ہاتھوں کو بیڈ پر جمائے اس نے پاؤں زمین پر رکھے تھے۔ درد کی شدت کی وجہ سے اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ آنکھیں بھی خود بخود بند ہو گئیں مگر اس نے اٹھنے کی پوری کوشش کی اور آخر کار وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو ہی گیا مگر ٹانگ میں ایک خم تھا۔ چلنے کی کوشش کی تو چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ کمر کے پیچھے کیا اور دوسرے ہاتھ کو گھٹنے پر رکھا

''اف۔۔۔'' درد کو برداشت کرتے ہوئے وہ آگے بڑھنے لگا وہ ابھی بھی اپنے ہی خیالوں میں گم تھی

''حجاب۔۔۔!!'' انمول نے حجاب کے شانوں پر ہاتھ رکھا تو وہ بری طرح چونک کر پلٹی تھی

''انمول۔۔ آپ۔۔۔'' خیالوں کی دنیا سے وہ لوٹ آئی تھی

''اگر آپ کو کچھ چاہئے تھا تو مجھے بتا دیتے۔ چلیئے بیٹھیں۔۔'' سہارا دے کر اسے واپس بیڈ کی طرف لے گئی اور پیار سے بیٹھایا۔ بیٹھ کر اس نے سکھ کا سانس لیا

''آپ کو ابھی ڈاکٹر نے منع کیا ہے ناں چلنے پھرنے سے۔۔'' نرم ہاتھوں سے انمول کے ٹانگیں اٹھا کر دوبارہ بیڈ پر رکھیں

''تم پریشان کیوں تھی؟'' انمول نے الٹا اسی سے سوال کیا

''میں پریشان تھی۔۔۔!! نہیں میں تو پریشان نہیں تھی۔۔'' لحاف کو دوبارہ انمول کی ٹانگوں پر اوڑھا دیا

''لیکن میں تمہیں کافی دیر سے بلا رہا تھا مگر تم نے میری بات سنی ہی نہیں۔۔''

''اچھا۔۔۔!!'' حیرت سے اس نے انمول کی طرف دیکھا

''دیکھو۔۔ اگر کوئی بات ہے تو بتاؤ۔۔ یوں چھپانے سے کچھ نہیں حاصل ہوتا''

''وہ میں آپی کے بارے میں سوچ ہی تھی۔۔'' اس

کے پاس بیٹھ کر اس نے کہا تھا

"آپی کے بارے میں؟ کیا ہوا آپی کو؟ ٹھیک تو ہیں ناں آپی؟" حجاب کا دائیں ہاتھ اپنے داہنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے پوچھا

"آپی کتنی اداس رہتی ہیں ضرغام بھائی کے بنا۔۔ ہر وقت انہی کے بارے میں سوچتی رہتی ہیں۔ حالانکہ اس وقت انہیں آرام کی ضرورت ہے مگر وہ اب بھی صرف کیس پر ہی محنت کرتی رہتی ہیں۔۔ اگر ایسے ہی چلتا رہا تو ان کی صحت خراب ہو سکتی ہے اور آگے چل کر مسئلہ بھی ہو سکتا ہے۔۔" حجاب نے اپنے ڈر کا اظہار کیا تھا

"" اس سلسلے میں تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔۔ آپی نے تو کبھی کسی کا برا نہیں چاہا پھر ان کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟"

"انمول۔۔ مشکلیں آتی ہیں ایسے لوگوں کے پاس ہیں کیونکہ وہی مشکلوں کو بہتر انداز میں سلجھانے کی صلاحیت رکھتے ہیں مگر میں تو ان کی صحت کے بارے میں بہت فکرمند ہوں۔ پہلے تو وہ اکیلی تھیں مگر اب ان کے ساتھ ایک زندگی بھی جڑ چکی ہے۔۔" حسرت کے ساتھ اس نے انمول کی طرف دیکھا

"میں سمجھاؤں گا آپی کو۔۔"

"وہ نہیں مانیں گی۔۔ میں نے بھی سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ تو بس اسی کیس میں محو ہیں۔ کیس کے علاوہ وہ کچھ سوچنے اور سمجھنے کے لئے تیار ہی نہیں۔۔"

"کاش میں کچھ کر سکتا۔۔" افسوس کرتے ہوئے انمول نے زیر لب کہا تھا ایک ثانیے کے لئے خاموشی چھا گئی

"ویسے میں تو اتنے دن گھر ہی نہیں تھا اس لئے زیادہ کیس کے بارے میں معلوم نہیں مگر تمہیں تو پتا ہو گا ناں۔۔" اس نے جھٹ سوال داغا تھا۔

"کیس کے بارے میں زیادہ تو مجھے بھی معلوم نہیں کیونکہ میں بھی تو آپ کے ساتھ ہی تھی مگر جتنا معلوم ہے۔ اتنا بتا دیتی ہوں" حجاب نے انمول کو سب کچھ بتا دیا۔ انمول کے چہرے کے تاثرات بدلتے گئے۔ ایک پل میں غصہ تو اگلے ہی لمحہ طمانیت کے

اثرات نمایاں ہوتے۔

''بس مجھے اتنا ہی معلوم ہے۔۔''

''کوئی بات نہیں۔۔۔اسی سے کام چلائیں گے ہم۔۔''

''کام چلائیں گے ؟کیا مطلب ہے آپ کا؟''حجاب نے استفہامیہ انداز میں انمول کی طرف دیکھا تھا

''آپی کو یوں ہاتھ پر ہاتھ رکھے تو دیکھ نہیں سکتے ہم اور پھر یہ تم بھی جانتی ہو کہ وکالت میں کتنی بے ایمانی چلتی ہے، جھوٹ فریب تو جیسے پیدا ہی انہی جگہوں پر ہوتے ہیں۔سچ بولنے والوں کی نیا تو کم ہی پار لگتی ہے ۔۔'' انمول نے تمہید باندھنا شروع کی

''کہتے تو آپ ٹھیک ہیں۔۔'' حجاب نے تائید کی

''اور پھر آپی کو تو تم جانتی ہی ہو وہ کبھی جھوٹ کا سہارا نہیں لیں گی اور تمہارے بقول کیس کو اتنا عرصہ ہو گیا چلتے ہوئے ابھی تک انہوں نے ایک بھی دلیل ایسی نہیں دی جو ان کے لئے مثبت ثابت ہو سکے۔۔۔''

''ہاں۔۔'' ایک بار پھر اس نے اثبات میں گردن ہلائی

''تو پھر ہمیں ہی آپی کی مدد کرنی ہو گی۔۔''کچھ سوچتے ہوئے انمول نے کہا تھا

''لیکن کیسے ؟'' انمول نے استفہامیہ انداز میں انمول کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ چھا گئی

''اس کے لئے مجھے تمہاری ضروت ہو گی۔۔کرو گی ناں میری مدد۔۔''حجاب کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں مین تھامتے ہوئے اس نے کہا تھا

''میں تو ہمیشہ آپ کے ساتھ ہوں۔۔''محبت بھری نگاہوں سے اس نے تائید کی

''تو پھر ٹھیک ہے۔۔۔اب بس اگلی پیشی کا انتظار ہے۔۔''

''لیکن بتائیں تو صحیح آپ کریں گے کیا؟''حجاب ابھی تک کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی

''یہ تو اب اگلی پیشی میں ہی پتا چلے گا۔۔''معنی خیز نگاہوں سے اس نے حجاب کی طرف دیکھا تھا

* * * *

''جی مس وجیہہ عظمت! آپ کے پاس کوئی دلیل ہے ۔جس کی بنیاد پر آپ ضرغام عباسی کا دفع کر

سکیں؟ کیونکہ پچھلی سماعتوں میں آپ نے ایک بھی ایسا ثبوت یا گواہ عدالت کے سامنے پیش نہیں کیا جو اس کیس کو آگے بڑھانے کو موجب بنتا اگر آج آپ کے پاس کوئی ثبوت یا گواہ ہے تو برائے مہربانی اسے عدالت کے سامنے پیش کریں ورنہ مجبوراً آج ہمیں اس کیس کا فیصلہ سنانا ہو گا۔۔" یہ سننے کی دیر تھی کہ پروسیکیوٹر کے چہرے شاطرانہ ہنسی چھا گئی۔ اُس نے معنی خیز نگاہوں سے وجیہہ عظمت کی طرف دیکھا جو پرسکون انداز میں اپنی چیئر پر ٹیک لگائی بیٹھی تھی اور ہاتھ میں موجود قلم کو سکون کے ساتھ گھمائے جا رہی تھی

"میرے خیال سے آپ کو فیصلہ سنا دینا چاہئے۔۔ کیونکہ جس طرح سے میری ساتھی اپنی نشست پر بیٹھی ہوئی ہیں اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے پاس آج بھی کوئی ثبوت نہیں۔۔" اس سے پہلے کے وجیہہ کچھ کہتی پروسیکیوٹر برق رفتاری سے اٹھی اور اپنا موقف عدالت کے سامنے پیش کیا

"جج صاحب! میری ان ساتھی کو قیاس آرئیاں کرنے کا بہت شوق ہے۔ شاید میری ساتھی یہ نہیں جانتیں کہ عدالت کوئی بھی فیصلہ بنا ثبوت کے نہیں کرتی۔۔" وجیہہ نے جھٹ اٹھتے ہوئے کہا

"تو پھر آپ کے پاس ثبوت ہے آج؟" معنی خیز نگاہوں سے اس نے حجاب کی طرف دیکھا

"اور کیا آپ کے پاس ثبوت ہے؟" الٹا وجیہہ نے سوال داغا تھا

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ اس نے اچانک سوال کے لئے تیار نہ تھی

"مطلب میں سمجھاتی ہیں۔۔ آپ کچھ دیر کے لئے بیٹھنا پسند کریں گی؟" ہلکی سی مسکراہٹ کو دباتے ہوئے وجیہہ نے سیٹ کی طرف اشارہ کیا تو وہ شش و پنج میں بیٹھ گئی اور وجیہہ کی طرف دیکھنے لگی

"جج صاحب! یہ کیس چلتے ہوئے پانچ ماہ ہو چکے ہیں اور میں اس بات کا اقرار کرتی ہوں کہ عدالت کے سامنے کوئی ٹھوس ثبوت پیش نہیں کر سکی لیکن جج صاحب۔۔ میری عزیز ساتھی جو جب سے کیس چلا ہے میرے موکل پر بار بار یہ الزام لگاتی جا رہی ہے کہ

انہوں نے یہ کیا۔۔انہوں نے وہ کیا۔۔لیکن جج

صاحب صرف بار بار ایک ہی جملے کی گردان الاپنے

سے کچھ نہیں ہوتا۔اگر میں ثبوت فراہم کرنے میں

ناکام رہی ہوں تو میری عزیز ساتھی بھی تو عدالت کے

سامنے ثبوت پیش نہیں کر سکی۔۔''

''جی نہیں یور آنر۔۔میں ویڈیو بھری عدالت میں

دیکھا چکی ہوں۔۔''

''صرف ویڈیو سے کام نہیں چلتا۔۔جج

صاحب۔۔جب سے کیس شروع ہوا ہے۔ایک بار

بھی مس عنایہ نے کمرہ عدالت میں آکر اپنا بیان پیش

نہیں کیا۔میری عدالت سے یہ استدعا ہے کہ انہیں

عدالت میں پیش کیا جائے۔۔''

''وہ نہیں آسکتی۔۔۔سمجھی آپ۔۔'' اس نے تلخ لہجے

میں کہا تھا

''مگر کیوں؟'' دھیمے لہجے میں پوچھا

''کیونکہ وہ ایک عزت دار لڑکی ہے اور عدالت کے

چکر لگا کر اپنے کردار پر داغ نہیں لگوا سکتیں۔۔۔۔''

''کیا کہا آپ نے عزت دار۔۔۔جج صاحب۔۔جو

عورت بھری عدالت میں اپنی ویڈیو پیش کر سکتی ہے،

بھلا وہ عدالت میں پیش ہونے سے کیوں گھبراتی

ہے۔۔؟جب ویڈیو کے ذریعے اپنے اوپر بیتی ہوئی کتھا

سنا سکتی ہے تو زبان سے کے ذریعے سنانے میں کیا حرج

ہے؟''

''مس وجیہہ۔۔۔!!'' وہ اپنا آپا کھونے لگی تھی

''جج صاحب۔۔!!میں مس عنایہ سے کچھ سوالات

پوچھنا چاہتی ہوں۔اس لئے آپ سے گذارش ہے کہ

انہیں عدالت میں پیش ہونے کا حکم دیا جائے

''ٹھیک ہے۔۔'' جج صاحب نے اثبات میں گردن

ہلائی

''لیکن یور آنر۔۔وہ یہاں نہیں

آسکتیں۔۔''پروسیکیوٹر نے دلیل دینے کی کوشش کی

تھی

''لیکن کیوں؟دیکھیے مس وجیہہ کا کہنا درست ہے۔

انہیں ایک بار عدالت میں آکر یہ قبول کرنا ہو گا کہ

ملزم نے ان کے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی

ہے۔اس طرح آپ کے کیس کو مضبوطی بھی مل

جائے گی اور مس وجیہہ کو جو سوال ان سے کرنے ہیں وہ بھی کرلیں گی۔۔"

"لیکن یور آنر! وہ شوبز سے وابستہ ہیں اور ان کا عدالت میں آنا ان کے کریئر پر اثر انداز ہوسکتا ہے۔"

"شوبز سے مسٹر ضرغام بھی وابستہ تھے۔۔" وجیہہ نے جھٹ کہا

"اُن کی بات کوئی اور ہے۔۔" عقابی نظروں سے وجیہہ کی طرف دیکھا

"جج صاحب! عدالت کی نظر میں سب برابر ہوتے ہیں ۔ایک غریب کو جب گواہی کے لئے طلب کیا جاسکتا ہے تو ایک امیر کو کیوں نہیں؟ کیا صرف عزت امیروں کی ہی ہوتی ہے غریبوں کی نہیں؟ کیا صرف عدالت میں آنے سے امیروں کے کردار پر ہی داغ لگتا ہے غریبوں کا کردار بے داغ رہتا ہے؟ میری آپ سے بس یہی استدعا ہے کہ مس عنایہ اسی کٹھڑے میں کھڑا کرکے سوال وجواب کئے جائیں۔ جدھر آج مسٹر ضرغام کھڑے ہیں۔۔" اس نے ضرغام کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جو یک ٹک اسے ہی دیکھتا جارہا تھا۔ کل تک وہ وجیہہ جو صرف معصوم تھی آج بھری عدالت میں صرف اس کے لئے لڑ رہی تھی۔ کیا واقعی بیویاں ایسی ہوتی ہیں؟ وہ سوچ رہا تھا اور اُس سوچ سے گھن کھا رہا تھا جو وہ کل تک رکھتا ہے

"اگر انسان رشتوں کی زنجیروں سے باہر نکل آئے تو وہ کافی آگے جاسکتا ہے مگر یہ جو رشتے ہوتے ہیں، یہ انسان کو آگے بڑھنے سے روکتے ہیں کبھی ماں بن کر، کبھی بہن کی صورت میں تو کبھی بیوی بچوں کے روپ میں۔۔ رشتوں کی زنجیروں میں جکڑا [illegible] آدمی کبھی کھل کر سانس بھی نہیں لے سکتا ۔ قدم قدم پر یہ رشتے اس کو کسی نہ کسی چیز سے محروم کرہی دیا کرتے ہیں اور پھر وہ وقت آتا ہے کہ جب اس کے اپنے، جن کی خاطر اس نے سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا، وہ بھی اس کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔" آج اسے اپنے ہی الفاظ پر افسوس ہو رہا تھا۔ وہ کیا سوچتا تھا اور کیا ہو رہا ہے۔

"نہیں۔۔ رشتوں کی زنجیروں سے نکل کر کوئی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ رشتے زنجیر نہیں بلکہ دھاگے ہوتے

ہیں جو آپس میں ملکر ایک خوبصورت احساس کو جنم دیتے ہیں۔ اور بیوی کا رشتہ تو ایک الگ ہی حیثیت رکھتا ہے۔ جب دنیا کے سارے رشتے بچھڑ جاتے ہیں تو یہی رشتہ اس کے کام آتا ہے۔ اس کے دکھ سکھ بانٹتا ہے۔ ماں باپ تو بچپن سے لے کر جوانی تک اپنے بیٹے کا خیال رکھتے ہیں مگر جیسے ہی ان کا بیٹا جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے تو ماں باپ بڑھاپے میں قدم رکھ چکے ہوتے ہیں ایسے میں جتنی ماں باپ کو اپنے بیٹے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے میں اتنی ہی اس لڑکے کو کسی ایک سہارے کی ضرورت ہوتی ہے جس کے ساتھ وہ اپنا دکھ سکھ بانٹ سکے۔ جس سے اپنے دل کا حال بیان کر سکے۔ ماں باپ اور بیٹے کے درمیان تو ایک پردہ حائل ہو سکتا ہے مگر میاں اور بیوی کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہو سکتا۔ یہ رشتہ ہی کچھ ایسا ہوتا ہے جس سے ہر پردے اٹھالئے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ اپنا دکھ سکھ ایک دوسرے کو بیان کر سکیں۔ ایک دوسرے کو سمجھ سکیں۔ قدم سے قدم ملا کر چل سکیں۔ یہ رشتے کبھی انسان کو کمزور نہیں کرتے اور نہ ہی کسی چیز سے محروم کرتے ہیں بلکہ یہ تو انسان کو مضبوط بناتے ہیں۔ جب اسے ہمت کی ضرورت ہوتی ہے تو بیوی کی صورت میں یہ رشتہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ جب کسی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے تو یہی رشتہ اولاد جیسی نعمت سے سرفراز کرتا ہے۔ جنہیں دیکھ کر اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہے۔ رشتوں سے عاری انسان بھلا کیسے اس سکھ کو پہچان سکتا ہے؟ رشتے تو انسان کو منزل سے روشناس کرواتے ہیں پھر بھلا ان کو نبھانے سے کیسے کوئی احساس کم تری کا شکار ہو سکتا ہے؟ کیسے؟'' اس کا من پکار رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے مگر شاید سمجھنے میں بہت دیر ہو چکی تھی

''بس میری یہی ستدعا ہے عدالت سے۔۔۔'' وجیہہ اب اپنی کرسی پر جا بیٹھی تھی

''لیکن۔۔۔'' پروسیکیوٹر نے کچھ کہنا چاہا مگر جج صاحب نے مداخلت کی

''یہ عدالت اگر شنوائی میں مس عنایہ کو عدالت میں پیش ہونے کا حکم دیتی ہے۔۔''

* * * *

انمول بھی جلدی سے ری کور ہو رہا تھا۔ اس کی حالت میں سدھار آتا جا رہا تھا۔ صبح و شام وہ خود چلنے کی کوشش کرتا۔ درد کی شدت آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی۔ زخم مندمل ہوتے گئے۔ چہرے پر ہلکا سا نشان رہ گیا۔ بالوں کی رعنائی لوٹ آئی۔ لبوں کی چاشنی لوٹ آئی مگر ایک نشان تھا جو چہرے پر نقش کر چکا تھا۔ شاید ساری عمر کے لئے مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔ وہ حسن جس پر اسے ناز ہوا کرتا تھا۔ ایک واقعہ نے خاک میں ملا دیا۔ اور اس خاک میں اسے دل کا حسن نصیب ہو گیا اب وہ دوبارہ ظاہری حسن کی طرف مائل نہیں ہونا چاہتا تھا لیکن قسمت نے اس کا زیادہ امتحان نہیں لیا۔ اس کے سارے شوخ پن لوٹا دیئے بعوض ایک داغ کے۔ چہرے کے بائیں جانب آنکھ سے ذرا نیچے ایک سیاہ حلقہ پوری زندگی کے لئے اس کے وجود کا حصہ بن چکا تھا۔ شاید یاد دہانی کے لئے کہ انسان کی اصل کیا ہے؟ جو سمجھتے ہیں کہ حسن ہی سب کچھ ہے اُن کے لئے ایک نشان عبرت۔

* * * *

''یہ تو میں پوچھ کر رہوں گی اسے۔۔۔'' وہ غصے میں بڑبڑاتی ہوئی جا رہی تھی

''چھوڑوں گی نہیں اسے۔۔۔'' موبائل کو کندھے سے سہارا دیا اور ہاتھوں میں موجود شاپنگ بیگز کو اس نے ایک سٹول پر رکھا اور ان میں کچھ ڈھونڈنے لگی

''تم فکر ہی نہ کرو۔۔۔ تمہیں تمہاری پے منٹ ٹائم پر ملے گی بس کسی بھی اس کیس کو ایسا موڑ دو کہ اگلی ہی شنوائی میں فیصلہ ہو جائے۔۔'' تمام بیگز چھان مارے مگر مطلوبہ چیز نہ ملی

''اوہ۔۔۔ میکسی تو شاپ پر ہی بھول آئی۔۔'' اس نے زیر لب کہتے ہوئے سر پر ہاتھ رکھا

''اچھا۔۔ پھر میں بعد میں فون کرتی ہوں۔۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے شاپنگ بیگ اٹھائے اور جیسے ہی پلٹی تو ایک فولادی سینے سے جا ٹکرائی۔ اس کے ہاتھوں میں موجود موبائل فون اور شاپنگ بیگز نیچے گر گئے۔

''اندھے ہو کیا نظر نہیں آتا۔۔'' اس نے اس شخص کی طرف دیکھے بنا ہی برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور نیچے

جھک کر شاپنگ بیگز سے نکلی ہوئی چیزوں کو سمیٹنا
شروع کر دیا
"آئی ایم سوری۔۔۔!!میں نے سچ میں نہیں دیکھا۔۔
آپ کو زیادہ لگی تو نہیں۔۔" وہ اپنی میٹھی آواز میں اس
سے محو گفتگو تھا۔اور اپنے کیئے پر پشیمان تھا اسی لئے
جھک کر اس کے ساتھ چیزیں سمیٹنے لگا
"پہلے دیکھ کر چلتے نہیں۔۔بعد میں معافی مانگتے پھریں
گے۔۔۔ہنہ۔۔" وہ ابھی بھی بڑبڑاتی جا رہی تھی
"کہاناں۔۔آئی ایم سوری۔۔اگر کوئی نقصان ہوا تو
میں اس کا خمیازہ بھی بھگتنے کے لیئے تیار ہوں۔۔" وہ
کچھ زیادہ ہی فری ہونے کی کوشش کر رہا تھا
"ہاں۔۔نقصان تو ہوا ہے۔۔دس ہزار کا میرا آئی
لائینز سیٹ خراب ہو گیا ہے۔۔"اس نے جھٹ کہا
"اوکے۔۔۔یہ لیجیے۔۔۔" اس آنے والے نے بنا
سوچے سمجھے ایک ایک ہزار کے دس نئے نوٹ اپنی
جینز سے نکالے اور اس کے ہاتھوں میں تھما دیئے۔وہ
یک ٹک اپنے ہاتھوں کو ہی دیکھتی رہی
"اور کچھ نقصان ہوا تو وہ بھی بتا دیں۔۔۔" اس نے
مزید کہا تھا
"نن نن نہیں۔۔۔" ایک اجنبی اس پر اتنا مہربان
ہو رہا تھا۔یہ دیکھ کر اسے شاک ہوا۔اس نے نظریں
اٹھا کر اس شخص کی طرف دیکھا۔بڑی بڑی سن گلاسز
نے اس کا آدھ سے زائد چہرہ ڈھانپا ہوا تھا۔جو حصہ
نظر آ رہا تھا،اس کے حسین ہونے کا دعویٰ کر رہا
تھا۔سفید دودھیا رنگ پر سفید شرٹ سونے پر سہاگا
تھا۔باڈی سپرے سے آنے والی دلفریب خوشبو وہ دور
سے ہی محسوس کر سکتی تھی
"کیا ہوا؟کچھ اور بھی نقصان ہوا ہے کیا؟میں بھرپائی
کرنے کو تیار ہوں۔۔"اس بار اس کی آواز میں مٹھاس
پہلے سے زیادہ تھی
"جی نہیں۔۔یہ کافی ہے۔۔"اس نے سامان سمیٹ کر
دوبارہ شاپنگ بیگز میں ڈالا اور انہیں پکڑ کر دوبارہ
کھڑی ہو گئی
"مائی سلیف عاصم اور آپ؟"اس نے بے تکلفی کے
ساتھ اپنا ہاتھ آگے بڑھایا
"میرا نام عنایہ ہے۔"اس نے بھی گرمجوشی سے اس کا

ہاتھ تھاما تھا۔ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں عجیب سی رعنائی۔

"میں کافی پینے جا رہا تھا۔ آپ بھی چلیں گی میرے ساتھ۔۔" عاصم نے پیشکش کی جسے عنایہ نے فوراً قبول کر لی

"چلیں پھر۔۔۔ دیکھائیں انہیں میں پکڑ لیتا ہوں۔۔۔" عاصم حد سے زیادہ بے تکلفی دیکھا رہا تھا۔ پہلے کچھ قدم کے فاصلے پر چل رہا تھا مگر جب عنایہ کو بات چیت اپنا بنا لیا تو اس کے بالکل قریب ہو گیا۔ اس کے شاپنگ بیگز اس کے ہاتھوں سے لے لیے اور کیفے ٹیریا میں اس جگہ جا بیٹھے جہاں سے تقریباً تمام مال نظر آتا تھا۔ اس وقت لوگوں کی ایک بڑی تعداد نہ صرف اس مال میں موجود تھی بلکہ اکثریت کیفے ٹیریا میں کھانے پینے سے محظوظ ہو رہے تھے مگر ان سب میں عاصم کی شخصیت ممتاز تھی۔ اس کا حسن سب پر بازی لے رہا تھا

"آپ کو کبھی دیکھا نہیں۔۔" عنایہ نے پوچھا تھا

"میں اس شہر میں نیا ہوں۔۔۔ گاؤں سے آیا ہوں۔۔" اس نے اپنے بارے میں بتانا شروع کیا تو عنایہ شاک ہو گئی

"کیا کہا آپ گاؤں سے ہیں؟ لیکن لگتا تو نہیں ہے۔۔ آپ کی پرسنیلٹی تو بالکل وہاں کے لوگوں سے میل نہیں کھاتی" اس نے حیرانی سے کہا تھا

"وہاں بھی سب مجھے یہی کہتے تھے کہ میں تو ایکدم ہیرو کی طرح لگتا ہوں بس اسی لئے چلا آیا۔۔" اس نے دانستہ طور پر گاؤں کا لب و لہجہ استعمال کیا

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آئی لائیک شوبز۔۔ شوبز کی رنگینیاں اور رونقیں اس ناچیز کو گاؤں سے شہر کھینچ لائیں۔۔ لیکن ہائے قسمت یہاں اتنے بڑے شہر میں بھلا کہاں در در کی خاک چھانتا پھروں گا اور کون اس گاؤں کے لونڈے کو شوبز میں متعارف کروائے گا۔۔" اس کی باتیں نہ جانے کیوں عنایہ کے دل کو چھونے لگی تھی۔ اُس کی مسکراہٹ، اس کے بات کرنے کا انداز عنایہ کے دل کو بھانے لگا تھا۔ یہی احساس اسے اُس وقت ہوا تھا جب اُس نے پہلی بار

ضرغام سے ملاقات کی تھی۔ ایک بار پھر وہی احساس جاگ اٹھا۔

"آپ کو خاک چھاننے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔ بس سمجھیں کہ آپ کو منزل مل گئی" کافی کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ یہ سن کر اس کے منہ سے ساری کی ساری کافی باہر آ گئی اور کچھ چھینٹیں عنایہ کے کپڑوں پر گر پڑیں

"آئی ایم سوری۔۔۔ وہ دراصل آپ کا مذاق سن کر میں ہنسی کو روک نہیں سکا۔۔" اس نے وجہ بتائی

"میں مذاق نہیں کر رہی۔۔ میں مارننگ شو کی ہوسٹ ہوں اور نئے نئے چہروں کو متعارف کروانا میرا کام ہے۔" اب عنایہ اسے اپنے بارے میں بتا رہی تھی

"لیکن آپ تو لڑکیوں کو متعارف کرواتی ہونگی ناں۔۔۔"

"نہیں۔۔ ایسی بات نہیں ہے۔ میں لڑکوں کو متعارف کرنے کی زیادہ مشتاق ہوں" اس نے ہنستے ہوئے کہا تھا

"لیکن میرے پاس تو اس حسن کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے جو آپ کے دے سکوں۔۔ کیونکہ سنا ہے شوبز میں جانے سے پہلے پاپڑ بڑے بیلنے پڑتے ہیں۔۔" عاصم نے اپنے ہاتھ کھڑے کر دیئے اور صاف صاف بتا دیا کہ وہ کوئی رشوت وغیرہ نہیں دے سکتا۔ یہ سن کر عنایہ کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی

"یہ تو آپ نے صحیح سنا۔۔ شوبز کی دنیا میں پاپڑ تو بڑے بیلنے پڑتے ہیں لیکن آپ کا واسطہ عنایہ سے پڑا ہے تو آپ بھی کیا یاد کریں گے آپ کو میں فری میں ہی متعارف کروادوں گی لیکن کچھ نہ کچھ تو دینا پڑے گا۔۔" اس نے معنی خیز نگاہوں سے عاصم کی طرف دیکھا تو جو پہلے پرسکون تھا مگر بعد میں چونک اٹھا

"لیکن ابھی تو کہا ہے کہ میں نے کہ میرے پاس اپنے حسن کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔۔" وہ بار بار اپنے منہ میاں مٹھو بن رہا تھا اور بالوں کو ایک ادا کے ساتھ سیٹ کر رہا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔۔ آپ کے اس حسن کے ساتھ ہی کام چلا لیں گے ہم۔۔" کافی کا کپ اپنے ہاتھ میں پکڑے وہ یک ٹک عاصم کے چہرے کو ہی دیکھتی جا رہی تھی۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' عاصم کے دل میں ایک کھٹکا سا ہوا تھا۔ اس نے کافی کا کپ رکھ کر استفہامیہ انداز میں عنایہ کی طرف دیکھا تو اس نے اپنی نظریں چرا لیں

''مطلب آپ کو بہت جلد سمجھ آجائے گا۔۔'' یہ کہہ کر اس نے بھی اپنی کپ ٹیبل پر رکھا اور شاپنگ بیگز اٹھا کر کھڑی ہو گئی

''یہ کیا؟ اتنی جلدی چل دیں آپ۔۔۔ ابھی کچھ اور وقت گزار لیتیں تو اس ناچیز کا دل بہل جاتا۔۔'' شاید وہ بھی بات کا مطلب سمجھ چکا تھا اسی لئے بناوٹی جملے استعمال کر کے عنایہ کی خوش آمد کرنے لگا

''اگر دل کو پہلی ہی ملاقات میں بہلا لیا جائے تو اگلی ملاقات کی تڑپ باقی نہیں رہتی۔'' شوخ ادا سے اس کی طرف دیکھا اور پھر ایک طرف کو چل دی۔ عاصم بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا

''لیکن اگلی ملاقات تو تبھی ہو گی ناں جب مجھے آپ اپنا سیل نمبر دیں گی۔'' وہ عنایہ سے بھی زیادہ دل پھینک نکلا تھا۔ جھٹ فون نمبر کا مطالبہ کر دیا۔ عنایہ نے شوخ نظر سے سر تا پا اس کا جائزہ لیا۔ سن گلاسز ابھی بھی اس کے چہرے پر تھیں۔

''کیا ہوا؟ اگر نہیں دینا چاہتیں تو کوئی بات نہیں۔۔ آپ کے ساتھ بات کر کے اچھا لگا۔۔'' اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ شاید وہ کچھ زیادہ ہی فری ہو رہا تھا۔ اس لئے اپنے کئے کی معافی مانگتے ہوئے آگے جو چل دیا

''سنو عاصم۔۔۔'' اس کے بلانے پر وہ جھٹ پلٹا جیسے وہ یہی چاہتا تھا کہ وہ اسے بلائے۔

''میرا مطلب وہ نہیں تھا۔۔۔ یہ لو میرا نمبر۔۔۔'' اس نے عاصم کے ہاتھوں میں موجود موبائل فون چھینا اور اس پر اپنا نمبر ڈائیل کر کے سیو کر دیا

''کل کو ملتے ہیں پھر۔۔'' یہ کہہ کر وہ چل دی اور وہ وہی کھڑا اسے دیکھ دیکھ کر مسکراتا رہا

٭ ٭ ٭ ٭

نیم مدھم روشنی میں صرف سائے ہی دیکھے جا سکتے تھے۔ ایسے میں چہرے اگر سامنے بھی آجاتے تو نہیں

پہنچاننا مشکل تھا۔ اندھیرے نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ روشنی بھی گل ہونے کو تیار تھی۔ مگر یہ موم بتی نہیں تھی اگر ہوتی تو ہوا کے جھونکوں سے ضرور بجھ جاتی۔ کوٹھری کے عین بیچ میں ایک پرانا سا بلب دھاگے جتنی باریک تار کے سہارے لٹکا ہوا تھا۔ ہوا چلتی تو جھونکوں کے سہارے جھومنے لگتا۔ سائے حرکت کرنے لگتے اور ایسا معلوم ہونے لگتا جیسے سایوں میں بھی جان آگئی ہو۔ کبھی دائیں طرف سمٹ جاتے تو کبھی بائیں طرف۔ وہ جھک کر رکوع میں گیا تو ہوا کے تیز جھونکے سے وہ کپڑا اکٹھا ہو گیا اور سارے پیر ڈھک گئے۔ چیزوں کے کھڑ کھڑانے کی آواز اس کی نماز میں مخل ہونے سے عاری تھیں۔ تمام قیدیوں کے دل میں یہ بات جنم لے رہی تھی کاش وہ ایسے موسم میں آزاد ہوتے تو اس موسم میں کھل کر سانس لے سکتے مگر اُس کے دل میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ سب سے الگ تھلگ ہو کر اپنے رب سے لو لگائے ہوئے تھا۔ سجدے میں سر رکھا تو مٹی اس کی پیشانی پر نقش کر گئی مگر اسے اس بات سے بھی فرق نہیں پڑا۔ وہ اپنی نماز میں محو تھا۔

"کچھ لوگ بگڑتے ہیں تو کچھ سدھر جاتے ہیں۔۔۔" ایک حوالدار پاس ہی کھڑا اپنی ڈیوٹی دے رہا تھا۔ اس نے ایک نظر ضرغام کی طرف اٹھائی تو دوسرے ہی پل ضرغام کے سامنے موجود جیل میں بند قیدیوں پر دوڑائی۔ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ وہ اپنے ہی نشے میں مست کھیل کود میں مصروف تھے اور وہ سب سے بے نیاز ہو کر رب کے ساتھ تعلق جوڑ رہا تھا۔ ضرغام نے سلام پھیرا تو کوئی آواز اس کے کان میں گونجنے لگی

"نہیں۔۔ نہیں۔۔۔ ایک بچہ مسلسل روتے ہوئے کہہ رہا تھا

"ارے کچھ نہیں ہوتا۔۔ ایک بار لگا کر تو دیکھ۔۔۔" دوسری آواز اس کے کانوں میں گونجی تو ضرغام نے ہاتھ اٹھانے کی بجائے نظروں سے آواز کا تعاقب کیا۔ آواز سامنے موجود جیل کی کوٹھری سے آرہی تھی۔ روشنی اب بھی مدھم تھی مگر عکس نمایاں تھے۔ ایک بچہ تھا۔ جو پھٹے ہوئے پاجامے اور پھٹی

ہوئی بنیان میں ملبوس تھا۔ بمشکل اس کی عمر بارہ تیرہ
سال ہوگی۔ اس کے گرد چار آدمیوں کا گھیرا
تھا۔ ایک سب سے ہٹا کٹا تھا۔ بڑی بڑی مونچھیں جن
کو وہ حسب عادت وت دیتا جا رہا تھا۔ اس کا عکس اس کی
جسامت سے کہیں زیادہ فربہ دیکھائی دے رہا تھا۔ اس
کا رعب اور دبدبہ اتنا تھا کہ سب قیدی اسے بھائی کہہ
کر مخاطب کرتے تھے۔ اس کے ساتھ دائیں طرف
ایک لمبا سیاہ آدمی تھا۔ شکل سے بھی اس کے سیاہی
ٹپک رہی تھی۔ ہاتھ میں ایک سلگتا ہوا سگریٹ تھا۔
ناک سے بھی دھواں باہر نکل رہا تھا۔ یہ دیکھ کر
ضرغام کو دور سے ہی کھانسی آنے لگی تھی مگر اس کے
بائیں طرف موجود ایک چھوٹے قد کا آدمی پر سکون
کھڑا تھا۔ شاید وہ بھی اسی کا عادی تھا۔ ان تینوں کے
ساتھ ایک چوتھا آدمی بینان اور پاجامے میں موجود
تھا۔ وہ لڑکے کی طرف کچھ بڑھا رہا تھا۔ چہرے کی ہنسی
واضح تھی مگر اس میں ملاوٹ تھی۔ وہ چاروں لڑکے کی
اس حالت سے محظوظ ہو رہے تھے۔ ضرغام اٹھا اور
سلاخوں کے قریب ہولیا۔ بلب تیز ہوا کے جھونکوں
کے زیر اثر تھا۔ کسی بھی لمحے ٹوٹ کر زمین پر گر سکتا
اور پوری کوٹھری میں اندھیرا چھا سکتا تھا
"نہیں۔۔۔" وہ بارہ تیرہ سالہ لڑکا منفی میں گردن
ہلاتا جا رہا تھا۔ رونے کی آواز اس کے چہرے سے زیادہ
صاف تھی۔ ایک آدمی اس لڑکی کی طرف کچھ بڑھا رہا
تھا اور وہ لڑکا اپنے ہاتھ دونوں کمر کے پیچھے کئے اسے
لینے سے انکاری تھا
"ایک بار لے کر تو دیکھ۔۔۔ مزہ آئے گا۔۔" فربہ
جسم کا مالک بار بار اسے اکسا رہا تھا۔ روشنی نے رخ بدلا
تو وہ چیز واضح ہوئی۔ وہ ایک سگریٹ بچے کو زبردستی
پلانے کی کوشش کر رہے تھے
"جب بچہ کہہ رہا ہے کہ وہ نہیں پینا چاہتا سگریٹ تو
کیوں اسے زبردستی پلا رہے ہو؟" سخت لہجے میں
ضرغام نے کہا تھا۔ وہ چاروں اس انجان آواز کا تعاقب
کرتے ہوئے ضرغام کی طرف دیکھنے لگے
"تجھے اس سے مطلب۔۔ تو جا کر اپنا کام کر۔۔" سیاہ
رنگ کے آدمی نے کہا تھا۔ سیاہی اس قدر غالب تھی
کہ اندھیرے میں اس کے آنکھوں سے ہی اس کے

چہرے کا پتا چلایا جا سکتا تھا

''اپنا کام ہی کر رہا ہوں۔۔۔ چھوڑو اس بچے کو۔۔'' بچے نے روتے ہوئے پیچھے مڑ کر ضرغام کی طرف دیکھا

''انکل بچاؤ۔۔۔ یہ مجھے زبردستی سگریٹ پلا رہے ہیں۔۔۔ میں نہیں پینا چاہتا پھر بھی۔۔'' اس نے گلوگیر لہجے میں کہا تھا۔ اندھیرا اگرچہ غالب تھا مگر اس کے آنسو کسی کی بھی آنکھ سے چھپ نہیں سکتے تھے

''جانے دو لڑکے۔۔ ان سے پنگا مت لو اور ویسے بھی یہ جو لڑکا کوئی دودھ کا دھلا ہے۔ چوری کے الزام میں پکڑا گیا ہے۔'' حوالدار نے وضاحت پیش کی تھی

''چوری کے الزام میں پکڑا گیا ہے۔۔ الزام ثابت تو نہیں ہوا ناں؟ اور ویسے بھی کس قانون میں لکھا ہے کہ ایک کم سن بچے کو ادھیڑ عمر اور اوباش لوگوں کے درمیان بند کیا جائے؟'' ضرغام حوالدار سے مخاطب تھا

''اوئے۔۔۔ ہمیں اوباش کہتا ہے۔۔'' چھوٹے قد کا آدمی دھاڑا تھا

''اور باش نہ کہوں تو اور کیا کہوں؟ بتاؤ۔۔۔!!؟ ایک بچے پر اپنی مردانگی ظاہر کرتے ہوئے شرم نہیں آتی تمہیں۔۔۔ یہ بچہ ہے بجائے اس کے کہ تم اسے سیدھے راستے کی طرف لاؤ، تم الٹا اسے منشیات کا عادی بنا رہے ہو۔ تم جیسے لوگوں کی وجہ سے ہی معصوم سے بچے کم عمری میں ہی نشے کے عادی ہو کر اپنی جانوں ہر ظلم کرتے ہیں'' اس کے الفاظ سے نفرت ظاہر ہو رہی تھی

''بھائی کے سامنے اونچی آواز میں بات کرنے کی تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟'' لمبا تڑنگا شخص آگ بگولا ہو چکا تھا

''اور حوالدار صاحب! یہ مت بھولیے اس بچے کو ان کے ساتھ رکھنے پر آپ کو بھی سزا ہو سکتی ہے کہ آپ نے کیوں اس کو ان کے ساتھ بند کیا؟'' وہ حوالدار سے مخاطب تھا

''ادھر بات کر۔۔۔ اُس سے کیا بات کرتا ہے؟'' چھوٹے قد کا آدمی ایک بار پھر دھاڑا تھا

''تم تو جانتے ہو۔۔۔ اور تو کوئی جگہ نہیں ہے اور پھر رات بھی کافی ہو چکی ہے۔ چالڈ ہوم پروٹیکشن بھی

نہیں بھیج سکتے۔۔ صبح تک تو اس بچے کو انہی کے ساتھ رہنا ہو گا" حوالدار نے اپنی مجبوریاں گنوانا شروع کر دیں

"بڑا آیا۔۔ ہنہ۔۔۔ اب دیکھ تیری ہی آنکھوں کے سامنے اس کو کیسے پلاتے سگریٹ۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ ہمم۔۔ ہمم" بچہ منہ بند کئے بچنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ تینوں اس بچے کو اپنی گرفت میں لے چکے تھے۔ دو نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے تو تیسرا زبردستی اس کے منہ میں سگریٹ ٹھونسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ فربہ قسم کا آدمی دیکھ دیکھ کر ہنستا جا رہا تھا

"کھولتا ہے یا پھر ماروں ایک الٹے ہاتھ کی۔۔" وہ زبردستی منہ کھلوانے کی کوشش کر رہے تھے۔

مزاحمت کرتے ہوئے بچے کا پھٹا ہوا بنیان مزید پھٹ گیا

"دیکھو۔۔ اگر بچے کو کچھ ہو گیا ناں۔۔۔" وہ غصے میں بس سلاخیں ہی بھینچ سکتا تھا

"حوالدار! اس بچے کو ادھر سے نکالو۔۔ چاہے تو میرے ساتھ بند کر دو مگر اسے وہاں سے نکالو۔۔" وہ غرایا تھا۔ شاید اس کے غرانے کا اثر ہو گیا تبھی اس نے تالہ کھول کر بچے کو نکالا اور ضرغام کے ساتھ بند کر دیا۔ بچہ بھاگ کر ضرغام کے ساتھ لپٹ گیا۔ اس کے جسم سے سگریٹ کی دھوئیں کے بھبھوکے اٹھ رہے تھے جو کالا سیاہ آدمی اپنی ناک سے خارج کر کے اس کے جسم پر چھوڑ رہا تھا۔ ضرغام کو پہلے تو کھانسی آئی مگر وہ اسے الگ کر نہ پایا

"انکل بچا لو ان سے مجھے۔۔۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہا تھا

"کچھ نہیں ہو گا تمہیں۔۔۔ تم میرے ساتھ ہو اب۔۔ یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔۔" پیار سے اس کی کمر کو تھپتھپاتے ہوئے کہا

* * *

"ہائے۔۔" عاصم سیڑھیوں میں بیٹھا اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ دو بجے کا وقت دیا تھا مگر اب شام کے پانچ بج چکے تھے مگر اس کا نام و نشان نہیں تھا۔ مینار پاکستان کے نیچے سیڑھیوں پر بیٹھا وہ بس اسی کا انتظار کا رہا تھا

کہ ایک پر تپاک آواز نے اسے پیچھے مڑنے پر مجبور کر دیا

"تم۔۔" اس نے مصنوعی غصے میں کہا تھا اور اپنا چہرہ دوبارہ پھیر لیا

"مجھے معاف کر دو۔۔ تھوڑی دیر ہو گئی۔۔"وہ کان پکڑتے ہوئے اس کے ساتھ بیٹھ گئی

"تھوڑی دیر؟؟؟وقت دیکھا ہے دو کا وقت دیا تھا اور اب پانچ بج رہے ہیں۔۔" اس نے مصنوعی انداز میں کہا تھا

"کہاناں سوری۔۔دیر ہو گئی۔۔اب کتنا روٹھو گے؟ مان بھی جاؤناں۔۔"وہ اس کے بازو کر پکڑ کر جھنجوڑ رہی تھی مگر وہ ماننے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا

"مجھے نہیں بات کرنی تم سے۔۔"وہ اٹھ کر آگے بڑھ گیا

"رکو تو۔۔" تھوڑا سا منہ بگاڑا اور اس کا پیچھا کرنے لگی مگر وہ اس کی بات سننے کو تیار ہی نہیں تھا۔اس نے ایک جھٹکے سے اس کا بازو پکڑا تو وہ اپنی مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا

"کیا ہوا؟" اس کے ماتھے پر شکن دیکھ کر پوچھا

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے چھونے کی؟ کہاناں میں نے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔۔ سمجھی۔۔" وہ سچ میں غصہ تھا۔ایک پل کے لئے وہ بھی سنجیدہ ہو گئی تھی۔ابتدائی ملاقاتوں میں وہ اس کا روٹھنا نہیں دیکھ سکتی تھی۔اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور اپنے بازو اس کے گردن میں حمائل کر لئے۔اس وقت پارک میں کوئی نہیں تھا۔اس لئے اسے تھوڑی سی بھی جھجک نہیں ہوئی مگر وہ مسلسل مزاحمت کر رہے تھے۔

"چھوڑو مجھے۔۔" وہ اس کے بازو ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا

"ابھی سے دور جا رہے ہو؟"اس کی آنکھوں میں شوخ پن غالب تھا

"میں نے کہا چھوڑو مجھے۔۔۔تم کس رشتے سے میرے پاس آ رہی ہو؟"اس نے عقابی نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا تھا

"پاس آنے کے لئے کسی رشتے کی ضرورت نہیں ہوتی

۔۔" اس نے اپنے لب اس کے ہونٹوں کی طرف

بڑھائے ہی تھے کہ اس نے بازو سے پکڑ کر پیچھے پٹخ دیا

"اپنی لمٹ میں رہو۔۔ سمجھی تم۔۔" وہ غرایا

"میں تو اپنی لمٹ میں ہوں۔۔ مگر تم ناراض ہو لیکن

میں تمہیں منا کر ہی رہوں گی۔۔" وہ آگے بڑھی اور

اپنا سر اس کے سینے پر رکھ لیا۔

"پیچھے ہٹو۔۔ میں نے کہا پیچھے ہٹو۔۔" وہ زبردستی

پیچھے ہٹا رہا تھا مگر وہ مضبوطی سے اپنے بازو حمائل کئے

ہوئے تھی

"تمہیں شرم نہیں آتی؟" اس نے جھلا کر کہا تھا

"شرم۔۔ ہماری اس فیلڈ میں شرم نام کی کوئی چیز ہی

نہی ہوتی۔ بس خوبصورتی ہوتی ہے" اس نے مدہوش

آواز میں کہا تھا

"اس کا مطلب تم حسن پرست ہو؟" اس کی آواز

میں نرمی آگئی

"یہاں سب حسن پرست ہیں۔۔ کون نہیں چاہتا کہ

اس کا محبوب حسین ہو۔ خوبرو ہو۔ دلنشین

ہو۔۔" اس کے لہجے میں خمار تھا۔ اس نے اپنے لب

اس کے سینے پر نقش کئے

"میں تو حسن کو اپنی روح میں اتارنا چاہتی ہوں۔۔ تم

اتارو گے ناں اپنے آپ کو میری روح میں۔۔

بولو۔۔" وہ اس کی جیکٹ کو پکڑ کر اپنا سر اس کے سینے

پر رکھے ہوئے تھی۔ مگر وہ خاموش رہا

"بولو ناں۔۔ اپنی محبت میری روح میں اتارو گے

ناں۔۔ اپنی چاشنی سے میرے لبوں کی تشنگی تو بجھاؤ گے

ناں؟" اس نے آہستہ آہستہ اپنے ہاتھ اس کی جیکٹ

میں کر لئے اور پیچھے کمر تک لے گئی۔ فاصلہ اتنا کم تھا

کہ وہ کسی بھی لمحے اپنے آپ پر کنٹرول کھو سکتا تھا مگر

اس نے ایسا نہیں کیا۔ ایک جھٹکے سے اس کو پیچھے پٹخا

"لیکن میں ایسا نہیں ہوں۔۔ آئی بات سمجھ میں۔۔۔

گاؤں سے ضرور ہوں میں مگر بے شرم نہیں کہ اپنی

عزت کو بعوض چند گھڑیوں کے نیلام کر دوں۔۔ مجھے

اپنی عزت اپنی جان سے بھی پیاری ہے۔۔"

"عزت وزت کچھ نہیں ہوتی بس کہنے کی باتیں اور

ویسے بھی ہم دونوں اکیلے ہونگے۔۔ کوئی کسی کو پتا چلے

گا۔۔" وہ بھرپور کوشش کر رہی تھی کہ کسی نہ کسی

طرح وہ اس کی طرف مائل ہو جائے

"ایک مرد اور عورت کبھی اکیلے نہیں ہوتے۔ تیسرا شیطان ہوتا ہے اور پھر ان تینوں کو دیکھنے والا رحمان۔۔"

"لیکن۔۔" وہ سمجھنے سے قاصر تھی

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔۔۔ ہمارا ساتھ صرف اتنا ہی تھا۔ شاید مجھے تم سے ملنا ہی نہیں چاہئے تھا۔۔" وہ پاؤں پٹختا ہوا چلا گیا

"رکو عاصم۔۔" وہ اس کے پیچھے بھاگی مگر وہ نہ رکا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی جیکٹ کے اندر ہاتھ ڈالا تو اس کے ناخن اس کے گردن پر پیوست ہو گئے

"رکو۔۔" وہ چلائی مگر وہ جا چکا تھا

* * * *

"غریب بالکل صحیح کرتے ہیں کہ اپنے کیس کو عدالت تک پہنچنے ہی نہیں دیتے۔ ایک بار جو کیس عدالت کی چوکھٹ پر قدم رکھ لے تو سال ہا سال اس چوکھٹ سے باہر نہیں نکل پاتا۔ انسان ترقی کر گیا مگر کیس کی شنوائی وہیں کی وہیں رہی۔ پہلے بھی چالیس چالیس سال تک ایک ایک کیس چلتا رہتا تھا آج بھی یہی حال ہو رہا ہے۔" وہ عدالت سے مایوسی کے ساتھ واپس لوٹ رہی تھی۔ پہلے وہ تاریخ پر تاریخ لے رہی تھی مگر اب جب وہ کیس کا سامنا کرنے کو تیار ہوئی تو عنایہ نے تاریخ پر تاریخ لینا شروع ہو گئی۔ پچھلی تین سماعتوں سے وہ مسلسل عدالت سے غیر حاضر رہی۔

"یہ عدالت آخری بار مس عنایہ کو حکم دے رہی کہ وہ عدالت میں آکر اپنا بیان ریکارڈ کروائے ورنہ توہین عدالت کی وجہ سے ان کے خلاف ناقابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کرنا پڑے گا۔۔" وہ لرزیدہ قدموں کے ساتھ پارکنگ ایریا کی طرف لوٹ رہی تھی۔ کیس نے اس کی زندگی کو کچے دھاگوں کی طرح الجھا کر رکھ دیا تھا۔ وہ سلجھاتے سلجھاتے تھک چکی تھی۔ اسے آرام چاہئے تھا۔ ضرغام کا ساتھ چاہئے تھا۔ جس وقت اسے اُس کی بے حد ضرورت تھی۔ اسی وقت وہ اس کے ساتھ نہیں تھا۔ اتنی بڑی خوشی صرف ایک کیس کی وجہ سے پھیکی ہو چکی

تھی۔ آنکھوں کے سامنے عدالت سے نکلتے ہوئے
ضرغام کے چہرے پر چھائی ہوئی جو مایوسی محو تماشائے
رقص تھی۔ وہ سب کچھ دیکھ تو سکتی تھی مگر ازالہ
کرنے سے قاصر تھی
"میں تھک چکی ہوں میرے خدا! مجھے آرام
چاہئے۔۔"کار کا دروازہ کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر
بیٹھتے ہوئے اس نے امید و آس کے ساتھ رب سے دعا
کی تھی۔
"قبول کر لے دعا میری۔۔ میرے اللہ۔۔!!"وہ
گلوگیر لہجے میں کہہ رہی تھی۔ اس کی الفاظ اس کا درد
واضح کر رہے تھے۔ وہ واقعی تھک چکی تھی۔ آرام
چاہتی تھی۔ اسی لئے ایک امید کے ساتھ آسمان کی
طرف دیکھ رہی تھی کہ اب اس کے حق میں فیصلہ
اترے مگر نگاہیں ناکام لوٹ آئیں۔ لیکن کہتے ہیں کہ
ہر دعا کی قبولیت کا ایک وقت متعین ہوتا ہے۔ اسے یہ
تو یقین تھا کہ اس کا رب اس کی دعا ضرور قبول کرے
گا کیونکہ وہ اپنے بندوں کی دعاؤں کو رد نہیں کرتا بس
دیر ضرور ہو جاتی ہے لیکن قبول ضرور ہوتی ہے وہ بھی
اسی انتظار میں تھی۔

* * * *

"بس ایک بار۔۔ ایک بار فون تو اٹھاؤ۔۔ پلز۔۔۔"وہ
بار بار اسے فون کر رہی مگر وہ ہٹ دھرمی اختیار کئے
ہوئے تھا۔
"عاصم پلز ایک بار۔۔۔" وہ زیر لب کہہ رہی تھی۔
لیکن وہ اس کا فون مسلسل ڈسکنیکٹ کر رہا تھا۔ اور اپنی
بے رخی دیکھا کر اس کو مزید تڑپا رہا تھا۔
"میں تمہیں آسانی سے نہیں جانے دونگی۔۔" اس
نے کہا تھا اور ایک میسج ٹائپ کر کے سینڈ کیا اور فون کو
ایک طرف رکھ دیا۔
"تمہیں رپلائے کرنا ہو گا۔۔" وہ فون کو دیکھ کر کہہ
رہی تھی اور اٹھ کر کچن کی طرف بڑھی۔ کافی کا کپ
لے کر پانچ منٹ کے بعد وہ واپس ٹی وی لاؤنج میں
موجود تھی۔ اس کی نظر ایک پمفلٹ پر پڑی۔ جس
میں ضرغام اور وہ ساتھ ساتھ تھے۔ اس نے کافی کا
کپ ایک طرف رکھ کر وہ پمفلٹ اٹھایا
"ضرغام اگر تم میرا کہا مان لیتے تو نہ تم اس مشکل میں

پھنستے اور نہ ہی مجھے کسی اور کی طرف مائل ہونا پڑتا۔۔ میں نے تمہیں پہلے دن ہی کہا تھا کہ میں تمہیں کسی اور کا نہیں ہونے دونگی مگر تم پر تو جیسے پارسائی کا بھوت سوار ہو چکا تھا۔ اب اسی پارسائی کا انجام تمہیں بھگتنا پڑے گا۔" وہ تصویر سے مخاطب تھی

"لیکن کہتے ہیں ناں۔۔ جو ہوتا ہے اچھے کے لئے ہوتا ہے۔ تم میری زندگی سے نکلے تو دیکھو ایک نیا چہرہ میرا منتظر نکلا۔ تم جانتے ہو مجھے اس پر زیادہ محنت بھی نہیں کرنی پڑی۔ وہ تو پہلے ہی دل پھینک تھا۔ ہاں یہ بات ہے وہ تھوڑا سا ضدی ہے مگر حسین لوگ اکثر ضدی ہی ہوا کرتے ہیں۔ عاصم تم سے بھی زیادہ حسین اور خوبصورت ہے۔ اور تم سے بھی زیادہ جوان۔۔ دیکھنا وہ تمہاری طرح نہیں ہوگا۔۔ دیکھ لینا۔۔" وہ ہنستے ہوئے اس تصویر سے محو گفتگو تھی

* * * *

ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی وہ ایک کتاب پڑھ رہی تھی تبھی دروازے پر بیل ہوئی۔ اس نے کتاب کو صوفے پر رکھا اور دوپٹہ اوڑھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ اٹھتے ہوئے اسے درد کی ایک ٹیس محسوس ہوئی مگر اس نے پرواہ نہ کی۔ اب اس درد کو برداشت کرنے کی وہ عادی ہو چکی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر دروازے کی چٹخنی کھولی

"السلام علیکم! آپی!" دونوں نے یکجا ہو کر کہا تھا۔

حجاب اور انمول کو وہاں دیکھ کر اس کے ویران چہرے پر بہار امڈ آئی مگر رات کے اس پہر انہیں وہاں دیکھ کر چونکی ضرور تھی

"وعلیکم السلام۔۔ اتنی رات کو۔۔ کیسے آنا ہوا؟ سب خیریت تو ہیں ناں؟ امی ابو کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" ایک ہی جملے میں اس نے سوالات کی بھر مار کر دی۔ دونوں ہنستے ہوئے اندر آئے۔ حجاب نے پیار سے وجیہہ کے شانوں کو پکڑا اور ٹی وی لاؤنج کی طرف لے گئی

"نہیں۔۔ آپی آپ تو بس ایسے ہی پریشان ہو جاتی ہیں۔۔ سب ٹھیک ہیں۔۔" ٹی وی لاؤنج میں لے جا کر پیار سے وجیہہ کو بٹھایا۔ اتنے میں انمول بھی دروازہ بند کر کے ٹی وی لاؤنج میں آموجود ہوا تھا

"پھر؟ اتنی رات کو؟" اس کے چہرے پر ابھی بھی
پریشانی عیاں تھی۔ حجاب نے انمول کی طرف نظروں
سے اشارہ کیا تو اس نے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے
شاپنگ بیگ کو ٹیبل پر رکھا اور وجیہہ کے قدموں میں
بیٹھ کر اس کے ہاتھوں کو آہستہ سے اپنے ہاتھوں میں
لیا
"اب ہمیں اپنی آپی کے پاس آنے کے لئے بھی
وقت کا خیال رکھنا ہو گا؟" مصنوعی غصے کا اظہار کرتے
ہوئے کہا
"میں نے ایسا تو نہیں کہا۔۔ تمہارا اپنا ہی تو گھر ہے
جب دل چاہے آؤ۔۔ اس گھر کے دروازے تو
تمہارے لئے ہمیشہ کھلے ہیں لیکن اتنی رات کو آنا
پریشانی کا موجب تو بنتا ہے ناں۔۔"
"دیکھا حجاب! آپی کتنی جلدی بیان کر رہی ہیں۔۔
وکیل ہونے کا ثبوت دے رہی ہیں۔ ایک طرف کہتی
ہیں کہ تمہارا گھر ہے جب مرضی آؤ اور دوسری
طرف کہہ رہی ہیں کہ اتنی رات کو کیوں آئے؟ اب
بندہ کون سے موقف کو سچ مانے؟" شرارتی لہجے میں
انمول نے کہا تھا
"میں بتاتی ہوں تمہیں۔۔" ہلکا سا تھپڑ اس کے سر پر
مارا
"آپی ٹھیک تو کہہ رہے ہیں انمول۔۔" حجاب نے بھی
انمول کی تائید کی
"واہ بھئی! کیا کہنے۔۔ بیوی ہونے کا حق ادا کیا جا رہا
ہے۔" سوالیہ انداز میں کہا تھا
"جی۔۔" پیار سے پنے رخسار حجاب نے وجیہہ کے
رخسار سے مس کئے
"اللہ ہمیشہ تم دونوں کو خوش رکھے۔۔ آمین۔۔" اپنا
داہنا ہاتھ حجاب کے رخسار پر رکھا اور دوسرا ہاتھ انمول
کے بالوں ہر پھیرتے ہوئے دعا دی۔
"یہ ہوئی ناں بات۔۔ اچھا اب جلدی سے یہ بتائیں کہ
آپ نے کھانا کھایا۔۔" انمول نے کھڑے ہوتے
ہوئے پوچھا تھا
"نہیں۔۔۔" اس نے منفی میں سر ہلا دیا
"مجھے پہلے ہی معلوم تھا۔۔ اس لئے آپ کے لئے میں
کیک لایا ہوں۔۔" اس نے شاپنگ بیگ اٹھایا

"کیک؟؟ کس لئے؟" وجیہہ نے استفہامیہ انداز میں
پوچھا تھا
"کیک اس لئے کہ آج میری بہن کی سالگیرہ ہے۔۔"
"سالگیرہ۔۔۔!!" استفہامیہ انداز میں وجیہہ نے
دیکھا تھا
"جی ہاں۔۔ مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ آپ کیس میں
اتنی الجھی ہوئی ہونگی کہ اپنی برتھ ڈے کو ہی بھول چکی
ہونگی۔۔" حجاب نے کہا تھا
"آپی دیکھنا۔۔ اگلی شنوائی آخری شنوائی ہوگی۔۔
اور دیکھنا نئی زندگی کے آنے سے پہلے پہلے ضرغام
بھائی آپ کے پاس ہونگے۔۔" انمول نے پیار سے
وجیہہ کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو ایک عجیب احساس
اس کے جسم میں سرایت کر گیا۔ بھائی اگرچہ چھوٹا ہو
مگر اُس کا پیار بھرا ہاتھ ایک بہن کے لئے کسی نعمت
سے کم نہیں ہوتا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
اس نے اپنے ہاتھ بڑھا کر انمول کے ہاتھوں کو چوما
"اب پھر آنسو۔۔۔" گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس نے
اپنے ہاتھوں سے وجیہہ کے آنسو پونچھے

"اب رونے کے دن ختم ہونے والے ہیں۔۔ دیکھنا
اب بہت جلد سب ساتھ ہونگے پھر سے۔۔" پیار سے
اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا
"انشاء اللہ۔۔" اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا
"اچھا اب کیک کاٹ لیا جائے پھر۔۔۔" حجاب نے
بات کو بدلتے ہوئے کہا
"اور کیا۔۔۔ کیک تو آج ہی کاٹنا ہے۔۔ کل تھوڑی
کاٹنا ہے۔۔" انمول نے ہنستے ہوئے کہا تھا
"دیکھائیں میں ابھی کیک ڈش میں رکھ کر لاتی
ہوں۔۔" حجاب نے اٹھتے ہوئے شاپنگ بیگ اٹھانے
کی کوشش کی مگر انمول نے اس کے ہاتھوں سے بیگ
لے لئے
"ادھر دیکھاؤ۔۔ اپنی بہن کے لئے میں کیک سجا
کر لاتا ہوں۔۔" یہ کہہ کر وہ کچن میں چلا گیا
"انمول کتنے بدل گئے ہیں ناں؟" حجاب اسے کچن میں
جاتا دیکھ رہی تھی
"انسان ہی ہے ایسی شے جس میں ہر لمحہ تبدل ہے۔
صبح اس کا مزاج کچھ اور ہوتا ہے اور شام کچھ

اور۔۔ سکوت نام کی تو کوئی چیز ہی نہیں ہے اس میں۔۔" وہ بھی اپنے خیالوں میں مگن تھی

"وجیہہ۔۔ وجیہہ۔۔" عنایہ چلاتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی تھی۔ چست ڈریس میں ملبوس وہ بنا اجازت اندر آتی گئی۔ حجاب اور وجیہہ ایک لمحے کے لئے اسے وہاں دیکھ کر سکتے میں آگئی۔ دونوں نے آج تک کبھی عنایہ کو نہیں دیکھا تھا۔ دونوں نے استفہامیہ انداز میں عنایہ کی طرف دیکھا۔

"کون ہیں آپ؟ اور بلا اجازت اندر داخل ہونے کی ہمت کیسے ہوئی" وجیہہ نے سخت لہجے میں کہا تھا

"اوہ۔۔ میرے خلاف کیس کرتی ہو اور مجھ سے ہی پوچھتی ہو کہ میں کون ہوں؟" وہ غرائی تھی

"اوہ۔۔ تو تم ہو عنایہ؟ جس نے میرے ضرغام بھائی کے خلاف جھوٹا کیس کیا تھا؟ کیسی عورت ہو تم؟ تمہیں شرم نہیں آئی ایسا بے ہودہ جھوٹا کیس کرتے ہوئے۔۔" حجاب نے آگے بڑھ کر وجیہہ کا دفاع کیا

"تم پیچھے ہٹو۔۔ میں صرف وجیہہ سے بات کرنے آئی ہوں۔۔" اس نے حجاب کو پیچھے دھکیل دیا

"اپنے ہاتھوں کو اپنے کنٹرول میں رکھو۔۔ یہ مت بھولو کہ تم اس وقت میرے گھر میں کھڑی ہو۔۔" وجیہہ نے حجاب کو سنبھالتے ہوئے کہا تھا۔

"اوہ۔۔ تو یہ گھر اب تمہارا ہو گیا۔۔" اس نے طنزیہ کہا تھا

"یہ گھر ہمیشہ سے میرا ہی تھا۔۔ تم بتاؤ یہاں کیوں آئی ہو؟" اس کی بات کا جواب دیا

"میں صرف یہ کہنے آئی ہوں یہ اس کیس میں اپنی شکست قبول کر لو ورنہ انجام اچھا نہیں ہو گا۔۔" چیلنج کرتے ہوئے کہا تھا

"انجام کس اچھا ہو گا۔۔۔ یہ تو وقت ہی بتائے گا اور جہاں تک رہا سوال کیس میں شکست قبول کرنے کا تو یہ بات یاد رکھو سچ کبھی نہیں جھکتا۔ ہمیشہ جھوٹ کو ہی جھکنا پڑتا ہے۔۔" تیکھی نظروں سے وار کیا

"لیکن اب کی بار ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ سنا تم نے۔۔ یہ کیس تم کسی بھی قیمت پر نہیں جیت سکتی۔۔" وہ غراتی جا رہی تھی

"کیوں ہارنے سے ڈر لگتا ہے؟" حجاب نے استہزائیہ

انداز میں کہا تھا

"تم اپنی زبان بند رکھو۔" جبڑے بھینچتے ہوئے کہا تھا

"اپنی لمٹ میں رہو عنایہ۔" وجیہہ نے اونچی آواز میں کہا تو ایک درد کی لہر اس کے پیٹ میں ابھری

"ہنہ۔" اس نے تمسخرانہ وجیہہ کی طرف دیکھا

"بولا جا نہیں رہا کیس لڑنے کی بات کر رہی ہو۔ چپ چاپ اس کیس میں اپنی شکست قبول کر لو ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی ایک بہت بڑی قیمت چکانی پڑے۔" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا تھ

"مجھے دھمکی دیتی ہو۔ مگر ایک بات یاد رکھنا کہ میں اپنے شوہر کو تمہارے اس فریب سے آزاد کروا کر رہوں گی اور ان کے دامن پر لگائے ہوئے داغ کر مٹا کر ہی رہوں گی۔" درد کو برداشت کرتے ہوئے کہا تھا

"اچھا۔ یہ تو وقت بتائے گا لیکن میرے ہوتے ہوئے ضرغام کبھی باہر آ ہی نہیں سکتا۔" اس کے لب و لہجے میں یکدم تبدیل آ گئی۔

"مجھے ضرغام کو باہر لانے کے لئے اگر ہزاروں سال بھی لڑنا پڑا ناں تو میں لڑوں گی۔" وجیہہ نے پہلی بار زندگی میں جبڑے بھینچتے ہوئے کہا تھا۔ لیکن اسے کوئی فرق نہیں پڑا۔ اس کے چہرے پر پہلے جیسی ہی شاطرانہ مسکراہٹ تھی

"لیکن اگر تم چاہو تو میں یہ کیس واپس لے سکتی ہوں اور تمہارا ضرغام صرف دو دن میں تمہارے پاس ہو گا۔" وہ شاطرانہ انداز میں اس کے گرد چکر لگانے لگی۔ عنایہ کی یہ بات سن کر وہ ایک ثانیے کے لے چونکی مگر پھر اپنے آپ کو سنبھالا

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ ہے کہ میں دو دن میں ضرغام کو اس قید سے باہر لے آؤں گی اگر وہ اُس کو پورا کر لے جو اُس نے ادھورا چھوڑا تھا۔" وہ معنی خیز لہجے میں کہہ رہی تھی۔ یہ الفاظ وجیہہ کی غیرت کو گوارا نہ ہوئے اس نے ایک جھٹکے سے عنایہ کا دایاں بازو پکڑ کر اس کا چہرہ اپنی طرف کیا

"پٹاخ۔۔۔" ایک آواز ہوا میں گونجی۔ وہ دائیں

جانب جھک گئی۔ بالوں نے اس کا چہرہ ڈھانپ لیا

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی اتنی بیچ اور گھٹیا بات کرنے کی ۔۔ وہ میرے شوہر ہیں۔ وجیہہ عظمت کے شوہر۔ آئی بات سمجھ میں تمہاری ۔۔ تمہاری جیسی لڑکی کے نہیں ۔۔ تم جیسی لڑکیاں اپنے شوہروں کو دوسروں کو پیش کرتی ہونگی ہم جیسی غیرت مند لڑکیاں نہیں ۔۔ ہمارے لئے ہماری عزت ہماری جان سے بھی زیادہ پیاری ہے ۔۔ سنا تم نے ۔۔۔" وہ اس کو سناتی جارہی تھی۔

عنایہ اپنے اوپر اٹھائے جانے والے ہاتھ کو برداشت نہیں کرپائی تھی۔ وہ دہکتی آنکھوں سے وجیہہ کو دیکھ رہی تھی اور کچھ کہنے کے لئے ابھی منہ ہی کھولا تھا کہ وجیہہ نے اس کے منہ پر ایک اور طماچہ رسید کیا

"خاموش ۔۔ ایک دم خاموش ۔۔ یہ مت بھولو ۔۔ اس وقت تم میری دہلیز پر کھڑی ہو ۔۔ خاموشی سے رفع دفع ہو جاؤ اس سے پہلے کہ میں اپنے آپ پر کنٹرول کھو بیٹھوں ۔۔۔"

"چھوڑوں گی نہیں میں ۔۔۔" وہ غرائی

"چھوڑوں گی تو میں نہیں تمہیں ۔۔۔ پہلے تو میں صرف ضرغام کی پاکدامنی ثابت کرنا چاہتی تھی لیکن اب میرا مقصد تمہیں سزا دلانا ہے۔ تم جیسی عورتیں ہی ہوتی ہیں جو کہ دوسروں کے گھر کو آگ لگاتی ہیں۔ اپنی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے دوسروں کے گھروں کو خراب کرتی ہیں۔ پل دو پل کے سکون کے لئے دوسروں کی زندگی کو جہنم بنا دیتی ہیں۔ تم جیسی عورتوں کو تو سزا ملنی ہی چاہئے۔" دہکتی آنکھوں سے وار کرتے ہوئے وہ وہاں سے چلی۔

"آپی! اپنے آپ کو پرسکون رکھیے ۔۔" حجاب نے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں صوفے پر بٹھایا

"آخر عورت ہی عورت کی دشمن کیوں بنی پھر رہی ہے۔ کیوں؟" اس کا سانس ہانپنے لگا تھا

"آپی! سنبھالئے اپنے آپ کو ۔۔ دیکھنا سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا ۔۔ آپ زیادہ ٹینس مت لیں ۔۔" حجاب نے کہا

"بھئی یہ شور کیسا تھا؟" انمول کچن سے ٹرے میں کیک نکال کر لایا تھا۔ دونوں ے چہرے کے رنگ فق دیکھے تو برجستہ سوال کیا

"وہ عنایہ آئی تھی۔۔۔" حجاب نے بتایا

"اوہ۔۔۔" اس نے ٹرے کو ٹیبل پر رکھا اور وجیہہ کو شانوں سے پکڑ کر پیار سے کہا

"آپ زیادہ ٹینس مت لیں۔۔۔ بس آپ چل کریں کیونکہ آنے والا وقت صرف آپ کا ہے۔۔" انمول کے چہرے پر طمانت دیکھ کر اس نے استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟ آپ ہی تو کہتی ہیں ہر کام کا ایک وقت متعین ہے اور مجھے ایسا لگ رہا ہے اس کا کا بھی وقت ہو چکا ہے۔ بس اب کی شنوائی آخری شنوائی ہو گی۔۔ دیکھنا۔۔" وہ پورے وثوق کے ساتھ کہہ رہا تھا

"انشاءاللہ۔۔۔" حجاب نے کہا تھا

"چلیں۔۔ اب جلدی سے کیک کاٹیں۔۔۔ پہلے ہی اتنی دیر ہو گئی ہے۔۔" بات بدلتے ہوئے انمول نے کہا تھا۔ دونوں کے چہرے پر ایک خوشی تھی مگر وجیہہ کے چہرے پر ایک تاسف تھا۔ لیکن دونوں کے چہروں پر چمک دیکھ کر وہ بھی مسکرانے لگی

"گھر جانے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟ اتنی دیر ہو گئی ہے۔" کافی دیر گزر جانے کے بعد بھی وہ دونوں وہی بیٹھے رہے تو وجیہہ نے پوچھا تھا

"کیوں؟ آپ کو ہمارا یہاں رہنا اچھا نہیں لگ رہا؟" حجاب نے کہا

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔۔۔ امی ابو پریشان ہو رہے ہونگے۔۔" وجیہہ نے وضاحت کی

"وہ پریشان نہیں ہو رہے۔۔ اچھی آپی! انہیں ہم بتا کر آئیں ہیں کہ اب ہم کچھ دن آپ کے ساتھ ہی رہیں گے۔۔" حجاب نے پیار سے گلے لگتے ہوئے کہا تھا

"یہاں؟ مگر کیوں؟"

"لو جی۔۔!! اچھی بہن ہو؟ بھائی بھابھی آپ کی خدمت کرنے آپ کے پاس رہنے آئے ہیں۔ آپ ان سے یہ پوچھ رہیں ہیں کہ کیوں آئے؟ کس لئے آئے؟ آپ کو تو خوش ہونا چاہئے اور کہہ کہہ کر کام کروانے چاہئے اور آپ ہیں کہ سوال وجواب کر رہی ہیں۔۔" انمول نے مصنوعی غصے میں کہا تھا

"اچھا جی۔۔ اب خدمتیں ہو رہی ہیں بڑی بہن

کی۔۔" پیار سے انمول کے رخسار کو نوچتے ہوئے کہا تھا

"جی ہاں۔۔۔ چلیں اب جا کر آرام کریں۔۔ بہت رات ہو گئی ہے۔۔" اٹھتے ہوئے کہا

"لیکن ابھی مجھے تھوڑا سا سٹڈی کرنا ہے۔۔"

"کوئی سٹڈی نہیں۔۔ سارا کام صبح ہو گا۔۔ چلیں اٹھیں۔۔ حجاب تم آپی کو کمرے میں چھوڑ کر آؤ اور جب تک نہ سوئیں ان کے پاس سے نہیں ہلنا۔۔"اس نے حجاب کو تاکید کیا۔

"انمول۔۔" وجیہہ نے گھور کر انمول کی طرف دیکھا تھا

"باقی کا غصہ صبح۔۔۔ ابھی سونے کا وقت ہے۔" انمول نے مسکراتے ہوئے کہا

* * * *

"زندگی کو ہمیشہ اپنے طریقے سے جیا۔۔ ہمیشہ اپنے خوابوں کو فوقیت دی۔ اپنے جذبات کی پرواہ کی۔ شاید اسی کی سزا مل رہی ہے آج مجھے۔۔"دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے وہ کھڑکی کے ذریعے نظر آتے چاند سے باتیں کر رہا تھا

"خواب زندگی میں اتنا مدہوش تھا کہ اصل زندگی کو سمجھ ہی نہیں سکا۔ دنیا کی رنگینیاں بھی ایک خاص حد تک جاذب نظر ہوتی ہیں مگر میں تو ان رنگینیوں میں اپنے آپ کو ہی فراموش کر گیا۔۔ یہ سب اسی کی سزا مل رہی ہے مجھے۔۔ اسی کی۔۔" نہ جانے کیوں آج اس کا دل بہت اداس تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کچھ ایسا ہونے والا ہے جو نہیں ہونا چاہیئے تھا مگر پھر بھی ہونے والا ہے۔

"آج میری وجہ سے میں تمہارے پاس نہیں ہوں۔۔ زندگی کی اتنی بڑی خوشی۔۔ میں بھی ایک تاسف ہے۔ ایک ویرانی ہے۔ ان لمحوں میں تمہیں میری ضرورت تھی اور میں ہی تم سے دور ہوں۔۔ مجھے معاف کر دو وجیہہ۔" اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے جو چاندنی میں کسی موتی کے مشابہہ معلوم ہوتے تھے

"زندگی میں کبھی تمہیں کوئی سکھ نہیں دے پایا۔ ہمیشہ دکھ ہی دیئے۔ ایک سال۔۔ پورا ایک سال بیت

چکا ہے مگر اس ایک سال میں کبھی تمہیں خوشی نہیں دے پایا۔۔ ہمیشہ تمہارے لئے دکھ کا ہی باعث بنا۔ ہمیشہ تمہاری تذلیل کا ہی موجب ٹھہرا۔ تمہاری عزت کو، تمہارے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ میں کتنا بدقسمت ہوں۔۔ کتنا بدقسمت۔۔۔'' وہ اپنے آپ کو ملامت کئے جا رہا تھا

''آج جب ہماری زندگی میں ایک نیا موڑ آنے والا ہے تو آج بھی۔۔۔'' اس کی آواز بھر آئی تھی۔ چاند کے آگے بھی بادل آ گئے۔

''آج بھی تمہیں صرف ٹینس ہی دے رہا ہوں۔۔ صرف ٹینس۔۔ آج بھی تمہارے لئے اذیت کا سبب بن رہا ہوں۔۔ اذیت کا سبب۔۔'' وہ اپنے سر کو دونوں گھٹنوں میں لے کر بیٹھ گیا

''ضرغام۔۔'' ایک میٹھی آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی

''تمہاری آواز اب بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہیں۔۔ کاش میں اس وقت تمہارے پاس ہوتا۔۔ کاش۔۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا تھا

''اگر تم میرے پاس نہیں ہو سکتے تو کیا ہوا میں تو تمہارے پاس آ سکتی ہوں ناں۔۔'' اس آواز نے اسے اپنا سر اٹھانے پر مجبور کیا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے وجیہہ تھی

''وجیہہ۔۔'' اس کے چہرے پر بہار امڈ آئی تھی۔ وہ اٹھ کر سلاخوں کے پاس گیا

''یہ تم ہو۔۔ وجیہہ۔۔؟'' اس کی آواز بھر آئی تھی

''ہاں میں ہوں ضرغام۔۔ آپ کی وجیہہ۔۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا

''مجھے یقین تھا کہ تم میرے دل کی آواز ضرر سن لو گی۔۔ میری آواز کا جواب ضرور دو گی۔۔ آج میں تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔۔ بہت سی باتوں کی معافی مانگنا چاہتا ہوں۔۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ وجیہہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو صاف کئے

''آپ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔۔ بس آج آخر رات ہے۔ اس رات کے بعد دیکھنا سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ کل سورج ہمارے لئے روشنی کی نوید لے

کر آئے گا۔ دیکھنا۔۔"

"یہ تو میں نہیں جانتا مگر۔۔۔"

"مگر وگر کچھ نہیں۔۔۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔۔

کل کسی بھی صورت میں آپ کو اس قید سے رہائی دلوا کر رہوں گی۔ چاہے اس کے لئے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے مگر آپ کو اب یہاں نہیں رہنے دو نگی۔"

"مجھے اپنی فکر نہیں ہے مجھے تمہاری فکر ہے۔۔۔ اس حالت میں تم بھلا کیسے کیس لڑ سکتی ہو؟ میری بات مانو۔۔۔ چھوڑ دو اس کیس کو۔۔ اپنا خیال رکھو۔۔ میر ی قسمت میں جو لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا۔۔"

"خاموش۔۔" اپنا ہاتھ ضرغام کے لبوں پر رکھتے ہوئے مزید کہا

"آج یہ بات کرلی آپ نے۔۔ آئندہ کبھی مت کیجیے گا۔ میں جینا تو چھوڑ سکتی ہوں مگر آپ کے بنا رہنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ ایک بیوی کے لئے اس کی دنیا اس کے شوہر پر محیط ہوتی ہے۔ اس کی سانسوں کی وجہ صرف اور صرف اس کا شوہر ہوتا ہے۔ شوہر کے بنا زندگی صرف عذاب ہے۔ شوہر تو بیوی کے لئے سایہ دیوار ہوتا ہے۔ جس کی چھاؤں میں بیوی اپنی پوری زندگی گزار دیتی ہے۔ اگرچہ یہ سایہ کبھی کبھی تکلیف دیتا ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کے اس دیوار کو ہی توڑ دیا جائے۔ اس مہربان شجر کو ہی کاٹ کر پھینک دیا جائے؟ اس سے بے رخی اختیار کر لی جائے؟ نہیں ضرغام۔۔ نہیں۔۔ ایسا نہیں ہوتا۔ شوہر کا سایہ وہ سایہ ہوتا ہے جو خود تو کڑی دھوپ میں جل جاتا ہے مگر بیوی کو دنیا بھر کی دھوپ سے بچا کر رکھتا ہے۔ اس کے وجود تک کسی میلی نظر کو نہیں پہنچنے دیتا۔ جب اتنا کچھ کرتا ہے شوہر ایک بیوی کے لئے تو بیوی کا بھی تو فرض بنتا ہے ناں کہ اس کی طرف سے ملنے والی معمولی سی تکلیفوں کو برداشت کرے۔ اس کے جذبات کو سمجھے۔ اس کی ضرورت کا خیار کھے۔۔۔

" ایک پل توقف کے بعد مزید کہا

"میں جانتی ہوں کہ آپ ایسا صرف اس لئے کہہ رہے ہیں کہ مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ میں سکون سے رہوں لیکن ضرغام میرا سکون صرف آپ کی ذات سے شروع ہوتا ہے اور آپ کی ذات پر ختم۔۔۔ اگر

آپ میرے پاس ہونگے تو کوئی دکھ، کوئی تکلیف میرے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتی مگر آپ سے دوری میرے لئے لمحہ لمحہ اذیت ہے۔۔ آپ کے بنا میرا کوئی وجود نہیں۔۔ کوئی حیثیت نہیں۔۔ پلز مجھے نہ روکیں۔۔ میں آپ کے بغیر اب نہیں رہ سکتی۔۔ نہیں رہ سکتی۔۔" اس نے اپنا سر اس کے ہاتھوں پر ٹکالیا

"لیکن تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔۔ ایسے حالات میں تم۔۔۔"

"ایک بار آپ گھر آجائیں تو آرام ہی آرام ہے۔۔" اس نے یاس بھری نگاہ ضرغام کے چہرے پر ڈالی تھی

* * *

کمرہ عدالت میں آج سب جمع تھے۔ عنایہ بھی آچکی تھی۔ وہ عقابی نظروں سے وجیہہ کو گھور رہی تھی مگر اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ پرسکون بیٹھی ضرغام کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ عنایہ نے استفہامیہ انداز میں اپنے وکیل کی جانب دیکھا تو اس نے آنکھوں سے یقین دہانی کرائی کہ پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے۔

"آج سب ٹھیک تو ہو جائے گا ناں۔۔۔" رضیہ بیگم بھی ضد کر کے عدالت آئی تھیں تو علی عظمت اور حجاب بھی ان کے ساتھ چلے آئے۔ انمول کو کوئی کام تھا۔ جس وجہ سے وہ نہیں آسکا تھا

"انشاء اللہ۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ دیکھنا آج ضرغام بھائی باعزت رہا ہو جائیں گے۔۔" حجاب انہیں حوصلہ دے رہی تھی۔ مگر یہ حوصلہ یقینی تھا جیسے وہ جانتی تھی کہ کیا ہونے والا ہے۔ تبھی ضرغام کو ہتھکڑیوں میں لایا گیا۔ رضیہ بیگم کی نگاہ اس کے وجود کی طرف اٹھیں۔ وہ کتنا بدل چکا تھا۔ ٹھاٹ سے رہنے والا آج بوسیدہ لباس میں ملبوس تھا۔ سیاہ بوسیدہ قمیض میں صرف عاجزی ظاہر ہو رہی تھی۔ کلین شیو چہرے پر ہلکی ہلکی ڈاڑھی نکل آئی تھی۔ بال بھی مٹی سے اٹے ہوئے تھے۔ اسے کٹھڑے میں لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ جج صاحب بھی اپنی نشست پر آوارد ہوئے۔

"کیس کی کاروائی شروع کی جائے۔۔"جج صاحب کے کہنے کی دیر تھی کہ پروسیکیوٹر اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی

"یور آنر! آج میری موکل صرف عدالت کی خاطر اپنی مصروف زندگی میں سے وقت نکال کر حاضر ہوئی ہیں۔ میری عدالت سے ریکوسٹ ہے کہ ان کا زیادہ وقت نہ لیا جائے۔ اُن کا بیان لے کر انہیں جانے کی اجازت دی جائے اور اس کیس کا نتیجہ آج ہی سنایا جائے۔"

"دیکھیئے پروسیکیوٹر صاحبہ! آپ کی موکل سے زیادہ اس عدالت کا وقت قیمتی ہے۔۔" وجیہہ نے اٹھتے ہوئے اپنا پہلا داؤ چلا تھا۔

"جج صاحب! میں مس عنایہ کو کٹگھرے میں بلانے کی اجازت چاہتی ہوں۔" وجیہہ نے مودبانہ کہا تھا

"اجازت ہے۔۔" جج صاحب کے کہنے پر وجیہہ نے سوالیہ نگاہوں سے پیچھے مڑ کر عنایہ کی طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے اس نے گھور کر وجیہہ کی طرف دیکھا اور پھر اپنی وکیل تبسم کی جانب دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کی یقین دہانی پر وہ ایک جھٹکے سے کھڑی ہوئی اور کٹگھرے میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ عہد و پیمان کے بعد وجیہہ اس سے سوال جواب کرنے کے لئے آگے بڑھی۔ تبسم اپنی جگہ پر آ بیٹھی۔

"آپ اپنا تعارف کروانا پسند کریں گی؟" وجیہہ نے کہا

"جی! میرا نام عنایہ ہے اور شوبز سے میرا تعلق ہے اور ایک نجی چینل میں مارننگ شو کی ہوسٹ ہوں۔" سپاٹ لہجے میں اپنا تعارف کروایا

"بہت خوب۔۔ اب آپ بتانا پسند کریں گی کہ سامنے جو شخص کھڑا ہے اس سے آپ کا کیا تعلق ہے؟" وجیہہ نے ضرغام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا

"تمہارے کہنے کا کیا مطلب ہے؟ میری کوئی تعلق نہیں ہے اس شخص سے۔۔" کراہت لہجے میں جواب دیا

"مس عنایہ! آپ اس وقت عدالت میں کھڑی ہیں۔ اپنے لہجے کو لمٹ میں رکھیے۔۔" جج صاحب نے تنبیہہ کی۔ جس سے اس کا رنگ پھیکا ہو گیا

"جی مس عنایہ! ذرا تفصیل سے بتائیں کہ آپ مسٹر ضرغام عباسی کو کیسے اور کس طرح جانتی ہیں؟ دیکھیے۔۔ سچ سچ بتایئے گا کیونکہ عدالت کے پاس

ساری تفصیل موجود ہے۔۔''وجیہہ نے معنی خیز لہجے میں کہا تھا۔ایک پل کے لئے عنایہ نے وجیہہ کو گھورا مگر تبسم کے اشارے پر اپنے غصے کو قابو میں رکھا

''میں ضرغام سے تین سال پہلے ملی تھی۔ہمارے درمیان صرف دوستی کا رشتہ تھا مگر اس نے اس رشتے کو کچھ اور ہی سمجھ لیا اور میرا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی'' اس نے ضرغام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

''جھوٹ بول رہی ہے یہ۔۔۔'' ضرغام دھاڑا

''دیکھیے ضرغام۔۔آپ خاموش رہیں۔۔میں بات کر رہی ہوں ناں۔۔''وجیہہ نے مداخلت کی اور آنکھوں سے یقین دہانی کروائی۔وجیہہ کی تسلی بخش نگاہوں نے اس کو شانت کروا دیا

''ٹھیک۔۔آپ کا رویہ کیسا تھا مسٹر ضرغام کے ساتھ۔۔۔'' اب وہ عنایہ کی طرف بڑھی

''یور آنر۔۔یہ کیسا سوال کر رہی ہیں میری کلائینٹ کے ساتھ؟'' تبسم نے جھلاتے ہوئے کہا

''اوبجیکشن سسٹین۔۔''

''شکریہ جج صاحب۔۔''اس نے شکر گزار نگاہوں سے جج صاحب کی طرف دیکھنے کے بعد سوالیہ نگاہیں عنایہ کے وجود کو ٹٹولا

''میرا رویہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ ایک دوست کا ایک دوست کے ساتھ ہوتا ہے۔۔''مختصر جواب دیا

''بالکل ٹھیک۔۔تو پھر اب یہ بتائیں کہ آخر کیا وجہ تھی کہ آپ نے مسٹر ضرغام کے ساتھ یہ کیس درج کروایا۔''

''وجہ۔۔تم مجھ سے وجہ پوچھ رہی ہو؟ایک لڑکی کی عزت پر اگر کوئی لڑکا ہاتھ ڈالے تو اسے کیس لڑنے کے لئے بھی کسی وجہ کی ضرورت ہوتی ہے؟اپنی عزت کا دفاع کرنے کے لئے بھی کوئی وجیہ چاہیئے ہوتی ہے؟نہیں وجیہہ۔۔ایک لڑکی کے لئے اپنی عزت سے زیادہ عزیز ہوتی ہے اور وہ اپنی عزت کے ساتھ کسی بھی قسم کا سمجھوتہ نہیں کر سکتی۔۔''اس نے سخت لہجہ استعمال کرتے ہوئے کہا تھا

''میں نے آپ سے تمہید باندھنے کو نہیں کہا بلکہ یہ پوچھا ہے کہ آخر انہوں نے آپ کے ساتھ کیا کیا تھا؟''وجیہہ نے چلا کر کہا

"وہ جو آپ دیکھ چکی ہیں۔۔۔" آنکھیں چراتے ہوئے یہ لفظ اس کی زبان سے نکلے تھے مگر الفاظ میں پہلے کی سی روانی نہیں تھی

"مگر جو دیکھا ہے ہم آپ کی زبان سے سننا چاہتے ہیں۔۔۔!!" وجیہہ کی بات سن کر اسے ایک شاک لگا۔ اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری اور مسلسل نظریں چرانے لگی

"یور آنر! یہ کیسا بے ہودہ سوال پوچھا جا رہا ہے میری کلائینٹ کے ساتھ؟" ایک بار پھر تبسم سے مداخلت کی

"یہ بیہودہ نہیں ہے سوال۔۔۔ اس کیس سے جڑا ہوا ہے۔۔" وجیہہ نے پلٹ کر کہا

"لیکن یہ سب کچھ عدالت پہلے روز ہی دیکھ چکی تھی۔۔" تبسم نے گھور کر دیکھا

"دیکھنے میں اور سننے میں فرق ہوتا ہے۔۔۔" پلٹ کر جج صاحب کی طرف متوجہ ہوئی

"جج صاحب! میں یہ سب اس لئے سننا چاہتی ہوں کہ جو الزام مس عنایہ نے میرے شوہر پر لگایا ہے وہ صرف اور صرف جھوٹ پر مبنی ہے۔ وہ ویڈیو جو بھری عدالت میں دیکھائی گئی تھی جھوٹ تھی۔ اس ویڈیو میں نظر آنے والا شخص مسٹر ضرغام نہیں بلکہ کوئی اور تھا۔ اور جو کچھ اس ویڈیو میں دیکھایا جا رہا تھا وہ بناوٹی تھا۔ سچائی نام کی کوئی شے اس میں نہیں دیکھائی گئی۔۔" ایک کے بعد ایک سچ عدالت کے سامنے رکھ رہی تھی۔

"یہ تم اتنے وثوق کے ساتھ کیسے کہہ سکتی ہو۔۔"عنایہ چلائی

"کیونکہ میرے پاس ثبوت ہے۔۔" اس نے جھٹ جواب دیا

"کک کک کیا؟ کلک کک کون سا ثبوت؟" ثبوت کا نام سن کر اس کی زبان لڑکھڑانے لگی

"اگر آپ کے پاس ثبوت ہے تو عدالت کو دیکھائیں۔۔۔"جج صاحب نے کہا تھا

"جی بالکل۔۔" اس نے ٹیبل سے ایک سی ڈی نکالی اور ویڈیو ریکاڈر میں پلے کی۔ سب یہ دیکھ کر حیران ہو گئے۔ عنایہ اور تبسم کے چہرے پر ایک شاطرانہ

ہنسی ابھر آئی

''مس وجیہہ یہ کیسا مذاق ہے۔۔یہ تو وہی ویڈیو ہے جو پہلے دیکھی تھی۔۔'' جج صاحب بھی برہم ہو گئے

''جی بالکل۔۔۔یہ وہی ویڈیو ہے جو پہلے دیکھی تھی۔ لیکن اسی ویڈیو میں وہ ثبوت پنہاں ہیں جو میں آپ کو دیکھانا چاہتی ہوں۔۔''سب اس کی بات پر حیران تھے۔ مگر اس کے چہرے پر ایک طمانت تھی۔

وہ آہستہ آہستہ عنایہ کی طرف بڑھی

''جی مس عنایہ۔۔۔اس میں یہ آپ ہیں؟'' اس نے پوچھا

''ہاں۔۔'' اس نے دوٹوک کہا

''اور دوسرا شخص۔۔بقول آپ کے ضرغام ہیں؟''اس نے دوبارہ پوچھا

''بالکل۔۔۔''اس نے بے نیازی سے اثبات میں گردن ہلائی

''بہت خوب۔۔جج صاحب۔۔پوائنٹ نوٹ کر لیں۔۔یہ شخص جو نظر آرہا ہے مس عنایہ کے بقول مسٹر ضرغام عباسی ہیں۔۔'' اس نے ایک پل کے لئے توقف کیا

''اگلا پوئنٹ جو میں پیش کرنے جارہی ہوں۔۔وہ شاید۔۔۔''ابھی وہ یہی کہہ پائی تھی کہ ایک حوالدار اس کے ہاتھ میں خاکی لفافہ تھما گیا۔عدالت سے معذرت کر کے اس نے وہ لفافہ کھولا۔سب کے چہروں پر حیرانی تھی۔ عنایہ اور تبسم بھی وجیہہ کے ہاتھوں میں موجود لفافے کو دیکھ رہی تھیں۔

''اس لفافے میں کیا ہے؟''علی عظمت نے زیر لب کہا تھا

''ابھی پتا چل جائے گا۔۔''حجاب نے تسلی بخش لہجے میں جواب دیا تھا۔ علی عظمت اور رضیہ بیگم دونوں نے شکیہ نظروں سے حجاب کی طرف دیکھا تھا

''کہیں کچھ گڑ بڑ تو نہیں؟'' رضیہ بیگم نے کہا تھا

''گڑ بڑ تو اب ٹھیک ہونے والی ہے۔۔ آپ بس آرام سے دیکھیں تماشا۔۔۔''بات کو گول مول کرتے ہوئے اپنی نظریں وجیہہ کی طرف مبذول کیں

''جج صاحب!میں معذرت کے ساتھ آپ سے اجازت چاہتی ہوں کہ کچھ پل کے لئے مسٹر ضرغام کو

کٹگھڑے سے نکال کر سامنے کھڑا کیا جائے۔۔"

"مگر کیوں؟" جج صاحب نے پوچھا تھا۔ عنایہ اور تبسم بھی حیران تھیں

"وہ اس لئے کہ میں عدالت کے سامنے مس عنایہ کا کردار پیش کر رہی ہوں کہ وہ کس قسم کی خاتون ہیں۔۔ اور اس لئے مس عنایہ کا بھی کٹگھڑے میں کھڑا ہونا لازمی ہے۔۔" وجیہہ نے وجہ بیان کی تو جج صاحب نے اجازت دے دی۔ ضرغام کو کٹگھڑے سے نکال لیا گیا۔ ضرغام کی سوالیہ نگاہوں کا جواب اس نے تسلی بخش نگاہوں سے دیا۔ وجیہہ کے چہرے پر چھائی ہلکی سی مسکراہٹ کو دیکھ کر اسے بھی سکون محسوس ہوا۔

"شکریہ جج صاحب۔۔!! تو میں اس ثبوت کو پیش کرنے جا رہی ہوں۔۔ میرے گواہ، میرے بھائی انمول کو عدالت میں آنے کی اجازت دی جائے۔۔"

"انمول؟" رضیہ بیگم نے استفہامیہ انداز میں کہا

"جی امی۔۔ بس آپ آگے دیکھیں۔۔۔" رضیہ بیگم اور علی عظمت عجیب سی کشمکش میں مبتلا تھے مگر حجاب کے چہرے پر طمانت تھی

"اب تمہارا کھیل ختم عنایہ۔۔" اس نے دل میں کہا تھا۔ عنایہ نے اپنے بالوں کو جھٹکتے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا تو ایک جھٹکا لگا۔ وہی چال، وہی انداز۔۔۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہی چہرہ۔۔۔ وہی حسن۔۔

"عاصم۔۔۔" وہ بڑبڑائی تھی مگر اس کے لفظ کوئی سن نہیں سکا۔ انمول سامنے کٹگھڑے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔

"جی آپ اپنا تعاف کروانا پسند کریں گے؟" وجیہہ نے اس کے پاس جا کر کہا تھا

"میرا نام انمول عظمت ہے۔"اس نے مختصراً کہا تھا

"انمول؟؟؟ اور عاصم؟" اس کا سر چکرانے لگا تھا۔ اس کے چہرے سے پسینہ نمودار ہو گیا۔ جب وجیہہ نے عنایہ کی ہوائیاں اڑتی دیکھیں تو اس کے پاس آئی

"آپ جانتی ہیں انمول کو؟" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا

"نن نن نہیں۔۔" اس نے آنکھیں چراتے ہوئے

کہا تھا

"دیکھ لیجیے۔۔۔ ایک بار ذرا نظر تو دوڑا لیں۔۔ شاید کبھی کہیں دیکھا ہو۔۔ اپنے ارد گرد۔۔۔ یا کبھی فون پر بات چیت ہوئی۔۔ دیکھ لیں۔۔ شاید یاد آ جائے۔۔" وہ ایک ایک لفظ کو گول مٹول کر رہی تھی۔ ہر لفظ سنتے ہوئے وہ اپنی مٹھیاں بھینچ رہی تھی۔

"کہاناں نہیں جانتی میں اس کو۔۔۔" جھلاتے ہوئے کہا تھا

"پوائنٹ کو نوٹ کریں جج صاحب۔۔۔ ابھی ابھی بھری عدالت میں مس عنایہ نے کہا ہے کہ وہ سامنے کھڑے اس شخص کو نہیں جانتی اور اگر نہیں جانتی اور تو کبھی اس سے ملی بھی نہیں ہونگی اور نہ ہی ان کا اس شخص کے ساتھ کوئی رشتہ ہو گا۔۔۔"

"اس کیس کا اس شخص کے ساتھ کیا تعلق؟" عنایہ نے تبسم کو گھورا تو وہ جھلا کر بولی تھی

"تعلق ہے۔۔۔ پرسیکیوٹر صاحبہ" پلٹ کر جواب دیا

"دیکھیے یور آنر! یہ محض کیس کو بھڑکانے کی ایک سازش ہے۔ میری ریکوسٹ ہے کہ کیس کو ایک نیا رنگ دینے سے روکا جائے اور کیس کا فیصلہ جلد سے جلد سنا کر کیس کو ختم کیا جائے۔۔"

"کہتے ہیں جلدی کا شیطان کا ہوتا ہے مس تبسم۔۔ اگر انتظار کر لیا جائے تو بہتر ہو گا۔۔۔"

"اوبجیکشن سسٹین۔۔۔"

"تھینک یو۔۔۔" وہ ٹیبل کی طرف بڑھی اور وہی خاکی لفافہ اٹھا کر کچھ تصاویر باہر نکالی

"جج صاحب! ابھی ابھی مس عنایہ کے دیئے گئے بیان کو مد نظر رکھتے ہوئے ان تصویروں کو بغور دیکھا جائے۔۔" اس نے چند تصاویر جج صاحب کو دیں اور ایک اپنے ہاتھ میں رکھی۔

"اب بتائیں ذرا۔۔۔" وہ تصویر اس نے عنایہ کو دیکھائی تو اس کی ہوائیاں اڑ گئی۔ یک ٹک تصویر کو دیکھتی رہی۔ پیشانی سے پسینہ بہنے لگا۔

"جج صاحب کیا ہے یہ؟ مس وجیہہ ثابت کیا کرنا چاہتی ہیں؟" ایک بار پھر تبسم جھلا کر بولی

"یہی کہ آپ کی موکل کتنی جھوٹی، مکار اور کریکٹر لیس ہیں۔" پلٹ کر اسی انداز میں جواب دیا

”جھوٹ ہے یہ۔۔۔سب فیک تصاویر ہیں یہ۔۔۔جج صاحب ان تصاویروں میں کوئی سچائی نہیں ہے۔۔
“ عنایہ چلائی تھی مگر اس کے چلانے سے وجیہہ کو کوئی فرق نہیں پڑا
”چلیں کوئی بات نہیں۔۔۔یہ تصاویریں فیک ہیں۔۔۔تو میں بھی مان لیتی ہوں۔۔۔“ اس نے ان تصاویروں کو پھاڑ ڈالا۔ضرغام وجیہہ کی ایک ایک حرکت کو دیکھ رہا تھا۔جو کچھ ہو رہا تھا جیسے رضیہ بیگم اور علی عظمت کے لئے نیا تھا بالکل اسی طرح ضرغام بھی ان سب سے ناآشنا تھا۔انمول کا عاصم بن کر عنایہ کے پاس جانا اور اس کی ایک ایک حرکت کو کیمرے کی آنکھ میں بند کرنا صرف انمول کا آئیڈیا تھا مگر اس آئیڈیا کو سرانجام دینے میں حجاب نے اس کی مدد کی۔اور پھر جب تمام کام ہو چکا تھا وجیہہ کو اس بارے میں آگاہ کیا۔پہلے پہل تو وجیہہ کو یہ سب غلط لگا۔لیکن تمام ثبوت دیکھنے کے بعد وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئی
”جی مسٹر۔۔انمول عظمت آپ کیا کہیں گے مس عنایہ کے بارے میں؟“ انمول کے پاس جا کر وجیہہ نے پوچھا تو اس نے ایک ایک بات سب کے سامنے رکھ دی۔ایک کے بعد ایک سوال ضرغام کے دل میں پیدا ہوتے رہے۔وجیہہ نے پلٹ کر ضرغام کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ہر سوال کا جواب دے دیا
”یہ جھوٹ بول رہا ہے۔۔اس کی ایک بات میں بھی صداقت نہیں ہے۔میں نہ ہی اسے کبھی ملی اور نہ ہی اتنی گھٹیا حرکت کی۔۔یہ سب اس کی چال ہے کوئی مجھ پر کیچڑ اچھالنے کی۔۔۔“ وہ چلائی تھی
”ٹھیک ہے۔۔یہ بھی جھوٹ کہہ رہا ہے مان لیتے ہیں! پہلے تصویریں جھوٹی اور یہ جھوٹا اب دیکھتے ہیں تیسرے جھوٹ کو کیسے جھٹلائیں گی آپ؟“ اس نے معنی خیز لہجے میں کہا تھا
”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ اس نے خوف کے زیر اثر کہا تھا
”انمول کیا ہے یہ سب کچھ۔۔۔؟“ضرغام کو کٹھگڑے کے ساتھ ہی کھڑا کیا گیا تھا۔اس لئے اس نے تقریباً

سر گوشی میں سوال کیا تھا

"آپ بے فکر رہیں بھائی جان۔۔" انمول نے بھی

تسلی بخش جواب دیا تھا

"آخر دونوں کیا کھچڑی بنا رہے ہیں؟" علی عظمت

نے زیر لب کہا تھا

"یہ دیکھیے جج صاحب۔۔" وجیہہ نے ایک نئی سی ڈی

ریکارڈر میں پلے کی

"مطلب یہ ہے کہ میں دو دن میں ضرغام کو اس قید

سے باہر لے آؤں گی اگر وہ اُس کو پورا کرلے جو اُس

نے ادھورا چھوڑا تھا۔۔"

"شرم۔۔ہماری اس فیلڈ میں شرم نام کی کوئی چیز ہی

نہی ہوتی۔بس خوبصورتی ہوتی ہے"

"میں تو حسن کو اپنی روح میں اتارنا چاہتی ہوں۔۔تم

اتارو گے ناں اپنے آپ کو میری روح میں۔۔

بولو۔۔"

"بولو ناں۔۔اپنی محبت میری روح میں اتارو گے

ناں۔۔اپنی چاشنی سے میرے لبوں کی تشنگی تو بجھاؤ گے

ناں؟" ایک کے بعد ایک سین اس کے آشکار ہوتے

جا رہے تھے۔انمول جب جب عنایہ سے عاصم بن کر

ملا حجاب نے اس کی تمام حرکتیں ایک کیمرے میں بند

کرلیں۔اب تمام سینز پوری عدالت دیکھ رہی تھی۔

سب کو جیسے یہ دیکھ کر ایک شاک لگا تھا۔عنایہ بھی

ایک پل کے لئے سانس نہیں لے سکی تھی۔اس کی

اوپر کی سانسیں اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئیں۔اپنی

آنکھوں سے اپنی شکست دیکھ رہی تھی۔اپنی تذلیل

بھری عدالت میں محسوس کر رہی تھی۔ تبسم نے بھی

شکست خوردہ انسان کی طرح ہاتھ سر پر رکھ لئے

"اب کہو کیا یہ جھوٹ ہے۔۔ویڈیو میں نظر آنے والی

لڑکی تم نہیں ہو۔۔کیا تم نے میرے بھائی کو اپنی

طرف مائل کرنا نہیں چاہا؟ کیا تم میرے گھر نہیں آئی

تھی یہ شرط لے کر یہ تم ضرغام کا کیس واپس لے لو گی

اگر وہ اپنا ادھورا کام پورا کرلے؟ بولو؟ جواب دو۔۔

کیا یہ بھی جھوٹ ہے؟ یہ بھی فریب ہے۔۔۔ نہیں

نہیں نہیں عنایہ۔۔ جھوٹ یہ سب نہیں بلکہ جھوٹ وہ

سب تھا جو تم نے دیکھایا۔۔بولو۔۔جواب دو۔۔اب

بھی کیا تم اس جھوٹ کو جھٹلاتی ہو؟ بتاؤ۔۔" وہ چلا چلا

کر کہہ رہی تھی مگر وہ خاموش تھی۔ آنکھوں سے
آنسو بہہ رہے تھے
"جج صاحب! اس کی خاموشی یہی بتا رہی ہے کہ یہ
جھوٹی ہے، مکار ہے، حسن پرست ہے اور حسن
پرست لوگ اپنے ہی حسن پرستی میں اتنے آگے نکل
جاتے ہیں کہ مرد و عورت کی تمیز ہی بھول جاتے ہیں۔
مانا کہ اکثر غلط مرد ہوتے ہیں۔ لیکن کچھ عورتیں بھی
ایسی ہوتی ہیں جو مرد کی حدوں کو بھی پار کر جاتی ہیں۔
اگر اسی فیصد مرد غلط ہوتے ہیں تو بیس فیصد عورتوں کی
بھی غلطیاں ہوتی ہیں۔ لیکن میں تو یہ کہوں گی کہ مرد
غلط بہت کم ہوتے ہیں۔ ان کی نیتوں کو پھسلانے والی
صرف عورت ہوتی ہے۔ ایک عورت ہی مرد کو سنوار
سکتی ہے اور ایک عورت ہی مرد کو بگاڑ سکتی ہے۔ مرد
تو ایک پگھلا ہوا آئینہ ہے اس کو جس سانچے میں ڈھالا
جائے وہ ڈھل جاتا ہے۔ عریاں بازو، فحش لباس، کھلے
گیسو، دلفریب چال۔۔۔ کیا ہے یہ سب کچھ؟ کیا یہ
سب کچھ کرنے کے بعد بھی ایک لڑکی سمجھتی ہے کہ
دوسرا مرد اس کی عزت کرے گا؟ بتائیں قصور کس کا
ہے؟ لڑکی کا یا لڑکے کا؟ جی ہاں جج صاحب۔۔ قصور
صرف اور صرف لڑکی کا ہے۔ اللہ پاک نے تو لڑکی کو
پردے کا حکم دیا ہے اور وہ اللہ کے حکم کو پس پشت
ڈال کو سمجھتی ہے اسے دنیا جہاں کی عزت دی
جائے۔۔ نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ عزت صرف
اللہ کے حکم کو ماننے سے ملتی ہے۔ اللہ کے حکم کو پس
پشت ڈال کر ذلالت تو مل سکتی ہے مگر عزت
نہیں۔" وجیہہ کی باتیں سب غور سے سن رہے
تھے۔ جج صاحب بھی نادم سر نیچے کئے ہوئے تھے۔
رضیہ بیگم کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے تھے۔
ضرغام کو بھی اپنی اپنی غلطیاں یاد آ رہی تھیں۔ اس کا
دل بھی پگھل چکا تھا۔ جو عزت پہلے وجیہہ کے لئے
تھی۔ مزید بڑھ گئی۔ اس کے دل میں وجیہہ کے لئے
محبت پیدا ہو گئی۔ سارے ثبوتوں اور بیانات کی روشنی
میں عدالت نے ضرغام کو باعزت رہا کر دیا۔ عنایہ کے
خلاف کاروائی کا حکم دیا۔ وہ ہتھکڑیاں جو کچھ دیر پہلے
ضرغام کے ہاتھوں میں تھیں، اب عنایہ کو پہنائی جا
رہی تھیں۔ ضرغام کے دل نے چاہا کہ ابھی جا کر وجیہہ

کو اپنی بانہوں میں لے لے۔ ایک ایک گناہ کی معافی مانگے مگر ایسا نہ ہو سکا۔ اسے کچھ لیگل کاروائی کے لئے کچھ دیر اور عدالت میں رکنا تھا۔ باقی سب عدالت سے باہر آ گئے۔

"اللہ کا شکر ہے۔۔ میرا بیٹا باہر آ گیا۔۔" پیار سے رضیہ بیگم نے اس کے ماتھے کو چوما۔۔ سب اس پر پیار نچھاور کر رہے تھے۔ زندگی میں پہلی بار اسے رشتوں کی اہمیت کا احساس ہوا تھا۔ ان کی قدر و منزلت کا احساس ہوا تھا۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے۔

"اب آنسو بہانے کے دن گئے بھائی جان۔۔!! اب تو خوشی کے دن آ گئے ہیں۔۔" انمول نے ضرغام کو اپنے گلے لگایا اور پیار سے اس کی پیٹھ کر تھپتھپایا

"ویسے اتنا سب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" آنسو صاف کرتے ہوئے ضرغام نے پوچھا تھا

"اتنا سب کچھ؟ یہ تو کچھ بھی نہیں۔۔ آپ کے لئے اور آپی کے لئے اگر جان بھی دینی پڑی ناں تب بھی پیچھے نہیں ہٹوں گا۔۔ ویسے ان سب ایک فائدہ ہوا۔۔ ایک اور لڑکی سے ذرا رومینس گیا۔۔" بات ذرا تبدیل کرتے ہوئے پھلجڑی چھوڑی تھی۔ جس پر سب ہنس پڑے

"جی بالکل۔۔۔ مگر آخری بار۔۔۔ آگے ایسی حرکت کی ناں۔۔ تو آپ کو بھی سلاخوں کے پیچھے دیر نہیں لگے گی مجھے۔۔ آخر میری نند وکیل ہے۔۔" حجاب نے بھی جھٹ جواب دیا

"چلیں۔۔ آپ کی تو منزل آ گئی۔۔" حجاب نے دور سے وجیہہ کو آتے ہوئے دیکھا تو ضرغام نے پلٹنے میں سیکنڈ بھی نہیں لگایا۔ پیاسی آنکھیں اس کو یک ٹک دیکھنے لگ گئیں۔ وہ بھی ضرغام پر نظریں جمائے چلی آ رہی تھی۔ دنیا کی رونق یک دم سناٹے میں تبدیل ہو چکی تھی تبھی ایک تیز رفتار کار برق رفتاری سے وجیہہ کے وجود کو مسمار کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ پورا وجود ایک پھول کی طرح ہوا میں لہراتا ہوا زمین بوس ہو گیا۔ روشن دن میں کالی گھٹائیں چھا گئیں۔ ایک پل کی خوشی عمر بھر کا روگ بن گئی۔

"وجیہہ۔۔۔!!" وہ چلاتا ہوا آگے بڑھا۔ رضیہ بیگم

کی تو جیسے سانسیں ہی ساکت ہو گئیں۔ انمول بھی بت کی طرح ہو چکا تھا۔ علی عظمت اور حجاب کا بھی حال کچھ الگ نہیں تھا۔ صرف ضرغام تھا جو بھاگتا [illegible] آگے بڑھا تھا۔ اس کے قریب پہنچ کر اس کا سر اپنی گود میں رکھا۔ آنکھوں سے آنسو یک ٹک گرتے گئے۔

"وجیہہ آنکھیں کھولو۔۔۔ آنکھیں کھولو۔۔" وہ اس کا چہرہ تھپتھپاتا جا رہا تھا مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ بالکل بے جان لاش کی طرح تھی۔ سانسیں چل رہی تھیں۔ آنکھیں کھلی تھیں مگر اگلے ہی لمحے آنکھیں مند گئیں۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ فضا میں بس ایک ہی چیخ سنی جا سکتی تھی

"وجیہہ۔۔۔"!!

* * * *

الٰہی تیری چوکھٹ پر بھکاری بن کے آیا ہوں

سراپا فقر ہوں عجز و ندامت ساتھ لایا ہوں

اس کی آواز پوری مسجد میں گونج رہی تھی۔ اس کی آواز میں نا جانے کیا کشش تھی کہ راہگزر بھی مسجد کے اندر صرف اس کی حمد سننے آ جاتے اور ہر ایک کی کوشش ہوتی کہ وہ اس کے قریب ہو جائے

بھکاری وہ کہ جس کے پاس جھولی ہے نہ پیالہ ہے

بھکاری وہ جسے حرص و ہوس نے مار ڈالا ہے

اتنا وقت گزر چکا تھا مگر ماضی آج بھی اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ وہی دلدل، وہی بستی۔۔ اس کی آنکھوں میں آج بھی تازہ تھی۔ وہی خالی دامن، وہی ہوس اسے آج بھی اپنے گرد منڈلاتے نظر آتی تھیں

متاعِ دین و دانش، نفس کے ہاتھوں سے لٹوا کر

سکونِ قلب کی دولت، ہوس کی بھینٹ چڑھوا کر

لٹا کر ساری پونجی غفلت و عصیاں کی دلدل میں

سہارا لینے آیا ہوں تیرے کعبے کے آنچل میں

اس کی آنکھوں سے خد بخود آنسو بہہ رہے تھے۔ ایک رقت تھی جو اس پر طاری تھی۔ اور سننے والوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لئے ہوئی تھی۔ سب کا دل خود بخود پگھل رہا تھا۔ دلوں کی سختی دور ہوتی جا رہی تھی مگر ماضی اب بھی آنکھوں میں کھٹک رہا تھا۔ دولت و شہرت کی

ہوس اب بھی دل میں سمانے کی کوشش کر رہی تھی

مگر وہ ان سے اچاٹ ہو چکا تھا

گناہوں کی لپیٹ سے کائنات قلب افسردہ

ارادے مضمحل، ہمت شکستہ، حوصلے مردہ

دل کی بات زبان پر آچکی تھی۔ آنکھوں کی روانی تیز ہوگئی۔ جذبات میں اس کے آواز لڑکھڑانے لگے مگر اسے پوری حمد و ثنا بیان کرنی تھی۔

کہاں سے لاؤں طاقت دل کی سچی ترجمانی کی

کہ کس جنجال میں گزری ہے گھڑیاں زندگانی کی

ایک بار پھر ماضی کی تلخ یادوں نے اس کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ عیاشی، عیش و عشرت، لاپرواہی سب اس کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ وہ سچ میں گمراہ تھا۔ سیدھی راہ سے بھٹکا ہوا۔ دور گناہوں کے دلدل میں پھنسا ہوا

خلاصہ یہ کہ بس جل بھن کے اپنی روح سیاہی سے

سراپا فقر بن کر اپنی اپنی حالت کی تباہی سے

اس وقت واقعی اس کی حالت ایک فقیر کی سی تھی۔ آنکھوں میں ندامت، چہرے پر عاجزی۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی ضرغام ہے جس کے نزدیک صرف سٹیٹس معنی رکھتا تھا۔ جس کے نزدیک شہرت سب کچھ تھی۔ آج سب کچھ چھن چکا تھا۔ کچھ بھی اس کے پاس نہیں بچا تھا۔

تیرے دربار میں لایا ہوں اپنی اب زبوں حالی

تیری چوکھٹ کے لائق ہر عمل سے ہاتھ ہے خالی

زندگی کا ایک حصہ جو لاپرواہی میں گزرا۔ اس کی ایک ایک گھڑی پر اسے افسوس ہو رہا تھا۔ کاش وہ پہلے حقیقت جان لیتا تو اس وقت وہ اکیلا نہ ہوتا۔ اس کے ہاتھ خالی نہ ہوتے۔ اس کی زندگی ویران نہ ہوتی۔۔ مگر افسوس وقت بیت چکا تھا۔

یہ تیرا گھر ہے، تیرے اہل کا دربار ہے مولا

سراپا نور ہے، اک محبت انوار ہے مولا

تیری چوکھٹ کے جو آداب ہیں، میں ان سے خالی ہوں

نہیں جس کو سلیقہ مانگنے کا وہ سوالی ہوں

سننے والے بس سنتے ہی جا رہے تھے۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس کی آواز کو سننے لے لئے یہاں بیٹھی تھی۔ صرف آج ہی نہیں۔۔ جب جب وہ یہاں

آتا۔ اللہ پاک کی حمد وثنا بیان کرتا۔ بارگاہ رسالت
ﷺ میں نظرانہ عقیدت پیش کرتا تو لوگ جمع
ہو جاتے۔ اس کی آواز کی چاشنی کو جسم میں اتارنے کی
کوشش کرتے۔

زباں غرق ندامت دل کی ناقص ترجمانی پر
خدایا رحم میری اس زبان بے زبانی پر

اپنے کہے گئے الفاظ پر آج بھی اسے افسوس تھا۔ وہ کتنا
غلط تھا۔ لازوال بننا چاہتا تھا۔ اسی لازوال بننے کے
چکروں میں اس نے اپنا وجود کھو دیا۔

یہ آنکھیں خشک ہیں، یارب انہیں رونا نہیں آتا
سلگتے داغ ہیں دل میں، جنہیں دھونا نہیں آتا

ایک بار پھر اس کی آنکھوں کے سامنے وجیہہ کا معصوم
چہرہ آیا۔ دل نے چاہا پھوٹ پھوٹ کر روئے مگر محفل
کے آداب تھے جو اسے ایسا کرنے سے روک رہے
تھے مگر اب اس میں مزید سکت نہ رہی کہ آگے پڑھ
سکے۔ خدا کی شان اس کی ہمت بھی وہاں جواب دے
گئی جہاں آخری شعر تھا۔

الٰہی تیری چوکھٹ پر بھکاری بن کے آیا ہوں
سراپا فقر ہوں، عجز وندامت ساتھ لایا ہوں

"اللہ اکبر۔۔ سبحان اللہ۔۔" صدائیں بلند ہو رہی
تھیں

* * *

"حجاب۔۔۔ ذرا وہ ربن تو پکڑانا۔۔۔" منہ سے ٹیپ
نکال کر اس نے بمشکل دائیں ہاتھ میں پکڑتے ہوئے
کہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پہلے ہی گرین اور وائیٹ
ربن سے پُر تھے۔ پہلے اس نے خود اٹھنے کی کوشش کی
تھی مگر سیڑھیوں میں غبارے بکھرے ہوئے تھے۔
جس وجہ سے وہ اٹھ بھی نہیں پایا۔ ادھر ادھر دیکھا تو
حجاب کو کچن سے آتا دیکھا

"کوئی کام خود مت کرنا۔۔۔" ٹیبل کی طرف بڑھ کر
ریڈ ربن اٹھائی

"اب ایک کام کیا کر دیا۔۔ احسان جتلا رہی
ہو۔۔" انمول نے شوخ لہجے میں کہا

"ایک کام؟ یہ تمہیں سب ایک کام لگتا ہے۔۔ ذرا تم
کچن کا سنبھالو بس اب۔۔۔" مصنوعی غصے میں کہا تھا۔

"ارے۔۔ یہ کیا؟ میرے منے کی اماں اتنی جلدی

ناراض ہو گئی۔۔" پیار سے ناک سکیڑ کر اس کا ہلکا سا

ناک دبوچ کر کہا تھا

"مجھے اماں کہہ رہے ہیں تو آپ بھی تو ابا ہیں۔۔ کام

کرو منے کے ابا جی۔۔" ہنستے ہوئے اپنے غصے کو رفع

دفع کیا۔ اس کے چہرے پر ہنسی چھا گئی۔

"ممی ممی۔۔" دروازے سے ایک آواز آتی ہوئی

معلوم ہوئی

"لو جی۔۔ آ گئے آپ کے راج دلارے" آنکھوں

سے دروازے کی طرف اشارہ کیا

"بتانے کا شکریہ۔۔" طنزیہ مسکرا کر دروازے کی

طرف گئی جبکہ وہ اپنا ہی کام کرتا انہیں دیکھتا

رہا۔ سیڑھیوں کے دونوں طرف ربن لگ چکے

تھے۔ بس اب وہ غباروں کو سیٹ کر رہا تھا تا کہ اترتے

ہوئے پاؤں میں نہ آئے

"ممی ممی۔۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔۔" اسد نے

آتے ہی اپنا بیگ حجاب کے ہاتھوں میں تھمایا اور بھاگتا

ہوا انمول کے پاس آ گیا۔ انمول سے سب کچھ چھوڑ کر

اس کے ماتھے کو چوما تو وہ صوفے پر جا کر دھڑام سے

بیٹھ گیا

"تھک گئے جناب صاحب۔۔" انمول نیز یر لب کہا

تھا

"آخر بیٹا کس کا ہے؟" حجاب نے موقع ہاتھ سے

جانے نہیں دیا

"اسد بیٹا! دادا جان کہاں ہیں؟ فاطمہ ایمان اور عثمان

انہیں کہاں چھوڑ آئے؟" رضیہ بیگم کمرے سے باہر

آئی تھیں

"ہم یہاں ہیں اپنے دونوں بچوں کے

ساتھ۔۔" فاطمہ ایمان کو گود میں لئے اور عثمان کو

ہاتھ پکڑے وہ دہلیز پر موجود تھے۔ تبھی اسد دوڑ کر

علی عظمت کے پاس گیا اور ان کا ہاتھ پکڑ لیا

"ممی۔۔ آج پھر سب مجھ سے ہار گئے۔۔۔ میں سب

سے جیت گیا

"چیٹنگ کی ہے ممانی جان اس نے۔۔۔ میں، فاطمہ

اور نانا جان ابھی کار میں تھیا سد بھاگتا ہوا اندر آ گیا۔۔

" عثمان نے کہا تھا

"اسد۔۔۔" رضیہ بیگم نے اسد کو تنبیہہ کی

"رہنے دیں امی۔۔یہ نہیں سدھرنے والا۔۔ آخری بیٹا کس کا ہے؟" اس بار بھی انمول کو چھیڑنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور حسب توقع وہ بھی جواب دیئے بغیر نہ رہ سکا

"اب تم مجھے اپنے بیٹے کی شرارتوں میں شریک مت کرو۔۔ بھلا میں نے ایسی حرکت کب کی؟" وہ تمام غباروں کو سیٹ کر چکا تھا سوائے ایک کے جو اس کی آنکھ سے اوجھل ہو کر نیچے آ گیا تھا۔ وہ خود بھی آگے بڑھنے لگا مگر اسی غبارے پر بے دھیانی میں پاؤں رکھا گیا اور ایک پٹاخ آواز فضا میں گونجی اور وہ صوفے پر جا گرا۔ سب اس حرکت پر ہنسنے لگ گئے

"ماموں گر گئے۔۔ماموں گر گئے۔۔" فاطمہ ایمان کو نیچے اتارا تو وہ دوڑتی ہوئی انمول کے پاس گئی

"اب کی ہے ناں۔۔۔" ہنستے ہوئے انمول کے پاس جا کر کہا

"انمول۔۔تم بھی ناں۔۔" رضیہ بیگم بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکی

"یہ سب تمہاری نظر لگی ہے۔۔" الٹا حجاب کو ہی قصوروار ٹھہرا۔ عثمان اور فاطمہ ایمان انمول کے دونوں اطراف آ کر کھڑے ہو گئے اور دیکھ دیکھ کر ہنسنے لگے

"ماموں پر ہنستے ہیں۔۔ابھی بتاتا ہوں۔۔" دونوں کو پکڑ کر پیار سے بھینچا اور پیشانی پر چوما

"ہمیشہ ہنستے رہو۔۔"

"ماموں۔۔۔یہ تیاریاں کس لئے؟" عثمان نے گردن کو گھما کر پورے کی گھر کی سجاوٹ کو دیکھا

"یہ تیاریاں اس لئے کہ آج تمہاری امی اور ابو کی میرج اینی ورسری ہے۔" حجاب نے پاس آ کر کہا تھا

"اس کا مطلب امی آج آ رہی ہیں؟" عثمان نے اچھل کر کہا

"واؤ۔۔امی آ رہی ہیں۔۔اسد میری بھی امی آ رہی ہیں۔۔" فاطمہ ایمان بھی خوشی سے اچھل پڑی۔ تینوں بچے ایک طرف کو چلے گئے اور اپنی خوشی اپنے ہی انداز میں منانے لگے لیکن یہ بات سن کر سب کے چہرے پر ایک تاسف چھا گیا۔ جو چہرے کچھ دیر پہلے خوشی سے دمک رہے تھے۔ اگلے ہی لمحے ویران

ہو گئے۔

"کاش ایسا ہو سکتا۔۔" رضیہ بیگم کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ حجاب نے حسرت بھری نگاہ انمول پر ڈالی جسے وہ فوراً سمجھ گیا

"امی۔۔۔ آپ ناں پریشان نہ [illegible] آج تو خوشی کا دن ہے۔۔اور دیکھنا وہ دن بھی ضرور آئے گا۔۔" انمول ان کے پاس آ بیٹھا اور پیار سے ان کے شانوں پر ہاتھ رکھے

"یہ ضرغام نظر نہیں آ رہا؟" علی عظمت نے کہا تھا

"آپ تو جانتے ہیں کہ وہ کہاں ہو گا؟" حجاب نے جواب دیا تو وہ ایک سوچ میں ڈوب گئے

* * * *

ایک شخص بیڈ کے پاس بیٹھا اپنے بیوی سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں موندی ہوئی تھیں۔ مگر اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس کے ہاتھوں کو تھامے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ پورے وارڈ میں صرف اسی کا بیڈ تھا۔ سفید کپڑوں میں ملبوس، سفید ہی لحاف اوڑھے ہوئے اس کا وجود ہر قسم کے عیب سے عاری تھا۔ چاند سے زیادہ روشن چہرہ خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔

"آج تو خوب باتیں ہو رہی تھیں۔۔" ڈاکٹر ساجدہ معمول کے چیک اپ کے لئے وارڈ میں آئی تھیں۔ ان کے ساتھ ایک نرس تھی جو ہاتھ میں ایک ٹرے تھامے ہوئی تھی۔ جس میں مختلف اپریٹس رکھے ہوئے تھے۔ سب سے پہلے ڈاکٹر ساجدہ سے اس لیٹی ہی خاتون کا بلڈ پریشر چیک کیا

"جی بالکل۔۔ آج کا سارا دن میری وجیہہ کے نام ہے۔۔" وہ ضرغام تھا۔ چہرے پر طمانت اور ہلکی سی مسکراہٹ۔

"لگتا ہے آج ضرور کوئی بات ہے؟" بلڈ پریشر چیک کرنے کے بعد ہاتھ لگا کر ٹمپریچر چیک کیا

"جی بالکل۔۔ آج ہماری شادی کی سالگیرہ ہے۔" اس نے وجیہہ کے معصوم چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا جو آج بھی آنکھیں بند کئے ہوئے تھا۔ جیسے پچھلے آٹھ سالوں سے خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی۔ آج بھی دنیا و مافیہا سے بے نیاز تھی

"اچھی بات ہے۔۔ آپ باتیں کریں۔ میں کچھ دیر میں آتی ہوں۔۔۔" ایک پل سوچنے کے بعد ڈاکٹر ساجدہ نے کہا اور وارڈروب سے سیدھے اپنے کیبن میں آ گئیں۔ جو نرس ان کے ساتھ تھی وہ خاصی حیران تھی کیونکہ ابھی معمول کا چیک اپ بھی مکمل نہیں ہوا تھا اور ڈاکٹر صاحبہ درمیان میں چیک چھوڑ کر آ گئیں۔ وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے کیبن میں داخل ہوئی تو ڈاکٹر صاحبہ کو کرسی سے ٹیک لگائے ایک گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے پایا

"ڈاکٹر صاحبہ! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں! آپ وہاں سے اتنی جلدی چلی آئیں۔۔" حیرانی سے استفسار کیا تھا

"ہاں۔۔" سرد آہ بھرتے ہوئے کہا تھا

"زندگی میں کیسے کیسے امتحان لیتی ہے۔ جو ایک دوسرے کو چاہتے ہیں انہی کو جدا رکھتی ہے۔۔"ساجدہ کی باتوں کو مقصد ماجدہ نہیں سمجھ سکی

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"بیٹھو ادھر۔۔۔ میں بتاتی ہوں" ساجدہ کے کہنے پر وہ بیٹھ گئی

"یہ کپل جو تم نے ابھی ابھی دیکھا تھا ناں۔۔ پچھلے آٹھ سالوں سے بالکل اسی طرح ہے۔ پچھلے آٹھ سالوں سے میں وجیہہ کا علاج کر رہی ہوں۔ اور یقین مانو میں نے ایک دن کے لئے بھی ضرغام کے دل میں اکتاہٹ محسوس نہیں کی۔ ہر گزرتا دن محبت میں اضافہ کرتا گیا۔ کبھی اس کی محبت میں کمی نہیں آنے دی۔ جب بھی میں ضرغام کو دیکھتی ہوں ناں۔۔ تو سوچتی ہوں کہ ہر شوہر ایسا کیوں نہیں ہوتا۔۔ اتنا چاہنے والا۔ اتنا خیال رکھنے والا۔۔!!" آنکھیں خود بخود نم ہو گئیں

"آخر ہوا کیا تھا آٹھ سال پہلے؟"

"اصل بات تو میں خود نہیں جانتی بس اتنا معلوم ہے کہ جب وہ ہسپتال میں داخل ہوا تھا اپنی بیوی کو اپنی بانہوں میں اٹھائے ہوئے تھا۔ آنکھوں سے اشک جاری تھے۔ دل غم سے لبریز تھا۔ جسم جواب دے چکا تھا مگر امید جواں تھی۔ محبت ٹپک رہی تھی۔۔۔" وہ بتاتے بتاتے ماضی کی یادوں میں کھو گئیں

"ڈاکٹر۔۔ڈاکٹر۔۔۔" وہ چلاتا ہوا ریسپشن پر آیا تھا۔ وجیہہ کے ہاتھ ہوا میں لہرا رہے تھے۔ڈاکٹر ساجدہ ابھی ابھی آپریشن تھیٹر سے نکلی تھیں۔انہوں نے وجیہہ کی یہ حالت دیکھی تو فوراً ایمرجنسی وارڈ میں داخل کرنے کو کہا۔

"وجیہہ۔۔کچھ نہیں ہو گا۔۔میں ہوں نا۔۔" وہ نیم بیہوشی میں کراہ رہی تھی۔اپنے خون سے بھرے ہاتھ ضرغام کے چہرے پر پھیرے مگر جان نہ ہونے کے باعث نیچے لٹک گئے۔

"آپ یہاں رکیں۔۔پلیز۔۔" وجیہہ کو اندر لے جایا گیا مگر ضرغام کو باہر ہی روک دیا گیا۔رضیہ بیگم، حجاب، انمول اور علی عظمت وہاں آموجود ہوئے تھے۔سب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ضرغام کی طرف دیکھا تو وہ حواس باختہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہتے جا رہے تھے۔چہرے پر خون کے نشانات اور سیاہ لباس بھی خون میں سرخ تھا۔

"حوصلہ رکھو بیٹا۔۔۔"علی عظمت آگے بڑھے تو وہ ان کے کندھے پر سر رکھ کر بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔

"ضرغام۔۔نہیں روتے۔۔۔دیکھو۔۔اگر تم ہی حوصلہ ہار جاؤ گے تو۔۔۔" ان کی آواز بھی بھر آئی تھی۔رضیہ بیگم بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ حجاب بھی ان کے شانوں پر ہاتھ رکھے آنسو بہا رہی تھی

"بھائی۔۔دیکھنا آپی کو کچھ نہیں ہو گا۔۔"انمول نے آگے بڑھ کر حوصلہ دیا مگر حوصلہ تھا کہ ٹوٹتا جا رہا تھا۔ہر گزرتا لمحہ پہلے سے کہیں زیادہ تکلیف دہ تھا

"ڈاکٹر۔۔اب وجیہہ کیسی ہے؟" جیسے ہی ڈاکٹر چیک اپ کے بعد باہر نکلی تو ضرغام نے لپک کر پوچھا

"دیکھیے۔۔ابھی تو کچھ بھی کہنا مشکل ہے۔خون کافی بہہ چکا ہے۔جس کی وجہ سے ماں اور دونوں بچوں کی جان مشکل میں ہے۔۔ہم دونوں کو نہیں بچا سکتے۔۔۔ آپ فارم فِل کر دیں۔۔سوری۔۔" یہ کہہ کر وہ چلی گئی مگر جیسے ایک پہاڑ توڑ گئی۔

"ماں اور دونوں بچوں کی جان مشکل میں ہے۔۔" یہ

جملہ تو جیسے ہوا میں ورد کر رہا تھا۔ دو بچوں کی خوشخبری بھی اس وقت کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔

"ابو۔۔سنا آپ نے۔۔" وہ روتے ہوئے ایک بار پھر علی عظمت کے گلے لگ گیا۔ وقت ہنستا ہوا دیکھائی دے رہا تھا اور کسی بھی لمحے زندگی کی ڈوری کو چھین کر اندھیرا کرنے کو تیار تھا۔

"تو پھر آپ بتا دیں۔۔۔ کس کو زندگی کو بچانے کی ہم زیادہ کوشش کریں۔" یہ سوال زیادہ مشکل نہیں تھا اور نہ ہی اس کا جواب۔

"کچھ بھی کریں مگر میری وجیہہ کو بچالیں۔۔"ضرغام نے تڑپتے ہوئے کہا تھا۔ ڈاکٹر اندر چلی گئی۔ وقت سنیل کر رفتار سے چلتا رہا۔ چار گھنٹے چار صدیوں کی مانند ثابت ہوئے تھے کہ ریڈ لائیٹ آف ہوئی۔ سب دروازے کی طرف لپکے۔ دروازہ کھلتے ہی بچوں کے رونے کی آواز کانوں میں گونجنے لگی۔ حجاب کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے۔ انمول نے بھی امید کی نگاہ سے رضیہ بیگم کی طرف دیکھا تھا مگر ضرغام اس کی نظریں تو بس وجیہہ کی متلاشی تھیں

"ڈاکٹر۔۔۔اب وجیہہ کیسی ہیں؟"اس کی بات پر وہ خاموش رہی

"میں نے پوچھا وجیہہ کیسی ہے؟" وہ چلایا تھا مگر خاموشی اب بھی برقرار تھی۔ ایک نرس دو بچوں کو لے کر باہر آئی۔ انمول نے آگے بڑھ کر انہیں پیار کیا

"آئی ایم سوری۔۔"اس نے تو بڑے آرام سے کہہ دیا مگر یہ سن کر اس کے سر پر جو بجلی گری تھی۔ وہ صرف وہ جانتا تھا یا پھر اس کا خدا۔ پاؤں تلے سے زمین سرک گئی۔ سانسیں اٹک کر رہ گئیں۔ دل کی دھڑکن بھی جیسے جواب دے گئی۔ صرف مٹی کا بت تھا جو سب کے سامنے کھڑا تھا لیکن روح تو جیسے نکل ہی چکی تھی

"ہم نے پوری کوشش کی مگر۔۔۔۔" آنکھوں سے یکے بعد دیگرے آنسو بہتے گئے

"خون کے بہت زیادہ بہنے کی وجہ سے وہ کومے میں چلی گئیں۔۔" یہ کہہ کر وہ تو چلی گئی مگر اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ زندگی کی اتنی بڑی خوشی میں بھی ایک تاسف چھایا ہوا تھا۔ جسے نہ وہ

قبول کر سکتا تھا اور نہ ہی جھٹلا سکتا تھا۔ کچھ دیر میں اس کی آنکھوں کے سامنے سے وجیہہ کو عام وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا مگر وہ بت بنا کھڑا رہا۔ معمولی سی جنبش بھی اس کے جسم میں نہ ہوئی۔ علی عظمت آگے بڑھے مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ پتا نہیں کتنی دیر تک وہ زندہ لاش بنا رہا۔ تب حجاب اس کے پاس بچوں کو لائی۔ بچوں کے رونے کی آواز اس کو خیالوں کی دنیا سے نکال لائی۔ غیر یقینی طور پر اس نے دونوں بچوں کو دیکھا

''بھائی۔۔۔ یہ آپ کی امانت۔۔'' اس نے دونوں بچے ضرغام کی گود میں دے دیئے۔ ہو بہو وجیہہ کے سانچے میں ڈھلے ہوئے۔ وہی نورانیت چہرے سے چھلکتی ہوئی۔ رنگ و حسن اگرچہ ان دونوں کا ضرغام پر تھا مگر دل سے اُس کے یہی دعا نکل رہی تھی کہ کردار میں اس جیسے نہ بنیں۔ کردار و صفات میں اپنی ماں جیسے ہوں۔ اس نے روتے ہوئے دونوں بچوں کو اپنے چہرے کے بالکل قریب کیا۔ جنت کی سی خوشبو اس کو محسوس ہو رہی تھی۔ لبوں کو بچوں کی پیشانی پر رکھا تو جیسے کسی جنت کے پھل کو بوسہ دیا ہو۔ آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرتے جا رہے تھے۔

''میری فاطمہ ایمان۔۔'' بچی کو دیکھتے ہی اس نے کہا تھا۔

''میرا عثمان۔۔۔'' اگلے ہی لمحے اس نے بچے کی طرف دیکھا اور نام تجویز کیا۔ سب نے ایک یاس و حسرت کے ساتھ اسے دیکھا تھا

''تم جانتی ہو ماجدہ۔۔ وہ دن ہے اور آج کا دن۔۔ روزانہ ضرغام وجیہہ سے ملنے آتا ہے۔ گھنٹوں اس کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتا ہے۔ بچوں کی شرارتوں کا ذکر کرتا ہے۔۔'' اپنے آنسو پونچھتے ہوئے مزید کہا

''تم جانتی ہو۔۔۔ یہ میں نے پہلا کیس دیکھا ہے جس میں ایک محبت کرنے والے شوہر نے اپنی بیوی کے جانے کے بعد بھی بچوں کا حق ادا کیا ہے ورنہ میں نے کئی کیسز دیکھے ہیں جن میں اگر بیوی چلی گئی تو باپ بچوں کو پوچھتا بھی نہیں بلکہ بعض اوقات تو اس بچے سے نفرت کرتا ہے کہ اس کی وجہ سے اس کی بیوی اس سے دور ہوئی۔ لیکن ضرغام نے ایسا نہیں کیا۔ اس

نے کبھی اپنے بچوں کو وجیہہ کی اس حالت کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا بلکہ ان کو ہمیشہ محبت دی اور وجیہہ کی کمی کبھی محسوس نہیں ہونے دی۔۔ ایسے باپ اور ایسے شوہر قسمت والوں کو ہی ملتے ہیں'' سرد آہ بھرتے ہوئے کہا

* * * *

وجیہہ کے کومے میں جانے کے بعد ضرغام نے بچوں کی پرورش خود اپنے ذمے لی مگر اکیلے رہتے ہوئے اسے کافی مشکلات کا سامنا ہوا۔ رضیہ بیگم اور علی عظمت اسے بار بار کہتے رہے کہ وہ بھی ان کے ساتھ آ کر رہے مگر وہ نہ مانا اور یہی کہتا رہا

''ایک داماد اپنے سسرال آ کر رہے۔ اچھی بات نہیں ہے اور میں ابھی اس قابل ہوں کہ بچوں کی پرورش کر سکتا ہوں۔ میں آپ کے خلوص پر شک نہیں کر رہا ہے لیکن بچوں کو سنبھالنا، ان کی تربیت کرنا میری ذمہ داری ہے۔ میں ان ذمہ داریوں سے منہ نہیں موڑ سکتا۔ کل جب وجیہہ واپس آئے گی تو کیا کہے گی؟ کہ میں نے اپنے بچوں کو بھی اپنے دور کر دیا۔ ان کو ماں کا پیار تو نہ مل سکا، مگر باپ کے پیار سے کیوں محروم رکھا؟'' اس سب باتوں کے باوجود انہوں سے اصرار جاری رکھا۔ اس کے ساتھ ساتھ انمول اور حجاب بھی بضد ہو گئے

''آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہی ہو گا۔۔ اگر آپ مجھے اپنا چھوٹا بھائی مانتے ہیں ناں تو چلئے میرے ساتھ۔۔ اپنے بھائی کے گھر۔۔'' ان کے خلوص کا وہ اب مزید امتحان نہیں لے سکتا تھا۔ اس لئے ان کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گیا مگر کبھی ان پر بوجھ نہیں بنا۔ اپنے بچوں سمیت وہاں ضرور رہا مگر ان کی ضروریات خود پوری کیں لیکن پرانی زندگی میں بھی کبھی قدم نہیں رکھا۔ خدا نے جو خوبصورت چہرہ دیا تھا ،اس پر سنت نبوی سجالی۔ جس شیریں آواز پر سب فدا تھے۔ اسی زبان سے نعت نبی ﷺ پڑھنے لگا۔ ایک بار شب معراج ﷺ کے موقع پر اس نے مسجد میں نعت پڑھی تو سامعین پر ایسی وجد طاری ہوا کہ آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ اگلے ہی دن پورے محلے میں ضرغام کی آواز کا چرچا ہو گیا۔ چلتے چلتے بات

ٹی وی تک جا پہنچی۔ جو عزت پہلے ملیا میٹ ہو چکی تھی۔
خدا نے نعت نبی ﷺ کے صدقے ایسا عروج عطا
فرمایا کہ لوگ پہلے سے بھی زیادہ اسے پسند کرنے
لگے۔ ٹی وی اس کی آواز میں نعتیں نشر ہونے لگیں۔
خاص نشریات میں اس کو بطور خاص نعت رسول
مقبول ﷺ کے لئے مدعو کیا جاتا اور وہ بھی دل سے
بارگاہ رسالت ﷺ میں محبت کے پھول نچھاور کرتا

* * * * *

”آپ آ گئے۔۔ بھائی جان۔۔“ ضرغام گھر میں
داخل ہوا تو حجاب نے کہا تھا
”نہیں۔۔ ابھی راستے میں ہوں۔۔“ مسکراتے ہوئے
جواب دیا
”اچھا مجھے تو آپ یہاں نظر آرہے ہیں۔۔“ انمول
بھی کہاں پیچھے رہتا
”لگتا ہے جسم پہلے آ گیا مگر روح کہیں اور رہ
گئی۔۔“ اس کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔ جسے
انمول فوراً سمجھ گیا
”چلیں کوئی بات نہیں روح بھی آتی ہو گی۔۔ میں اس
طرح کرتا ہوں دروازے کھول دیتا ہوں تاکہ جب
آئے تو سیدہ اندر چلی آئے دروازہ کھٹکھٹانے کی
ضرورت ہی نہ ہو۔۔“ انمول کی بات سن کر اس کے
چہرے پر کسک ابھر آئی
”ابو ابو۔۔ امی نہیں آئی آپ کے ساتھ؟“ فاطمہ
ایمان دوڑتے ہوئے ضرغام کے پاس آئی اور آتے ہی
اس کے ساتھ لپٹ گئی
”ابو۔۔ امی کہاں ہیں؟“ عثمان بھی اس کے پیچھے پیچھے
آیا تھا۔ دونوں کے سوالوں نے سب کے چہرے
اداس کر دیئے۔ ضرغام گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا
”میری۔۔ امی بہت جلد آئیں گی۔۔“ پیار سے دونوں
کے چہروں پر ہاتھ پھیرا
”یہ آپ ہمیشہ کہتے ہیں۔۔ لیکن امی نہیں آتیں۔۔
آپ جھوٹ بولتے ہیں۔۔ جھوٹ بولتے
ہیں۔۔“ معصومانہ انداز میں منہ بناتے ہوئے فاطمہ
ایمان نے ہاتھ مارے اور پھر روتی ہوئی واپس چلی گئی
”فاطمہ ایمان۔۔“ ضرغام نے روکنے کی کوشش کی
مگر وہ نہ رکی۔ اتنے میں عثمان بھی منہ بنا کر واپس چلا

گیا

''عثمان۔۔'' ایک بار پھر وہ ہاتھ بڑھا کر رہ گیا

''میں دیکھتی ہیں۔۔ حجاب جانے لگی تو ضرغام نے منع کر دیا

''نہیں۔۔۔ اُن کا غصہ جائز ہے۔ یہ مجھ سے خفا ہیں ناں۔۔ میں ہی ان کو مناؤں گا۔۔'' یہ کہہ کر وہ ان کے کمرے میں چلا گیا۔ دونوں اوندھے منہ لیٹے رو رہے تھے

''آپ دونوں پیٹ کے بل لیٹے ہوئے ہیں۔۔ آپ کو بتایا ہے ناں پیٹ کے بل لیٹنا اچھی بات نہیں ہوتی۔۔ چلو شاباش جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔۔'' بیڈ پر بیٹھ کر فاطمہ کا دائیں بازو پکڑ کر سر اپنے دائیں ران پر اور عثمان کا سر بائیں ران پر رکھا

''ہمیں آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔۔ آپ نے ہم سے جھوٹ بولا۔۔'' فاطمہ ایمان نے گلوگیر لہجے میں کہا تھا

''نہیں میری پیاری بیٹی میں نے آپ سے جھوٹ نہیں بولا۔۔ دیکھ لینا ایک دن آپ کی امی ضرور آئیں گی۔۔ انہیں آنا ہو گا۔۔ آپ کی خاطر عثمان کی خاطر۔۔ میری خاطر۔۔۔ انہیں آنا ہو گا۔۔'' ضرغام کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے

''اے خدا! تُو تو جانتا ہے میرے دل کی حالت۔۔ میرے جذبات سے بھی تُو واقف ہے۔ میرے حال سے بھی میرے ماضی سے بھی۔ اے خدا! آٹھ سال میں نے ہمیشہ تجھ سے بس ایک ہی دعا کی ہے کہ وجیہہ ٹھیک ہو جائے کیونکہ مجھے اسے کی ضرورت تھی مگر آج اے خدا میں یہ دعا کرتا ہوں کہ وجیہہ ٹھیک ہو جائے۔ اس لئے نہیں کہ مجھے اس کی ضرورت ہے بلکہ اس لئے کہ میرے بچوں کو اس کی ضرورت ہے۔ اے خدا! میں نے آٹھ سال انتظار کیا، میں اس پر شکوہ نہیں کرتا مگر میرے بچے۔۔ وہ ایک ماں سے جدائی برداشت کیسے کریں گے؟ آج کی جدائی کل کی کرواہٹ نہ بن جائے۔۔۔ اے خدا! میرے بچوں کو کسی امتحان سے مت گزارنا۔۔ اے خدا! تو چاہے ساری زندگی میرا امتحان لے لے مگر میرے بچوں کو اس امتحان سے مت

گزارنا۔ اس امتحان کی شدت بہت گہری ہوتی ہے۔

بہت کٹھن ہوتا ہے یہ امتحان۔ وہ نہیں گزر سکیں گے

اس امتحان سے۔۔ پلزمیرے اللہ تجھے اپنے محبوب کا

واسطہ !وجیہہ کو ٹھیک کر دے۔ میرے بچوں کے

لئے۔۔" آنکھوں سے اشک جاری تھے۔ دل دعا میں

مصروف تھا۔ بچوں نے پلٹ کر ضرغام کی طرف دیکھا

تو چہرہ آنسوؤں سے تر پایا، دونو بچے گھبرا گئے۔ فاطمہ

ایمان جلدی سے کھڑی ہوئی

"ابو۔۔ مجھے معاف کر دیں۔۔ آئندہ پھر کبھی آپ

سے ایسے بات نہیں کرونگی مگر آپ پلز مت

روئیں۔۔" اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے ضرغام کے

چہرے سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا

"ہاں ابو۔۔ آئی ایم سوری۔۔ اب آپ مت

روئیں۔۔" دونوں بچے ضرغام کے گلے لگ

گئے۔ آنسوؤں کی روانی میں مزید اضافہ

ہو گیا۔ دعاؤں کی قبولیت کا بھی وقت ہوتا ہے۔ شاید یہ

وقت بھی قبولیت کا تھا۔ ابھی وہ دونوں کو اپنے سینے

سے ہی لگائے ہوئے تھا کہ ہسپتال سے ڈاکٹر ساجدہ کا

فون آیا۔

"آپ جلدی سے ہسپتال آجائیں۔۔ اور بچوں کو بھی

لازمی لائیے۔۔ پلز جتنا جلدی ہو سکیں اتنا جلدی

آجائیں۔۔۔" وہ گھبرا گیا۔ فون رکھتے ہوئے دونوں

بچوں کو گود میں لیا اور باہر آ گیا

"ہم کہاں جا رہے ہیں ابو۔۔۔؟" دونوں سوال

کرتے رہے مگر وہ سننے سے قاصر تھا

"بیٹا! کہاں جا رہے ہو؟" علی عظمت نے پوچھا مگر آواز

اسکے کانوں تک نہ پہنچ سکی۔ صرف ایک آواز گونجتی

رہی کہ آپ جلدی سے ہسپتال آجائیں۔

"میں دیکھتا ہوں۔۔" سب کی پریشانی کو دیکھ کر

انمول نے کہا اور ضرغام کے پیچھے چل دیا

"خدا خیریت رکھے۔۔" رضیہ بیگم نے دعا کی

"وجیہہ تو ٹھیک ہے ناں۔۔ کچھ ہوا تو نہیں

اسے۔۔؟" ہسپتال پہنچتے ہی ضرغام نے ہکلاتے

ہوئے پوچھا تھا۔ دونوں بچے اب بھی اس کی گود میں

تھے۔

"آپ خود جا کر دیکھ لیں۔۔۔" ضرغام کو وارڈ میں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

جانے دیا۔ وہ بھی آناً فاناً کمرے میں داخل ہوا۔ اندر داخل ہوتے ہی جیسے اس کے قدم ساکت ہو گئے۔ بازو کھلنے لگے اور بچوں کو نیچے اتار دیا۔ وہ یک ٹک سامنے دیکھتا جا رہا تھا۔ وقت کے پنے جیسے سمٹتے ہوئے محسوس ہوئے۔ فضاؤں کا رخ جیسے اس کی طرف مڑ گیا۔ آنکھیں ایک لمحے میں ہی آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ دروازہ کھلا اور ڈاکٹر ساجدہ اندر آئیں

"اسے خدا کا کرشمہ ہی سمجھیے۔۔۔ جہاں کل تک کوئی امید ہی نہیں تھی آج دیکھیں کیسے اللہ تعالی نے آپ کی اور بچوں کی دعا کو سن لیا۔ میں باقی کا چیک اپ کرنے آئی ہی تھی کہ انہیں ہوش آ گیا۔۔" ڈاکٹر کہتی جا رہی تھی مگر وہ سننے سے قاصر تھا۔ اس کی چمکتی آنکھیں بس وجیہہ کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔ جو آٹھ سال بعد اپنی آنکھیں کھولنے میں کامیاب ہوئی۔ کب ڈاکٹر نے اپنی باتیں ختم کیں اور کب وارڈ سے باہر گئیں۔ اسے علم تک نہ ہوا۔ وہ خراماں خراماں آگے بڑھتا گیا۔

"امی۔۔۔ امی۔۔" دونوں بچے دوڑ کر وجیہہ کے پاس چلے گئے۔ فاطمہ سٹول کے سہارے سے اوپر چڑھی اور وجیہہ کے سینے سے جا لگی۔ وجیہہ نے استفہامیہ انداز میں ضرغام کی طرف دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وجیہہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے فاطمہ ایمان کو اپنے گلے لگا لیا۔ عثمان بھی اوپر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر اس سے چڑھا نہ گیا تو وجیہہ نے اسے بھی اپنے سینے سے لگا لیا۔

"میرے بچے۔۔۔" آنسو آنکھوں سے جاری تھے۔ بچوں کی پیشانی کو چوم چوم کر وہ اپنی ممتا کو ٹھنڈک پہنچا رہی تھی۔

"یہ ہماری فاطمہ ایمان ہے اور یہ ہمارا عثمان۔۔۔" پاس آ کر اس نے دونوں بچے کے نام بتائے۔ آنکھوں سے اشک ابھی بھی جاری تھے

"فاطمہ ایمان۔۔۔ عثمان۔۔۔" دونوں کے سروں پر ایک بار پھر ہاتھ پھیر کر پیار کیا۔ ایک بار پھر دروازہ کھلا۔ اس بار انمول داخل ہوا تھا۔ وجیہہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے

"آپی!" آگے بڑھ کر وجیہہ کے سر پر شفقت

بھرا ہاتھ پھیرا اور دونوں بچوں کو گود میں لیا

"چلو بچوں۔۔۔اب گھر چلتے ہیں۔۔"

"نہیں۔۔ ہم نے امی کے پاس رہنا ہے" عثمان نے انکار کر دیا

"امی کو گھر لے کر نہیں جانا کیا؟" انمول نے استفہامیہ انداز میں کہا

"کیا؟امی گھر جائیں گی۔۔۔" فاطمہ نے اچھل کر پوچھا تھا

"جی بالکل۔۔۔اب آپ نے گھر جا کر امی اور ابو کے گھر آنے کی تیاریاں نہیں کرنی؟" دونوں اچھل کر انمول کی گود میں آ گئے۔

"اب آپ جلدی سے گھر آ جائیں۔۔ میں گھر جا کر سب کو بتاتا ہوں۔ دیکھنا سب بہت خوش ہونگے۔۔" یہ کہہ کر وہ دونوں بچوں کو گود میں لے کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد وجیہہ نے ضرغام پر نظر دوڑائی۔ وہی آنکھیں، مگر رعنائی پہلے سے زیادہ۔ وہی حسن مگر نورانیت پہلے سے کہیں زیادہ، وہ رنگت مگر چہرے پر سنت نبوی ﷺ سجی ہوئی۔ آنکھوں سے خود بخود آنسو بہنے لگ گئے

"نہیں۔۔اب نہیں۔۔۔" اپنے ہاتھ آگے بڑھا کر اس نے وجیہہ کے چہرے سے آنسو صاف کئے تھے۔ احساس بھی وہی تھا مگر محبت پہلے سے کہیں زیادہ تھی

"اب ایک لفظ بھی نہیں۔۔۔جو ہوا بیت گیا۔ اب ماضی کی ایک جھلک بھی ہمارے حال پر اثر انداز نہیں ہو گی۔" پیار سے وجیہہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہوئے کہا تھا۔ اس نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا

* * * *

"السلام علیکم۔۔۔" سب دروازے پر کھڑے دونوں کا انتظار کر رہے تھے۔ سب کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔ انتظار کی لذت اس خوشی کو مزید بھڑکا رہی تھی۔ تبھی دروازے سے وجیہہ کی آواز آئی۔

"وعلیکم السلام۔۔" آٹھ سال بعد وجیہہ کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر سب آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ رضیہ بیگم نے اسے گلے لگا لیا۔ علی عظمت نے

بھی سر پر ہاتھ پھیرا۔ حجاب بھی اپنی خوشی کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکی۔ سبکے چہرے آٹھ سال بعد ایسے دمک رہے تھے۔ بچے بھی خوش دیکھائی دے رہے تھے

"اسد۔۔اب تو میری بھی امی آ گئیں۔۔۔" عثمان نے اسد سے کہا تھا

"اب وہ کیا ہمیشہ تیرے ساتھ رہیں گی؟" اس نے پوچھا تھا

"ہاں۔۔اب ہماری امی بھی تیری ممی کی طرح ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں گی۔۔اب کبھی نہیں جائیں گے ہمیں چھوڑ کر۔۔۔" فاطمہ ایمان نے کہا تھا۔ بچوں کی باتوں پر سب کے چہرے پر ایک مسکراہٹ چھا گئی

"ادھر آؤ بچو۔۔" وجیہہ نے گھٹنے کے بل بیٹھتے ہوئے کہا تھا

"آپ نے مجھے یاد کیا تھا؟"

'بہت زیادہ۔۔" فاطمہ ایمان اور عثمان نے دونوں بازو پھیلا کر جواب دیا۔ وجیہہ نے ہنستے ہوئے اس کے گلے لگا لیا

* * * *

سب سوچ چکے تھے۔ اتنے سالوں بعد انہیں تنہائی کا موقع ملا تھا مگر جب وجود میں تبدیلی عادت آتی تو انسان کی عادتیں بھی بدل جاتی ہیں۔ پہلے ہر لمحے کو اپنے طریقے سے منانے والا ضرغام، آج اس لمحے کو اسلام کے طریقے سے منانا چاہتا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی پہلے دو نفل شکرانے کے ادا کیے۔ اللہ کے حضور سجدے کیے۔ اس کے آگے اپنی عاجزی و انکساری ظاہر کی۔ وجیہہ صوفے پر بیٹھی اس کو بس دیکھتی گئی۔ کل کے غرغام اور آج کے ضرغام کو پرکھنے لگی

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" نماز مکمل کرنے کے بعد وہ اس کے پاس آیا تھا

"دیکھ رہی ہوں آپ کتنا بدل گئے ہیں؟"

"اس کی وجہ صرف تم ہو۔۔نہ تم میری زندگی میں آتی نہ میں بدلتا۔۔"معنی خیز لہجے میں کہا اور اس کے پاس بیٹھ گیا

"اچھا۔۔اس کا مطلب آپ اکتا گئے مجھ سے۔۔۔"

"نہیں۔۔اکتایا نہیں بس تھک چکا ہوں۔۔آٹھ سال

کے انتظار سے۔۔" اپنا بازو وجیہہ کے گرد حمائل کیا

"اپنی ذات کو دیکھنے کے لئے۔۔ اپنے آپ کو محسوس

کرنے کے لئے۔ اپنے دل کی باتیں کرنے کے لئے

۔۔" اس نے سرد آہ بھری تھی

"دیکھنا اب کوئی دوری نہیں ہو گی۔۔ صرف نزدیکیاں

ہونگی۔۔" وجیہہ نے کہا تھا

"انشاءاللہ۔۔۔" پیار سے اس کے بالوں کو بوسہ دیا پھر

یکدم پلٹا

"ویسے تمہیں ایک بات بتاؤں۔۔ ان آٹھ سالوں

میں میں کہاں سے کہاں پہنچ چکا ہوں۔۔"

"کہاں تک؟"

"ابھی دیکھاتا ہوں۔۔۔" اٹھ کر الماری کی طرف

بڑھا اور چار پانچ سی ڈی نکال کر لایا اور وجیہہ کے

ہاتھوں میں تھما دی۔۔ وہ انہیں دیکھ کر خوشی سے

پھول اٹھی

"یہ سچ ہے؟" اس نے تصدیق کرنا چاہی تھی

"جی بالکل۔۔۔ آپ کے سامنے اب ملک نے نامور

نعت خوان تشریف فرماں ہیں۔۔" مودب لہجے میں

کہا تھا

"ماشاءاللہ۔۔ پھر تو ہم بھی سنیں گے آپ کی کہی گئی

نعتیں۔۔" پیار سے ضرغام کے ناک کو پکڑا تھا

"کہیں تو ابھی سنائیں۔۔" جھٹ نعت پڑھنے کو تیار

ہو گیا

"نہیں۔۔ ضرغام ابھی نہیں۔۔ ابھی سب سو رہے

ہیں۔۔ گھر جا کر۔۔" وجیہہ نے کہا تھا

"بالکل۔۔۔ میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اب ہمیں گھر

چلے جانا چاہیئے۔۔"

"ہم کل ہی جائیں گے اپنے گھر میں۔۔" وجیہہ نے

اثبات میں سر ہلایا

* * * * *

"اور کتنی دیر لگاؤ گی۔۔"

"بس پانچ منٹ اور پلز۔۔"

"ٹھیک ہے۔۔ صرف پانچ منٹ۔۔ اوکے۔۔" یہ

کہہ کر اس نے فون ڈسکنیکٹ کر دیا۔ اور لان میں ٹہلتے

ہوئے مریضوں کو دیکھنے لگا۔ انمول اور حجاب البرق

سائیکو ہسپتال آئے تھے۔ حجاب کی ایک دوست پانچ

سال بعد لاہور میں ایک دن کے لئے آئی تھی۔ کام کی بھر مار کی وجہ سے اس نے حجاب کو ہی ملنے ہسپتال بلا لیا۔ لیکن انمول دو دوستوں کے درمیان کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہتا تھا اس لئے باہر لان میں ہی رک کر ٹہلنے لگا مگر ایک گھنٹہ سے وہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ مگر وہ آرام سے خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ پہلے ایک طرف چہل قدمی کرتا رہا پھر آہستہ آہستہ وہ لان کے عقبی حصہ میں گیا۔ پہلے پہل تو اِدھر اُدھر دیکھتا رہا مگر پھر نظر ایک وجود پر جا کر ٹھہر گئی۔ وہ اس کو پہنچان نہیں پا رہا تھا۔ وہ تھوڑا اور قریب ہوا۔ چہرہ مزید واضح ہوا مگر اب بھی ناقابل شناخت تھا۔ وہ قدم بڑھاتا رہا اور اس کے قریب ہوتا گیا۔ وہ وجود بھی اسی کو تکنے گا اور آنسو بہاتا گیا

''عندلیب۔۔'' پاس جا کر دیکھا تو یہ دیکھ کر آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی کہ وہ عندلیب تھی۔ آنکھیں مرجھا گئی تھیں۔ چہرہ جھلس چکا تھا۔ وہی حالت جو نو سال پہلے اس کی تھی۔ آج وہ عندلیب کی صورت میں اپنے آپ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ انمول کو دیکھے آنسو بہاتی جا رہی تھی۔

''عندلیب۔۔۔'' وہ کچھ پاس ہوا تو ایک نرس اس کے پاس آئی

''سوری یہ سن نہیں سکتی۔۔۔ اور نہ ہی کچھ بول سکتی ہیں۔۔'' نرس نے بے مروجہ لہجے میں کہا تھا۔

آنکھوں میں خود بخود آنسو آ گئے۔ جن کے دل صاف ہوتے ہیں وہ اکثر دشمنوں کی حالت پر بھی رحم کھا لیتے ہیں۔ اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ اس کا دل بھی پگھلنے لگا تھا

''اور یہ چہرہ۔۔۔!!'' اس نے استفہامیہ انداز میں کہا تھا

''تیزاب کی وجہ سے۔۔۔ ''!!

''تیزاب؟'' وہ یک ٹک اسے دیکھتا رہ گیا

''جی ہاں تیزاب۔۔ ان کے شوہر نے ان پر تیزاب پھینکا تھا۔ جن کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہوئی ہے۔۔ اب نہ تو یہ کچھ بول سکتی ہیں اور نہ کچھ سن سکتی ہیں۔۔ بس بیٹھی چیزوں کو دیکھتی رہتی ہیں۔۔۔'' یہ سن کر وہ یک ٹک بس عندلیب کو دیکھتا رہ گیا۔ کل تک حسین

نظر آنے والی لڑکی آج اپنا بھی چہرہ آئینے میں دیکھنے
سے گھبراتی ہو گی۔ اس نے حوصلے کے لئے ہاتھ بڑھانا
چاہا مگر بڑھا نہ سکا اور پیچھے مڑ گیا
"آپ انمول ہیں؟" نرس کے منہ سے اپنا نام سن کر
وہ چونکا تھا اور جھٹ پلٹ کر اثبات میں سر ہلا دیا
"آپ کے لئے انہوں نے کچھ لکھا تھا۔۔۔رکیے
ذرا۔۔" وہ اپنی پاکٹ ٹٹولنے لگی۔ آخر اسے وہ چٹھی
مل ہی گئی
"دیکھیے۔۔انہوں نے جیسا کاٹا ویسا ہی بویا۔۔کل
انہوں نے آپ کے ساتھ برا کیا تھا۔ آج وقت نے ان
کے ساتھ ایسا سلوک کیا۔" اس نے چٹھی دیتے ہوئے
کہا تھا
"پیارے انمول!
مجھے معلوم ہے تم ایک نا ایک دن لوٹ کر ضرور آؤ
گے لیکن شاید تب تک بہت دیر ہو چکی ہو گی۔ میں
تمہاری زندگی تو کیا تمہارے وہم و گمان سے بھی نکل
چکی ہونگی لیکن پھر بھی ایک آس ہے کہ تم لوٹ کر آؤ
تا کہ میں اپنے کئے کی معافی مانگ سکوں۔ انمول،
میری حالت تو تم دیکھ ہی رہے ہو۔ اس پر ذرا بھی ترس
مت کھانا۔۔ میں اسی کی حق دار تھی۔ انسان جو بوتا
ہے وہی کاٹتا ہے۔ جو میں نے کل تمہارے ساتھ کیا
تھا۔ آج وہی میرے ساتھ ہوا۔ ہاں انمول۔۔ اس دن
واش روم میں تمہارا تیزاب میں جھلس جانا ایک حادثہ
نہیں تھا۔ وہ سب ایک سوچی سمجھی چال تھی اور وہ
چال میں نے چلی تھی۔ تم جانتے ہو میں نے ایسا کیوں
کیا؟ میں نے یہ سب فہیم کے لئے کیا تھا۔ میں ہمیشہ
سے حسن پرست رہی ہوں۔ ہمیشہ حسن کو اپنے
قدموں میں جھکانا چاہا۔ تم سے شادی کے لئے جلدی
بھی اس لئے کی کہ کہیں تمہیں کوئی مجھ سے چرا نہ لے
جائے۔ اور دیکھو تمہیں سینتے کے باوجود حجاب تمہیں
چرا لے گئی۔ جس کا مجھے بہت افسوس تھا لیکن تم جانتے
ہو یہ افسوس زیادہ دن تک قائم نہیں رہا۔ جب میں
نے فہیم کی واپسی کا سنا تو دوبارہ میرا دل اس کی طرف
مائل ہو گیا۔ میں نے دوبارہ اس کے پاس جانا چاہا۔ وہ
اس لئے کہ وہ تم سے زیادہ خوبرو اور جاذب نظر
تھا۔ مگر تمہارے ہوتے ہوئے میں ایسا نہیں کر سکتی

تھی۔ اس لئے تمہیں راستے سے ہٹانے کا پر گرام بنایا
اور واش روم میں اچھی طرح تیزاب بکھیر دیا اور
پھر اس طرح سے وہاں بوتل رکھی کہ تمہارے قدم
رکھتے ہی وہ تمہارے چہرے پر آ گرے اور پھر ویسا ہی
ہوا۔ تم بری طرح جھلس گئے۔ اس طرح مجھے تمہیں
چھوڑنے کا موقع مل گیا اور میں فہیم کے پاس آ گئی
لیکن جو بویا تھا وہ کاٹنا بھی تھا۔ فہیم بھی میری طرح
حسن پرست نکلا۔ جب مجھ سے حسین لڑکی اس کی
زندگی میں آئی تو اس نے بھی مجھے اسی طرح اپنی
زندگی سے نکال دیا جیسے میں نے تمہیں نکالا تھا۔ لیکن
تم جانتے ہو تمہیں سنبھالنے والے تمہارے اپنے
تھے، جن کی بدولت تم جلد ہی صحت یاب ہو گئے مگر
مجھے سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا۔ ہر گزرتے دن کے
ساتھ میری حالت بدتر ہوتی گئی۔ اور آج میں کچھ سننے
اور بولنے سے بھی قاصر ہوں۔ شاید اسی کے لائق
تھی میں۔۔۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا تا کہ دنیا کی
زندگی تو میری اجیرن ہو ہی چکی ہے۔ آخرت کی
منزلیں تو آسان ہو جائیں۔۔

عندلیب"

خط پڑھتے پڑھتے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری
تھے۔

"انمول۔۔" پیچھے سے حجاب نے اس کے شانوں پر
ہاتھ رکھا تھا۔

"حجاب۔۔" اس نے وہ خط حجاب کو دے دیا۔ حجاب
نے اسے پڑھا اور انمول کے چہرے پر بہنے والے آنسو
ؤں کو صاف کیا

"چلو۔۔ اب چلتے ہیں۔۔" حجاب نے پیچھے مڑتے
ہوئے کہا تھا۔ انمول نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔ ان
کے پیچھے ہٹنے پر عندلیب کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے
لگ گئے مگر افسوس وہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی اور نہ
ہیا سے روک سکتی تھی

* * * *

"اچھا امی اب چلتے ہیں۔۔" سب سامان پیک کرنے
کے بعد وہ اب ٹی وی لاؤنج میں کھڑے تھے۔
"لیکن بیٹا! جانا ضروری ہے کیا" رضیہ بیگم کا دل چاہ رہا
تھا کہ وہ بس یہی پر رہیں مگر ایسا کب تک چلتا بیٹی نے

ایک نہ ایک دن تو جانا ہی ہوتا ہے۔

"امی۔۔ جانا ضروری ہے اور پھر آپ مجھے بیٹا کہہ رہی ہیں۔۔" جاتے جاتے بھی وہ آخری نصیحت کر رہی تھی

"اوہ۔۔ سوری۔۔ بیٹی۔۔!! اب خوش۔۔" پیار اس کے ماتھے پر اپنے لب نقش کیئے تھے

"جی بالکل۔۔۔ بیٹی۔۔ ہمیشہ بیٹی ہی ہوتی ہے۔ اس کو بیٹا بنانے کی غلطی نہیں کرنی چاہیئے ورنہ۔۔" اس سے پہلے وجیہہ اپنا جملہ مکمل کرتی رضیہ بیگم نے مداخلت کی

"ورنہ مجھے معلوم ہی تمہارے دادی سارے الفاظ، ساری نصیحتیں معلوم ہیں مجھے۔۔۔ بس اللہ تعالی تمہاری دادی کو کروٹ کروٹ راحت نصیب کرے۔۔"

"آمین۔۔" علی عظمت نے کہا تھا

"وہاں جا کر مجھے بھول تو نہیں جاؤ گے ناں تم دونوں۔۔" اسد بھی فاطمہ ایمان اور عثمان سے باتیں کر رہا تھا

"میں نہیں بھولوں گا۔۔ مگر تم بھول جاؤ گے۔۔" عثمان نے جواب دیا تھا

"تمہیں کس نے کہا کہ میں بھول جاؤں گا۔۔ میں تو تمہیں بہت یاد کروں گا۔۔" دونوں ہاتھوں کو کھول کر کہا تھا اور لفظ بہت پر بھی زور دیا تھا

"میں بھی ہمیشہ تمہیں یاد کروں گی۔۔۔" فاطمہ ایمان نے کہا تھا

"دیکھا۔۔ تمہارا بیٹا بھی تمہاری طرح ہی ہے۔۔" حجاب نے ایک بار پھر کہا تھا

"دیکھیں آپی! اب آپ اس کو جانے سے پہلے سمجھا کر جائیں ہر بار یہ اسد کو میرا بیٹا میرا بیٹا ہونے کا طعنہ دیتی ہے۔ اس کا بھی تو بیٹا ہے یہ" انمول نے مصنوعی غصے میں کہا تھا

"جب حرکتیں تمہارے جیسی ہونگی تو تمہارا بیٹا ہی کہوں گی ناں۔۔" ایک بار پھر حجاب نے پھلجڑی چھوڑی تھی

"دیکھیے آپی"!

"ٹھیک تو کہہ رہی ہے حجاب۔۔ بالکل تم پر گیا

ہے۔ کتنا خوبصورت ہے۔ بالکل تمہاری پر چھائی نظر آتی ہے اس میں۔ خدا اس کو بس نیک بنائے ۔ آمین" جھک کر اسد کو پیار کیا

"تم دونوں یاد تو رکھو گے ناں اپنے ماموں کو۔۔'' انمول بھی عثمان اور فاطمہ ایمان سے محو گفتگو تھا

"اور ساتھ میں اپنی ممانی کو بھی۔۔" حجاب نے بھی جھٹ کہا

"اچھا امی۔۔ اچھا ابو۔۔۔" ضرغام بھی آگے بڑھا اور دونوں سے دعا لی

"خدا ہمیشہ خوش رکھے تمہیں۔۔" علی عظمت نے دعا دی

"ہمیشہ خوش رہو مگر میں تو کہہ رہی تھی بھلا کیا ضرورت اتنی دور جانے کی۔۔ یہی رہتے جاتے۔۔ آنکھوں کے سامنے بھی رہتے۔۔"

"امی۔۔ اب جب بلاوا آیا ہے تو جانا تو پڑے گا ناں۔۔" ضرغام نے دونوں ہاتھوں سے ان کا چہرا تھاما تھا اور پیار سے اپنے لب ان کی پیشانی پر نقش کئے۔

اسے ایک پل کے لئے ایسا لگا جیسے وہ رضیہ بیگم کو نہیں بلکہ اپنی امی شگفتہ بی بی کو بوسہ دے رہا ہو۔

"اللہ ہمیشہ خوش رکھے۔۔" دعا میں بھی اسے شگفتہ بی بی کا احساس ہوا تھا۔ رشتے واقعی ایسے ہوتے ہیں اگر کوئی سمجھے تو۔۔۔

"اچھا چلیں۔۔۔ اب" وجیہہ نے دونوں بچوں کا ہاتھ تھام لیا۔ سب کا دل افسردہ تھا مگر روک بھی نہیں سکتے تھے آخر اللہ کے گھر سے بلاوا آیا تھا۔ سعودی عرب سے ایک انٹر نیشنل نعت اکیڈمی کی طرف سے ضرغام کو بمع اہل وعیال عمرے کی دعوت دی گئی تھی اور پھر عمرے کے بعد وہاں ہونے والے دیگر مجالس میں اسے نعت خواں کے طور اپنا کام سر انجام دینا تھا۔

وجیہہ اور ضرغام اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر وہ یہیں پاکستان رہے تو رضیہ بیگم اور علی عظمت کبھی ان کو علیحدہ نہیں رہنے دیں گے اور یہ اب کسی پر بوجھ بھی نہیں بننا چاہتے تھے۔ اس لئے یہ آفر قبول کر لی اور اپنا نیا جہاں آباد کرنے سے پہلے خدا کے گھر میں حاضری دینے کو بہتر جانا۔

"زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔۔۔" حجاب نے گلے لگتے ہوئے کہا تھا

"انشاء اللہ۔۔۔"ضرغام نے اثبات میں سر ہلایا

"اچھا پھر اب اجازت۔۔۔ اللہ حافظ۔۔۔"

* * * * *

ختم شُد

السلام علیکم!..

کیسی ہیں آپ نوشی صاحبہ..

وعلیکم اسلام .الحمدللہ میں ٹھیک.

آپ کی تعلیم کیا ہے؟

ایم اے اردو

اپنے متعلق بتائیں ...آپ کی فیملی...آپ کس مزاج کی ملکہ ہیں.؟

جی میرا تعلق کھاریاں کے ایک گاوں بدرمرجان سے ھے. فیملی میں ابو جی ہیں۔ گورنمنٹ آفسر تھے ریٹائرڈ ھو چکے ہیں۔ اماں جی ھاوس وائف ہیں.

ھم پانچ بہن بھائی ہیں.دو بھائی تین بہنیں..میرا نمبر پہلا ھے سب بڑی ھوں.

مزاج..پل میں تولہ پل میں ماشہ پایا ھے.. کبھی بہت زیادہ نرم مزاجی مجھ میں آ جاتی ھے اور کبھی اک دم بہت غصہ کہ لہجے میں چٹانوں سی سختی محسوس ہوتی ھے.. مگر یہ ھے کہ غصہ بلاوجہ نہیں آتا.مزاج میں بہت شدت پسندی ھے اور حد درجہ حساسیت جس سے میں کبھی کبھی خود بھی تنگ آ جاتی ھوں____.

صبح کا آغاز کیسے کرتی ہیں؟

صبح کا آغاز کوشش کرتی ھوں نماز اور تلاوت سے کروں.اس کے بعد سب کے لیے ناشتہ تیار کرنا ھوتا ھے اور پھر دن بھر کام کاج ساتھ لکھنا لکھانا.

آج کل آپ کی مصروفیات کیا ہیں؟

آجکل گھر کے کام کاج لکھنا .شاعری .کتاب پر کام.اور مختلف ڈائجسٹوں اور میگزینز میں شاعری کے شعبے کی انچارج ھوں تو بہت مصروفیت ھے ساتھ گھر کی بھی زمہ داریاں تو کہہ سکتے ہیں بہت بزی لائف ھے-

گھریلو کام کاج میں کیسی ہیں آپ؟

گھریلو کام کاج میں اللہ کا شکر ھے بہت سگھڑ ھوں .ہر کام .کوکنگ سب کر لیتی ھوں_

پہلی تحریر کب لکھی؟ اور شائع کب اور کس ماہنامے میں ہوئی؟

میری پہلی تحریر ماہنامہ دوشیزہ میں شائع ھوئی . اکتوبر 2013 کے شمارے میں---

آپ کی ما شاء اللہ کتاب مارکیٹ میں آ چکی ہے تو اس حوالے سے آپ کیا کہنا چاہیں گے؟

جی الحمدللہ میری کتاب" وجہ ھے محبت" مارکیٹ میں آ چکی ھے اور اب دوسری کتاب پر کام ھو رہا ھے جلد انشا اللہ وہ بھی منظر عام پر ھو گی.

آپ کے کیا احساسات تھے جب کتاب منظرعام آئی؟

جب کتاب آئی تھی تو ظاہر ھے بہت خوشی ھوئی تھی بہت ایکسائٹمنٹ تھی.

یہ میری اماں جی خواہش تھی انکا خواب تھا کہ میری کتاب آئے سو مجھ سے زیادہ وہ خوش تھیں_

"وجہ ہے محبت "نام کا انتخاب کیسے ہوا ....کسی سے رائے لی تھی یا کسی نظم کا عنوان؟

وجہ ھے محبت یہ نظم کا عنوان ھے اسی سے کتاب کا نام منتخب کیا تھا_

آپ کی سب سے زیادہ حوصلہ افزائی کس نے کی؟

اللہ کا شکر ھے میری سب نے ہی بہت حوصلہ افزائی کی .گھر میں سے بھی سب سے زیادہ اماں جی اور ابو جی کا تعاون ساتھ رہا اور پھر جب مختلف میگزینز ڈائجسٹوں میں میری شاعری شائع ھوتی رہی سراھا جاتا رہا اور کتاب آنے کے بعد بھی مختلف سئنر شاعرات کی طرف سے بھی پازیٹو ریسپانس ملا .تو بہت اچھا لگتا ھے-

کہتے ہیں تنقید لکھاری کی زندگی میں مثبت اثرات مرتب کرتی ہے؟ اس حوالے سے آپ کا کیا نظریہ ہے؟

جی بالکل ایسا ہی ھے تنقید برائے اصلاح ھو تو یقینا آپ میں مزید اچھے سے اچھا لکھنے کی صلاحیت پیدا ھوتی ھے اور اپنی کمی کوتاہیوں سے آگاہی ھو تو بندہ دوبارہ لکھتے ھوئے پھر ان سب باتوں خامیوں کی طرف دھیان رکھتا ھے تنقید ھونی چاھیے مگر تنقید برائے تنقید نہ ھو-

کیا آپ کو کبھی تنقید کا سامنا ہوا؟ آپ کا کیا ردعمل ہوتا جب کوئی آپ کی تحریر پر تنقید کرتا ہے؟

مجھے تنقید کا بہت کم سامنا ھوا ھمیشہ سراہا ہی گیا ھے الحمدللہ .اور اگر کبھی کسی نے تنقید کی بھی تو میں نے اسے اصلاحی پہلو میں ہی لیا کہ اس سے مجھ میں بہتر سے بہترین لکھنے کی لگن جاگی ھے-

کہتے ہیں شاعری سیکھی نہیں جاتی یہ پیدائشی صلاحیت ہوتی ہے؟ آپ کیا کہنا چاہیں گی اس بارے میں؟

بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ واقعی ایسا ہی ھے .شاعری سیکھی نہیں جاتی یہ تو گاڈ گفٹڈ چیز ھے.ھاں اس

میں آپ علم و عروض کے حوالے سے سیکھ سکتے ہیں تا کہ آپکی شاعری نکھر سکے۔

آپ کا وہ کونسا شعر جو آپ کی زبان پر رہتا ہے؟ اور آپ کا پسندیدہ بھی ہے؟

آپ کی پسندیدہ نظم یا غزل؟

شعر تو جب بھی کوئی نئی غزل ھوتی ھے تو اسی کے اشعار زبان پر رہتے ہیں سو شعر بدلتے رہتے ہیں کبھی کوئی کبھی کوئی . آجکل یہ شعر زبان پر ہیں

چہار جانب حصار کیا ھے

دکھائی دے ناں پکار کیا ھے

پسندیدہ نظمیں غزلیں یوں تو بہت ہیں پر ایک لکھنی ھے تو اس لیے یہ غزل اپنی مجھے پسند ھے.

غزل

یہ کس عذاب کا اب کے نزول ہے لوگو

تمام شہر ہی اپنا ملول ہے لوگو

اگر وہ دھوپ ہی میرا نصیب ٹھہری ہے

تو پھر یہ چھاوں کی خواہش فضول ہے لوگو

وفائیں بھیک میں لینا ہمیں گوارا نہیں

سو اس کا ہجر ہی ہم کو قبول ہے لوگو

میں چاھے جان سے جاوں یا پھر جہاں سے جاوں

اب اس کے واسطے سب کچھ قبول ہے لوگو

اٹا ہے یادوں کی پرچھائیوں سے ایسے یہ دل

کہ ہر سو بکھری ھوئی جیسے دھول ہے لوگو

اب اس کے سامنے پھیلائیں کیوں یہ دامن دل

ھمارا بھی کوئی آخر اصول ہے لوگو

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ آپ کو کیا ھے

وہ جس طرح کا ہے مجھ کو قبول ہے لوگو

بسا ہوا ھے وہ نوشی مرے رگ و پے میں

اسے بھلا دوں تمہاری یہ بھول ہے لوگو

شاعرہ .نوشین اقبال نوشی

آج کل لکھاری حضرات ہر صنف پر طبع آزمائی کر رہے ہیں؟ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ایسا ہونا چاہیے یا ایک ہی صنف میں مقام بنانا چاہیے؟

یہ تو آپ کے اندر موجود ٹیلنٹ پر ھے کہ آپ اگر ہر صنف پر لکھ رھے ہیں اور اس کے ساتھ مکمل انصاف کر رھے ہیں تو بے شک لکھنا چاہیے.

اور اگر ایک وقت میں ایک ہی صنف پر لکھ کے مقام بناتے ہیں۔ پوری محنت اسی پر صرف کرتے ہیں۔ تو یہ بھی بہت اچھی بات ھے.

آپ نے لکھنے کا آغاز شاعری سے کیا تھا یا نثر نگاری سے؟

میں نے لکھنے کا آغاز شاعری سے کیا تھا .شاعری کی طرف ہی میرا زیادہ رجحان ھے اور میں اب بھی زیادہ شاعری ہی کرتی ھوں نثر بہت کم موڈ پر ڈیپنڈ کرتا ھے کہ میں کوئی افسانہ ناول لکھتی ھوں جب.

آپ کی نظر میں شاعری کیا ہے؟

ہر جزبے .ہر احساس .کو بیان کرنے کا خوب صورت زریعہ. محبت. نفرت. دکھ .سکھ غرض ہر جذبے کا اظہار میرے خیال میں شاعری سے بہتر اور کوئی زریعہ نہیں۔

اپنے کسی افسانے میں اپنی جھلک دکھلائی کبھی؟

جی میرے پہلے افسانے اک روشن کرن میں

ہر انسان مستقبل کے خواب بنتا ہے اور یہ انسان کا پیدائشی حق سمجھا جاتا ہے آپ کے کیا خواب ہیں جن کی تعبیر آپ پانا چاہتی ہیں...

اس پر تو یہی کہا جا سکتا ھے کہ

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے

بہت نکلے میرے ارمان مگر پھر بھی کم نکلے

سو بہت سے ابھی خواب ہیں جنکو تعبیر سے ھمکنار کرنا ھے انشا اللہ-

سیانے کہتے ہیں پکوان پکائے بنا عورت ادھوری ہے .. آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ کی کوکنگ کیسی ہے؟

ایسا ہی ھے جی . جس لڑکی کو کوکنگ نہیں آتی یقینا ادھورہ سا فیل ھوتا ھے اور ہر لڑکی کو کوکنگ آنی بھی چاہیے گھر داری کے لیے ضروری بھی ھے .الحمدللہ میری کوکنگ بہت اچھی ھے ہر چیز بنا لیتی ھوں .دراصل میری

اماں جی کے ھاتھ میں بہت ذائقہ ھے تو یہ ذائقہ ان کے ھاتھوں سے ھمارے ھاتھوں میں منتقل ھوا ھے سارے خاندان میں تعریف کی جاتی ھے اماں جی کے ھاتھ کے کھانوں کی .تو اب ھم بھی جو بھی بناتے ہیں سب کو بہت پسند آتا ھے-

پہلے ادوار میں فارغ وقت گزارنا کٹھن ہوتا تھا اب تو سوشل میڈیا پہ لوگ وقت گزار لیتے ہیں .. آپ کے نزدیک سوشل میڈیا کی اہمیت کتنی ہے؟ یہ انسانی زندگی پر کیسے اثرانداز ہو رہا ہے؟.

سوشل میڈیا اگر آپ کے رشتوں اور گھریلو زمہ داروں پر اثر انداز نہیں ھو رہا اور آپ اس کو اچھے طریقے سے استعمال کر رھے ہیں تو یہ بہت اچھا ھے .ویسے بھی کوئی بھی چیز بری نہیں ھوتی اسکا اسعتمال پر ھے کہ آپ اسکا کیسے استعمال کر رھے ہیں یہ تو انسان کی سہولت اور

فائدے کے لیے ھے سب اگر آپ اس کا

پوزیٹو یوز کرتے ہیں۔ تو یہ کوئی بری بات نہیں

ھے

کوئی ایسا واقعہ جو آپ کبھی بھول نا سکی ہوں...؟

بہت سے واقعات ہیں

خوشیوں کے بغیر انسان مرجھائے ہوئے پودے

کی مثل ہے آپ کی زندگی کا خوشگوار واقعہ؟

بے شک خوشیوں کے بنا تو زندگی ادھوری ھے

اور دکھ سکھ تو زندگی کا حصہ ہیں۔

میری زندگی میں بھی رب سوھنے کی عناعتوں

اور نعمتوں کا اتنا احسان ھے کہ میں کبھی بھی

شمار نہیں کر سکتی .کتنے ہی ایسے خوب صورت

خوشگورا واقعات ہیں جنکو جب بھی یاد کروں

انکی خوشبو میرے چہار سو پھیل جاتی ھے دل و

دماغ اور روح تک کو معطر کر دیتی ھے..

آپ محنت پر یقین رکھتی ہیں یا پھر تقدیر پر؟

دونوں پر -محنت کریں اپنی نیت صاف رکھیں

لگن سچی ھو تو منزل ضرور ملتی ھے.

اور راہ کی رکاوٹیں دور ھوتی جاتی ہیں۔ آپ کوئی

بھی کام کریں تو سچے دل سے محنت سے کرتے

رھیں باقی پھر فیصلہ تقدیر پر چھوڑ دیں.

اور اللہ ھماری نیتوں اور محنت کا پھل ضرور

دیتا ھے. سو محنت ھو گی لگن سچی ھو گی تو تقدیر

انشا اللہ خودبخود اچھی ھو جائے گی۔

آپ کی سب سے بڑی خوبی کیا ہے؟

ھمم ویل خوبیاں تو دوسرے ہی بتا سکتے ہیں زیادہ

اچھے طریقے سے ویسے مجھے جو سب دوستیں اور

حلقہ احباب کے لوگ کہتے ہیں۔ گھر والے بھی

وہ یہ ھے کہ نوشی بہت صاف دل کی ھے .کسی

کے لیے کھوٹ نہیں رکھتی دل میں.خود سے

زیادہ دوسروں کا سوچنے والی .دوسروں کا درد رکھنے والی.

اور بقول میری بہن نورین کے .نوشی تمہارا دل بہت شفاف ھے تم کوئی پاکیزہ روح لگتی ھو جیسے
-

اور میری عزیز ازجان فاخرہ شاہ کہتی ھے کہ

نوشی تم سراپا محبت ھو .تم جس قدر حساس ھو اس دنیا کی نہیں لگتی

تمہاری سوچ ہی سب سے الگ ھوتی ھے.تمہارا دل بہت خوب صورت ھے اور تم بہت سادہ معصوم ھو اس دنیا آجکل کے دور میں تم جیسی روحیں نایاب ہیں...

)اب بندہ پوچھے میری یہ نرم دلی.حساسیت سادہ دلی کبھی کبھی معصیبت بن جاتی میرے لیے..کہ آجکل تو حساس ھونا اور وہ بھی اس درجہ عذاب ہی ھے مجھے تو یہ اپنی خوبی نہیں لگتی.سادہ لو انسان کو بے وقوف سمجھتے ہیں۔ لوگ تو یہ بھی خوبی کیسے ھوگئی فاخرہ ڈیئر(

خوبیاں ڈھونڈنا مشکل امر ہے مگر خامی ہر انسان نکالنا جانتا ہے آپ کیب کوئی خامی جسے آپ دور کرنا چاہتی ہوں؟

جناب مجھ میں تو یقینا خامیاں ہی خامیاں ھیں خوبیاں تو سوائے چند ایک کے کوئی خاص نہیں .. سب سے بڑی خامی تو میرا بہت زیادہ غصہ ھے جو بہت آتا ھے.میں اسے کنٹرول کرنا چاہتی ھوں. اس کے بعد یہ جیسا کہ اوپر بات کی میری حد درجہ حساس طبیعت .چھوٹی چھوٹی بات کو بہت گہرائی سے لینا..

وہ باتیں جو سب کے لیے بظاہر عام سی ھوتی ہیں مجھے بہت خاص لگتی ہیں.

ھلکا سا سخت لہجہ مجھے بہت ھرٹ کر جاتا ھے . لوگوں کے رویے مجھے سخت تکلیف دیتے ہیں۔ بے حسی خود غرضی مجھے چبھتی ھے.

اور آجکل بس ھے یہی .ایسا نفسا نفسی کا دور ھے کون سوچتا ھے کہ ھمارے ایسے رویے سے کسی کو تکلیف ھو گی .اور میں چھوٹی سی باتوں پر سوچتی کڑھتی رھوں گی گھنٹوں سوچ بچار کرتی رھوں گی کہ ایسے لوگ ھمارے اردگرد بسنے والے رشتے ھمارے اپنے ایسے کیوں ہیں ؟

بس یہی میری حد سے زیادہ حساسیت میرے لیے عذاب ھے جیسے سو میں اسے دور اگر نہ سہی کم کرنا چاہتی ھوں .کہ زندگی ایسے بہت مشکل ھو جاتی ھے پھر بندہ تو پل پل رویوں اور لہجوں کی مار سہتا ھے-

باقی بھی جو جو خامیاں ھیں میں کوشش کرتی ھوں جب کوئی مجھے میری خامی بتاے تو میں اسے دور کرنے کی کوشش کرتی ھوں.تاکہ مجھ سے میری ذات سے کسی کو شکایت نہ ھو نہ کوئی دکھ پہنچے...

پریشانیاں زندگی میں آتی ہیں آزمائش کی مانند .. آپ اپنی پریشانی کا اظہار کس سے کرتی ہیں؟

زندگی نشیب و فراز کا مجموعہ ھے... پریشانیاں بھی ظاہر ھے آتی ھیں .آزمائش ھوتی ھے.. میں اپنی ہر پریشانی کا اظہار سب سے پہلے تو اپنی اماں جی سے کرتی ھوں .پھر اب میری پیاری فاخرہ شاہ ھے جس سے کوئی بات نہیں چھپاتی جو میری بیسٹ فرینڈ بھی ھے اور مجھ سے بے حد مخلص کہ ہر پریشانی میں مجھے حوصلہ اور ھمت دیتی ھے بلکہ بہت اچھا مشورہ بھی دے گی -

زندگی میں کامیابی کا راز آپ کی رائے کے مطابق؟

صاف نیت. سچی لگن. محنت. مخلصی.اور اللہ پر یقین کامل .کہ وہ ستر ماوں سے بڑھ کے محبت کرتا ھے ھم سے اور کبھی ھمارے لیے کچھ بھی غلط

نہیں کر سکتا نہ ھمارے ساتھ کچھ غلط ھونے دے سکتا ھے-

انسانی زندگی کے کیے کتاب کی اہمیت؟ مطالعہ کس قدر ضروری ہے؟

کتاب کے بنا تو کم از کم میری زندگی ادھوری ھے بالکل.کتابیں ہی تو انسان کی دوست ہیں .

اور کتابوں سے ہی ھم سیکھتے ہیں مطالعہ کریں گے تو ہی ھمارے علم میں بھی اضافہ ھوتا ھے . سیکھنے کے لیے.سکھانے کے لیے .اور اپنی ذات کو نکھارنے سنوارنے تک کے لیے اچھا مطالعہ بہت ضروری ھے.اگر آپ لکھتے ہیں۔ تب بھی مطالعہ ضروری ھے تاکہ اس سے آپ کے لکھنے میں مزید وسعت اور نکھار پیدا ھوگا.

کتابیں. مطالعہ ازحد ضروری ھے...

آپ کی پسندیدہ کتاب؟

کافی ساری ہیں .جن میں.

پیا رنگ کالا -راجہ گدھ.من چلے کا سودا - الکھ نگری .محبت مردہ پھولوں کی سمفنی.. عشق کا عین..عبداللہ...وغیرہ

آپ کے پسندیدہ شاعر و ادیب؟ پسندیدہ کتابوں کی طرح پسندیدہ شاعروں. اور ادبیوں کی بھی کافی تعداد ھے . جن میں

شاعر..علامہ اقبال .مرزا غالب.جون ایلیاء. فیض احمد فیض.پروین شاکر.فاخرہ بتول. امرتا پرتیم . محسن نقوی.امجد اسلام امجد . علی زریون .وغیرہ.

ادیب...بابا جی اشفاق احمد.بابا محمد یحیٰ خان.ھاشم ندیم.ممتاز مفتی.بانو قدسیہ.مظہرالاسلام .امرتا پرتیم.. عمیرہ احمد سعدیہ عزیز آفریدی..عشنا کوثر سردار.

کوئی عجیب و غریب خواہش؟

پرستان کی سیر .پریوں ک ساتھ اڑنا. اور میرے بھی پر ھوتے. کاش میں ایک سچ مچ کی پری ھوتی .ھواوں بادلوں کے سنگ اڑنا..

)ھاھاھا اس سے پہلے کہ کوئی اور ھنسے میری بچوں جیسی وش پر میں بھی ھنس رہی پر سچی یہ میری وش ھے .اور خبردار کوئی ھنسا تو میری معصوم سی خواہش پر ......ھاھاھا

محبت اور شاعری کو زمانہ لازم و ملزوم کہتا ہے آپ کی کیا رائے ہے؟

محبت کو یہاں زمانہ بہت محدود معانوں میں لیتا ھے .اور ایک میل اور فی میل کی محبت کو ہی محبت کہا جاتا ھے .ایسا نہیں ھے کہ وہی محبت ھو تو ہی شاعری لکھی جا سکتی ھے تبھی شاعر کو شعر کہے گا. نہیں ایسا نہیں ھے محبت لازم و ملزوم بالکل ھے مگر وہ کوئی بھی محبت ھو سکتی ھے.

انسانیت سے. مذھب سے ماں باپ بہن بھائیوں کی محبت. دوستوں کی محبت. مرید اور مرشد کی محبت. اللہ اور بندے کی محبت.

وہ کوئی بھی محبت ھو سکتی ھے. اور محبت جس رنگ جس روپ میں بھی ھو گی اپنا آپ منواتی ھے اور پھر شاعری بھی اس کے اظہار کا ذریعہ ھے.

آپ دیکھ لیں جن جن محبتوں کا میں نے اوپر زکر کیا ھے کیا یہ جب ھوتی ھے تو شاعر پھر بھی نہیں لکھتا؟ اس محبت کا جزبات کا اظہار وہ شاعری کی صورت میں تب بھی کرتا ھے. تو بالکل محبت اور شاعری لازم و ملزوم ہیں۔

محبت آپ کے تناظر میں کس خانے میں فٹ ہے؟

محبت ہی تو ھے جو ہر خانے میں فٹ ھے دل . دماغ .روح تک میں.

خوب صورت پاکیزہ روح کے دلکش خانہء دل میں

پاکستان سے اظہار محبت کے لئے کن الفاظ کا چناو کریں گی آپ؟

آجکل پاکستان کو جن حالات کا سامنا ھے اور جس دور سے گزر رہا ھے دل بہت دکھی ھوتا ھے آنکھیں آنسو روتی ہیں لہو لہو ھے ہر طرف .بے حسی .خود غرضی.کرپشن...بہر حال پھر پاکستان کے لیے دعائیں ہیں ہر لمحہ کہ پاکستان ہماری پہچان ھے.اور ھمیں جان سے بھی عزیز ھے.

خدا کرے کہ میری ارض پاک پر اترے وہ فصل گل جسے اندیشہ ء زوال نہ ھو.

خدا کرے کہ میرے اک بھی ھم وطن کے لیے حیات جرم نہ ھو زندگی وبال نہ ھو .آمین.

قارئین کو کیا پیغام دینا چاہیں گی؟

قارئین کے لیے یہی پیغام ھے جو میں اکثر اپنے انٹرویوز میں دیتی ھوں.کہ ھمیشہ خیال رکھیے گا ان لوگوں کا جنہوں نے آپ کی جیت کے راستے میں اپنا بہت کچھ ہار دیا ھو.

اور یاد رکھیے گا اس ذات پاک کو جو ھمیشہ آپ کے لیے آپ سے بڑھ کے سوچتا ھے اور کرتا ھے ..یقین کامل رکھیے گا اللہ کی ذات پر.

مجھے آپ سب کی محبتوں اور دعاوں کے ہر لمحہ ضرورت ھے سو دلوں اور دعاوں میں مجھے ھمیشہ یاد رکھیے گا آپ سب .بہت شکریہ.

آپ سب کے لیے ڈھیروں نیک تمنائیں..

نوشین اقبال نوشی.

اس کے ساتھ ہی ہم نے نوشی صاحبہ سے اجازت لی..

بہت بہت شکریہ نوشی جی اپنا قیمتی وقت ہمیں دینے کے لئے

خوبصورت بنئے

خوبصورتی کی پہلی شرط دمکتی ہوئی' پرکشش اور تروتازہ جلد ہے-اس اصل خوب صورتی کو آپ تھوڑی سی توجہ اور محنت سے نہ صرف قائم رکھ سکتی ہیں بلکہ مزید نکھار بھی سکتی ہیں-اسکے لیے تو اس بات کا خیال رکھیے کہ آپ متوازن اور صحت بخش غذائیں استعمال کریں-آپ کی غذا نہ صرف جلد پر اثر انداز ہوتی بلکہ آپ کا وزن بھی متوازن رکھتی ہے جلد کے نکھار کے لیے آپ کے کچن سے بھی بہت سی چیزیں مل سکتی ہیں...

۱-دہی کھانے سے بڑھاپا دیر سے آتا ہے... ۲-روزانہ ایک کیلا کھایے توانائی کے فوری حصول میں اکسیر ہے...۳-پودینے کو ابال کر پانی پائیں-رنگت نکھارنے' پیٹ کے مسائل اور کیل مہاسوں کے لیے بے حد مفید ہے- ۴-ہفتے میں دو انڑے ضرور کھائیں-ابلا ہوا کھائیں تو زیادہ بھتر ہے-کولسٹرول کا مسلہ ہو تو صرف سفدی استعمال کریں- ۵-روزانہ ایک کھیرا کھایے-سکن کے لیے بہت اچھا ہوتا ہے....

میک اپ گائیڑ

میک اپ کا مطلب چہرے کی ملائمیت اور نقوش کو ابھارنا ہے ۔نہ کہ گورا دیکھنا.. لہذا ہلکا میک اپ کرے جو دیکھنے والے کو ناگوار نہ گزرے اور آپ بھی الجھن محسوس نہ کرے... ایک خاتون خانہ کے میک اپ کی خوبی یہ ہے کہ یہ محسوس نہ ہو کہ اس نے میک اپ کرر کھا ہے, اس کا حسن فطری اور قدرتی نظر آئے' ہلکے میک اپ سے چمکتا چہرہ اور دلکش مسکراہٹ آپ کو فطری دلکشی اور حسن عطا کرے گی۔

آیئے اب ہم آگے بڑھتے ہیں... ہمارے پیارے ممبرز نے ہمیں بیوٹی ٹپس بجھیں ہیں جن کو ہم اپنے وعدے کے مطابق شمارے میں شامل کرتے ہیں....

....

حلقے ختم کرنے کے لیے....

آلو کو گرائنڈ کر کے روزانہ حلقوں پر اس کا پانی لگائیں ۔(کچھ دونوں میں حلقے ٹھیک ہو جائیں گے... اگر نہ ہو تو ڈاکٹر کو دیکھیائی)

(معیزہ خاں... فیصل آباد)

سفید بالوں کو رنگ کرنے کے لیے

سرخ مہندی میں رتن جوت ملا کر لگائیں...(مہینے میں کم از کم دو دفعہ لگائیں... سفید بال قدرتی کالے ہو جائے گے...)

(عظمی طارق خاں.. پیر محل)

....

رانگ گورا اور چمکدار کرنے لیے...

دہی میں تھوڑا سرکہ ڈال کر لگائیں... سکن گلو کرنے لگے گی...(یہ عمل آپ ہفتے میں ایک دفعہ ضرور کریں)

(بشریٰ اقبال... پیر محل)

....

کالے ہونٹوں کو سرخ کرنے کے لیے

روزانہ انار کا شربت پینے سے ہونٹ سرخ ہو جاتے ہیں...

(ڈبے کی بجائے گھر پہ تازہ شربت بنا کر پینا چاہیے..)

(حمرا)

....

بال نرم اور صحت مند .

سرسوں کے تیل میں ہم وزن پانی ڈال کر اسے پھینٹ لیں... پھر سر پر مساج کر لیں..(یہ عمل ہفتے میں دو بار کریں بالوں میں مظبوطی اور چمک آجائے گی)

(عائشہ انصاری... پیر محل)

ایڑیوں کو نرم رکھنے کے لیے

ایڑیوں کو نرم رکھنے کے لیے زتیون کے تیل میں لیموں کا رس (لونیڈر) کے تیل کے چند قطرے شامل کریں اور سر پر لگا لیں...(اسے وقتاً فوقتاً لگاتے رہیں) زنیرہ خالد..۳۲۴

تھکن دور کرنا

صبح نہانے کے بعد صرف پیر کے انگوٹھوں پر سرسوں کا تیل کا مساج کریں.. سارا دن تھکن کا احساس نہیں ہو گا...(یہ عمل روز کیا جاسکتا ہے)

(فاطمہ ممین...میرپور خاص)

....

بالوں کو بڑھانے کا طریقہ

بیری کے پتے سِل پر باریک پس کر چیٹنی کی طرح پیس لیں.. پھر سر دھونے سے ایک گھنٹہ قبل اسے بالوں میں لگا کر چھوڑ دیں-ایک گھنٹہ بعد سر دھولیں...(چالیس دونوں میں بال لمبے اور چمک دار ہو جائے گے)

(سنعیہ..پیر محل)

....

سر کی خشکی دور کرنے کے لیے....

دہی میں تھوڑا خالص سرسوس کا تیل ملا کر سر دھونے سے آدھا گھنٹہ سر میں لگالیں... آدھے گھنٹے کے بعد سر دھولیں.. ملائکہ خاں...روپنڑی (یہ عمل ہفتے میں ایک دفعہ ضرور کریں)

(ملائکہ خاں)

....

آگ سے جلے ہوئے کے لیے....

جلی ہوئی جگہ پر شہد کا لیپ کریں نہایت مفید اور نفع بخش ہے...پروین اکرم... کراچی

ناخنون پر بد نما سفید دھبے

اپنے ناخنوں پر لیموں کا عرق لگاہیں کچھ دونوں میں میں دھبے صاف ہو جاہیں گے..

(اور اپنے لیے اسی خوراک کا انتخاب کریں جو آئرن سے بھرپور ہو)

(ماریہ خان....پشاور)

....

بلیک ھیڈزر موو کرنے کا طریکہ .

تازہ دھنیا کے پتے لین اور پیس کر باریک کپڑے مین ڈال کر دبایں اور اس کا رس نکل لین. ھلدی پاوڈر شامل کر کے پیسٹ بنالین اور چہرے پر 30 منٹ تک لگالین اور چہرے کو نیم گرم پانی سے دھو لین. اس کا استعمال ھفتے مین 2 سے 3 بار کریں. انشاء اللہ ھفتے مین بلیک ھیڈز جڑ سے ختم ھو جایں گے. چہرا بلکل دلکش اور صاف ھو جانے گا.

ثمینہ ناز..(چکوال)

....

ہاتھوں کی حفاظت کے لیے گریلو کریم

ایک انڑے کی سفیدی میں آدھی چھوٹی بوتل گلسرین کی اور اتنی ہی مقدار شہد کی ملالیں پھر پسی ہوئی جوارا تنی ملایں کریم کی طرح کا پسیٹ بن جائے اس سے ہاتھوں کا مساج کریں...

(جوارا تنی کسی بھی پنسری کی دکان سے آسانی سے مل جاتی ہے)

(نجیہ فاطمہ....وہاڑی)

....

تازہ اور خوبصورت جلد کے لیے .

ایک چمچ بسین لیمن جوس تھوڑا سا چٹکی ہلدی

ان سب کو مکس کر کے چہرے پر لگائیں اس سے سکن بہت اچھی ہو جائے گی....

(سونیاروفق....پیر محل)

....

صندل پاؤڈر میں پانی مکس کر استعمال کریں... چکنی جلد کے لیے بہت اچھا ہے... مٹی دھول صاف کرتا ہے...

(صندل مارکیٹ میں ٦٠ کا مل جائے گا جو کہ کافی دن چلا جائے گا...اس کو روز بھی لگا سکتے ہیں)

(سمرا حمید...ملتان)

....

چہرے کے بال ختم کرنا

بسن کو پانی میں گول کر چہرے پر لگائیں جب وہ ہلکا خشک ہو جائے تو اسے ہاتھ کی مدد سے مساج کر کے اتار لیں...اس سے بال جڑ سے نکل جائیں گے....

(رمیزہ طیب...پیر محل)

....

چہرہ خوبصورتی کا مظہرہو تو شخصیت پر کشش اور جاذب نظر لگتی ہے.. یہاں ایک آسان ٹاٹکا دے رہی ہوں جس کے ذریعے آپ اپنے ہاتھ پاؤں اور چہرے پر بھی لگا سکتے ہیں....

چہرہ اور ہاتھ پاؤں ملائم رکھنے کے لیے آسان ٹپ

گلسرین--- ابڑاچمچ... عرق گلاب--- ۱/ ۲بڑی بوتل لیموں کارس---۳بڑے چمچ

ان تینوں کو ملا کر رکھ لیں.. ہر روز رات کو باقاعدگی سے ہاتھ پاؤں پر لگائیں... صبح اٹھ کر دھوئیں..(برتن یا کپڑے دھونے کے بعد بھی لگا سکتے ہیں.. یہ بہت اچھاسن بلاک کے طور پر بھی استعمال کر سکتے ہیں...بس دھیان رہے کہ جلد پہ کوئی زخم نہ ہو)

(آمنہ رشید...پیر محل)

ہاتھوں کی جلن دور کرنے کا طریقہ

املی کو پانی میں بھیگو کر اس کا رس اور تھوڑی سی چینی اس میں ملا کر ہاتھوں پر مل لیں تو جلن دور ہو جائے گی...

(آمنہ رشید..پیر محل)

ہونٹوں کے پھٹ جانے کا علاج .

اگر سردی ہوا خشکی سے ہونٹ پھٹ جایں تو سیب کے بیج حسب ضرورت پانی میں پیس کر لیپ رات کو ہونٹوں پر لگائیں... صبح تک ہونٹ ٹھیک ہو جائیں گے...

(آمنہ رشید.... پیر محل)

تو قارئیں کیسا لگا داستان دل کے بیوٹی پالر میں کر ہمیں یقین ہے آپ سب کو پسند آیا ہو گا مزید اس کو بہتر کرنے کے لیے آپ سب احباب کے تعاون کی اشد ضرورت ہے اگر آپکے پاس کوئی بھی بیوٹی ٹپس ہے تو ہمیں لازمی سینڈ کریں ہم آپ کے نام کے ساتھ شامل کریں گے۔ شکریہ

(ایڈیٹر ندیم عباس ڈھکو)

ایڈریس: ندیم عباس ڈھکو چک نمبر 79/5.L ساہیوال

واٹس اپ: 03225494228 فیس بک: 03377017753

ای میل: abbasnadeem283@gmail.com

نوٹ: آپ مسیج میں اردو میں لکھ کر بھی ہمیں سینڈ کر سکتے ہیں۔۔

زندگی...

ز...زنجیر کی طرح قید کرتی ہے. ن..... نظر انداز کرتی ہے.

د..... درد سے روشناس کرتی ہے. گ.... گمنام کرتی ہے.

ی.... یادیں رہ جاتی ہیں بس.

ان حروف کے جڑنے سے بنتی ہے زندگی، تو بھلا یہ مہربان کیسے ہو سکتی ہے. زندگی میں کچھ دکھ ایسے ہوتے ہیں جو پاؤں کی بیڑیاں بن جاتے ہیں، جتنا بھی چاہو کہ فرار مل جائے... مگر یہ انتہا کے بعد ہی آزاد کرتی ہے.

جسے زندگی میں سب سے زیادہ چاہو وہی بیگانہ ہو جائے تو زندگی میں کیا رہ جاتا ہے... زندگی بے رنگ سی، بے ڈھب سی... یا پھر شاید ختم ہو جاتی ہے. مار ڈالتی ہے اور ایسا کاری وار کرتی ہے کہ جینے کی تمنا چھین لیتی ہے...

ہزار روپ ہیں اس زندگی کے. کبھی گمنام کرتی ہے، ایسے عیب نکالتی ہے جو ہم جانتے ہی نہیں مگر یہ بہت تیز ہے، سارے راز، سارے عیب افشا کر دیتی ہے ایک ایسا آئینہ دکھاتی ہے جو انجانا سا ہوتا ہے یا شاید ہم ہی مکر جاتے ہیں، اپنے عیب چھپاتے ہیں، پردہ رکھتے ہیں مگر یہ زندگی.... آہ یہ زندگی ان سب تلخیوں سے روشناس کرواتی ہے جن سے ہم انجان رہنا چاہتے ہیں.... زندگی گلزار بھی ہے اور خاردار بھی... بس بات تو اپنے اپنے تجربے کی ہے.. کوئی سسک سسک کے مر گیا... کوئی یاد بن کے رہ گیا... کوئی یونہی زندگی کی راہ میں رل گیا... اس کی حقیقت تو کچھ بھی نہیں سوائے اپنے تجربے اور حالات کے. زندگی حسین ہے، بس اسے گزارنے کا سلیقہ آنا چاہئے، جو سیکھ گیا وہی سکندر...

از قلم دیا خان بلوچ

اسلام علیکم,کیسی ہیں ثمینہ صاحبہ اور آج کل کیا مصرفیات ہیں؟

وعلیکم اسلام۔

میں بالکل ٹھیک ہوں۔الحمداللہ - اور آج بھی وہی ہو رہا ہے جو کل ہو رہا تھا۔ یعنی کام ، کام اور صرف کام ۔ ایک ناول پہ کام ہو رہا ہے اور کچھ افسانے زیر تحریر ہیں

*آپ کا تعلق کس شہر سے ہے؟

میرا تعلق زندہ دلوں کے شہر لاہور سے ہے۔

*بچوں کو بچپن میں زیادہ تر ڈاکٹر اور پائلٹ بننے کا شوق ہوتا ہے.کیا آپ کو رائٹر بننے کا شوق تھا؟

جی ہاں ، آپ مجھے پیدائشی لکھاری کہہ سکتی ہیں۔ اصل میں مجھے بچپن سے ہی کہانیاں پڑھنے اور اس سے بھی زیادہ کہانیاں بننے کا شوق رہا ہے۔ میرے سب کزنز، بہن بھائی، حتٰی کہ بھانجے بھانجیاں اور بھتیجے بھتیجیاں) کزنز کے بچے (سب میرے ارد گرد ہی منڈلاتے پائے جاتے تھے،اور وجہ صرف کہانیاں ہی ہوتی تھیں۔ اس لئے آپ کہہ سکتی ہیں کہ لکھاری بننا میرا خواب بھی تھا اور نصیب بھی۔ اور ایک

بات اور۔ رائٹر بننا صرف میرا ہی خواب نہیں تھا، یہ میرے ابو جی کا بھی خواب تھا۔ اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس ذات پاک نے مجھے اس قابل کیا کہ میں ان کا یہ خواب پورا کر پائی ۔الحمدللہ ۔

* کیا آپ نے کسی رائٹر سے متاثر ہو کر لکھنا شروع کیا تھا ؟

نہیں، متاثر تو نہیں کہہ سکتے، ہاں میں نے جن جن رائٹرز کو بھی پڑھا ہے، ان کی ہر تحریر میں چھپا پیغام ضرور تلاش کیا ہے۔ مجھے ہر رائٹر کا انداز تحریر بہت منفرد لگتا ہے، کیونکہ ہر انسان کے سوچنے گا انداز دوسرے انسان سے مختلف ہوتا ہے سو انکے لکھنے کا انداز بھی ایک دوسرے سے الگ ہوتا ہے، اور مجھے سب کا انداز تحریر بہت پسند ہے۔

* آپ کب سے لکھ رہی ہیں؟

کب سے لکھ رہی ہوں، یہ تو سوچنے والی کوئی بات ہی نہیں۔ میں نے کہا ناں کہ میں بچپن سے ہی کہانیاں بن رہی ہوں۔ اسکول کے زمانے میں بچوں کے رسالوں میں لکھتی تھی، پھر کالج کے دنوں میں مختلف اخبارات میں چھوٹی چھوٹی تحریریں چھپنے لگیں، اور ابھی میرا نام مشہور ہو بھی نہیں پایا تھا کہ خیر سے شادی ہو گئی اور بس، پھر قلم سے ناطہ منقطع ہو گیا.

* آپ کی پہلی تحریر کس ڈائجسٹ میں شائع ہوئی تھی؟

پہلی باقائدہ تحریر حنا ڈائجسٹ میں شائع ہوئی تھی، لاج میرا پہلا ناولٹ تھا جو جولائی 2013 میں شائع ہوا تھا اور بہت پسند کیا گیا تھا۔

* دن کی شروعات کہاں سے شروع ہو کر کہاں ختم ہوتی ہے؟

دن کی شروعات صبح سویرے ہی ہو جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی کاموں کا سلسلہ بھی جاری و ساری ہو جاتا ہے۔ اور یہ کام پھر چلتے ہی رہتے ہیں ۔ بھئی ہر گھر کے اصول اور طریقے الگ ہوتے ہیں، میرے گھر میں بھی کچھ اصول رائج ہیں ۔ اور مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میرے میاں صاحب کی اسپورٹ اگر مجھے حاصل نہ ہوتی تو میں کچھ بھی نہ کر پاتی۔ میرے میاں صاحب بہت اچھے ہیں۔ اللہ انکا سایہ ہمارے سر پر ہمیشہ سلامت رکھے، میں ان کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں۔

*آپکی فیملی میں کون کون ہے؟

میری فیملی ۔ اگر میکے کا پوچھ رہی ہیں تو میں اپنے والدین کی بڑی بیٹی ہوں۔ مجھ سے چھوٹی ایک بہن فرظینہ ہے اور اس کے بعد تین بھائی ہیں ، ماشااللہ ۔ سب شادی شدہ ہیں اور بال بچوں والے ہیں۔ اور سسرال میں ماشااللہ چھ نندیں اور پانچ دیور ہیں۔ ماشااللہ یہ سب بھی شادی شدہ اور بال بچے دار ہیں۔ میرے سسر کے انتقال کو چودہ برس ہو چکے ہیں اور پچھلے ماہ امی)ساس (بھی انتقال کر گئیں ۔ اناللہ و انا علیہ راجعون۔ اور میرے ابو کی وفات کو بھی گیارہ سال ہو چکے ہیں۔ اللہ پاک ان سب کو جنت فردوس میں اعلی مقام سے نوازے۔آمین ثمہ آمین۔

*آپ کا مزاج کیسا ہے,نرم یا سخت؟

مزاج میرا معتدل ہے۔نہ زیادہ نرم نہ زیادہ گرم۔ مجھے زیادہ غصہ نہیں آتا،مگر جب آتا ہے تو میں بالکل خاموش ہو جاتی ہوں۔ زیادہ غصے میں میرا رد عمل عموما یہی ہوتا ہے، جس پر بعد میں میاں صاحب بچوں کے ساتھ ملکر خوب رکارڈ بھی لگاتے ہیں۔

*آپ کی شادی کو کتنے سال ہوگئے اور کتنے بچے ہیں آپکے ؟

جی میری شادی کو پچیس سال ہو گئے ہیں ماشااللہ ۔ نومبر کی نو کو سلور جوبلی ہو جائے گی شادی کی.

اور تین بچے ہیں جی میرے ماشااللہ ۔ بڑا بیٹا ہے اسد جو بی کام کے بعد اپنا فیملی بزنس جوائن کر چکا ہے۔ اس سے چھوٹی بیٹی ارم) مانو M S C(سائکولوجی پارٹ قوم کی اسٹوڈنٹ ہے اور سب سے چھوٹی بیٹی فاطمہ طاہر بٹ میٹرک کی اسٹوڈنٹ ہے۔

*اور گھر کے کاموں میں دلچسپی ہے؟

جی، گھر کے سارے کام خود ہی کرتی تھی، لیکن اب بیٹیاں ماشااللہ بڑی ہو گئی ہیں تو وہ بہت مدد کروا دیتی ہیں ،خاص طور پر جب کچھ لکھنے کا موڈ ہو تو وہ مجھے پورا وقت اور موقع دیتی ہیں ۔ بلکہ میرے سب گھر والے ہی بہت ہیلپ فل ہیں ماشااللہ.

* کبھی جھوٹ کا سہارا لیا؟

جھوٹ بولنا تو نہیں چاہئے اور میں کوشش بھی کرتی ہوں کہ جھوٹ سے دور رہوں لیکن اگر کوئی مصلحت ہو تو بول لیتی ہوں ۔ اللہ معاف کرنے والا ہے وہ ہماری نیت کو دیکھتا ہے اور میں کبھی کسی کو نقصان پہنچانے کی نیت سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔

*بوریت کب محسوس ہوتی ہے ؟

بور ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب سے کتاب اور قلم سے رشتہ استوار ہوا ہے، بوریت کس چڑیا کا نام ہے یاد بھی نہیں رہا اب تو۔

*بیرون ملک سفر تفریح کے لئے بھی جانے کا اتفاق ہوا ؟

بیرون ملک تو کبھی نہیں گئی) اور جانے کی تمنا بھی نہیں (ہاں اپنا پیارا وطن خوب گھوم پھر کر دیکھا ہے۔ ابو جی اللہ۔ بخشے گھومنے پھرنے کے بہت شوقین تھے اور انہوں نے ہمیں کراچی سی

خیبر تک سارا ملک دکھا دیا تھا۔ لیکن سچی بات ہے جی، لہور لہور ای اے.

*بچپن میں کیسی تھیں شرارتی یا بھولی بھالی سی؟

بچپن میں بہت شرمیلی اور پڑھاکو بچی تھی۔ ہر وقت کتابوں اور رسالوں میں گھسے رہتی تھی حتٰی کہ کاغذ کا ایک ٹکڑا بھی مری نگاہوں سے بچ کر نہیں جا سکتا تھا، اور کھیل کود کے نام پر بھی رسالوں اور کتابوں کا ایک ڈھیر ہوتا تھا اور ان کے درمیان کھوئی ہوئی میں.

*بچپن کا کوئی یادگار واقع جو اب بھی سوچ کر مسکراتی ہوں ؟

بچپن تو بچپن ہی ہے اور بچے چاہے کتنے بھی شرمیلے کتنے بھی سادے کیوں نہ ہوں، کوئی نہ کوئی شرارت تو کرتے ہی ہیں میں بھی اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ مل کر شرارتیں کر لیا کرتی تھی۔

ایک واقعہ یاد آ رہا ہے میں بچپن سے ہی اپنے آپ میں مگن رہتی تھی اس لیئے کسی سے خوفزدہ نہیں ہوتی تھی میرے اندر کی دنیا اس قدر پر رونق تھی کہ باہر کیا ہو رہا ہے مجھے پتا ہی نہیں چلتا تھا اس لئے سب مجھے بہادر سمجھتے تھے)یہ کیفیت آج بھی قائم ہے (تو ایک دن کیا ہوا کہ ہم سب کزنز چھپن چھپائی کھیل رہے تھے۔ فرظینہ کی باری تھی ڈھونڈنے کی اور ہم سب چھپے ہوئے تھے میں جہاں چھپی ہوئی تھی وہاں امی کا زیب النِسا) ان دنوں حور اور زیب النِسا رسالے آتے تھے (پڑا دکھائی دیا، بس پھر کیا تھا ، کہاں کا کھیل اور کیسا کھیل ۔ میں سب کچھ بھول بھال کر رسالہ اٹھایا اور امی کے بیڈ کے نیچے گھس گئی اور پھر مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔

میرے سب کزنز اور بہن بھائی کھیل چھوڑ چھاڑ

کر مجھے ڈھونڈتے ہی رہ گئے ۔ میں نہیں ملی تو وہ پھر کھیل کود میں لگ گئے میرا رسالہ جب ختم ہوا تو میں بیڈ کے نیچے سے نکلی اور پھر کچھ نہ پوچھیں کہ میرے ساتھ کیا ہوا۔ - ایک میری اکیلی جان تھی اور سب کزنز کے خونخوار تیور۔ مگر پھر پتا نہیں کیا ہوا، ایک کو جو ہنسی آئی تو سب پاگلوں کی طرح ہنستے ہی چلے گئیے۔ آج بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے تو ہنسی آجاتی ہے۔

* آپکے پسندیدہ رائٹر کون ہیں جن کو پڑھ کر آپ کو کبھی بوریت محسوس نہ ہوئی ہو ؟

پسندیدہ رائٹرز کی لسٹ تو بہت لمبی ہے۔ قدرت اللہ شہاب۔ ممتاز مفتی۔ مستنصر حسین تارڑ۔ اشفاق احمد۔ بانو قدسیہ ۔ ڈپٹی نذیر احمد۔ منٹو۔ ایم اے راحت۔ ابن صفی۔اے حمید۔بشری رحمان۔ امجد اسلام امجد۔ عمیرہ احمد۔ نمرہ احمد۔ اور کس کس کا نام لوں۔ میری فیورٹ لسٹ تو واقعی بہت لمبی ہے مجھے سب رائٹرز بہت پسند ہیں۔

* اور کچھ کہنا چاہیں گی ؟

ہمیشہ مثبت سوچیں۔ منفی سوچ سوائے نقصان کے اور کچھ بھی نہیں دیتی۔ دوسروں کے لئے آسانیاں پیدا کریں ، اللہ رب العزت آپ کے لئے آسانیاں پیدا کرے گا انشاءاللہ ۔ ہمیشہ دل دے لکھیں کیونکہ دل سے نکلے الفاظ دلوں تک رسائی ضرور حاصل کرتے ہیں۔ خوش رہیں اور اپنے سے وابسطہ لوگوں کو خوش رکھنے کی کوشش کریں کہ یہ بھی صدقہ جاریہ ہے۔

اقوال زریں

1۔برا دوست کیکر کی طرح ہوتا ہے جو چھاؤں تو دیتا ہے مگر کانٹوں کے ساتھ۔

2۔ایک اچھے دوست کی تلاش میں اپنے اچھے اصول توڑنا حماقت ہے ایسا کر کے شاید آپ اپنے دوست کو کھو دیں۔

مدیحہ نورین مہک، گجرات

1۔ایک عورت اپنی ذہانت اور قابلیت سے بینظیر بن بھی جائے تو اس کی زندگی میں کوئی نہ کوئی زرداری ضرور لکھ دیا جاتا ہے۔

2۔کچھ لوگ جگنو کی مانند ہوتے ہیں جن کو بلاوجہ ہی پچھواڑے میں آگ لگی رہتی ہے۔

3۔تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ اتنا ٹائم بریانی کھانے میں نہیں لگتا جتنا مصالے سائیڈ پہ کرنے میں لگتا ہے۔

4۔بعض اوقات کچھ خواتین اپنے خاوند حضرات کو پاوں کے نیچے لگانے کے لیے کسی بھی تاویز گنڈا دینے والے کو دو تین بار گلے بھی لگا لیتی ہیں۔

حماد ظفر ہادی، گوجرہ

1۔امید کامیابی کا پہلا تقاضا ہے۔

2۔عورتوں سے محبت کرنے والے تو جگہ جگہ مل جاتے ہیں مگر انکی عزت کرنے والے بہت کم ملتے ہیں۔

3۔عظیم لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا

ضروری ہے مگر ان کی پیروی کرنا آپ پر لازم نہیں۔

اسامہ زاہروی

1۔ کسی کا دل مت توڑو کیونکہ خدا دلوں میں رہتا ہے۔

2۔ ظلم کرنا آسان مگر سہنا مشکل ھوتا ھے. میٹھی زبان بھت سے دشمنوں سے بچاتی ہے۔

3۔ جو جتنا زیادہ بولتا ھے وہ اتنا ھی کم عقل ھوتا ھے۔

4۔ ہر مشکل انسان کی ہمت جا امتحان لیتی ھے۔

از قلم ملائکہ خان، راولپنڈی

1۔ دو طرح سے چیزیں دیکھنے میں چھوٹی نظر آتی ہیں ایک دور سے دوسرا غرور سے۔

2۔ کسی کو اس کی ذات اور لباس کی وجہ سے حقیر نہ سمجھنا کیونکہ تم کو دینے والا اور اس کو دینے والا ایک ہی ہے اللہ۔ وہ یہ اسے عطا اور آپ سے لے بھی سکتا ہے۔

3۔ انسان زبان کے پردے میں چھپا ہے۔

4۔ ادب بہترین کمال ہے، اور خیرات افضل ترین عبادت ہے۔

5۔ جو چیز اپنے لئے پسند کرو وہ دوسروں کے لئے بھی پسند کرو۔

6۔ بھوکے شریف اور پیٹ بھرے کمینہ سے بچو۔

7۔ گناہ پر ندامت گناہ کو مٹا دیتی ہے۔ نیکی پر غرور نیکی کو تباہ کر دیتا ہے۔

8۔ سب سے بہترین لقمہ وہ ہے جو اپنی محنت سے حاصل کیا جائے۔

9۔ جو پاک دامن پر تہمت لگاتا ہے اسے سلام مت کرو۔

10۔ موت کو ہمیشہ یاد رکھو مگر موت کی آرزو کبھی نہ کرو۔

11۔ دوست کو دولت کی نگاہ سے مت دیکھو، وفا کرنے والے دوست اکثر غریب ہوتے ہیں۔

12۔ پریشانی حالات سے نہیں خیالات سے پیدا ہوتی ہے۔

13۔ بہترین آنکھ وہ ہے جو حقیقت کا سامنا کرے۔

14۔ دنیا میں سب سے مشکل کام اپنی اصلاح کرنا اور آسان کام دوسروں پر تنقید کرنا ہے۔

15۔ نفرت دل کا پاگل پن ہے۔

16۔ انسان زندگی سے مایوس ہو تو کامیابی بھی ناکامی نظر آتی ہے۔

17۔ اگر کوئی تم کو صرف اپنی ضرورت کے وقت یاد کرتا ہے تو پریشان مت ہونا بلکہ فخر کرنا کے اس کو اندھیروں میں روشنی کی ضرورت ہے اور وہ تم ہو۔

حضرت علیؓ انتخاب

ریحانہ اعجاز، کراچی

زندگی کیا ہے ؟

میں نے چاند سے پوچھا زندگی کیا ہے؟

چاند بولا: زندگی روشنی ہے...

میں نے بارش سے پوچھا زندگی کیا ہے؟

بارش بولی: زندگی نکھار ہے...

میں نے ہوا سے پوچھا زندگی کیا ہے؟

ہوا بولی: زندگی سانس ہے...

میں نے درخت سے پوچھا زندگی کیا ہے؟

درخت بولا: زندگی چھاں ہے....

میں نے پھولوں سے پوچھا زندگی کیا ہے؟ پھول بولا: زندگی خوشبو ہے؟

میں نے کوئل سے پوچھا زندگی کیا ہے؟

کوئل بولی: زندگی مٹھاسر ہے...

میں نے اپنے آپ سے پوچھا:

زندگی کیا ہے؟ میں نے کہا؛

زندگی سب کچھ کھو دینے اور کچھ نہ پا لینے کا نام ہے..

از قلم: آمنہ رشید، پیر محل

1۔ دنیا میں ایسے رہو جیسے جھیل میں کنول کا پھول۔

2۔ نئے دوست ملنے پر پرانے دوستوں کو کبھی نہ چھوڑو کیونکہ نئے چھوڑ کر جاسکتے ہیں پرانے پہلے ہی سے تمہارے ساتھ ہیں۔

از قلم: رضوانہ صدیقی، ملتان

1۔زندگی میں اصل مشکلات تب آتی ہیں جب ہم اپنی زندگی نہیں اپنے خواب جینا چاہتے ہیں۔

2۔ہمارا دوسروں پر اندھا اعتماد بعض اوقات یہ ثابت کرتا ہے کہ اعتماد اندھا نہیں تھا دراصل خود ہماری عقل پہ تالے پڑے ہوئے تھے۔

از قلم:نائمہ غزل:کراچی

1۔چیزیں چیزوں کا نعم البدل ہو سکتی ہیں کوئی انسان کسی انسان کا بدل نہیں ہو سکتا۔

2۔خوشی کیلیئے کام کروگے تو خوشی نہیں ملے گی مگر خوش ہو کر کام کروگے تو خوشی ملے گی۔

3۔نفرت کو ہزار موقع دو کہ وہ محبت بن جائے لیکن محبت کو ایک موقع بھی نہ دو کہ وہ نفرت بن جائے۔

4۔بعض اوقات بہت دور تک جانا پڑتا ہے صرف یہ جاننے کے لیے کہ نزدیک کون ہے؟

5۔اپنی سوچ کو پانی کے قطروں کی طرح شفاف رکھو کیونکہ قطرے سے دریا بنتا ہے اور سوچ سے کردار۔

6۔بعض اوقات خاموشی میں مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے. اسے بزدلی سمجھ کر للکارنا سراسر بیوقوفی کی علامت ہے۔

7۔اختلافات ہونا فطری بات ہے مگر ان اختلافات کو غیر ضروری قرار دیکر نظرانداز کرنا معاملات کے بگاڑ کا سبب بنتا ہے۔

8۔موجودہ دور میں کئی اقسام کے دوست دیکھنے میں آئے ہیں نمایاں قسم بغل میں چھری منہ پر رام رام کا راگ الاپنے والوں کی ہے۔

9۔آج کے دور میں اچھا ہونا مشکل بات ہے۔مگر اس سے بھی مشکل بات اچھے انسان کی اچھائیوں کا اعتراف کرنا ہے۔

10۔راستے جدا ہو جائیں تو عزت کیساتھ اپنی اپنی راہ پر چلنا ہی بہترین عمل ہے۔

11۔کسی کی سادگی کو بیوقوفی کا نام دینا احمقوں کا کام ہے۔

12۔ہمیں ہر حال میں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جو بوئیں گے وہی کاٹنا بھی ہوگا. دوسروں کے لئے کھودے گئے

گھڑوں میں اکثر انسان خود بھی جا گرتا ہے۔

13۔یہ یاد رہنے والی حقیقت ہے کہ سب سے بہتر چال چلنے والی ذات اللہ کی ہے معاملہ اسکے سپرد ہو جائے تو انصاف یقینی ہے بیشک اسکی ذات بااختیار ہے۔

انتخاب ریما نور رضوان

1۔جس طرح کنول کا پھول کیچڑ میں رہ کر بھی اپنی خوبصورتی میں اپنی مثال آپ ہوتا ہے اسی طرح مومن بھی ہے چاھے گناہ کے کتنے بھی مواقع ملیں وہ ان گناہوں سے ایسے ہی بچا رہتا ہے جیسے کیچڑ میں رہ کر کنول کا پھول رہتا ہے مومن بھی ایسے ہی خوبصورت لگتا ہے اس کے دل میں اللہ کی چاہت ہوتی ہے اللہ کی جستجو ہوتی ہے تبھی وہ اندر باہر دونو سے ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔

از قلم: خاک مکہ

خوب صورتی کے بہترین راز!!!!!!

1-ہاتھوں کی خوبصورتی کے لیے اپنے ہاتھوں سے صدقہ دیں۔

2-آواز کی خوبصورتی کے لیے قرآن پاک کی تلاوت کریں۔

3-آنکھوں کی خوبصورتی کے لیے اللہ کے خوف سے آنسوں بہائیں۔

4-چہرے کی خوبصرتی کے لیے وضو کی عادت اپنائیں۔

5-دل کی خوبصورتی کے لیے اپنے دل میں "اللہ کی یاد" بسائیں۔

6-دماغ کی خوبصورتی کے لیے "اللہ کی بارگاہ" میں سجدہ کریں۔

اللہ پاک ھم سب کو ایسی خوبصورتی سے مالا مال کر دے۔آمین

انتخاب: سنبل خان بٹ، بورے والا

1۔ایک اجنبی نوارد شخص اس حکیم کی مجلس میں بہت دیر تک بیٹھا رہا۔ حکیم نے اس سے کہا تو میرے ساتھ کچھ گفتگو کر تا کہ میں تجھے دیکھ سکوں کیونکہ کسی شخص کی گفتار ہی اس کی 2۔شناخت کردار اور اس کے حسن کے اظہار کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔

2۔کیا تمھیں بڑا بننے کی خواہش ہے اگر بڑا بننا چاہتے ہو تو پہلے چھوٹا بننے کی کوشش کرو جب کوئی رفیع الشان عمارت بنا تو اس کی چھوٹی چھوٹی بنیادوں سے غافل نہ رہو۔

انتخاب:خدیجہ کشمیری، کشمیر

1ِ۔ظالم کو معاف کرنا مظلوموں پر ظلم ہے۔

2َ۔قوم کا سردار قوم کا سچا خادم ہوتا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ انتخاب:(میاں صداقت حسین

ساجد،شورکوٹ

داستان دل کی مکمل ٹیم کی طرف سے سحرش علی نقوی کو نائب چیف ایڈیٹر بنے پر اور ابرو نبیلہ ابرش کو نائب ایڈیٹر بنے پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

ایڈیٹر ندیم عباس ڈھکو

کاٹ کر فون میرا جتاتی ہے مجھے

رابطے میں ہے وہ اب کسی اور کے

اسامہ زاہروی

"آہ!! کہ چلے تھے پھول چنن •

.اور خوشبو کو ہی بھلا بیٹھے

"از قلم؛اُمیمہ بنت خالد. •

ابھی راہ میں کئی موڑ ہیں کوئی آئے گا کوئی جائے گا

تمہیں جس نے دل سے بھلا دیا اسے بھولنے کی دعا کرو

نام۔ گل ناز راؤ شہر کراچی

کوئی ہاتھ بھی نہ ملائے گا، جو گلے ملو گے تپاک سے

یہ نئے مزاج کا شہر ہے، ذرا فاصلے سے ملا کرو۔

نام۔ گل ناز راؤ شہر کراچی

گو کہ میرے گرد ہے لوگوں اک ہجوم

مگر آج بھی تیری یادوں میں تنہا کھڑی ہوں میں

#شازیہ_کریم

کرچی کرچی بکھرے ہیں جسکے خواب آنکھوں میں

میں اس لڑکی کے خوابوں میں ہمیشہ قید رہتا تھا

شفاء ایمان

تمہاری آنکھیں کہتی ہیں

کسی کی قید میں ہو تم

شفاء ایمان

نگاہ میں قید کرتے ہو اور انجان بنتے ہو

یہ دنیا ہے میرے پیارے سبھی پہچان لیتے ہیں

شفاء ایمان

دیکھتا تو ہوں مگر دیکھ نہیں پاتا ان کو

نظروں سے نظریں ملائیں تو غضب ہوتا ہے

علی رضا

کسے کہیں حالات تمام کہ تیری آنکھیں

کتنا کرتی ہیں ہمیں تشنہ گام تیری آنکھیں

تیری آنکھوں میں ڈوب کر پائی ہے حیات جاوداں

اک چھلکتا ہوا ہے جام تیری آنکھیں

از اویس شایان

جب چھوڑا ہے تو مکمّل ہی چھوڑ دو..

تمہاری یادوں کے ذرے ذرے تم اب بھی پاس رہتے ہو..

نمرہ ندیم

میری آنکھوں میں بس اس شخص کی رسائی ہے..

جس کی آنکھوں میں میرے لئے صرف نہ آشنائی ہے..

نمرہ ندیم

روداِدِ خاموشی پہ ہی جب درد کرتا ہے رقص۔۔۔

تب میری آنکھوں میں زندگی کا اُبھرتا ہے نقش۔۔۔

(فہیم ملک جوگی)

قتل ہوتے ہوئے خوابوں کے جنازے ہم نے۔۔۔

اشک برساتی ہوئی آنکھ میں دفنائے ہیں۔۔۔

(شاعر:۔زاہد شمسی)

(انتخاب:۔ فہیم ملک جوگی)

میں تو آنکھوں سے چھلکتا ھوا آنسو ھی رھی

لوگ کیسے ھیں جو آنکھوں میں بسا کرتے ھیں

ڈاکٹر صبا خان

مجھ کو خوابوں نے ہے ڈسا اس قدر۔۔۔

آنکھوں میں قید روح آئے نظر۔۔۔

(فہیم ملک جوگی)

چشم شوق کا فتور ہے کہ نگاہ مری بھٹک گئی جب پڑی نظر اک جبین پر

جو صدیوں قید تھے میری آنکھوں میں وہ تیرے سارے نقش مچلنے لگے

قلم از۔۔۔زہرہ جبین لطیف

میرے ہمسفر، میرے ہمشین! تیری اک ادا کا کمال تھا

جھکی پلکیں اُٹھائی جو تُو نے جبین میں ان کے سحر میں ڈوب گئی

قلم از۔۔۔زہرہ جبین لطیف

آیا تھا امتحان میں مضمون "بے وفا"

وضاحت تیری جو کی تو ہم ٹاپ کر گئے

اُسامہ جمیل

دیکھ لی سچائی تیری محبت کی ہم نے

ساری عمر کا غم دیا لمحے بھر میں چھوڑ کر

مائدہ آصف

مرگ ئے خواب سب کی آنکھوں کے

ہر طرف ہے گلہ حقیقت کا

جون ایلیا

از رضوانہ صدیقی

_______________________________ا

پنی آنکھوں کو نوچ ڈالا ہے

خواب آیا تھا پھر محبت کا!!!

ریحانہ اعجاز۔

______

وہ اشک بن کے میری چشمِ تر میں رہتا ہے

عجیب آدمی ہے پانی کے گھر میں رہتا ہے

ریحانہ اعجاز ۔

____

آنسو آنکھوں سے چھوٹ گئے ہیں۔

سب خواب ہمارے ٹوٹ گئے ہیں۔

کوشیش تو بہت کی نکلنے کی آخر

تیری آنکھوں کے سمندر میں ڈوب گئے ہیں۔

صوفیہ کنول

____

وصال ہے کہ کمال ھے
میری خواہشوں کے ہجوم کا

میں جس طرف نگاہ کروں مجھے ہر
طرف وہ دکھائی دے

سارہ مجید

____

زندگی نیچے کہیں منہ دیکھتی رہ گئی

کتنا اونچا لے گیا جینے کا معیار آدمی

بنتِ ہوا

--

جیسی بھی ہوں اچھی بری، میں اپنے لئے ہوں

میں خود کو نہیں دیکھتی اوروں کی نظر سے

ہما طاہر، ٹوبہ ٹیک سنگھ

--

ہر جرم میری ذات سے منسوب ہے

محسن کیا میرے سوا اس شہر میں معصوم تھے سارے

انتخاب ہما طاہر

_____

نفس کو آنچ پر، وہ بھی عمر بھر رکھنا

بڑا محال ہے ہستی کو معتبر رکھنا

انتخاب: ہما طاہر ٹوبہ ٹیک سنگھ

قابلِ داد یہ آنکھیں ہیں کہ ان آنکھوں سے

خود ہی پامال ہوئے اور خود ہی تماشا دیکھا

ارشد قمر

....

آج بھی قید ہیں ان کے فسوں میں

اک آنسو ٹپکا تھا تیری آنکھ سے

بشریٰ ایوب خان

بہت ہارے ہیں اس سے

چلو اب جیت کے دیکھتے ھیں

اسے بھول کے دیکھتے ھیں

عائشہ ظفر

سامنے بھی تو ہی بیٹھا

دل میں بھی ہے تیرا مسکن

آنکھ میں بھی قید ہے تو

ہاتھ خالی، خالی دامن

زرمینہ مریم

زندگانی کی کج ادائی

تبصرے سب فضول ہوتے ہیں

اپنی اپنی بساط ہے سب کی

سب کے اپنے اصول ہوتے ہیں..

بنتِ حوا

بسا کر گھر میں کسی کو

آنکھیں خود ویران ہو جاتی ہیں

کسی اور کو دیکھ نہیں پاتی

آنکھیں بڑی پریشان ہو جاتی ہیں.

ذوق ذوالفقار علی

آ دیکھ کہ میری آنکھ میں

تیرا عکس نمایاں ھے آج بھی...

ملائکہ خان

یہ جو آنکھوں میں اشکوں کے سمندر امڈ آے ہیں

تمہاری یادوں کی سوغات ساتھ لائے ہیں

یہ جو آنکھوں کا بھیگنا، پلکوں کی لرزش ہے جابجا

شاید تیرے نینوں سے نین ٹکرائیں ہیں

کبریٰ نوید

کیسے بھلادے آنکھوں میں بسے لوگوں کو

یادیں درد تو دیتی ہیں مگر اپنوں کی ہیں

ذوق ذوالفقار علی

مر جاتے ہیں خواب آنکھ کے کناروں تک

روح جلتی ہے میری بجھتے چراغوں تک

سانس آئے نہ آئے کیا بھروسہ اگلے پل کا

قرض چکانے کو لے آئے ہیں خواب بازاروں تک

زرمینہ مریم

میری بے خواب آنکھیں

رت جگے کا عذاب آنکھیں

لبنیٰ غزل

۔کسی کے دل میں کیا چھپا ھے یہ تو رب ھی جانتا ھے

دل اگر بے نقاب ھوتے تو سوچو کتنے فساد ھوتے

ان کی نظریں نہ جان پایں ھماری اچھایاں محسن

ھم جو سچ میں خراب ھوتے تو سوچو کتنے فساد ھوتے.

ماہم تنولی

اُس نورِ معطر کا اِس خاک کے مجسم کو نظارا دیدے

میری آنکھوں کے سمندر کو کِنارا دیدے

ڈوب رہی ہوں میں دنیا کے منجدار میں اے خُدا

بفضیلائے محمد اپنی رحمت کا سہارا دیدے

۔از قلم صوفی

قید کاٹنے لگیں ہیں

تیرے ہجر میں آنکھیں

کنول خان

تمھیں دیکھ کے آرزوئیں میری

آنکھوں میں مچلنے لگتی ہیں

کنول خان

تم سمندر کی بات کرتے ہو۔۔۔!!!

لوگ آنکھوں میں ڈوب جاتے ہیں

عینی ابرز

اور کتنا چلو گے تم آخر؟!! •

آبلے پوچھتے ہیں پاؤں سے

ندیم گِل

ہر پھول کی قسمت میں کہاں ہوتا ہے ناز عروساں

کچھ پھول تو کھلتے ہیں صرف مزاروں کے لیے...

حرا طاہر

جو منزل تک جا کے اور کہیں مڑ جائے

تم ایسے رستے کے دکھ سے ناواقف ہو

ساجد وسیم

تمارے ساتھ مرے سلسلے نہ ملتے تھے

سفر تھا مگر راستے نہ ملتے تھے

تجھے گنوا کے میری جاں مجھے یقین آیا کہ

لوگ مجھ سے مرے واسطے نہ ملتے تھے

اُسامہ انجم

سوچتے ھیں تمہیں وضو کر کے۔

یوں تیرا احترام کرتے ھیں۔

ساحر علی

اب وہ منظر نہ وہ چہرے ہی نظر آتے ہیں

مجھ کو معلوم نہ تھا خواب بھی مر جاتے ہیں

غلام یاسین نوناری

شاخوں میں پرو دی ہیں آنکھیں اپنی

یہ شجر کے نہیں میرے آنسو ہیں!!!!

لبنیٰ غزل

چہرہ وہی رہا______ مگر آنکھیں بدل گئیں

اک پل میں مجھ کو جان سے, انجان کر گیا

سلطانہ احمد

ہم اُن کے لیے............اہم

واہ دل تیرے...........وہم

صبیحہ خان

•

زمانے کا سہارا تو بظاہر اک دکھاوا ہے •

حقیقت میں مجھے میرا خدا گرنے نہیں دیتا۔ •

انتخاب: آبروِ نبیلہ اقبال •

پھول پھول پے لکھا ہے پھول توڑنا منع ہے

کاش دل پے لکھا ہوتا دل توڑنا منہ ہے

تحریر حدیقہ عرفان

کبھی نہ ٹوٹنے والا حصار بن جاوں

وہ میری ذات میں رہنے کا فیصلا تو کرے

حافظہ مصباح میرپور آزاد کشمیر

ایک لمحہ یاد کرنے کی قیمت ھو اگر ایک پیسہ......

تو سنو تم اربون کے قرض دار ھو میرے......

اسماء

بہت اداس سا رہتا ہوں میں

محفل میں رہ کر بھی تنہا سا رہتا ہوں میں

کچھ جنگ چھیڑ گائ ہے میرے اندر

اپنے قلب اور ذہن سے لڑتا رہتا ہوں میں۔۔

آمنہ عبدالغفور

اگر تم شعور رکھتے ہو تو وہ بھی

دیکھو جو آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔۔

فیصل اداس

صوفیا کنول (نامعلوم)

ذرا پانے کی چاہت میں بہت کچھ چھوٹ جاتا ہے۔

نا جانے صبر کا دھاگہ کہاں ٹوٹ جاتا ہے۔

کِس کو ساتھ کہتے ہو یہاں تو اپنا سایا بھی۔

کہی پے ساتھ رہتا ہے کہی پے چھوٹ جاتا ہے۔

عامر صغیر (ساہیوال)

چاند تو تاروں کے پاس رہتا ہے

آپ انساں سے پیار کر لیجے

کبشاہ چوہدری (فیصل آباد)

کبھی تم بہت ضروری تھے میری ذات کے لیے

پھر یوں ہوا کہ میرے گماں سے بھی گئے

کبشاہ چوہدری (فیصل آباد)

ہم__ انازادیوں کی تربیت اور ہے۔

ہم جھکاتی نہیں۔ جبیں۔ معذرت۔

صوفیا کنول (گوجرانوالہ)

تیری کامیابی تو اٹل ہے۔

کیوں کے میری دُعاوں میں بڑا اثر ہے۔

جلنے دو جی بھر کر مُخالفتوں کو

ابھی تو جلنے میں بڑی کسر ہے۔

شاعرہ: صوفیا کنول

۔عامر صغیر (ساہیوال)

اِک دن تم کو جیت ہی لیں گے

آج تم نے جن کو کہا ہے پاگل واگل

احمد رضا (ساہیوال)

گھائل کرنے کو تمہارا تیر نظر ہی کافی تھا

پھر چلا کر تلواریں رعنا کیوں کر ڈالا قتل؟

اللہ دیتہ (ساہیوال)

جو زخم کھا کے مسکراتے ہیں

وہی ہم ہیں جناب گھائل سے

عبدالرحمان(ساہیوال)

ترا دیدار حاصل ہے مگر ہجرت کے موسم میں

یوں جس منصب پہ فائز ہیں بتانا بھول جاتے ہیں

ملائیشیا(ملتان)*

جو بھی آتا ہے بتاتا ہے نیا کوئی علاج

بٹ نہ جائے ترا بیمار_ مسیحاؤں میں

راناوقار(پاکپتن)

تم جانتے ہو ایک پھول کی قیمت ہم نے کس طرح

چکائی ساگر

فقط ایک پھول کے بدلے میری بہاروں کے سبھی

موسم چرائے اس نے

وسیم انور(اوکاڑہ)

کیسے کریں شکوہ ان کی بے وفائی کا

وہ ہماری وفاوں کی مثال دیا کرتے ہیں

زعیم انجم(ساہیوال)

جب اُس نے میرے درد کو سمجھا نہیں کبھی

پھر پیار کی میں مانگ کے بھی بھیک کیا کروں

عایشہ ممتاز(کراچی)

ہم خوشبو کے رکھوالے ہیں

ہم پیار سکھانے والے ہیں

تم بکھرو کیسے بکھرو گے

ہم پلکوں سے چننے والے ہیں

حامد علی (ساہیوال)

جو دل میں بات ہے ہونٹوں پہ لائیں کس طرح آخر

تمھارے بن لبوں کو ہم ہنسانا بھول جاتے ہیں

زاہد چوہدری (ساہیوال)

فلک پہ جیسے شفق کی سرخی ابھر آئے

اسکے رحسار سے جو ٹپکے میرے دل میں اتر آئے

کاشف اکبر (ساہیوال)

مجھے اپنی محبت کی فقیری میں ہی رہنا ہے

ابھی اس کی خدائی کا زمانہ بھول جاتے ہیں

اقرا علی (ساہیوال)

اپنی ذات پہ تنہائی ______ کا لباس رکھتی ہوں

میں خاص پھول ہوں، رنگ بھی خاص رکھتی ہوں

آبِ حیات

"تم سارے ستونوں کو ہاتھ لگا کر آنا۔۔

ساری دیواروں کو... اُن کو نبی پاک ﷺ نے

بھی چُھوا ہو گا۔

کسی نہ کسی کو۔۔۔ پھر تم باہر آؤ گے تو

سب سے پہلے میں تمہارا ہاتھ چھوؤں گی۔"

وہ بچوں جیسے انداز میں کہہ رہی تھی۔

میں ہمیشہ لوگوں سے ایک سوال کرتا ہوں مگر کوئی

مجھے اسکا تسلی بخش جواب

نہیں دیتا! سالار نے کہا.......

امامہ نے کہا کونسا سوال ہیں؟

سالار: سوال بہت آسان ہیں.. What is next to

the ecstasy

امامہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہے اور پھر کہا! "pain"

سالار"And what is next to the "pain

بولا.....

Nothingness.....امامہ نے کہا!

انتخاب: آبروِ نبیلہ اقبال

And what is next to the

Nathingness......سالار نے اسے انداز میں

ایک اور سوال کیا؟

"Hell" امامہ نے کہا!

"And what is next to hell"....سالار نے

پوچھا؟

"And what is next to hell"........سالار

نے سوال دوبارہ دہرایا.....

تمھیں ڈر نہیں لگتا اس بار امامہ نے سوال پوچھا؟

کس چیز سے ڈر....سالار بولا....

hell..سے اس جگہ سے جس کے آگے کچھ نہیں

ہوتا! سب اس کے پیچھے رہ جاتا ہیں مغتوب اور

مغضوب ہونے کے بعد بچتا کیا ہیں جس

کو جاننے کا تجسس ہیں.

پیر کامل از عمیرہ احمد

انتخاب: دِیا آرزو

جب عزت پہ حرف آنے لگے تو محبت کو چھوڑ دینا

چاھیے..

من و سلوی...

_Awaiz shayan..

ھمیں خالق کے احسانوں کو یاد رکھنے کی عادت نہ ھو تو

ھم کسی مخلوق کا احسان بھی یاد رکھنے کی عادت نھیں

سیکھ سکتے.

پیر کامل.

عائشہ خان

تم جھوٹ کیوں بولتے ھو؟؟

امامہ نے اسے شرم دلانے کی کوشش کی تھی.

کیوں کہ اگر میں سچ بولوں گئی تو لوگ مجھے وہ نھیں
کرنے دیتے جو میں کرنا چاھتا ھوں..

کمال کی منطق تھی.

اور بے حد سنجیدگی سے پیش کی گئی تھی...

پیر کامل.

ثمنہ طاھر بٹ

زندگی میں ہم کبھی نہ کبھی اس مقام پر آجاتے ہیں
جہاں سارے رشتے ختم ہو جاتے ہیں۔ وہاں صرف ہم
ہوتے ہیں اور اللہ ہوتا ہے۔ کوئی ماں باپ، کوئی بہن
بھائی کوئی دوست نہیں ہوتا۔ پھر ہمیں پتا چلتا ہے کہ
ہمارے پاؤں کے نیچے نہ زمین ہے نہ ہمارے سر کے
اوپر کوئی آسمان، بس صرف ایک اللہ ہے جو ہمیں اس
خلا میں تھامے ہوئے ہے۔ پھر ہمیں پتا چلتا ہے کہ ہم
زمین پر پڑی مٹی کے ڈھیر میں ایک زرے یا درخت پر
لگے ہوئے ایک پتے سے زیادہ کی وقعت نہیں رکھتے۔
پھر ہمیں پتا چلتا ہے کہ ہمارے ہونے یا نہ ہونے سے
صرف ہمیں فرق پڑتا ہے۔ صرف ہمارا کردار ختم ہو
جاتا ہے۔ کائنات میں کوئی تبدیلی نہیں آتی کسی چیز پر
کوئی اثر نہیں پڑتا۔

عمیرا احمد کے پیر کامل سے اقتباس

اگر اللہ نے آپ کو رزق کی تنگی دینی ھے تو اگر آپ کی
چار چار فیکٹریاں ھوں گئی...تو
کیا کرلیں گے اگر چاروں فیکٹروں میں ایک ساتھ
آگ لگ جائے

ھم کتنے ھی بندھ کیوں نہ باندھے اگر سیلاب کا پانی کو
ھم تک آنا ھے تو وہ سارے بندھ توڑ کے پانی ھم تک
آنا ھے تو وہ سارے بندھ توڑ کر آجائے گا..

اگر ھماری قسمت میں پانی کا ایک قطرہ ھے گھونٹ
نھیں تو ھم دریا کے کنارے بیٹھ کع بھی ایک قطرہ ھی
پی سکے گے ایک گھونٹ نھیں...

لا حاصل...

جبین راجا

اور میں خواہش لیے پھر رہا ہوں اسکے ساتھ زندگی گزارنے کی۔۔ یوں جیسے وہ مل ہی جائے گی۔۔یوں جیسے مل گئی تو میرے ساتھ رہنے کو تیار ہو ہی جائے گی یوں جیسے وہ جلال انصر کو بھلا چکی ہوگی ۔ ولیوں جتنی اور ولیوں جیسی عبادت کرتا تو شاید اللہ میرے لیے یہ معجزے کر دیتا۔۔ پر۔ میرے جیسے آدمی کے لیے۔۔ میری اوقات تو یہ ہے۔۔کہ لوگ خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر بخشش مانگ رہے ہوتے ہیں میں وہاں کھڑا ہو کر بھی اسے ہی مانگتا رہا تھا شاید اللہ کو یہ ہی برا لگا۔

اقتباس: پیر کامل، عمیرہ احمد

رضوانہ صدیقی۔ملتان

زندگی میں ہم کبھی نہ کبھی اس مقام پر آجاتے ہیں جہاں سارے رشتے ختم ہو جاتے ہیں۔وہاں صرف ہم ہوتے ہیں اور اللہ ہوتا ہے۔کوئی ماں باپ، کوئی بہن بھائی کوئی دوست نہیں ہوتا۔ پھر ہمیں پتا چلتا ہے کہ ہمارے پاؤں کے نیچے نہ زمین ہے نہ ہمارے سر کے اوپر کوئی آسمان، بس صرف ایک اللہ ہے جو ہمیں اس خلا میں تھامے ہوئے ہے۔ پھر ہمیں پتا چلتا ہے کہ ہم زمین پر پڑی مٹی کے ڈھیر میں ایک زرے یا درخت پر لگے ہوئے ایک پتے سے زیادہ کی وقعت نہیں رکھتے۔ پھر ہمیں پتا چلتا ہے کہ ہمارے ہونے یا نہ ہونے سے صرف ہمیں فرق پڑتا ہے۔ صرف ہمارا کردار ختم ہو جاتا ہے۔کائنات میں کوئی تبدیلی نہیں آتی کسی چیز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

عمیرا احمد کے پیرِ کامل سے اقتباس

ریحانہ اعجاز

'میری خواہش ہے بابا'' اس نے زیر لب کہا کہ زندگی میں ایک بار میں آپ کے سامنے آؤں اور آپ کو بتاؤں کہ دیکھ لیجئے، میرے چہرے پر کوئی ذلت، کوئی رسوائی نہیں۔ میرے اللہ اور میرے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے میری حفاظت کی۔ مجھے دنیا کے لئے تماشا نہیں بنایا، نہ دنیا میں بنایا ہے نہ ہی آخرت میں میں کسی رسوائی کا سامنا کروں گی اور میں آج اگر یہاں موجود ہوں تو صرف اس لئے کیونکہ میں سیدھے راستے پر ہوں اور یہاں بیٹھ کر میں ایک بار پھر اقرار کرتی ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں۔ ان کے بعد کوئی پیغمبر آیا ہے نہ ہی کبھی آئے گا۔ میں اقرار کرتی ہوں کہ وہی پیر کامل ہیں۔ میں اقرار کرتی ہوں کہ ان سے کامل ترین انسان دوسرا کوئی نہیں۔ ان کی نسل میں بھی کوئی ان کے برابر آیا ہے نہ ہی کبھی آئے گا اور میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ مجھے آنے والی زندگی میں بھی کبھی اپنے ساتھ شرک کروائے نہ ہی مجھے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کسی کو لا کھڑا کرنے کی جرات ہو۔ میں دعا کرتی ہوں کہ اللہ زندگی بھر مجھے سیدھے راستے پر رکھے۔ بے شک میں اس کی کسی نعمت کو نہیں جھٹلا سکتی۔

عمیرا احمد کے ناول "پیر کامل" سے اقتباس

آمنہ شاہین

عمیرہ احمد کے ناول۔۔ شہر ذات۔۔۔سے اقتباس"

"آپ کو پتا ہے اللہ مجھے کیوں نہیں مل سکتا؟ میرے

اور اللہ کے درمیان خواہشوں کی دیوار ہے۔

آسائشوں کی دیوار ہے۔ میں نے اپنے ارد گرد دنیا کی

اتنی چیزیں اکٹھی کر لی ہیں کہ اللہ تو میرے پاس آ ہی

نہیں سکتا جسے وہ اپنی محبت دے دیتا ہے اسے پھر کسی

اور چیز کی ّخواہش نہیں ہوتی۔۔۔۔ اور جسے دنیا دیتا

ہے اس کی خواہش بھوک بن جاتی ہے جو کبھی ختم ہی

نہیں ہوتی

سمعیہ فاطمہ راولپنڈی

سالار تم کیا دیکھ رہے ہو۔ انہوں نے سختی سے پوچھا

یک لفظی جواب آیا۔ وہ اب چبھتی نظروں سے انہیں

دیکھ رہا تھاNothing

تمہیں پتا ہے میں کیا پڑھا رہی ہوں؟

اس نے اتنے روڈ انداز میں کہا کہ سمانتھا نے یک دم

ہاتھ میں پکڑا ہوا مارکر کیپHope so

سے بند کر کے ٹیبل پر پھینک دیا

یہ بات ہے تو پھر یہاں آؤ اور یہ ڈایا گرام بنا کر اس کو

لیبل کرو۔ انہوں نے اسفنج کے ساتھ

رائٹنگ بورڈ کو صاف کرتے ہوئے کہا۔ یک بعد

دیگرے لڑکے کے چہرے پر کئی رنگ آئے۔ انہوں

نے کلاس میں بیٹھے ہوئے اسٹوڈنٹس کو آپس میں

نظروں کا تبادلہ کرتے دیکھا۔ وہ لڑکا اب سرد نظروں

کے ساتھ سمانتھا کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی انہوں نے

رائٹنگ بورڈ سے آخری نشان صاف کیا وہ اپنی کرسی

سے ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھا، تیز تیز قدموں کے

ساتھ اس نے ٹیبل پر پڑا ہوا مارکر اٹھایا اور برق

رفتاری کے ساتھ رائٹنگ بورڈ پر ڈایا گرام بنانے لگا۔

پورے دو منٹ ستاون سیکنڈز بعد اس نے مارکر پر کیپ

لگا کر اسے میز پر اسی انداز سے اچھالا جس انداز سے

سمانتھا نے اچھالا تھا اور انکی طرف دیکھے بغیر اپنی کرسی

پر آکر بیٹھ گیا۔ مسز سمانتھا نے اسے مار کر اچھالتے یا اپنی کرسی کی طرف جاتے نہیں دیکھا۔ وہ بے یقینی کے عالم میں رائٹنگ بورڈ پر تین منٹ سے بھی کم عرصہ میں بنائی جانے والی اس لیبلڈ ڈایا گرام کو دیکھ رہی تھیں جسے بنانے میں انہوں نے دس منٹ لیے تھے اور یہ تین منٹ میں بننے والی ڈایا گرام انکی ڈایا گرام سے زیادہ اچھی تھی۔ وہ اس میں معمولی سی بھی غلطی نہیں ڈھونڈ سکیں۔ کچھ خفیف ہوتے ہوئے انہوں نے گردن موڑ کر اس لڑکے کی طرف دیکھا تو وہ پھر کھڑکی سے باہر کچھ دیکھ رہا تھا.

حیا امل اسلام آباد

یہ جو لوگ کہتے ہیں نا کہ جس سے محبت ہوئی وہ نہیں ملا۔ ایسا پتا ہے کیوں ہوتا ہے ؟"

رات کے اس پچھلے پہر نرمی سے اس کا ہاتھ تھامے وہ بھیگی آنکھوں اور مسکراتے چہرے کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

"محبت میں صدق نہ ہو تو محبت نہیں ملتی۔ نو سال پہلے میں نے جب جلال سے محبت کی تو پورے صدق کے ساتھ کی۔ دعائیں، وظیفے، منتیں، کیا تھا جو میں نے نہیں کر چھوڑا مگر وہ مجھے نہیں ملا۔"

وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی تھی۔ سالار کا ہاتھ اس کے ہاتھ کی نرم گرفت میں اس کے گھٹنے پر دھرا تھا۔

"پتا ہے کیوں؟ کیونکہ اس وقت تم بھی مجھ سے محبت کرنے لگے تھے اور تمہاری محبت میں میری محبت سے زیادہ صدق تھا۔"

سالار نے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ اس کی ٹھوڑی سے ٹپکنے والے آنسو اب اس کے ہاتھ پر گر رہے تھے۔ سالار نے دوبارہ امامہ کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"مجھے اب لگتا ہے کہ اللہ نے مجھے بہت پیار سے بنایا تھا۔ وہ مجھے کسی ایسے شخص کو سونپنے پر تیار نہیں تھا جو میری ناقدری کرتا، مجھے ضائع کرتا اور جلال، وہ میرے ساتھ یہی سب کچھ کرتا۔ وہ میری قدر کبھی نہ کرتا۔ نو سال میں اللہ نے مجھے ہر حقیقت بتا دی۔ ہر شخص کا اندر اور باہر دکھا دیا اور پھر اس نے مجھے سالار سکندر کو سونپا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تم وہ شخص ہو جس کی محبت میں صدق ہے۔ تمہارے علاوہ اور کون تھا جو مجھے یہاں لے کر آتا۔ تم نے ٹھیک کہا تھا تم نے مجھ سے پاک محبت کی تھی۔"

سالک زمان اسلام آباد

زندگی میں کبھی نہ کبھی ھم اس مقام پر آجاتے ھیں. جھاں سارے رشتے ختم ھو جاتے ھیں

وھاں صرف ھم ھوتے ھیں اور اللہ ھوتا ھے. کوئی ماں باپ اور دوست نھیں ھوتا پھر ھمیں پتہ چلتا ھے کہ ھمارے پاؤں کے نیچے زمیں اور سر آسمان ھے اور بس صرف اللہ ھے جو ھمیں اس خلا میں تھامے ھوئے ھیں.

پھر پتہ چلتا ھے کہ ھم زمیں پر پڑی مٹی کے ڈھیر میں ایک ذرے یا درخت پر لگے ھوئے ایک پتے سے زیادہ وقعت نھیں رکھتے اور پھر پتہ چلتا ھے کہ ھمارے ھونے یا نہ ھونے سے صرف ھمیں فرق پڑتا ھے....

سمیرا خان.. ملتان

ھر انسان کو زندگی میں کبھی نہ کبھی پیر کامل کی ضرورت پڑتی ھے. کبھی نہ کبھی انسانی زندگی اس موڑ پر آکر ضرور کھڑی ھو جاتی ھے کہ جب پتہ لگتا ھے کہ ھمارے لبوں اور دل سے نکلنے والی دعائیں بے اثر ھو گئی.

ھمارے سجدے اور ھمارے پھیلے ھوئے ھاتھ

رحمتوں کی طرف موڑ موڑ رھے یا نھیں. یوں

لگتا ھیں کہ جیسے کوئی تعلق تھا جو ٹوٹ گیا پھر

آدمی کا دل چاھتا ھے کہ اب اس کے لیے کوئی اور

ھاتھ اٹھائے کسی اور کے لب اس کی دعا اللہ

تک پھنچائیں کوئی اور اللہ کے سامنے گڑ گڑائے

کوئی ایسا شخص جسکی دعا قبول ھوتی ھو.. جس کے

لبوں سے نکلنے والی ساری التجائیں اس کے اپنے

لبوں کی طرح واپس نہ موڑ دی جاتی ھو...

پھر انسان پیر کامل کی تلاش میں شروع کرتا ھے بھاگتا

پھرتا

ھے دینا میں ایسے شخص کے لیے جو کاملیت کی کسی نہ

کسی سیڑھی پہ کھڑا ھو..

سحرش اختر. راولپنڈی

زندگی میں انسان کو ایک عادت ضرور سیکھ لینی چاھیے

جو چیز ھاتھ سے نکل جائے اسے بھول جانے کی

عادت

یہ عادت بھت سی تکلیفوں سے بچا لیتی ھے..

امر بیل. عمیرہ احمد

عائشہ نور...ملتان

جو لوگ دوسرون کے دلوں کع کانٹوں سے زخمی

کرتے ھیں ان کے اپنے اندر کیکر اگے ھوتے

ھیں. وہ چاھیں نہ چاھیں ان کے وجود کو کانٹا ھی بننا

ھوتا ھے وہ پھول نھیں بن سکتے....

حاصل... عمیرہ احمد

شازیہ منور... اسلام آباد

بعض دفعہ خاموشی کے بڑے فائدے ھوتے ھیں.

یہ آپ سے بڑے بڑے فیصلے لمحوں میں کروالیتی

ھے...وہ فیصلے جو ویسے کرتے ھوئے شاھد بھت

وقت لگ جائے

تھوڑا سا آسمان. عمیرہ احمد..

ملائکہ خان. راولپنڈی

داستان دل کی ٹیم سے رابطہ کا ذریعہ

فیس بک:03377017753

ای میل:abbasnadeem283@gmail.com

واٹس اپ:03225494228

اگر آپ کو لکھنے کا شوق ہے مگر اس ڈر سے نہیں لکھ سکے کہ شائع ہو گا کہ نہیں ہم ایسے نیو لکھنے والوں کو گارنٹی دیتے ہیں کہ وہ قلم کو اٹھائیں انشاءاللہ ہم جگہ دیں گے۔ اور وہ بھی پہلے ماہ ہی ارسال کرنا تحریریں بالکل آسان ہے آپ اردو میں مسیج لکھ کر مسیج میں بھی لکھ کہ سینڈ کر سکتے ہیں۔ داستان دل کے بارے آپ کو کوئی بھی معلومات لینی ہو تو 03225494228 پر رابطہ کر سکتے ہیں

۔ایڈیٹر

مریم جہانگیر

.... کون ہے اور کیا ہے؟ میں یہ آج تک نہیں سمجھ سکی جہاں اپنا تعارف کروانا ہو وہاں بہت سے الفاظ پاس ہوتے ہوئے بھی میں گونگی ہو جاتی ہوں.... ابتدائی تعلیم مقامی سکول عظمیٰ ماڈل سے حاصل کی. 2007 میں سکول کی تاریخ میں سب سے زیادہ نمبر لینے والی طالبعلم کی حیثیت سے فارغ التحصیل ہوئی. ہم نصابی سرگرمیوں میں بھی سرگرم رہی. ایف ایس سی گورنمنٹ گرلز کالج مری روڈ راولپنڈی سے کیا. میری زندگی کا سنہرا ترین دور...... مجھے لگتا تھا میں ہواؤں میں ہوں میں سیکھنا سیکھ گئی تھی کالج کی انجینئرنگ کی سیکنڈ بیسٹ سٹوڈنٹ کے طور پر سرٹیفکیٹ لے کر بی ایس ایڈ کے لئے فیڈرل کالج آف ایجوکیشن ایچ نائن میں داخلہ لیا. یہ خود کو سمجھنے کا زمانہ تھا. ہر ادارے میں بہترین اساتذہ ملے. سکول کے پرنسپل سر یوسف، اردو کی ٹیچر میم ارجمند, ایف ایس سی میں میم مدثرہ، میم ناصرہ, بی ایس ایڈ میں سر ماجد، میم رفعت .... اساتذہ کرام نے ایسی کانٹ چھانٹ کی کہ میں ہر دن پیچھے مڑ کر دیکھتی کہ کیا یہ میں ہی ہوں.... والد کے پیار سے بگڑی ہوئی ضدی بچی کو جہاں والدہ کی پائپوں سے پڑنے والی مار نے سیدھا کیا وہیں اساتذہ کی محبت نے یقین دلایا کہ تسخیر کرنے کو آسماں اور بھی ہیں.... ایم ایس سی رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد سے شام کی شفٹ میں سکالرشپ پہ کر رہی ہوں تادمِ تحریر کلاس میں دوسرے نمبر پر ہوں. (اللہ جی اسی پہ رکھیں آمین) پرائیویٹ ایم اے تاریخ بھی کر رہی ہوں. گریجویشن کے فوراً بعد گورنمنٹ کی شعبہ تدریس میں نوکری مل گئی بحیثیت استاد گورنمنٹ گرلز ہائیر سیکنڈری سکول میں خدمات سر انجام دے رہی ہوں.

اب اپنے ادبی سفر کا تعارف کروانا چاہوں گی بچپن سے لفظ آگاہی مجھے بہت عزیز رہا اور نجانے کب میرے اندر اس کی چاہ پیدا ہو گئی مجھے اب بھی یاد پڑتا ہے کہ میں جائے نماز پہ بیٹھی کتنی ہی دیر آگاہی مانگتی رہتی تھی..... گھر میں سب کا پڑھنے کی طرف رجحان تھا چاہے وہ نصابی کتب ہو, کہانیوں کی کتاب ہو یا اخبار کا صفحہ..... چاٹ لینا ثواب سمجھا جاتا.... میں نے اس ماحول میں پڑھنا سیکھا. چھٹی جماعت میں ایک کہانی لکھی اور بچوں کے رسالے آنکھ مچولی میں چھپ گئی پھر کیا تھا میں نے لکھنا شروع کر دیا..... بڑے ابو (نانا) آتے تو تاکید کرتے اپنا لکھا ہوا کسی کاپی یا رجسٹر پہ چپکا لو لیکن میں اول درجے کی نکمی اور سست .... ایسا نہیں کیا بہت سی کہانیاں میرے پاس نہیں ہیں... آج وہ نہیں ہیں تو ان کی نصیحتیں یاد آتی ہیں. چھوٹی چھوٹی بے ربط نظموں سے میری ڈائریاں بھرتی گئی اور اردو کی کاپہ پر تعریفی کلمات کی بھرمار ہوتی رہی. میں شاداں تھی لیکن اب زمین چھوٹی لگنے لگی مجھے اپنا عکس تصویر کرنے کو بڑا کینوس چاہئے تھا جو کالج کی صورت میں ملا. واہ کیا عمر تھی اور واہ کیا فکر تھی....

کالج میں اساتذہ کی سرپرستی نے مجھے خوب نکھارا مختلف ہم نصابی پروگراموں میں شرکت کی مباحثے جیتے اردو, انگریزی پنجابی تینوں زبانوں کی مقررہ رہی انعامات حاصل کئے مشاعروں کے لئے نظمیں لکھیں تقریروں کا ایک پلندہ ابھی تک پاس ہے گھر میں کوئی مہمان آتا تو ابو کھڑا کر دیتے "یہ مریم کی تقریر سنیں" بڑی امی نے پنجابی تقریر سنی تو کہا "اس کو ٹی وی والے لے جائیں گے" مضمون نویسی کے مقابلوں میں پوزیشن حاصل کی کالج سے "موسٹ ٹیلنٹڈ سٹوڈنٹ" کا سرٹیفیکیٹ ملا ساتھ میں سونے کا تمغہ بھی. فلاحی کام کئے. سکول سے بھی دو سال بعد بیسٹ سٹوڈنٹ آف سکول کا سرٹیفیکیٹ ملا. عروج کا زمانہ تھا. تعریفیں سمیٹی اور بہت داد وصول کی. ساتھ ہی ساتھ آنکھ مچولی، زاد آلفردوس، تہذیب الاطفال, پیغام, شاہین وغیرہ میں تحریریں چھپتی رہیں اب کرن کرن روشنی میں بھی شائع ہوتی ہیں

شاعری کا جنون تھا لیکن الف ب تک نہ آتی تھی کالج میگزین کی حد تک گزارہ ہو جاتا تھا. مضمون خوب لکھے اور کالم روزنامہ پاکستان میں بھی چھپے. میرا افسانہ زندگی قتل گاہ فرسٹ ائیر کی کاوش ہے جو کالج میگزین میں بھی شامل ہوا پھر تھوڑا وقفہ آ گیا. لکھنا نہیں چھوڑا لیکن جو لکھا وہ اپنے تک رکھا. 16 دسمبر 2014 کے واقعے نے مجھے بری طرح جھنجھوڑا مجھے احساس ہوا کہ روزِ قیامت اللہ جی مجھ سے پوچھ سکتے ہیں تمہیں لکھنے کی طاقت دی تھی اس سے کیا کیا؟ کتنی روشنی پھیلائی؟ کتنا سچ بولا؟ میں نے اپنی فائلوں سے مضمون نکالے

اور فیس بک کے ذریعے شائع کر دیئے پھر کالمسٹ کونسل آف پاکستان کی ممبر بنی میرے کالم ملکی اخبارات میں چھپے جن میں سماء، اوصاف، روزنامہ پاکستان، ایمان، سرزمین جہانِ پاکستان، مبلغ، جناح، تاریخ اور دیگر کئی شامل ہیں میرے افسانچے اور افسانے بھی مختلف اخبارات کے ادبی صفحات کی زینت بن چکے ہیں. روابط اور ریشم میں بھی افسانے لگے. اس کے علاوہ میری لکھی ہوئی چیزیں قلم اردو، یونیورسل اردو پوائنٹ، ہمادی ویب، جذبہ آن لائن اور لوکلستان ویب سائٹس پر بھی دیکھی جاسکتی ہیں میری شاعری کو مختلف آر جیز نے اپنے ریڈیو پروگرام میں شامل کیا ایف ایم 90 کے آر جے شہروز نے میرا انٹرویو کیا. کالمسٹ کونسل آف پاکستان کی طرف سے تعریفی سند ملی. یونیورسل اردو پوائنٹ کی طرف سے بھی تعریفی سند موصول ہوئی اسلامی مضامین پر خاصی پذیرائی ملا یہاں تک کہ ارشد ملک (عمدہ شاعر اور رمیل پبلیکیشنز ہاؤس کے مالک) نے ناول لکھنے کا بھی کہہ ڈالا. فیس بک کے ذریعے دنیائے ادب کی مختلف شخصیات کے مختلف ردِ عمل ملتے رہتے ہیں لیکن میں خود کو تاحال کسی قابل نہیں سمجھتی. ادب کو ابھی سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں. جب کوئی کسی تحریر کی بابت استفسار کرتا ہے کہ یہ آپ نے لکھی ہے؟ تو دل ہولنے لگتا ہے.... یا خدا یہ ڈانٹ ہی نہ دیں. سب سے بڑے نقاد میرے گھر والے ہیں ابو امی اور بہنیں.....

ایک ناول لکھ چکی ہوں ابھی شائع ہونا باقی ہے امید واثق ہے آنے والے سال میں انشاء اللہ تین کتابیں شائع ہونگی

اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو

آمین

سوال وہیں کا وہیں ہے مریم جہانگیر کیا ہے اور کون ہے میں ابھی تک سمجھ نہیں پائی.

میرا نام ریحانہ اعجاز ہے۔۔۔

مکمل ہائوس وائف ہوں، مجھ میں میرے اسٹار؛ سنبلہ؛ کی تمام خوبیاں اور خامیاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ مثلاً، چھوٹی چھوٹی باتوں سے خوشیاں کشید کرنا میری عادت ہے۔ بلاوجہ ہر فن مولا بننے کے چکر میں ہر کام کرنے کی کوشش کرنا اور پھر مزے کی بات کامیاب بھی ہو جانا اور تعریفوں کے ڈونگرے بھی وصول کرنا، یہ میری فطرت ہے۔

چلتا پھرتا انسائیکلوپیڈیا ہوں ایسا میرے فرینڈز کہتے ہیں میں نہیں۔ ، بے حد ٹھنڈے دل و دماغ کی مالک ہوں۔۔۔۔۔ ہاہاہاہا، بس یہ بات غلط لکھی ہے میرے اسٹار میں۔۔۔ عقل و دانش کی باتیں کرنا

(اوہ واقعی مجھے تو اپنی اس خوبی کا پتہ ہی نہیں تھا)

خیر صاحب یہ تو ہوگئیں میری چیدہ چیدہ خوبیاں،، اب ذرا خامیوں پر نظر ڈالوں تو۔۔۔ توبہ توبہ اتنی لمبی لسٹ۔۔۔ نہیں جی مجھ میں اپنی ساری خامیاں

بیان کرنے کا حوصلہ نہیں یہ کام دوستوں کے لئے چھوڑ دیتی ہوں، ان کو بھی تو موقع ملنا چاہیئے نا دل کی بھڑاس نکالنے کا۔ صرف ایک خامی بتا دیتی ہوں کہ میں منہ پھٹ ہوں

اکثریت کو شکایت ہے، مجھے عادت ہے ہر بات اگلے بندے کے منہ پر کرنا اب کسی کو اچھا لگے یا برا۔۔۔ پر کیا کروں مجھے منافقت پسند نہیں۔۔۔ میرے مشاغل میں شامل ہے ڈائجسٹ اور ناول پڑھنا، اچھی اچھی موویز دیکھنا، موسیقی سے لطف اندوز ہونا، بچوں کے لیے مزے مزے کے کھانے بنانا اور فیس بک کے زریعے دوستوں سے رابطے میں رہنا۔۔ میرے ماشاءاللہ تین بچے ہیں۔ سب سے بڑا بیٹا اسامہ اعجاز سافٹ وئیر انجینیئر ہے، پھر میری باربی ڈول ہے علینہ اعجاز، جو کہ بزنس پڑھ رہی ہے، پھر میرا نٹ کھٹ شرارتی بیٹا علی اعجاز ہے، جو ابھی حال ہی میں اسکول سے فارغ ہوا ہے اور کالج میں ایڈمیشن کے بعد اپنی زندگی کے نئے دور میں داخل ہو گیا ہے۔ بچے چونکہ بڑے ہوگئے ہیں اس لئے راوی چین ہی چین لکھتا ہے، بہت فراغت نصیب ہے سو زندگی کو بھرپور انجوائے کر رہی ہوں، اور اس سب میں بہت سا کریڈٹ میرے شوہر کو بھی جاتا ہے، جنہوں نے مجھے بیشمار خوشیوں سے نوازا ہے، ہر قدم پر میرا ساتھ دیا ہے۔ میاں بیوی میں جب آپس میں خلوص اور یگانگت ہو تو بندہ پر سکون ہو جاتا ہے اور جب بندہ پر سکون ہو جاتا ہے تو زندگی خوبصورت ہو جاتی ہے، اور اللہ نے مجھے بے شمار پر خلوص محبتوں سے نوازا ہے۔ احسان ہے اس رب کریم کا کہ میں اپنی

فیملی کے ساتھ پر سکون اور خوشگوار زندگی گذار رہی ہوں۔

اللہ ہماری جنت کو نظرِ بد سے بچائے رکھے، آمین۔

زندگی زندہ دلی کا نام ہے

مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہی

فہیم ملک جوگی کا مکمل تعارف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ, اراکینِ داستانِ دل

ڈائجسٹ''

صاحبان, مہربان, قدردان!

ایک تعارفی مضمون لکھا ہے جس میں مَیں نے اپنے تیئں پوری کوشش کی ہے کہ ایک زبردست موازنہ اور عمدہ منظر نگاری کے لئے خوبصورت الفاظ کا چناؤ کر کے کمال نثر اور کچھ اپنی گزری زندگی کے حقائق اس مضمون نما تعارف میں پیش کر سکوں۔ اگر تحریر میں کوئی کمی کوتاہی ہو تو پیشگی معذرت لیکن ہم کوشش ضرور کریں گے کہ بہت ہی اچھی اور لطافت سے بھرپور تحریر ہو اور احباب کے اعلٰی معیار و اقدار پر پورا اُترے۔

بُنیادی تعارف

نام:- فہیم ملک۔

لقب اور تخلص:. جوگی۔

تعلیم:- پڑھ لکھ لیتا ہوں, میٹرک

کام،، کھیتی، باڑی، کسان۔

عمر۔27

قد۔6 فٹ

رنگ۔ گندمی

ذات, بولے تو کاسٹ:- ارائیں۔

کھیل:- والی بال۔

مادری زبان:- سرائیکی، پنجابی،

اردو زبان و ادب سے ہمیں محبت ہے، اور انگریزی بہت کم جانتے ہیں۔

رہائش:- رحیم یار خان، پنجاب، پاکستان۔

جائے پیدائش:- چک عباس گاؤں۔ یہ وہ دھرتی ہے جس جاہ عظیم صوفی شاعر اللہ کا ولی حضرت خواجہ غلام فرید رحمتہ اللہ علیہ کا مزار ہے یہاں بڑی دور دور سے لوگ آتے ہیں۔

ذوق وشوق:- صوفیانہ وعارفانہ کلام پڑھنا، اردو ادب کو پڑھنا اور سیکھنا، اور شاعری پڑھنا، اور سیر و تفریح کرنا۔

فہیم ملک جوگی کا مکمل تعارف

احبابِ گرامی!''داستانِ دل ڈائجسٹ''کے منتظمین و اراکین کی اتنی ساری پذیرائی پر آپ سب کا ممنون ہوں۔ محبتوں کا قرض اور بڑھ گیا فقیر پر تعارفی مضمون پیش کر رہا ہوں برداشت فرمایئے گا۔اس تحریر میں غلطیوں کی گنجائش ہو گی کیوں کہ مجھے عبور نہیں ہے نثر نگاری پر لہذا پیشگی معذرت۔

آپ جیسے عظیم الشان ادبا کی موجودگی میں میری جسارت انتہائی بے معنی ہے۔ آپ احباب تو ہر صنف میں ماہر ہیں۔ اور ہم ہر اک صنف کے نالائق ترین طالب علم۔ خیر ایسے تیسے ہمارے کوئی اہداف نہیں ہم تو سیکھنے آئے ہیں۔ اللہ اس کی توفیق دے۔ آمین۔ جب ادارے کے منتظمین کا حکم صادر ہو جائے تو اس کی تعمیل انتہائی ضروری ہو جاتی ہے۔ اس لئے ایک تعارفی''مضمون''حاضر کرتا ہوں دوستوں کی نگاہِ کرم کا محتاج ہوں۔ اپنی آراء کا اظہار بھی فرمائیں اور اگر کسی قابل سمجھیں تو''ڈائجسٹ میں شامل بھی فرمالیں۔ بہر صورت معاملہ منتظمین کی مرضی پر موقوف ہے۔

''سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے''۔

تعارفی مضمون ملاحظہ فرمائیں:-

ہم پانچ بہن بھائی ہیں جن میں ہم چار بھائی ہیں اور ایک بہنا ہے۔ بہن بھائیوں میں میرا نمبر دوسرا ہے۔ مجھ سے ایک بھائی بڑا ہے اور دو بھائی ایک بہن یہ مجھ سے چھوٹے ہیں۔ الحمد للہ بہنا کی شادی ہو چکی ہے اُس کے دو جڑواں چھوٹے موٹے ننھے مُنے پیارے شونے مونے گول مٹول بولے تو شو شویٹ بچے ہیں۔ ماشاء اللہ سے بہنا گھر میں بہت سکھی ہے۔ بڑے بھائی کی بھی شادی ہو چکی ہے بڑا بھائی اور مجھ سے چھوٹا بھائی دونوں سعودیہ عرب میں کام کرتے ہیں۔ میں اپنے گاؤں میں پیٹ کی روزی کے لئے کھیتی باڑی کرتا ہوں اور سب سے چھوٹا بھائی ابھی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔۔۔

میں نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مکتب سکول میں حاصل کی اُس کے بعد''گورنمنٹ مڈل سکول چک عباس''میں

داخلہ لیا جو کہ گاؤں سے کچھ ہی فاصلے پہ واقع ہے ۔ شروع شروع میں چہارم اور ششم تک تو سکول میں تعلیم حاصل کرنے کا بڑا ہی ذوق و شوق تھا ۔اس کے بعد زیادہ دلچسپی کھیلوں میں تھی۔ سکول میں تعلیم میں نہ سہی لیکن کبڈی,اور والی بال ان دو کھیلوں میں مشہور تھے دور دور کے سکولوں میں جب کھیلوں کے مقابلے ہوتے تو جیت میں سرِفہرست ہمارا ہی سکول آتا۔ بندہ نے آٹھویں جماعت تک اِسی سکول میں تعلیم حاصل کی پھر بعد میں گاؤں میں کوئی ہائی سکول نہ ہونے کیوجہ سے نہم اور دہم کے لئے شہر کے '' گورمنٹ پائلٹ سیکنڈری سکول رحیم یار خان'' میں داخلہ لیا۔اب سکول کا زمانہ یاد آ ہی گیا ہے تو کچھ حسیں, دلچسپ ,گیلی گیلی یادیں بھی تازہ کرتے چلے جائیں ۔ یہاں کچھ تفصیل سے لکھتے ہیں ۔

گورمنٹ مکتب سکول چک عباس''میں ہم جب پڑھتے تھے تو بیٹھنے کے لیے گھر سے پلاسٹک کا تھیلا لے کے جاتے تھے ہمارے بھائی اور کزنز بھی ساتھ ہوتے وہاں ہمارے استاد صاحب استاد حفیظ والرحمن صاحب!جو آج بھی ہمارے گاؤں میں پڑھاتے ہیں جن کی قدر و عزت یہ بندہ والدین سے بھی بڑھ کر کرتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ٹاٹ پہ بیٹھنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی تو اتنا پڑھتے بھی نہیں تھے سمجھ بھی نہیں ہوتی تھی بچپنا تھا۔ آدھی چُھٹی کے وقت ہم گھر بھاگ کے آجایا کرتے تھے۔اور پھر بہت مار پڑتی اگلے دن۔ خیر مکتب میں تو ہم آدھی چھٹی وقت بھاگنے اور لڑائی جھگڑے میں ہی مشہور تھے،مکتب سکول میں ہمارا بیٹھنے والا تھیلا چوری ہوجایا کرتا تھا تو یہاں بقول استادِ محترم مَیں تھیلے والا بھی مشہور تھا،مکتب میں تو ہمارا تعلیمی معیار خاص نہیں تھا خاص تو خیر کسی بھی جماعت میں نہیں تھا۔ بہر حال تیسری جماعت کے بعد ہم نے ''گورمنٹ مڈل سکول چک عباس''میں داخلہ لیا جو کہ یہ سکول ہمارے گاؤں سے کچھ فاصلے پر ہے اور ہم سب کزنز اور بھائی ایک ٹولہ بنا کر جاتے اور آتے یہاں آٹھویں جماعت تک ہم نے پڑھا اور سبھی ایک ہی ٹاٹ پہ بیٹھا کرتے تھے۔ سکول میں جب ہاتھوں میں کتابیں پکڑ کر جایا کرتے تھے بہت ہی یادگار اور حسیں دن تھے۔ سکول میں نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں ہماری کچھ نہ کچھ تو پہچان تھی۔ کھیلوں میں کبڈی اور والی بال میں مشہور ہونے کے ساتھ مجھے آج تک یاد ہے کہ ریاضی کے اساتذہ مجھے ریاضی دان بلایا کرتے تھے کیونکہ مجھے ریاضی کا ہر سوال ہر کلیہ بہت جلد سمجھ آجاتا تھا ۔ہم پڑھائی میں زیادہ اچھے نہیں تھے تو زیادہ بُرے بھی نہیں تھے۔ گرمیوں کی چھٹیوں کا ہر دن عید کا ہوتا تھا چھٹیوں میں سکول کی طرف سے دیا جانے والا تعلیمی کام 15 دن میں لکھ

کر ختم کر دیتے اور نکل جاتے نانانانی کے گاؤں وہاں ہنستے کھیلتے
کنچے گلی ڈنڈا اوالی بال بہت کھیلتے تھے۔ آٹھویں کلاس ہم نے
اچھے نمبروں سے پاس کی۔ آج تک مجھے یاد ہے کہ جب
آٹھویں کلاس کی ڈیٹ شیٹ آئی تھی

(گزشتہ سے پیوستہ)

تو امتحان سے دو مہینے پہلے ہمارے دو اساتذہ۔ استادِ محترم
جناب ولی محمد صاحب! اور استادِ محترم عبد الستار صاحب!
ہماری جماعت کو سکول چھٹی کے بعد شام مغرب تک پڑھایا
کرتے تھے۔ ہم کھانا گھر سے لے کے جایا کرتے تھے گھر
واپسی پہ آتے آتے رات ہو جاتی تھی ہم سب دوست (کلاس
فیلوز) مل کر رات کو واپس آتے ہائے ہائے کیا زمانہ تھا۔ آج
بھی جب مجھے سکول کا وہ حسین زمانہ یاد آتا ہے تو دل سے
اک ہُوک سی اُٹھتی ہے۔ وہ پھٹے پُرانے ٹاٹوں پر پڑھنے کا مزا
ہی کچھ اور تھا۔ وہ دوستوں سے لڑنا جھگڑنا پھر خود ہی صلح کرنا
پھر سکول میں ''چاچا اللہ ڈتہ'' کی ریڑھی سے دو روپے
کا پیٹ بھر ''تربوز''خربوزہ''مالٹے '' کھانا۔ وہ
''امرود ''بیر اور شکر قندی''کھانا۔ کتنا مزہ آتا تھا
ہائے وہ میرا بچپن ہائے۔ پہلے تو دو روپے میں پیٹ بھر
جاتا تھا اب تو لاکھوں کروڑوں سے بھی پیٹ نہیں
بھرتا۔ بچپن میں وہ میلے میں جانا, سکول سے جب گھر
واپس آنا مالٹا کے باغ سے مالٹا توڑنا کسی کے بیری
سے '' بیر '' توڑنا کسی کے آم کے باغ سے آم توڑنا تو
کہیں سے جامن توڑنا۔ پھر گاؤں کی نہر کا پانی سوکھ جاتا تو نہر
میں گیلی ریت سے ریت کے گھر بنانا۔ کھڑے پانی میں کاغذ کی
کشتی بنانا کتنا لطف ملتا تھا ہائے میں یہ کیفیت بیان نہیں کر
سکتا۔ سندر شن فاخر کا وہ گیت ملاحظہ کریں جو جیتے جاگتے بچپن
کی لازوال تصویر ہے۔ جسے جگجیت صاحب نے بھی خوب گایا
ہے:-

یہ دولت بھی لے لو، یہ شہرت بھی لے لو۔

بھلے چھین لو مجھ سے میری جوانی۔

مگر مجھ کو لوٹا دو بچپن کا ساون۔

وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی۔

محلے کی سب سے پرانی نشانی۔

وہ بڑھیا جسے بچے کہتے تھے نانی۔

وہ نانی کی باتوں میں پریوں کا ڈھیرا۔

وہ چہرے کی جھریوں میں صدیوں کا پھیرا۔

بھلائے نہیں بھول سکتا ہے کوئی۔

وہ چھوٹی سی راتیں وہ لمبی کہانی۔

کھڑی دھوپ میں اپنے گھر سے نکلنا۔

وہ چڑیاں وہ بلبل وہ تتلی پکڑنا۔

وہ گھڑیا کی شادی میں لڑنا جھگڑنا۔

وہ جھولوں سے گرنا وہ گر کہ سنبھلنا۔

وہ پیتل کے چھلوں کے پیارے سے تحفے۔

وہ ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کی نشانی۔

کبھی ریت کے اونچے ٹیلوں پہ جانا۔

گھروندے بنانا بنا کہ مٹانا۔

وہ معصوم چاہت کی تصویر اپنی۔

وہ خوابوں خیالوں کی جاگیر اپنی۔

نہ دنیا کا غم تھا نہ رشتوں کا بندھن۔

بڑی خوبصورت تھی وہ زندگانی۔

ٹاٹ پہ بیٹھ کر پڑھنے کا زمانہ ہائے ہائے کیا زمانہ تھا۔ مجھے آج تک یاد ہے کہ ہمیں آٹھویں جماعت میں جا کر بینچوں پہ بٹھایا تھا۔ اس کے بعد جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں کہ ہمارے گاؤں میں کوئی سیکنڈری سکول تھا ہی نہیں تو نہم اور دہم پڑھنے کے لیے ہمیں شہر جانا پڑا یہاں سے ہم اکیلے ہو گئے۔

۔۔۔سب سکول کے دوست بچھڑ گئے ہر کسی نے الگ الگ سکول میں داخلہ لے لیا۔ اور ہم نے "گورمنٹ پائلیٹ سیکنڈری سکول رحیم یار خان" میں داخلہ لے لیا۔ اب شہر جانے کو نیا سائیکل لیا۔ پڑھائی سے زیادہ ہماری توجہ سائیکل کی سجاوٹ میں ہوتی تھی:)۔ گاؤں سے شہر سکول کو جانے کے لیے ہم روزانہ نہر کنارے کچے راستے جو کے اٹھارہ(18) بیس(20) کلو میٹر تھا طے کرتے اور سکول پہنچتے کبھی کبھی ہمارے گاؤں سے شہر ویگنیں جاتی تھی اُس پہ چلے جاتے تھے۔ شہر کے دوست بننے لگے اور شہر کی رنگنیوں کو جاننے لگے اور بہت اچھے دوست ملے شروع شروع میں ہمیں شہری ماحول میں جِھجھک ہوتی تھی مگر ہمارے اساتذہ اور دوست گاؤں کو بڑے شوق سے دیکھنے آتے پھر اُنہیں یہاں کی سیر کرواتے۔ ایک اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہاں شہر میں میٹرک کرتے ہوئے میں کنگ خان(شاہ رخ خان) کے نام سے بھی مشہور تھا:D۔۔۔ یہاں

میٹرک میں ہم کو کیمیات (کمسٹری) کی سمجھ نہیں آتی تھی۔ یہاں تو تعلیم میں ہم مشہور نہ ہو سکے ہاں ایک پینڈو کے نام سے مشہور ہوئے, اور والی بال کھیل میں زیادہ مشہور تھے ،کبڈی میں والی بال سے کم مشہور تھے، لیکن وہاں بھی ہم کچھ نہ کچھ جانی پہچانی شخصیت تھے۔اور باقی تعلیمی معیار میٹرک تک بس صحیح ہی تھا یعنی میٹرک اتنے نمبروں سے پاس کر لی کے کالج میں ''ایف ایس سی''میں آسانی سے داخلہ مل گیا۔ ۔کالج میں داخلہ لیے ابھی کچھ ہی عرصہ گزرا کہ والد صاحب کی وفات ہو گئی اور وہاں پڑھ نہ پائے۔ پھر آوار گی میں ایک اعلیٰ درجہ کا معیار پایا اور بہت سے نام (فلاں، فلاں، فلاں) کمائے:p جس کا ذکر ہم آگے جا کے کرتے ہیں فی الحال سکول اور کالج کی لائف کو نبیڑ لیں۔

ہمارے سکول کے زمانہ کے بہت سے دوست پڑھ لکھ گئے ،اور ماشاء اللہ سے معیار بھی پا گئے، سرکاری دفتروں میں نوکریاں کرتے ہیں، آج بھی جب ہم اُن سے ملتے ہیں اُن کا دوست ہونے میں فخر محسوس ہوتا ہے۔شہر کے چند دوست آج بھی ہمیں گاؤں میں اکثر ملنے آتے ہیں خاص کر گرمیوں میں جب آم کا سیزن ہو تب ٹیوب ویل میں نہانے آتے ہیں ۔وہ اگر نہ آئیں تو ہم خود اُنہیں جا کر دعوت کے لئے مدعو کرتے ہیں۔پھر سردیوں میں جب ''سرسوں کا ساگ ''مکئی کی روٹی''لسی مکھن " کے لئے دعوت کرتے ہیں ۔اور ہاں آم کا اچار تو شہر کے چند دوستوں کو مرتبان بھر بھر دیتے ہیں ۔بہت اچھے پُر خلوص اور لاجواب دوست ہیں ہمارے ۔اللہ پاک ہماری سنگت کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے اور اُن سب کو عزت صحت تندرستی والی لمبی زندگی عطاء کرے۔ آمین۔

طفلِ مکتب سے لے کر آج تک ہمیں جتنے بھی اساتذہ ملے ہیں تمام اساتذہ نیک باکمال اور نہایت ہی شفیق شخصیت کے مالک ہیں۔ آج بھی جب کہیں ہمیں اساتذہ ملتے ہیں تو نہایت ہی ادب سے سر جُھک جاتا ہے۔ تمام اساتذہ ہمارے پسندیدہ تھے, ہیں اور رہیں گے۔ ہمارے دل میں کسی کے لیے کوئی خلش نہیں تھی نہ ہے۔ ہم تو اوپر والے کا کروڑوں اربوں کھربوں بار شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ہم کو حقیقی زندگی میں اور نیٹ کی سرگرمیوں میں جتنے بھی اساتذہ ملے تمام ہمارے لیے مثالی استاد ہیں۔ ہر کسی سے ہم نے کچھ نہ کچھ سیکھا ہے۔ تعلیم کے علاوہ زندگی جینے کے طور طریقے سیکھائے۔ لیکن اِن میں سے ہمارا ایک استاد جن کے پاس ہم نے پچھلے 4 سال فرصت کے لمحات ان کے پاس گزارے وہ ہمارے مثالی استاد ہیں جنہوں نے بنا پڑھے لکھے اپنے علم سے

(گزشتہ سے پیوستہ)

مجھے سمجھایا سیکھایا۔ اُن کا نام تھا ''محمد بُوٹا'' اور ہم ''چاچا بُوٹا'' بُلاتے تھے۔ ''چاچا بوٹا'' تصوف کی باتیں بہت جانتا تھا اُن کا عقیدہ صوفیوں والا عقیدہ تھا۔ اُنھوں نے ہمیں بہت کچھ سیکھایا ایسا سمجھو کہ ہم جو ہیں اُن کی کتاب کا ایک پنہ ہیں وہ درویش صفت بندے تھے ہمیشہ محبت و امن کی باتیں کرتے اور سیکھاتے۔ فارسی و پنجابی کلام بہت سناتے تھے اور سمجھاتے صد افسوس کہ میں نے اُس وقت صرف پنجابی کلام میں زیادہ دلچسپی لی اور فارسی زبان و کلام میں کوئی زیادہ توجہ نہ دی جبکہ چاچا بُوٹا مجھے فرمایا کرتے تھے کہ فارسی پڑھ لو سیکھ لو زندہ دل لوگوں کی زبان ہے۔ مولانا رومی، عبد الرحمن جامی، حافظ محمد شیرازی، شیخ سعدی شیرازی اور دیگر عظیم فارسی شعراء حضرات کا کلام اردو اور پنجابی ترجمہ کے ساتھ سمجھاتے اور سکھاتے تھے پر اس زباں میں ہماری دلچسپی بالکل صفر دیکھی تو اُنھوں نے فارسی سیکھانا ختم کر دیا اور ساتھ ہمیں کہا کرتے تھے کہ ایک دن فارسی زباں و ادب کا شوق بھی تم میں جاگے گا کیونکہ تمام فارسی کلام روحانیت و معرفت پہ ہے اور آج ایسا ہی ہے جتنا شغف اردو ادب کا ہے اُتنا فارسی ادب کو سمجھنے کا بھی ہے

۔ آج کل فارسی کا علم حاصل کر رہے مگر وہ بھی صرف کتابوں سے اردو ترجمہ کے ساتھ لیکن بنا کسی استاد کے مجھے نہیں لگتا میں فارسی سمجھ پاؤں خیر ''کوششیں کرنے سے حالات بدل جاتے ہیں'' ۔ خدا فہم و ادراک کے دروازے کھولے۔ آمین۔

''چاچا بوٹا'' نے ہمیں ایسا نہیں سیکھایا کہ پُتر فلاں بندہ بُرا ہے فلاں پہ فتوی لگنا چاہیے۔ ہمیشہ بولا کہ ہمیشہ آگے والے کو ترجیح دو۔ وہ ہمیشہ عاجزی و انکساری کا درس دیتے تھے۔ صوفیانہ کلام کا ایک قیمتی خزانہ اُن کے پاس تھا۔ اچھا ہماری ناں ایک عادت تھی ہم چائے نہیں پیتے ہیں لیکن چاچا بُوٹا کے ہاتھ کی چائے پیتے تھے۔ اُن کے چائے بنانے کی ایک تصویر بنائی تھی جو نیٹ میں ڈالی تھی تو بہت مشہور ہوئی تھی ۔ یوں تو ہمارے تمام اساتذہ بے مثال ہیں۔ لیکن چاچا بُوٹا میرے لیے ایک فرشتہ صفت مومن انسان تھے۔ اُن کی شخصیت اُن کی سادگی اُن کی باتیں صرف مجھے ہی نہیں ہر ملنے والے بندے کو متاثر کرتیں۔ اور متاثر بھی کیوں نہ کرتی یہ ایک عملی زندگی گزارنے والے مومن انسان کی نشانی ہے کہ اُس کی بات سُننے والے کے دل میں اُتر جاتی ہے۔ اُن کا لہجہ ہی بہت متاثر کُن ہوتا ہے۔ اور یہ ہماری خوش قسمتی تھی کے ایسی عظیم شخصیت کی سنگت میں تھے۔ وہ ہمیں بہت چاہتے

تھے اور ہم بھی ان سے اُنس رکھتے تھے اور رکھتے ہیں ۔ہمارے ساتھ بہت لگن تھی اُن کی ہمیں ہمیشہ ''پُتر'' کہہ کر بُلاتے اگر کبھی کاموں میں مصروف ہو کے اُن کے پاس اُن کے ڈیرے ملنے نہ جاتے تو ہمارے ڈیرے پہ آجاتے ۔ فقیر شخصیت دِکھتے تھے مگر دل کے بادشاہ تھے ۔جتنا ہم اِن سے متاثر ہوئے اور کسی سے نہیں ہوئے۔

اِنہوں نے ہی بتایا آوارگی کیا ہے؟ خموشی کیا ہے؟ حقیقت کیا ہے؟ اور بھٹکنا کیا ہے؟ اور اصل زندگی کا مقصد کیا ہے؟ یہی بھید جاننے سمجھنے میں عمر کٹ رہی ہے اور یہ بھی کہا کرتے تھے جب زندگی کے سب اسرار و رموز جان لوگے تو وقت آخیر ہو گا او جب یہ سب کچھ سمجھ جاؤ گے کِسی کو سمجھا نہیں پاؤ گے۔نہ جانے کب آئے گا ایسا وقت کیا پتہ آئے گا بھی کہ نہیں کہیں پہلے ہی نہ بُلاوا آجائے۔

ویسے تو ہم چٹان سا کلیجہ رکھتے ہیں ہمیں کوئی چوٹ نہیں پہنچا سکتا اور درد کو چُھپانا تو ولیوں کا کام ہے اور ہم تو ایک ادنٰی سے انسان ہیں۔ دل تو چھلنی چھلنی ہی رہا ہے لیکن ہماری آنکھوں میں آنسو دو بار ہی آئے ہیں۔ ایک جب 10 سال پہلے ابا سائیں کی وفات ہوئی اور دوسرا 2 سال پہلے جب چاچا بُوٹا کی وفات ہوئی۔ یہ ہمارے وہ مثالی استاد تھے جن کی صرف باتیں ہی نہیں باعمل انسان بھی تھے۔ چاچا بوٹا کا پسندیدہ شعر یہ تھا جو اکثر وہ گُنگنایا کرتے تھے:-

مسجد ڈھادے، مندر ڈھادے تے ڈھادے جو کُجھ ڈھیندا۔

اک بندے دا دل نہ ڈھانویں تے رب دِلاں وِچ رہیندا۔۔۔

(بابا بُلھے شاہ)

ہمارا بھی پسندیدہ شعر یہی ہے انٹرنیٹ میں جب بھی کہیں پسندیدہ شعر پوچھا جاتا ہے تو ہم یہی شعر لکھ دیتے ہیں۔

آج بھی جب ہم شہر خموشاں (قبرستان) جاتے ہیں تو سب سے پہلے چاچا بُوٹا کی قبر پہ فاتحہ پڑھتے ہیں اور پھر ابا سائیں کی قبر پہ۔ جس طرح بابا بُلھے شاہ صاحب کو اپنے استاد شاہ عنایت کے بھیس میں خدا دِکھتا تھا۔ ہم بُلھے شاہ کے پیئروں کی خاک برابر نہیں پر اُسی طرح ہمیں چاچا بوٹا میں ایسا دِکھتا تھا۔ کیونکہ ایک استاد ہی ہوتا ہے جو بتاتا ہے کہ دنیا بنانے والا اللہ بھی ہے ایک استاد ہی بتاتا ہے کہ یہ اچھا ہے یہ بُرا ہے۔ ایک استاد ہی الف لام میم سے لیکر والناس تک پڑھاتا اور سیکھاتا ہے ۔ایک اُستاد ہی سیکھاتا ہے کہ یہ ماں ہے یہ باپ ہے اور اِن کی فرمابرداری کرنی ہے۔ ہماری نظر میں استاد کا مقام ماں باپ سے بھی بڑھ کر ہے۔ اللہ پاک ہمارے اساتذہ کو عزت صحت

وتندرستی والی لمبی زندگی عطا کرے۔اور جو اساتذہ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اللہ پاک اُنہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ چاچا بوٹا کے بعد ہمیں روحانیت اور معرفت کی باتیں سمجھانے والا ایک نہایت شفیق معزز اور بزرگ شخصیت ''چاچا سلیم عرف سلیمی صاحب'' ہیں ۔یہ ہماری خوش نصیبی کہ درویش صفت سنگت نصیب ہوئی آپ ہمارے ہی گاؤں کے ہیں اور والی بال کھیل کے ہمارے استاد بھی ہیں۔ اللہ پاک ان کو عزت, صحت, تندرستی والی لمبی زندگی عطا کرے۔اور ہم پہ ان کی شفقت اور محبت کا سایہ تا دیر سلامت رکھے۔ آمین۔اِن کے پاس صوفیانہ کلام اور ادبی کتابوں کا بے بہا خزانہ موجود ہے۔اِن کی زبان پر جِس شعر کا اکثر وِرد ہوتا ہے وہ شعر بھی ہمارا پسندیدہ شعر ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:-

باہر صاف تے اندر میلا مفت دی واہ واہ کمائی۔۔۔

رب دِلاں وچ تاں رہندہ جے ہووے اندر صفائی۔۔۔

(بابا بُلھے شاہ)

انٹرنیٹ کی دنیا میں یوں تو ہمیں بہت سے اساتذہ ملے دوست ملے جِن کی محبتوں, عنائیتوں اور بے پناہ مہربانیوں کو یہ بندہ سنبھال نہیں پاتا۔ اِن اساتذہ

(گزشتہ سے پیوستہ)

اِن اساتذہ میں ایک چشمِ ماروشن، دلِ ماشاد'' جناب قابلِ احترام رانا نوید ارشد صاحب ''ہیں جِن کا تعلق شہر قصور سے ہے اور آپ اس وقت بحرین میں رہائش پذیر ہیں۔ بابا بُلھے شاہ صاحب کے شہر سے تعلق ہے جناب کا۔ ہمارے نہایت بہترین دوست ہیں ہم اِنہیں ''پا جی'' کہہ کر مخاطب کرتے ہیں ۔ اِن کی محبت, عنایت شفقت کی وجہ سے ہی یہ بندہ انٹرنیٹ کی دنیا میں متعارف ہوا۔ آپ کی دریادلی اور ذرہ نوازی کی مثال نہیں ملتی ہر موڑ پہ ہماری حوصلہ افزائی فرمائی انٹرنیٹ کے ذریعے جِتنا ہم نے اِن سے سیکھا ہے وہ اُس کے لئے تو تا قیامت تک لکھنے بیٹھ جائیں تو لکھ نہ پائیں۔اِن سے ہم صوتی رابطے میں ہیں اور بات کر کے ہمیشہ بہت اچھا اور پُر لطف محسوس ہوتا ہے۔بقولِ ساغر صدیقی:-

آوارگی برنگِ تماشا بُری نہیں۔۔۔

ذوقِ نظر ملے تو یہ دنیا بُری نہیں۔۔۔

(ساغر)

جو ہم مزاج ہو اُن کی سنگت میں رہنا بھلا کیوں نہ اچھا لگے !ہم اِن کے مداح ہیں۔بس اِن کی یہی محبت اور عنایت تو ہے جو ہر وقت سر نیاز خم کیے کھڑے ہیں۔آپ ہمیشہ یہ درس دیتے ہیں کہ '' جاہل صرف وہ نہیں ہوتا جو تعلیم یافتہ نہ ہو جاہل وہ بھی ہوتا ہے جس نے ڈگریوں کے ڈھیر لگا رکھے ہوں مگر اپنے ظرف میں وسعت، لہجہ میں نرمی اور طبعیت میں انکساری نا پیدا کر پایا ہو ۔

اللہ پاک ان کو تا دیر سلامت رکھے اور صحت و تندرستی کی نعمت سے مالا مال کرے۔جو خدمت آپ اتنی ہمت اور تندہی سے کر رہے ہیں وہ ہم سب کے لئے قابل رشک اور قابلِ تقلید ہے۔اللہ تعالی سے میری دعا ہے کہ وہ آپ کی مساعی جمیلہ کو کامیابی سے ہمکنار کرے اور دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔آمین، ثم آمین۔

میٹرک پاس کرنے کے بعد جب ہم نے '' گورمنٹ خواجہ فرید پوسٹ گریجویٹ کالج '' میں '' ایف ایس سی '' میں داخلہ لیا تو ابھی کالج میں چند ماہ ہی گزارے کے والد صاحب وفات پاگئے ''ابا سائیں '' کی وفات کے بعد ہم دو ماہ ہی کالج گئے۔یہاں سے شروع ہوتا ہے ہماری گمراہی کا دور لیکن اِس آوارگی کو گمراہی کا دور کہنا بھی مناسب نہیں پر اس آوارگی کو سیدھا راستہ بھی تو نہیں کہہ سکتے۔خیر جو بھی ہو میرا یہ دور بھی سنہری دور تھا۔اس آوارگی میں سیکھنے سمجھنے کو بہت کچھ مِلا۔ ''کہاں بھٹکے، کہاں پہنچے، مگر بھٹکے تو یاد آیا، بھٹکنا بھی ضروری تھا"۔ایک فی البدیہہ شعر عرض کرتا ہوں:-

آوارگی پہ مری الزام یوں مت لگا....

ہوتا نہ گمراہ تو ملتا کہاں سے خدا....

(فہیم ملک جوگی)

والد صاحب کی وفات کے بعد ہم تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ایسا نہیں کے بڑے بھائی نے اور گھر والوں نے مجھے تعلیم حاصل کرنے کے لئے کسی شے کی کمی دی۔بلکہ اُنہوں نے تو مجھے ایک نیا موٹر سائیکل خرید کر دیا تھا چاہے اُنہیں جتنی بھی مشکلیں اُٹھانی پڑی لیکن میرا من تھا چنچل آگے نہ پڑھ سکا۔تمام گھر میں رہنے والے بڑے چھوٹے تعلیم حاصل کرنے کی نصیحتیں کرنے لگے۔مگر بقول گریٹ اقبال سر:-

''مرد ناداں پہ ہے کلامِ نرم و نازک بے اثر ''۔

میں بھی بالکل ناداں تھا کسی چیز کو سمجھ ہی نہیں پاتا تھا اسی طرح میں پھر ہدایت سے محروم ہو گیا۔ میں نے اپنی کم عقلی کی وجہ کسی نصحیت و ہدایت کو قبول ہی نہ کیا اور آوارگی میں جی لگا لیا۔ بہت سی خواہشیں جاگ اُٹھی پھر رفتہ رفتہ لوگوں سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا لوگوں سے جو ملا شاید وہ پڑھ لکھ کے کبھی سیکھ نہ پاتا۔ دورِ آوارگی میں لوگوں کی بہت دل آزاریاں کی بہت دل توڑے اور پھر جب اپنا دل ٹوٹا تو بار بار ٹوٹا۔ تب سرد آہ کہ ساتھ کسی شاعر کے شعر کا درج ذیل مصرعہ نکلتا اور وِرد کی شکل اختیار کر جاتا:-

"اس دردِ دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو"۔۔۔

ہم بہت بُرے ہو گئے ہر لحاظ سے۔ ہمیں اپنی بُرائیوں کا پتہ اور وِرد کیے گئے مصرع کا اثر تب معلوم ہوا جب ہمیں سانپ نے کاٹ لیا, لیکن ہم بھی بڑے ڈھیٹ نکلے سانپ کے کاٹنے کے بعد بھی زندہ بچ گئے۔ تبھی ہمارے دل و دماغ میں ''بالی وڈ'' کی فلموں میں دوسرے جنم کی کہانی یاد آ گئی۔ ہم نے خود کلامی کی تو جواب مِلا'' فہیم ملک'' تو چل بسا اب تمہارا دوسرا جنم ہے ۔ اور تم اِس جنم میں ''جوگ'' لو گے اور ''جوگی ''بنو گے ۔یہ سُنتے ہی ہم نے بھی فہیم ملک پہ فاتحہ پڑھ لی اور ''جوگی'' کی لمبی عمر کی دعا مانگ لی۔اس دوسرے جنم کا سُنتے ہی ہم تھوڑا تھوڑا سُدھرنے لگے ۔تمنائیں ختم ہونے لگی شوق جاگنے لگے آہستہ آہستہ بزرگوں کی سنگت نصیب ہوئی جِن میں سرِ فہرست ''چاچا بوٹا'' تھے جِن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔شاعری پڑھنے لگے, سمجھنے لگے شاعری کرنے بھی لگے شروع شروع میں زیادہ تر صوفیانہ و عارفانہ کلام پڑھنے اور سننے کو ملا۔ تو لوگوں نے بہت سے نام رکھ دیے۔ جن میں جوگی, مجنوں, پاگل, چریا, کملا, آوارہ, شاکا, سرِ فہرست ہیں۔ کیسی بے بسی ہے کیسی مجبوری ہے عشق کی۔ اللہ کی راہ پہ چل کے بھی چین نہیں آتا محبوب نہیں چُھوٹتا, جوگی ہو گئے, کان چھید والیے, پہن لی بالیاں مگر:-

''راہ جوگ دے دس کھاں ہین کتنے کِتھوں نکلیا
جوگ دا راگ ہے وے''

ہاتھوں میں رنگیں ڈنڈا, کلائیوں میں کڑے, بالکل ملنگ ہو گئے۔ بس پھر کلیجہ سنبھالے ہائے دل ہائے دل پکارتے اک طرف پڑے رہتے تھے اور کسی بھی معاملے میں مداخلت نہیں کرتے۔ اور نہ کسی بات کا جواب دیتے تھے اور اگر کوئی بندہ ہماری خموشی اور تنہائی میں مداخلت کرتا تو ہم ایسی اجنبیت سے دیکھتے کہ وہ بندہ ہمیں کسی اور ہی دنیا کی جاندار

چیز سمجھتا پھر وہ بندہ اِس بندہ کو نک

چڑا، مغرور، بد تمیز، بدلحاظ، کھڑوس اور انتہا کا سڑیل کہہ کر چلا

جاتا۔ تنہائی میں بیٹھے چند کتابیں پڑھنے لگ اور نہ جانے کب

اور کیسے کتابوں سے لگاؤ بڑھنے لگا تو مختصر یہ کہ من کا میل

صاف ہونے لگا۔ حق سچ کی پہچان ہونے لگی پھر علامہ اقبال

لائبریری کے رُکن بن گئے ساتھ پیٹ کی روزی کے لئے

محنت مزدوری کرنے لگ گئے کسان ہی بن گئے۔ نہ جانے

کب کتابوں سے عشق ہو گیا معلوم ہی نہ ہوا بس اب گھر میں

ہی کتابوں کا انبار لگا لیا بندہ ناتواں و عاجز اس ابھی دورِ طالب

عِلمی و ادبی سے گزر رہا ہے۔ اور روزی روٹی کے لئے اللہ کے

کرم

(گزشتہ سے پیوستہ)

اور روزی روٹی کے لئے اللہ کے کرم سے اناج مل جاتا ہے

۔ ہم پیسے والے بڑے زمیندار نہیں ہیں اور نہ ہی ایسی کوئی

بڑی خواہش رکھتے ہیں۔ اللہ پاک کا دیا سب کچھ ہے۔ سوائے

اللہ پاک کے کسی کی محتاجی نہیں ہے۔ رزق اور موت میرے

مالک کے ہاتھ میں ہے۔ وہی دونوں جہانوں کے پالنے والا ہے

۔ یہ ہم پہ مالک کا کرم ہے فصل پہ محنت کرتے ہیں تو اوپر والا

حلال کا رزق عطا کرتا ہے۔ بس اس سے گھر کا گزارا ہو جاتا

ہے۔ الحمدللہ ہم مالک کی ہر رضا پہ خوش ہیں۔

ڈِگری والی تعلیم کو چھوڑے تقریباً دس سال ہو چکے ہیں

۔ لیکن کتابیں پڑھنے کا اتنا جنون ہے کہ جیب میں اگر ایک

پیسا بھی نہ ہو تو محنت مزدوری کر کے وہ کتاب ضرور خریدتے

ہیں جس کتاب کا ذکر اساتذہ کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ بہت سی

کتابیں اکٹھی ہو گئیں ہیں اور تقریباً بہت سی کتابوں کو پڑھ

بھی لیا ہے سمجھ بھی لیا اور ایک عملی اور علمی زندگی گزارنے

کی کوشش کر رہے ہیں۔ کتابیں اگر ہم نہ بھی پڑھیں تو اُن کو

دیکھ دیکھ کر بھی دل بہت خوش ہوتا ہے۔ انٹرنیٹ کی دُنیا میں

بھی بہت سی مفید کتابیں پڑھنے کو ملی اور بہت قیمتی مضمون

بھی پڑھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انٹرنیٹ سے مجھے علم

کا بے بہا خزانہ ملا ہے۔ لیکن سچ بات پوچھو تو کتاب کا نعم

البدل کوئی نہیں ہے۔ ہم نیٹ سے علم تو لے رہے ہیں مگر

کتاب کی جمالیاتی قدر سے محروم رہ گئے ہیں۔ چونکہ یہ عمل

غیر فطری ہے سو وہ حظ اور لطف بھی باقی نہیں رہا جو خالص

کتاب سے منسلک تھا۔ اعصابی خلیات اور آنکھوں کی بافتیں

کمپیوٹر سکرین اور موبائل سے جلد اکتا جاتی ہیں۔ خیر اب تو

ہم سوشل میڈیا کے عادی مجرم ہو چکے ہیں۔

یوں تو مجھ میں زمانے بھر کی تمام بُرائیاں ہیں لیکن ایک دو صفتیں بھی ہیں صبر و برداشت, بردباری۔ اور ہاں ہم موسیقی,اور فلموں کے بھی شیدائی ہیں۔ اس معاملے میں ہم نے پی ایچ ڈی کی ڈگری اور ڈپلومہ حاصل کیا ہوا ہے

۔ میرے سر سے میرے والد کا سایہ آغازِ جوانی میں ہی اُٹھ گیا تھا تو میں چھوٹی عمر سے ہی جگہ جگہ گھوما ہوں موسیقی سے مجھے خاص رغبت ہے۔ اسی میں مجھے خاص تسکین ملتی ہے۔ موسیقی بڑوں بڑوں کی کمزوری ہوتی ہے۔ کبھی کبھی تو یہ اچانک ایسا سیلاب بن جاتی ہے جس کے سامنے کئی ثابت قدم بھی ڈگمگا کر بہہ جاتے ہیں۔ لیکن جب میں کوئی پُرسوز آواز سنتا ہوں تو وہ مستی میں ڈوبی نکلی ہوئی لَے میرے زخمی دل پر مرہم کا کام کرتی۔ موسیقی میں کسی غزل یا گیت میں جب بھی کوئی گوَیّا کسی مصرعے کو بار بار دہراتا ہے اور اس قدر مستی سے دہراتا ہے تو ہر مرتبہ اُس سے ایک نیا تاثر ابھرتا ہے۔ نہ جانے کسی کی آواز میں اتنا سوز کیوں ہوتا ہے؟

صوفیانہ کلام کے بعد میر و غالب کو ہم بہت پڑھتے ہیں۔

(اگر ہم صوفیاء کی تعلیمات پر عمل کریں تو یہ نفرتیں سب کچھ ختم ہو جائیں گی بابا بُلھے شاہ، وارث شاہ، سلطان باھو، خواجہ غلام فرید, میاں محمد بخش, شاہ حسین, سچل سرمست, شاہ عبد الطیف بھٹائی, بھگت کبیر داس اور تمام صوفی شعراء ان سب نے محبت کا درس دیا ہے مگر ہم نے ان کی تعلیمات کو چھوڑ کر دوسرا راستہ لیا تو انجام سب کے سامنے ہے)۔

''میر تقی میر ''میرے پسندیدہ شاعر ہیں۔ خدائے سخن ''میر تقی میر '' ہمارے مرشد ہیں اور غالب کے ہم ازل سے مرید ہیں۔ میر صاحب کے چھے(6) دیوان بار بار پڑھ کر حفظ کر لئے۔ دیوانِ غالب اور دیوانِ غالب مع شرح وہ تو ازل سے حفظ کیا ہوا ہے۔ تو فی الوقت ''اقبالیات'' ,''کلیاتِ داغ ''اور فارسی کلام مع اردو ترجمہ پڑھتے رہتے ہیں۔ مومن۔خان مومن ۔داغ دہلوی ۔دا گریٹ اقبال سر۔ استاد ابراہیم ذوق۔خواجہ میر درد۔خواجہ حیدر علی آتش۔امام بخش ناسخ,مرزا رفیع سودا, جگر مراد آبادی۔ اور تمام کلاسیکل شعراء حضرات کو ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں۔ فیض احمد فیض,ابنِ انشاء بھی میرے پسندیدہ شعراء میں سے ہیں۔۔۔۔ اپنی تہذیب و ثقافت کو اجاگر کرنے اور محبت و امن امان کے لئے ہم ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔ بندہ کو اردو ادب سے جنون کی حد تک شغف ہے۔ ہم ہلکی پھلکی شاعری اور نثر نگاری بھی کر لیتے ہیں۔ شاعری تو ہم نیٹ کی چار سالہ سرگرمیوں سے پہلے پڑھتے تھے اور اپنی

سمجھ تئیں سمجھ بھی لیتے ہیں لیکن انٹرنیٹ پہ آ کے میں نے لوگوں کی بہت بڑی تعداد دیکھی ہے جنہوں نے ایسی شاعری پوسٹ کی ہوتی ہے جن میں نہ تو شریعت ہوتی ہے نہ کوئی ادبی خصوصیت اور ایسی شاعری کو معیاری شاعری قرار دے کر داد دی جاتی ہے نہ تو اُن کی اصلاح کی جاتی ہے اور نہ ہی کوئی تنقید، یاد رکھئے تنقید سے ہی تخلیق ہوتی ہے خیر آدھ کچی سبزی نیم عرفان ہی بھٹکنے کی نشانی ہوتی ہے ہم لوگ لفظ لفظ کھیلنے کو شاعری سمجھتے ہیں سوچ کا تعاقب کیا کرو تب شاعری کا مزہ اور فیض نصیب ہوتا ہے لیکن یہ تو لمبی بحث ہے پھر سہی

۔

دراصل مجھے شاعری کرنے کا ذوق و شوق شفیق و مہربان اساتذہ کے اصرار پہ ہوا جب اُنہوں نے فرمایا کہ اپنی سوچ کا اظہار، اپنے دل کا غبار اور وجدان کو الفاظ کا روپ دینے کے لئے شاعری سے بہتر طریقہ اور کوئی نہیں شاعری کی مشق اور کوشش جاری رکھیں مختصر الفاظ میں گہری بات کہنا ہی کمالِ فن ہے بس پھر ہم نے تنہائی، درد، خود کلامی، خود اذیتی، شدتِ احساس اور روح تک اتر جانے والے الفاظ کی تلاش جاری رکھی اور ہے۔ لیکن ہم نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں مانا کیونکہ ہم شاعری کے قواعد و ضوابط نبھا نہیں پاتے۔

اس لئے ہم ہلکی پھلکی شاعری کے ساتھ تک بندیاں کرتے ہیں۔ شاعر بننے کے لئے۔ ابھی ''دِلی دُور است''۔

مجھے کلاسیکل شاعری خاص الخاص میر و غالب کی شاعری نے ہمیشہ ہی اپنی گرفت میں لیا ہے۔ کلاسیکل شاعری ہوتی اتنی خوبصورت ہے کہ قاری کو گھائل کر کے خود ہی مرہم لگاتی ہے۔

(گزشتہ سے پیوستہ)

ابھی تک ہم نے کچھ علمِ عروض کو پڑھا ہے اور کچھ پڑھ بھی رہے ہیں اور شعری قواعد و ضوابط کی ہر اک مشقِ سخن کو یعنی اس صنف کی ہر اک مشقِ ستم کو سہہ کر سیکھ بھی رہے ہیں۔ فارسی کا علم بھی حاصل کر رہے ہیں گو کہ فارسی مجھے آسانی سے سمجھ نہیں آتی مگر فارسی شاعری میں الگ ہی نغمگی و تغزل اور شائستگی ہوتی ہے۔ اتنا ٹھہراؤ ہوتا ہے کہ پڑھ کر دل کو سکون ملتا ہے۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ''تمنا کوئی نہیں شوق سارے ہیں ''۔ تو فارسی کا ذوق و شوق اتنا ہے کہ فارسی مجھے نہیں آتی لیکن بقول ایک فارسی استاد کہ '' اگر کہیں فارسی کلام مل جائے تو ''تبرک'' کے طور پر اٹھا لیتا ہوں جیسے ایک دفعہ انار کلی سے تہران کے مطبوعہ ''کلیات سعدی نظم و نثر''

مل گئے تھے، بغیر ترجمے کے سمجھ تو خاک نہیں آتی لیکن پڑھ کر خوشی بہت ہوتی ہے''۔بس فارسی کے متعلق آج کل یہ کیفیت ہماری ہے۔''بات بڑھ کر حد تناسب سے گیسوئے یار ہوگئی ہوگی''ہوگی کیا ہو چکی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ مجھ جیسے کم علم کی غلطی کی وجہ سے یہ تعارف کا مضموں بہت سی شکلیں اختیار کر چکا ہے ۔اب اور لکھیں گے تو کہیں یہ مضموں کوئی بھیانک شکل نہ اختیار کر لے اس لئے۔بقول مرشد:-

'ناطقہ سر بہ گریباں ہے''

سو خموشی بہتر است۔

میں ''داستانِ دل ڈائجسٹ ''میں بالکل نیا ہوں ۔انٹر نیٹ پہ کچھ عرصہ پہلے ہی داستانِ دل ڈائجسٹ '' کی رکنیت اختیار کی اور کافی وقت سے اپنی وسعت نظری اور فہم و فراست سے '' داستانِ دل ڈائجسٹ'' کے معیار،اقدار ،اور کردار کا جائزہ لیا

ہے۔دانشوروں،ادیبوں،اور شعراء کرام پر مشتمل

یہ'' داستانِ دل ڈائجسٹ '' دوسری تمام اداروں سے منفرد و بالا ہے۔ - - - یہ علم و ادب کا وہ بہتا دریا ہے جو ہم جیسے کئی برساتی نالوں کو خود میں سمو کر انہیں روانی کے ساتھ ساتھ کثافتیں ختم کر کے ان کی آلودگی مٹا کر خس وخاشاک کناروں پر چھوڑتے ہوئے اپنا رنگ اپنا ذائقہ دے کر انہیں پہچان دیتا ہے انہیں وجود دیتا ہے اور اپنے ساتھ لے کر ادب کے گہرے سمندر کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے کہ جس سے سارا عالم فیض پاتا ہے۔ پھر ہم جیسے ناقص العقل افراد کو جب جب آپ جیسے صاحب علم اراکین کی صحبت میسر آتی ہے کچھ نہ کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ اور آپ سب تو جانتے ہیں کہ حصول علم کا اگر شوق ہو تو انسان مرتے دم تک طالب علم رہتا ہے، بلکل ایسی ہی کچھ سوچ ہماری بھی ہے کہ ہم اپنی نظر میں ایک طالب علم ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔۔۔میں بہت بُراہوں پر اچھے لوگوں کی اچھی باتیں پڑھتا اور سنتا رہتا ہوں۔ محبتیں ہی محبتیں بانٹتیں ہیں، قدرواحترام کرتے ہیں تو قدر ہوتی بھی ہے، دعائیں دیتے ہیں تو دعائیں بھی ملتیں ہیں۔۔۔اس '' داستانِ دل ڈائجسٹ ''کا حصہ بننے کی وجہ اچھے لوگوں کی اچھی باتیں اور ادبی لگاؤ ہے۔۔۔بہت سوچا لیکن اپنا تعارف نا گھڑ سکا یہی ہماری کم علمی کا ثبوت ہے ہم بہت کم

عقل، اور بہت کم سمجھ ہیں، بالکل جاہل، بولے تو پورے پینڈو ہیں، بشر ہونے کے ناطے تاہم غلطی کا احتمال باقی رہتا ہے۔ اللہ پاک آپ سب کے حسن ظن پر مجھے پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ پاک آپ سبھی اہل ادب اہلِ سخن اہلِ علم کو جزائے خیر عطا فرمائے دونوں جہانوں کی عزتیں مرحمت فرمائے۔ آمین۔۔۔ اور ہاں کہیں سے میرے بارے میں

کوئی منفی رائے سامنے آئے تو مجھے در گزر فرمائیے کہ میں آپ کی توقعات پر پورا نہیں اترا۔

ان شاءاللہ آپ سب احباب کے لکھی ہوئی باتیں پڑھتا رہوں گا اور محبتیں بانٹتا رہوں گا اور جتنی خدمت ہو سکی کرتا رہوں گا۔۔۔ سو میں بھی اپنے تئیں پوری پوری کوشش کروں گا آپ کے معیار اور اعلی اقدار کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضری لگواتا رہوں اس اُمید کے ساتھ کہ اگر کوئی کمی بیشی رہ بھی گئی تو آپ برداشت و اعلی ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قبول فرمائیں گے۔ اُمید ہے آپ تمام احباب مجھے تہِ دل سے ''چشم ماروشن و دل ما شاد'' کہیں گے۔ ایک بار پھر سے بہت ممنون ہوں ''داستانِ دل'' کی ٹیم۔ کا جنہوں نے اس بندہء خاکسار

حقیر فقیر کو ''ڈائجسٹ'' میں شامل کر کے اتنی قدر و عزت بخشی۔ ''داستانِ دل ڈائجسٹ'' کی شاندار کارکردگی پر اس کے منتظمین کو بہت بہت مبارک باد۔ منتظمین اور آپ کی تمام ٹیم اردو ادب کی ترویج کے لئے جتنا کام کر رہے ہیں وہ بلا شبہ قابل ستائش ہے اللہ تعالی آپ کو ہمت عطا فرمائے اور آپ اردو ادب کیلئے مزید کام کرتے رہیں۔ اللہ سبحانہ تعالی آپ سب کو فروغِ خیر پر جزاعطا فرمائے۔ دو دفعہ مہربانی منتظمین بے حد شکریہ سدا ممتاز و سربلند رہیں۔ ڈھیر ساری دعائیں، رحمتیں، برکتیں اور محبتیں آپ کے لئے۔ آمین۔۔۔

اگر آپ کو لکھنے کا شوق ہے مگر اس ڈر سے نہیں لکھ سکے کہ شائع ہو گا کہ نہیں ہم ایسے نیو لکھنے والوں کو گارنٹی دیتے ہیں کہ وہ قلم کو اٹھائیں انشاءاللہ ہم جگہ دیں گے۔ اور وہ بھی پہلے ماہ ہی ارسال کرنا تحریریں بالکل آسان ہے آپ اردو میں مسیج لکھ کر مسیج میں بھی لکھ کہ سینڈ کر سکتے ہیں۔ داستان دل کے بارے آپ کو کوئی بھی معلومات لینی ہو تو 03225494228 پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ ایڈیٹر

پیاس لگی تھی غضب کی...

مگر پانی میں زہر تھا...

پیتے تو مر جاتے

اور نہ پیتے تو بھی مر جاتے

بس یہی دو مسئلے، زندگی بھر نہ حل ہوئے

!!!نہ نیند پوری ہوئی،

نہ خواب مکمل ہوئے!!!

وقت نے کہا.....

کاش تھوڑا سا صبر ہوتا!!!

صبر نے کہا....

کاش تھوڑا سا وقت ہوتا!!!

صبح صبح اٹھنا پڑتا ہے کمانے کے لئے صاحب.....

آرام کمانے نکلتا ہوں آرام چھوڑ کر.

."ہنر" سڑکوں پر تماشا کرتا ہے اور "قسمت" محلات میں

راج کرتی ہے!!"شکایتیں تو بہت ہیں تجھ سے اے زندگی!

پر خاموش اس لئے ہوں کہ جو دیا تو نے

وہ بھی بہت سوں کو نصیب نہیں ہوتا"

.. عجیب سوداگر ہے یہ وقت بھی!!!!

جوانی کا لالچ دے کے بچپن لے گیا....

اب امیری کا لالچ دے کے جوانی لے جائیگا......

لوٹ آتا ہوں واپس گھر کی طرف...

ہر روز تھکا ہارا،

آج تک سمجھ نہیں آیا کہ

جینے کے لئے کام کرتا ہوں یا

کام کرنے کے لئے جیتا ہوں۔

"تھک گیا ہوں تیری نوکری سے اے زندگی

مناسب ہو گا میرا حساب کر دے...!!"

بھری جیب نے 'دنیا' کی پہچان کروائی اور

خالی جیب نے 'اپنوں' کی۔

جب لگے پیسہ کمانے تو سمجھ آیا،

شوق تو ماں باپ کے پیسوں سے پورے ہوتے تھے،

اپنے پیسوں سے تو صرف ضروریات پوری ہوتی ہیں...!!!

ہنسنے کی خواہش نہ ہو ...

تو بھی ہنسنا پڑتا ہے....

کوئی جب پوچھے کیسے ہو...؟؟

تو "مزے میں ہوں" کہنا پڑتا ہے...

یہ زندگی کا تھیٹر ہے دوستو!....

یہاں ہر ایک کو ڈرامہ کرنا پڑتا ہے

"ماچس کی ضرورت یہاں نہیں پڑتی...

یہاں آدمی آدمی سے جلتا ہے...!!

مدیحہ شبیر

یہ آنکھیں

کیسے کہہ دوں

کہ مجھے محبت نہیں

اب کوئی چاہت نہیں

مگر---!!!

دیکھو ذرا

میری آنکھوں کو

کچھ کہنے سے

پہلے ہی بول پڑتیں ہیں

میرے انکار پے

اقرار کرتی ہیں

میں لاکھ جھٹلاؤں

یہ بار بار اظہار کرتی ہیں

یہ آنکھیں تم سے پیار کرتی ہیں

صرف تمہی سے پیار کرتی ہیں

شاعرہ کنول خان

تاریک راستوں میں

اداسیوں کے سفر میں

بھٹکتا ہوں جب بھی

شبِ تنہائی کی رُتوں میں

وہ دیتا ہے ساتھ

مثلِ جگنو کی طرح ...

گرداب زمانہ ہو

یا نا امیدیوں کی کشمکش

ڈوبتا ہوں جب بھی

کسی بھنور میں

وہ رہتا ہے ہمقدم

ستارہِ شب کی طرح ...

خیرہ کرتی ہیں جب مجھ کو

حسین منزل کی خوش گمانیاں

بڑھتا ہے قدم جب بھی

چمکیلے راستوں پہ

وہ رہتا ہے منتظر میرے لوٹ آنے کی طرف ..

تاریکیوں کی راہوں میں

ناکامیوں کے ڈر سے

لوٹتا ہے تھک کر

جب اک بھٹکا ہوا راہی

بھر لیتا ہے وہ آنچل میں

صبحِ روشن کی طرح ..

وہ غفور و رحیم

وہ رحمان و کریم

بس اک سجدہ ندامت سے

بخش دیتا ہے خطائیں

اک نرم دل حاکم کی طرح ...

بقلم: طوبیٰ عجائب

- بہار کے جو داغ تھے خزاں میں بکھر گ ئے

وو غم جو اجڑی رت کے تھے، چلی ہوا کدھر گ ئے؟

تو بھی تو بے خبر رہا، ہم بھی تو جانتے نا تھے

پھر دفعتن نظر پڑی تو سج گ ئے سنور گ ئے

تیرا پتا جو ڈھونڈنے میں عمر میری کٹ گئی

پھر تو ملا اور یوں ملا دن زندگی کے بڑھ گ ئے

نجم شماری شب میں تھی اپنا حسین مشغلہ

جب آسماں اپنا ہوا سب شمس اور قمر گ ئے

ہم کو کسی کے در کی کب، تھی طلب یا واسطہ

مگر قدم جو اٹھ گ ئے، جب بھی گ ئے ادھر گ ئے

اس شہریار کی نظر باریک تھی، طبیب تھی

میرے تو سارے زخم ہی اس اک نظر سے بھر گ ئے

زیرک گل

نظم "ایک روایت

عزت نفس کی خاطر...

یہ روایت توڑ دی میں نے...

محبت بھیک میں تھی...

سو وہ چھوڑ دی میں نے...

کہ جب یقین ٹوٹ جاتا ھے...

تو پھر برسوں لگتے ھیں اور

کبھی تو صدیاں بیت جاتی ھیں

پر ھاں...

کبھی خوشیوں کے لمحے هر سو لگتے هیں۔۔

۔محبت کے نام کا صدقہ

یاھو دوام کا صدقہ...

صدقہ عشق کا بھی ھو تو.

..سیدوں کو نھیں جچتا...

ھاں...

ایک بات کھتی ھوں...

سنو ایک راز کھتی ھوں...

صدقہ کیسے کا بھی ھو۔

سادات کو نھیں لگتا۔۔۔

نور بخاری

دسمبر

کیا تفریق ہے تجھ میں

اور اس میں اے "دسمبر"

وہ بھی سرد

اور تو بھی!

وہ بھی جلاتا ہے

اور تو بھی....!

شاعرہ دیا خان بلوچ

بے درد زمانہ

بے درد زمانہ کس کا ہے

سبھی چلیں سانجھا

کوئی کسی کا کب ہو گا

من مار کر دوسرے کی

ستو زرا تم بھی اک بار

کام سے پہچان تیری ہر دم

سینچوں لفظوں سے زمانہ

زرخیز بنا دے قرطائس قلم کا

دیکھ پھر قلم سے ہر لفظ گو آئی دے گا

خون خرابہ حالات متاثر

لکھ وہی جو دیکھتا ہے

گھوٹ گھوٹ کے مرنے سے اچھا

لکھ آندھی سیاست کی

جو جھیلتی تیری وادی

سب پکاتے اپنی روٹی

یہ زمانے سے ہوتا آیا

دہلیز پے بیٹھی کیوں ہو

خدیجہ درد لکھنے کا

عنوان کرو کیسے

حالات پریشان کریں مجھے ہر دم.

از قلم: خدیجہ کشمیری

اگلے خط میں

لکھ کر میں اپنی ساری کہانی بھیجوں گا

کاغز پر پانی ہی پانی بھیجوں گا

شاید اب وہ مجھ کو نہ پہچان سکے

میں اپنی تصویر پرانی بھیجوں گا

کھل جایں گے سارے راستے محلوں کے

اب میں ایک ایسی نشانی بھیجوں گا

بھیجوں گا میں یاد کی چھٹی تحفے میں

آنکھیں، بارش، اور جوانی بھیجوں گا

کیسی کیسی قسمیں کھائی تھیں اس نے

میں اگلے خط میں یاد داہانی بھیجوں گا---

عثمان انجم-- قبولہ شریف

------------،

اب خاموش رہنا ہے

منتیں نہیں کرنی

واسطے نہیں دینے

جسکو پیار ہوتا ہے

دور رہہ نہیں سکتا

ورنہ دل لگی جاناں

اور کسی سے کر لو تم

میرا یہ ارادہ ہے

خود سے ایک وعدہ ہے

منتیں نہیں کرنی

واسطے نہیں دینے

پیار آزمانا ہے اب خاموش رہنا ہے

شفاء ایمان

میں لکھ رہی ہوں جاناں

محبتوں کا سفر نامہ

دو دلوں کے سپنے سارے

جو مل کے ہم نے دیکھے تھے

تم بھی خوش تھے

میں بھی خوش تھی

پھر جانے کب کیا ہوا

تم مکرے اور چلے گئے

سزا اکیلے بھگتی میں نے

جُرم محبت میرا نکلا

خواب میرے سب چور ہوئے
اپنے میرے سب دور ہوئے
تم تو خوش تھے کھو کر مجھکو
میں بھی چُپ تھی کہتی کس کو
ہولے ہولے جینا سیکھا
گِر کہ پھر سے اُٹھنا سیکھا
اب کہتے ہو لوٹ آؤں میں
تمہارے دل کی دنیا میں
ارے ٹھہرو ذرا اب سوچنے دو
جو درد سہے ہیں کہنے دو
تم بھی سُن لو
کچھ نہیں ہو گا
تمہارا دل تو پتھر ہے
کچھ بھی تم کو
محسوس نہیں ہو گا
میں پاگل تھی دشمن اپنی
تمکو چاہا سوچا تمکو
دھوکا کھایا کھویا خود کو
اپنی ذات پرائی ہوئی
سب کہتے تھے گِری ہوئی
ارے جاؤ پہلے سہہ کہ آؤ
تم کیا جانو دردِ محبت
تم کرتے ہو شُغلِ محبت

اب کہتے ہو لوٹ آؤں
میں پھر سے خود کو کھو دوں
میں ایسا تو اب ناممکن ہے
تم نے مجھکو ٹھکرایا تھا
اب میں تم کو ٹھکراتی ہوں
ہم دونوں میں فرق ہے جاناں
تب بھی ٹوٹ کہ بکھری تھی
میں آج بھی ٹوٹ کہ بکھروں گی
تب بھی تم سے محبت تھی
دل آج بھی تمکو چاہتا ہے
تب بھی تم کو کھویا تھا
میں آج بھی تم کو کھو دوں گی
رولوں گی میں سہہ لوں گی
تم بن اب بھی جی لوں گی
میں جانتی ہوں تم آؤ گے
اور پھر سے چھوڑ کے جاؤ گے
اب تم کیا چھوڑ کے جاؤ گے
میں خود ہی آج مکرتی ہوں
میں تم سے آج یہ کہتی ہوں
میں تم سے نفرت کرتی ہوں
میں تم سے نفرت کرتی ہوں

شفاء ایمان

....

خوشی مانگنے سے نہیں ملتی یارو
خوشی تو موسم ہے
آتی ہے اور جاتی ہے
کبھی بن مانگے
کبھی بڑی منتوں مرادوں سے
کبھی جھوٹے سچے وعدوں سے
کبھی سجدوں کے جھکاو میں
کبھی جذبوں کے بہاو میں
کبھی یہ دل مار کر ملے
کبھی دل ھار کر ملے
کسی کو دعامیں یاد رکھنا
کسی کے لفظوں کی لاج رکھنا
کسی کی خاطر لڑ جانا
کسی کو سکھ دینا
کسی کے دکھ لینا
خوشیاں رب ہی دیتا ہے
مانگے بھی بن مانگے بھی
خوشی کہاں ملے ہے اکیلی
خوشی ہے بڑے دکھوں کی سھیلی..

زوق زولفقار علی

....

مجھے تم یاد آتے ہو

ہمیشہ جب بھی تنہا ہوں
خوشی ہو یا کوئی غم ہو
اکیلی ہوں یا محفل میں
تمہی تم یاد آتے ہو
بتاؤ نہ زرا مجھکو
مجھے کیوں چھوڑ جاتے ہو
میرا دل توڑ جاتے ہو
تمہیں معلوم ہے جاناں
تمہی ہو زندگی میری
تمہی ہو بندگی میری
تمہی کو چاہتی ہوں میں
تمہی کو سوچتی ہوں میں
تمہیں یہ بھی خبر ہے نہ
پکاروں گی نہیں تم کو
رولوں گی تڑپ لوں گی
ختم میں خود کو کرلوں گی
محبت بھیک میں تم سے
کبھی نہ مانگ پاؤں گی
تمہیں جب پیار ہی نہیں
تمہیں احساس بھی نہیں
تو تمہیں حق نہیں کوئی
کہ مجھ کو یاد آو تم

مجھے پل پل ستاؤ تم

بتاؤ پھر مجھے کیوں تم رُلاتے ہو

ستاتے ہو بہت ہی یاد آتے ہو

مجھے تم یاد آتے ہو

شفاء ایمان

"اداسیاں بے سبب نہیں ہیں"

حسرتوں کی گداز شامیں

ہجرتوں کے اداس موسم

خزاں رسیدہ چمن میں جاناں!

ہو چکا فصل گل کا ماتم

بارشیں وہ برس چکی ہیں

جن سے تھا جشن نغمہ و گل

نقش ماضی بجھے بجھے سے

لٹی پٹی بزم ماہ و انجم

گزر گئی بوئے گل چمن سے

مزاج باد صبا ہے برہم

اے میرے ہمدم!

وہ قربتوں کی طویل راتیں

وصال شب کے حسین مناظر

کبھی میسر تھے

اب نہیں ہیں

حسرتیں کچھ عجب نہیں ہیں

اداسیاں بے سبب نہیں ہیں

سید کاشف ہاشمی

غزل

خود کو ڈھونڈ رہا ہوں برسوں سے

نہ جانے کہاں کھو گئی ہو تم....!

تم نے تو سدا صرف میرا ہو کے رہنا تھا

یہ اس جنم میں کس کی ہو گئی ہو تم

چھوڑ دینا تھا تو جینے کا طریقہ بھی بتاتیں کیوں اپنی محبتوں کو صرف

رو گئی ہو تم

اِس پیڑ کی چھاؤں میں پھر کوئی نہیں بیٹھا یہ کس شجرِ ممنوعہ کا

بیج بو گئی ہو تم

لگتا ہے کسی تاریک بند گلی کا باسی ہوں گرچہ کھول کر یادوں کی

کھڑکیاں گئی ہو تم

دے کے کردار ایک شہزادے کا مجھے اس میں سنا کر اپنی ہی کہانی

کوئی اب سو گئی ہو تم اپنے اشکوں سے اسے سینچ رہا ہوں اب تک

یہ کس ہجر کی دل میں فصل بو گئی ہو تم

زندگی نے نقاب اتار پھینکا ہے جب سے

اے موت، کتنی حسیں ہو گئی ہو تم

(شاعر: نریم گِل)

نظم "ایک روایت"

عزت نفس کی خاطر...

یہ روایت توڑ دی میں نے...

محبت بھیک میں تھی...

سو وہ چھوڑ دی میں نے...

کہ جب یقین ٹوٹ جاتا ہے...

تو پھر برسوں لگتے ہیں

اور کبھی تو صدیاں بیت جاتی ہیں

پرچھاں...

کبھی خوشیوں کے لمحے ہر سو لگتے ہیں۔۔۔

محبت کے نام کا صدقہ

یا ہو دوام کا صدقہ...

صدقہ عشق کا بھی ہو تو...

سیدوں کو نہیں جچتا...

ہاں...

ایک بات کہتی ہوں...

سنو ایک راز کہتی ہوں...

صدقہ کیسے کا بھی ہو۔

سادات کو نہیں لگتا۔۔۔۔

نور بخاری

حسین تیری شہادت کو دو جہاں کا سلام

فروغِ شمع ہدایت کو دو جہاں کا سلام
سلام تجھ پہ ذبیحِ عظیم کی تفسیر
کتابِ حق کی سیادت کو دو جہاں کا سلام
سلام دوشِ رسالت کے شہسوار حسین

سلام بوئے محمد سے مشکبار حسین

سلام تیرے گھرانے پہ جو ہے سب سے جدا

رضائے رب کے جو خوگر تھے عشق جن کی رضا

وہ عشق آتشِ نمرود میں جو کود پڑا

وہ عشق جس کی معراج رسمِ کرب وبلا

سلام اس پہ سجی وہ تیرے بدن پہ قبا

جو قتل کر کے بھی تجھ سے نہ کوئی چھین سکا

سلام تیرے سفر پہ تیرے حضر پہ سلام

حزیں جو چھوڑے مدینے کے بام ودر کو سلام

سلام تیرے سبھی پاک جان نثاروں پر

سلام بے بدل وبے نظیر پیاروں کر

حسین عزم سے تیرے رہے گا

پائندہ یزیدِ رزقِ جہنم کا ظلم شرمندہ

خرم محبوب آثم

....

- دل کے دریا میں سب کچھ بہالے گئ

اور احساس۔ غم کو قضالے گئ

میں سمندر رہوں اور میرا ساحل ہے وہ

میری کشتی بھی تیری ہوالے گئ

میرے لفظوں کو تیری محبت ملی

مجھ سے وابستہ ساری کتھالے گئ

حسن۔ اعجاز ہے یہ ترے

ساتھ کا ساتھ تیرے جو تیری صدالے گئ

ماوراء_عدالت جو مارا گیا

کس طرح لاش گھر ماتالے گئ

لی گئ ایک بچے کی جاں بے سبب

اور کہتے ہیں جھوٹی انالے گئ

دل مرا اڈر گیا جب یہ آندھی چلی

امن کی آشتی کی ردالے گئ

تم حکومت کرو عیش و آرام سے

قوم نے ہے چنا، اس جگہ لے گئ

پھول چہرہ بچارے وہ گل پوش لوگ

آگ جن کو یہ وحشت زدہ لے گئ

اپنے دل کی اداسی نمی آنکھ کی

اپنے شعروں میں سب سے چھپالے گئ

فہمیدہ غوری

....

اگر میں چھوڑنا چاہوں

تمہیں میں چھوڑ سکتی ہوں

زیادہ کچھ نہیں ہو گا

زرا سا ٹوٹ کہ بکھروں گی

زرا سی جان نکلے گی

زرا سا دم گھٹے گا اور

زرا سی دیر میں شاید

ڈھرکتا دل تھمے گا بس

اگر میں چھوڑنا چاہوں

تمہیں میں چھوڑ سکتی ہوں

شفاء ایمان

....

غزل

یہ کس عذاب کا اب کے نزول ہے لوگو

تمام شہر ہی اپنا ملول ہے لوگو

اگر وہ دھوپ ہی میر انصیب ٹھہری ہے

تو پھر یہ چھاوں کی خواہش فضول ہے لوگو

وفائیں بھیک میں لینا ہمیں گوارا نہیں

سو اس کا ہجر ہی ہم کو قبول ہے لوگو

میں چاھے جان سے جاوں یا پھر جہاں سے جاوں

اب اس کے واسطے سب کچھ قبول ہے لوگو

اٹا ہے یادوں کی پرچھائیوں سے ایسے یہ دل

کہ ہر سو بکھری ہوئی جیسے دھول ہے لوگو

اب اس کے سامنے پھیلائیں کیوں یہ دامن دل

ھمارا بھی کوئی آخر اصول ہے لوگو

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ آپ کو کیا ھے

وہ جس طرح کا ہے مجھ کو قبول ہے لوگو

بسا ہوا ھے وہ نوشی مرے رگ و پے میں

اسے بھلادوں تمہاری یہ بھول ہے لوگوں

نوشین اقبال نوشی

گذرے دنوں کا سوچنا عذاب لگتا ہے

پیار، محبت، چاہت سب سراب لگتا ہے

ہے گناہ فاصلے مٹانا ختم کرنا دوریاں

پر کروں کیا اسے سب ثواب لگتا ہے

لفظ کھو گئے ہو گئیں کہانیاں تمام

مگر دل کی خالی ہے کتاب لگتا ہے

سوچتے تھے ہمارے ہو جاؤ گے

اب تو سوچنا بھی عذاب لگتا ہے

کبھی تو ملو گے کہیں تو ملو گے

رہِ حیات میں آئے گا انقلاب لگتا ہے

ریحانہ اعجاز کراچی

میری اب اکیلا ہی زمانے سے نبھالوں کیسی

جب تیرا پیار بسار کھا ہے دل میں

اپنی پھر اس میں تیرا غم بھی چھپالوں کیسی

سنا ہے تُو تو ہے شیدائی ہوش مندوں کا

میں اک دیوانہ ہو کہ تجھکو لبھاؤں کیسی

غم اٹھاتے ہیں وہ جنکا نہ ہو دنیا

میں کوئی میں تمھیں چاہتے ہوئے بھی غم اٹھاؤں کیسی

تو میرے ساتھ کے سب لمحے بھلا بیٹھا ہی

میں اس وھم کو اپنے دِل میں بٹھاؤں کیسی

سنا ہے کچھ پانے کو کر بارہا کوشش افراز

میں تجھے ایک ہی کوشش میں بھلا پالوں کیسے

افراز احمد

- ----------------------

- ۔اپنے جذبات کو الفاظ میں ڈھالوں کیسی

تم کو فقط دنیا کے کہنے پہ بھلالوں کیسی

اس قدر مدحوش ہوں الفت میں تیری

اپنے اس دلِ ناداں کو سنبھالوں کیسی

تیری صحبت تو عادت ہی ہو گئی ہے

- عاموں کی مدد سے کبھی خاصوں کی مدد سے

نیٹ سیکھا ہے نانی نے نواسوں کی مدد سے

ٹیڑھی نہیں اتنی بھی مری فکر کی تاریں

سیدھا نہ کرے کوئی پلاسوں کی مدد سے

اب ایسے بھی ٹیچر ہیں کہ دعوی ہے یہ جن کا

چگنا بھی سکھا سکتے ہیں گھاسوں کی مدد سے

شہروں کی طرح پنڈ میں بھی کتنے ہی درزی

عریانیاں سیتے ہیں لباسوں کی مدد سے

افطار ڈنر میں بھی بکی میرے نگر کے

بندوں کو بلاتے رہے ٹاسوں کی مدد سے

گھس سکتے ہیں اب چور کسی گھر میں بھی فیصل

تھانے کے بنائے ہوئے پاسوں کی مدد سے

فیصل عزیز

....

*** غزل ***

کبھی رخسار پر اشکوں کی صورت میں ٹپکتا ہے

کبھی سینے میں وہ بن کر دلِ غمگیں دھڑکتا ہے

جگر زخمی ہے میرا اور آنکھوں سے لہو جاری

کوئی ہر لمحہ مجھ میں بیٹھ کر شاید سسکتا ہے

میں بیمارِ غمِ فرقت ہوں، کوئی تو ہو چارہ ساز

کہ اب تنہائی کی وحشت سے میرا دم اٹکتا ہے

مسافر ہوں، مجھے ہے جستجو منزل کو پانے کی

مرا رنجور دل راہِ جدائی میں بھٹکتا ہے

دلِ بیتاب کا یہ حال ہے، رہتا نہیں بس میں

خود اپنے آشیاں میں صورتِ طائر پھڑکتا ہے

وہ مل جائے تو مل جائیں جہاں بھر کی سبھی خوشیاں

فقط جن کے خیالوں سے مرا تن من مہکتا ہے

انھیں جا کر بتا آؤ، مرا فرقت زدہ لاشہ

انھی کی دید کی حسرت لیے در در بھٹکتا ہے

(حیاؔ خان)

ابھی راہ میں کئی موڑ ہیں کوئی آئے گا کوئی جائے گا

تمہیں جس نے دل سے بھلا دیا اسے بھولنے کی دعا کرو

نام۔ گل ناز راؤ شہر کراچی

نام۔ گل ناز راؤ شہر کراچی

نہ تم رہو ہم سے خفا

نہ ہم خفا تم سے رہیں

بھول جائیں بیتی باتیں

کوئی نیا سفر کریں

جہاں ہوا میں ہوں خوشبوئیں

قدم قدم پر ہو گل کھلے

خزاں نہ جس کا نصیب ہو
چلو آؤ ایسے شہر چلیں
جہاں جبینوں، در کی مٹی
باغ، پھول، پیڑ، چھاؤں
محبت سے رنگے ہوئے
جہاں رات دن کا فرق بھی
اور گزرتے وقت کا خیال بھی
یہ خیال نہ دل میں لائے کبھی
کیوں آسماں سے دور ہے
زمیں کیوں مجبور ہے
جدائی کیوں ضرور ہے
اس میں کیا سرور ہے
ڈھلتے سورج کی سرخ تھالی
کبھی نہ دل اداس کرے
جہاں انتظار کی ہو حد ختم
جہاں سامنے ہو منزل کھڑی
چلو آؤ: ایسے شہر چلیں
خزاں نہ جس کا نصیب ھو

بس بہار ہی بہار ہو
نہ تم رہو ہم سے خفا
نہ ہم خفا تم سے رہیں
بھول جائیں بیتی باتیں
کوئی نیا سفر کریں

(شاعر) علی شاہ گیلانی

میں محبت کی باسی
میری ہر سانس میں
ہے مہک محبت کی
میری نگاہ وسعت میں
بسیرا ہے محبت شہر کا
وہ پرواز تتلیوں سی
وہ نغمہء محبت
وہ گفتگو محبوب
وہ نگاہ کا سحر
وہ صبح کا ذکر
وہ شام کا سفر
وہ دلہن کی تیاری
وہ پیا کا گھر۔۔

از قلم #شازیہ_کریم

ہے بے بسی سے بے بسی یارب

ہے بے بسی غصے کی

بے کسی کا ہے آنسو

پوچھ لے ذرا کوئی

وقت کے ظالموں سے یہ

وقت کے بدلنے میں دیر کتنی لگتی ہے

آج جو گرائے ہیں آنکھوں سے آنسو مرے

جو گرایا ہے آشیانہ مرے اس سکھ کا

اور جو لا سمویا ہے دکھ سب مرے سینے میں

اس دل کے سینے میں آگ جو لگائی ہے

اس آگ سے کوئی تو پوچھے

واپس آگ پھر لگانے میں

دیر کتنی لگتی ہے

کب سے ہو رہا ہے یہ سب

بو رہا ہے جو اسے کوئی

ڈھو رہا ہے اسے کوئی

دل کے سبھی نہاں خانوں میں

سکھ نہیں اگر بویا کوئی

دے رہے ہو جو اسے

وہی تو یہ تجھے دے گی

وہی تو یہ اُگلے گی..

آگ آگ نکلے گی

اور یونہی اُگلے گی..!

جھپٹ رہے ہو تم جو

اے مرے ہمنوا.. جو اس سے

یہی یہی وہ تمہیں دے گی..!

از قلم #شازیہ_کریم

¤نظم ¤ ¤وہ دیوانی سی لڑکی ¤

وہ لڑکی کیا دیوانی ہے

کیا صبر ہے اس دیوانی کا

کیا ہی ضبط محبت رکھتی ہے

پلکوں پر ہر وقت نمی رہتی ہے

چپکے چپکے آہیں بھرتی ہے

جو ہر وقت بولتی رہتی تھی

کچھ شوق تھے اسکے نرالے سے

تتلیوں سی اڑان وہ رکھتی تھی

ہر وقت محبت پیار وفا

کی باتیں کرتی رہتی تھی

وہ اپنی باتوں سے دیوانی لگتی تھی

سب کو اپنا مان کر ہر بات وہ کر لیتی تھی

مست وبخود وہ رہتی تھی

پھر نا جانے ایسا کیا ہوا
چپ چپ سی وہ رہنے لگی
رنگوں سے اسے وحشت ہونے لگی
ہمراز نہ اب وہ کسی کو بناتی تھی
بس رب سے باتیں کرتی تھی
دن رات ہی اب بس وہ
گم صم رہتی تھی
کچھ شرم وحیا کا پیکر ہے
کچھ نرم مزاج وہ دکھتی ہے
اپنے حیا کے آنچل میں اب وہ
جذبات چھپائے رکھتی ہے
ڈرتی ہے اب وہ محبت سے
پیار محبت ووفا اسے اب
سب افسانے لگتے ہیں
اب سپنے دکھنے سے وہ ڈرتی ہے
اس خوف سے وہ سوتی نہیں
خوابوں کے ٹوٹنے سے وہ ڈرتی ہے
چپ چپ کے وہ روتی ہے
آنچل میں اپنے آنسوؤں کو
اب سموتی ہے
ہے رشک مجھے اس لڑکی پ
ہ کیا خاموش محبت وہ کرتی ہے
اب سکھیاں ہیں نہ اسکی کوئی
ہمراز نہ اب وہ بناتی ہے۔۔
بس رب سے باتیں کرتی ہے۔۔۔!!

شاعرہ:-#شازیہ_کریم

....

میں محبت کی باسی
میری ہر سانس میں ہے
مہک محبت کی
میری نگاہ وسعت میں
بسیرا ہے محبت شہر کا
وہ پرواز تتلیوں سی
وہ نغمہء محبت
وہ گفتگو محبوب
وہ نگاہ کا سحر
وہ صبح کا ذکر
وہ شام کا سفر
وہ دلہن کی تیاری
وہ پیا کا گھر۔

از قلم#شازیہ_کریم

عنوان آو بابا

آو بابا پیارے بابا

دیکھو بیٹی ٹوٹ گئی ہے

دنیا بہت ہی ظالم ہے بابا

مجھ کو ہر دم رلاتی ہے یہ بابا

ساتھ تمہارا جب سے چھوٹا

خوشیاں جیسے روٹھ گئی بابا

بھائی ہیں روتے امی ہیں روتی

تم بن سب کچھ خالی ہے بابا

یاد ہے مجھے آج بھی وہ دن

بادل ٹوٹ کے برسا تھا

اپنوں نے مجھ سے منہ تھا پھیرہ

دیکھو بابا تم بن اب یہ گڑیا ہنستی نہی ہے

تم لے گیے ہو میری خوشیاں بابا

آو کے میں پھر سے جینے لگوں

آو کے میں پھر سے بولنے اور کھلکلانے

لگوں آو بابا پیارے باب

اترس گئی ھوں تمہیں دیکھنے کو باب

اایک بار تو خواب میں آو نہ بابا

تم نے کہا تھا چھوڑ کے نا جاؤ گے کبھی

پھر کیوں اپنا وعدہ توڑ گیے تم بابا

دنیا سے روٹھ نا جاؤں تمہاری طرح میں بھی

اس سے پہلے ایک بار پھر آ کے تھام لو بابا

خاکِ مکہ راولپنڈی

آؤ ناپ لیتے ھیں

غم کو ترازو پر

درد کو پیمانے سے

عشق کو حقیقت پر

آؤ رو لیتے ھیں

اپنوں اور وچھوڑوں پر

ٹوٹے ھوئے گھروندوں پر

یاس بھرے دیدوں پر

آؤ بانٹ لیتے ھیں

غمزدہ جاگیروں کو

ان سنگدل غریبوں میں

اس شھر کے امیروں میں

آؤ کچھ تو کرتے ھیں

ذرا جیب اپنی بھرتے ھیں

محفلوں کے قہقہوں سے

پر سکون نیندوں سے

رنگ رنگ کھلونوں سے

آؤ وھاں پہ چلتے ھیں

جسے کشمیر کہتے ھیں

ھم ان پر وار آتے ھیں

یہ جبیں بھری خزانوں سے

خوشیوں کی داستانوں سے

عائشہ اسحاق

رات پھر آنکھوں سے۔۔ •

نیند رہی خفا دیر تک۔۔

یاد پھر آتی رہی ان کی دیر تک۔۔

رات پھر سجدے میں اشکوں کا سہارا لے کر۔۔

ہم نے مانگی تیرے ملنے کی دعا دیر تک۔۔

جانے کیوں زندگی کے۔۔

ہر موڑ پہ ملتی رہی ہے ہمیں۔۔

اک جرم وفا کی سزا دیر تک۔۔!!

قلم از #شازیہ_کریم

کبھی تو بھی آ چل کر

پاس مرے۔۔

میری بات سن۔۔

میرا ساتھ دے۔۔

جو خلش ہے مرے اس دل میں

سبھی رنجشوں کو تو نکال دے۔۔

مری سبھی الجھنوں کو

تو سلجھا جا۔۔

مرے سبھی سوالوں کے تو جواب دے۔۔

تجھے سوچنا ہے مشغلہ مرا

تجھے اپنے سنگ دیکھنا میری آرزو

مری بے چین دھڑکنوں کو تو قرار دے

مجھے اپنے قرب کی تو رات دے

میں اکیلی بھٹکوں کہاں کہاں

یہ سفر ہے جاناں طویل بہت

میری زندگی ہے تو جاناں

میرے ہاتھ میں تو جاناں

اپنا ہاتھ دے۔۔

مرا ساتھ دے۔۔۔۔

مرے ساتھ چل۔۔!!

از قلم #شازیہ_کریم

ایک نظم

تیرے ہاتھوں اپنے اعتبار کی کرچیاں
اپنی آنکھوں سے سمیٹیں
لہو روتی آنکھوں سے
جب پہلی بوند ٹپکی
اس وقت میرے دکھ پر
آسمان بھی کھل کر رویا

لبنیٰ غزل۔

وہ نفرتوں کے سوال کر کے
محبتوں کے جواب مانگے !

کہ میرے حصے میں کانٹے بو کر

وہ مجھ سے تازہ گلاب مانگے !
وہ چاہتوں کی کڑی مسافت

چلے ہیں تنہا شکست خوردہ !

کوئی تو میرا بھی درد جانے !

کوئی تو اُس سے حساب مانگے

سلطانہ احمد

نظم "ایک روایت"

عزت نفس کی خاطر...

یہ روایت توڑ دی میں نے...

محبت بھیک میں تھی...

سو وہ چھوڑ دی میں نے...

کہ جب یقین ٹوٹ جاتا ھے...

تو پھر برسوں لگتے ھیں

اور کبھی تو صدیاں بیت جاتی ھیں

پر ھاں...

کبھی خوشیوں کے لمحے ھر سو لگتے ھیں۔۔

۔محبت کے نام کا صدقہ

یا ھو دوام کا صدقہ...

صدقہ عشق کا بھی ھو تو...

سیدوں کو نھیں جچتا...

ھاں...

ایک بات کھتی ھوں...

سنو ایک راز کھتی ھوں...

صدقہ کیسے کا بھی ھو۔

سادات کو نھیں لگتا۔۔۔

نور بخاری

کاش کہ اترے وہ موسم بھی

میرے آنگن میں نئی سویر کے ساتھ

جب آنکھوں میں سجاوں کوئی خواب

تو مجرم نہ سمجھا جائے

رواجوں کی ڈال کے بیڑیاں میرے پاوں میں

اونچی دیواروں میں قید نہ کیا جائے

قلم, کتاب چھین کر میرے ہاتھوں سے

لاد کر بوجھ فرائض کا کندوں پر میرا

سر نہ جھکایا جائے

کاش کہ اترے وہ موسم بھی

میرے آنگن میں نئی سویر کے ساتھ

اپنے حق کے لیے بولوں تو باغی نہ ٹھرائی جاوں

میرے خاموش لبوں کی صدا کبھی سنا جائے

بیٹی کو بیاہنے کے لیے جہیز بناتے بناتے

باپ کی کمر نہ جھکتی جائے اور

عمرِ رواں کی منڈیر پر

جوانی کا سورج نہ ڈھلتا جائے

کاش کہ اترے وہ موسم بھی

میرے آنگن میں نئی سویر کے ساتھ

جب بیٹی کو بوجھ نہ سمجھا جائے

سعدیہ محسن لاہور

• کاش کہ اترے وہ موسم بھی

میرے آنگن میں نئی سویر کے ساتھ

جب آنکھوں میں سجاوں کوئی خواب

تو مجرم نہ سمجھا جائے

رواجوں کی ڈال کے بیڑیاں میرے پاوں میں

اونچی دیواروں میں قید نہ کیا جائے

قلم, کتاب چھین کر میرے ہاتھوں سے

لاد کر بوجھ فرائض کا کندوں پر

میرا سر نہ جھکایا جائے

کاش کہ اترے وہ موسم بھی

میرے آنگن میں نئی سویر کے ساتھ

اپنے حق کے لیے بولوں تو باغی نہ ٹھرائی جاوں

میرے خاموش لبوں کی صدا کبھی سنا جائے

بیٹی کو بیاہنے کے لیے جہیز بناتے بناتے

باپ کی کمر نہ جھکتی جائے اور

عمرِ رواں کی منڈیر پر

جوانی کا سورج نہ ڈھلتا جائے

کاش کہ اترے وہ موسم بھی

میرے آنگن میں نئی سویر کے ساتھ

جب بیٹی کو بوجھ نہ سمجھا جائے

سعدیہ محسن

لاہور۔

غزل

کام چوپٹ ہے اس ادارے کا

دل کا سودا ہے بس خسارے کا

ہم تو مرضی سے اپنی ڈوبے ہیں

کس کو افسوس ہے کنارے کا

جس پہ تکیہ کیے ہوئے ہیں ہم

خود وہ محتاج ہے سہارے کا

ضبط کے سارے سلسلے ٹوٹے

حال پوچھا جو غم کے مارے کا

جب سے نظریں بدل گئیں اسکی

روپ بدلا ہے ہر نظارے کا

اک تو ظالم سخن شناس نہیں

اور غزل نام بس اشارے کا

لئیقہ سلطانہ

کچھ بھی نہیں فرات ہماری نگاہ میں

پانی کا شور دَب گیا مٹی کی آہ میں

ناحق و حق دست و گریبان ہیں مگر

اُٹھتا نہیں ہے آج کوئی حُر سپاہ میں

اِک روشنی چلی تھی اندھیرے کے بیچ بیچ

اِک فیصلہ ہُوا تھا سپید و سیاہ میں

آنکھوں سے اب گُذرتے ہیں اشکوں کے قافلے

موتی پرو دیے ہیں کسی نے نگاہ میں

کیسے یہ جاں کَنی کا سفَر طے ہو زندگی

پڑتی ہے کربلا ہمیں جنت کی راہ میں

خیمے سے چل پڑی ہے یہ معصوم بے رِدا

رکھے خدا سکینہ کو اپنی پناہ میں

فرست مِلے جو شَر سے تو ماتم کدے میں

بیٹھ تجھ پر بھی اصلِ چہرہ کُھلے رزم گاہ میں

تجھ یاد کی ہَوا نے ہی کاڑھے بدن پہ پھول

گھیرے ہوئے تھے جسم کو کتنے ہی واہمے

اے آسماں تو اب بھی ہو ناراں تو کیا کریں

اُن جیسا کوئی ایک تو لا کر دکھا ہمیں

آنکھوں کو سرخ دیکھ کے حیراں ہو کس لیے

رکھا گیا ہے رنج ہماری کلاہ میں

صد شکر مدحتِ شہِ اول ہوئی نصیب

ورنہ میں پہلا فرد تھا فردِ سیاہ میں

مَیں نے کِیا قصیدہ بہ نامِ علی رقم

آزر مجھے بھی لے چلیں اُس بارگاہ میں

دلاور علی آزر

- یہ قصہ تم لکھو لیکن مجھے عنوان رہنے دو,,

محبت تم کرو ہر پل مجھے حیران رہنے دو,,

رہو تم عقل پہ نازاں مجھے نادان رہنے دو,,

سجا لو اپنے بام و در, مجھے سنسان رہنے دو

میرے سب راز تم جانو مجھے انجان رہنے دو

جہاں بھر کو کرو شامل مجھے زندان رہنے دو

میری چاہت ھوس سمجھو مجھے حیوان رہنے دو

فرشتہ بن کے تم جی لو مجھے انسان رہنے دو

کٹھن ہے راہ محبت کی, مجھے آسان رہنے دو

نہ توڑو تم میرا اب دل کوئی امکان رہنے دو

مجھے سوچوں میں مت ڈھالو یونہی مہمان رہنے دو

عدل سے کام تم رکھو,,,, مجھے میزان رہنے دو

شاعرہ: طیبہ عنصر مغل

اے تحریر کے جیسی لڑکی

آ اب لوٹ بھی آ

خوابوں کے نذرانے میں

چاہت کے گلدانوں میں

نیند کے سب استھانوں میں

آنچل کی لہر میں آکر

تیرا دریا بہتا تھا

اور بہاریں بہتی تھیں

اب کے منظر الٹا ہے

تیرے ہونٹ کیوں ویراں ہیں

مجھ سے تیری روتی آنکھیں

دیکھ نہیں ہوتی ہیں پیاری

میں جو تیری سانجھ سہیلی

تیرے رنگ کی چنری ہوں

ارم آفتاب

کیسی محبت تھی تیری

کے تیرے سوا اب مجھے کوئی بھاتا نہیں

زندگی میں اور بھی حسین یادیں ہے

پر تیری یادوں سے پیچھا چھوڑا نہیں

تجھے تو شاید میرا وجود بھی بھول گیا ہو

اور مجھے اب تک تیری پرچھائی نے چھوڑا نہیں

اپنے پاس کسی کا وجود گوارا نہیں

کیسا تھا تیرا لمس جو آج بھی مجھے بھولا نہیں

تیرا اپنا کہنا اتنا بھایا میری سماعتوں کو

کے آج تک تنہای میں

تیری آواز کے سوا کچھ گونجا نہیں تیری اندازِ بیوفائی اتنا یاد

آیا کے

آج برسو بعد بھی مجھے کسی اور کا ہونے دیا نہیں

حدیقہ عرفان کوالالمپور، ملیشیا

داستاں جو بھی ہے

تو سنائے گی کی

اور دکی بات پر مسکرائے گی

کیا یہ محبت بھلا

رنگ لائے گی کیا

مجھ پہ الزام اب

تو لگائے گی کیا

لب پہ لب تو مرے

اب لگائے گی کیا

کاٹ کر فون تو

اب جتائے گی کیا

اسامہ زاہروی

لوگ کہتے ہیں کے وہ مجھ سے جدا ہو ہی گیا.

یہ بھی کہتے ہیں کے

دل توڑ کے جانے والا

اب کسی اور کے ارمان و وفا کا طالب

بن کے رہتا ہے کسی اور کے دل کا مالک

اس کو پھر آس کے صحرا میں تپی ریت کے رستے پر

کیوں ڈھونڈنے نکلا ہے یہ پاگل میرا من

ہو چکا ہے جو کسی اور کی زلفوں کا اسیر

کیوں یہ جوگن یہ ابھاگن پھرے بن میں ماری

اب بھی جاتی ہے کسی کے یہ صدقے واری

وہ تو اب پیار کی کشتی لیے نی دنیا کو چلا

نیے ساحل کو چلا ہے نی منزل کو چلا

اب تو رستے بھی الگ ہیں تو الگ ہی حالات

اب نہ وہ دل ہے نہ امید نہ وہ جذبات

بس ایک دیا ہے جو جلے جاتا ہے سرِ شام

کسی کے من میں

اور آنگن میں لگے پیڑ لگ کر اب بھی

منتظر ہے آنے کی کسی اب بھی

لوگ کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہی کہتے ہوں گے

جانے والا تو گیا. آس کے جگنو بھی گئے

اب تو بس یاد کے بادل ہیں جو بن برسے ہی

روز آتے ہیں اور روز گزر جاتے ہیں

نہ یہ برسیں گے نہ ٹھریں گے. نا ساون ہو گا.

اب بس درد کا ہر وقت ہی موسم ہو گا

لوگ کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہی کہتے ہوں گے....

شاعرہ فہمیدہ غوری.

بابا____

تیری یاد کو لفظ بناتی ہوں

تو وہ تیرے لہجے کی خوشبو کو ترستے ہیں

جیسے کوری مٹی کے کھنکھناتے برتن پر

پانی کے چند قطرے گریں

تو محض کھن کی آواز آتی ہے

کوئی لہجہ ہاتھ آتا ہے نہ ہی لمس

اور

شب و روز کی محنت سے جوڑے یادوں کے وہ چند لفظ

حقیقت کی ایک ہی ٹھوکر سے تڑخ جاتے ہیں کہ

تو نہیں ہے

اور جو ہستی کی تکان سے بوجھل آنکھیں

تیری یاد کے خواب بنا چاہیں

تو خاموشی کے دھندلے سے خاکے

تیری شبیہہ کے رنگوں کو ترستے ہیں

آنکھوں کی تھکن بڑھتی ہے

خوابوں کی الجھن بڑھتی ہے

بے صدا الفاظ

بے شبیہہ تصویریں

دکھوں کی چبھن کو بڑھاتی ہیں

زیست کی تکان کو بڑھاتی ہیں

کوئی کندھا نہیں

کوئی آغوش نہیں

کوئی دلاسہ نہیں

اور تیری طرف جاتا کوئی رستہ نہیں

بس مٹی کا گھروندہ ہے

جو تیرا نشان بناتا ہے

مجھکو پاس بلاتا ہے

بے حکم کیسے جاؤں

اپنے درد کیسے بتاؤں

یادوں کے تانے بانے بنتے ہیں، ٹوٹتے ہیں

تو بے بسی ہاتھ تھام لیتی ہے___

اشناء شاہ کے نام سے

بکھرے پتوں کو سمیٹا تھا کبھی ہجر ایسا ہے نہ سوچا تھا کبھی

وقت آجانے پہ سمجھا تھا کبھی مہربانی کا مقرر ایک دن

ان بزرگوں سے یہ سیکھا تھا کبھی کر اطاعت ربِّ واحد کی سدا

رہنما استاد جیسا تھا کبھی جانتے ہیں ہم سبھی فرمانِ رب

جیسے کافی ایک سجدہ تھا کبھی انکساری ہے خدیجہ لازمی

خدیجہ کشمیری

میری کوئی بھی خواہش پوری نہ ہوئی.

خواہشوں کا پورا ہونا مقدر میں نہ تھا.

میں نے اس در پہ بھی فقط تجھ کو مانگا.

جس در پہ مانگنا ہر کسی کے بس میں نہ تھا.

جگر اس وقت چھلنی چھلنی ہو گیا میرا.

جب اس نے کہا تم نے مجھے مانگا کب تھا.

شاعرہ ثناء شہزاد

ایک نظم

نظم: بے وفا نہ ہو جانا...

زندگی کی راہوں میں،،،

دلنشیں پناھوں میں...

آرزو کے میلے میں

وقت کے جھمیلے میں...

کتنے موڑ آئیں گے،،،

پاؤں کتنی راھوں کو

پیچھے چھوڑ جائیں گے...

رونقوں کی بستی میں،،،

موج اور مستی میں...

تم جدا نہ ہو جانا...

ہاتھ چھوڑ کر میرا،،،

بھیڑ میں نہ کھو جانا...

بے وفا نہ ہو جانا...!!!

(شیریں سید)

سیما نقوی (ٹورنٹو، کینیڈا) کی غزل:

حوصلے غم سے لڑ گئے میرے اشک مشکل میں پڑ گئے میرے

میں نے ہجرت کا بیج کیا بویا پاؤں جڑ سے اکھڑ گئے میرے ٹھن

گئی یوں مری مقدر سے کام بنتے بگڑ گئے میرے اک گھڑا

ٹوٹ کیا گیا میرا لوگ افسانے گھڑ گئے میرے نیند ٹوٹی خزاں

کی دستک پر خواب پلکوں سے جھڑ گئے میرے ہجر صدیوں پہ
پھیل جاتا مگر کم شب وروز پڑ گئے میرے سب رفو گر کدھر
گئے سیماز خم پھر سے ادھڑ گئے میرے

• ---------------

زندگی کی دعا نے مارا ہے یعنی مہر و وفا نے مارا ہے

درودیوار کچھ نہیں بولے آئینے کی صدا نے مارا ہے

ایک دن لوگ مار ڈالیں گے اور کہیں گے خدا نے مارا ہے

کس طرح انتہا کی بات کرے وہ جسے ابتدا نے مارا ہے

کہہ رہے ہیں یہ آبلے یاسر مجھ کو دشت_بقاء نے مارا ہے

سید یاسر گیلانی.

وفا کی بہاریں اٹھا کر چلوں گی
محبت کے نغمے سنا کر چلوں گی

نہ ہو گا کوئی پاسباں گر ہمارا

تو تنہا سفر کو سجا کر چلوں گی

اندھیروں کی گمنام گلیوں میں ہر دم

دیا چاہتوں کا جلا کر چلوں گی

مجھے پیاس کا یوں گماں بھی نہ ہو گا

کہ اشکوں کا دریا بہا کر چلوں گی

پروتی رہوں گی میں لفظوں کہ موتی

سخن عمر بھر یہ ادا کر چلوں گی

جہاں پھول چاہت کہ سر سبز ہونگے

اُسی راہ پہ دل بچھا کر چلوں گی

مجھے اب نہ درکار عظمٰی کوی بھی

میں تنہا غموں سے نبھا کر چلوں گی

عظمٰی شاہ آزاد کشمیر راولاکوٹ......

،---------------------

غزل شاخ شاخ لھراتی ھیں تیرے جمال کی تتلیاں
چین ھیں مرے دل کا یہ حسن بے مثال کی تتلیاں

خوش نصیب ٹھرے وہ جسکے نصیب میں ھوگ ۓ

تیری قربتوں کے موسم اور تیرے وصال کی تتلیاں

دھنک رنگ جتنے تھے میری حیات میں سج گ ۓ

دامن دل سے باندھیں جو تیرے خیال کی تتلیاں

بار بار وہ کھتے ھیں میری وفا کو تم مان لو

میرے ھاتھ آئ ھیں تو بس احتمال کی تتلیاں

امر کر نہ پائی میں, لمحے جو بھار کی طرح تھے

نکل گیئں ھاتھوں سے میرے ماہ وسال کی تتلیاں

(از قلم مدثرہ ابرار عابی)

خوشیوں سے نہ رہی وابستگی تیرے بعد...

غموں کو کر لیا ہم نے گرویدہ تیرے بعد...

توڑ دیئے ترے لائے ہوئے گلدان سبھی...

کیا کریں گے چمن کے گلابوں کو تیرے بعد...

تو پہلو میں تھا تو راحتوں کا بسیرا تھا

خفا ہو کے دور بیٹھی ہے نیند تیرے بعد....

جلا دیئے سبھی اوراق اپنے کلیات کے...

کون پڑھے گا میری غزلوں کو تیرے بعد...

ڈھانپ دیا ہمیشہ کے لیے سبھی یادوں کو...

کون دیکھے گا کمرہ ہمارا تیرے بعد...

کریں گے جی بھر کے خود کو برباد ہم...

کون روک سکے گا ہم کو ریحان تیرے بعد...

☼ریحان سحر☼

نہ جانے کیوں کھوئی کھوئی سی رہتی ہوں۔۔

نہ ہی کچھ ارماں میرے

نہ ہی کچھ سپنے میرے

بس یونہی خاموش سی رہتی ہوں میں

بڑی خوشیوں سے ہو کہ انجان

چھوٹی خوشیوں سے خوش رہتی ہوں میں

اپنی چھوٹی سی مسکان سے

دل میں لوگوں کے گھر کرتی ہوں میں

سب کی نظروں میں شامل رہتی ہوں میں

نہ جانے پھر بھی کیوں کھوئی کھوئی سی رہتی ہوں میں

از قلم۔۔۔کہکشاں افق قیصر۔۔۔

میری کوئی بھی خواہش پوری نہ ہوئی.

خواہشوں کا پورا ہونا مقدر میں نہ تھا.

میں نے اس در پہ بھی فقط تجھ کو مانگا.

جس در پہ مانگنا ہر کسی کے بس میں نہ تھا.

جگر اس وقت چھلنی چھلنی ھو گیا میرا.

جب اس نے کہا تم نے مجھے مانگا کب تھا.

شاعرہ ثناء شہزاد

وہ اجنبی جو دل میں گھر کر گیا

دل میں رہ کر دل سے جدا کر گیا

میری محبت پہ اعتبار نہ تھا اسے

وہ! جو جاتے جاتے مجھے تنہا کر گیا

اتنی محبت کے بعد بھی بچھڑ گیا وہ

کوئی مجبوری ہو گی، جو ایسا کر گیا وہ

اسے زمانے کا خوف تھا یا دل میں کچھ اور

وہ! جو جاتے جاتے مجھے رسوا کر گیا

از قلم۔ ہما طاہر ٹوبہ ٹیک سنگھ

اگر آپ کو لکھنے کا شوق ہے مگر اس ڈر سے نہیں لکھ سکے کہ شائع ہو گا کہ نہیں ہم ایسے نیو لکھنے والوں کو گارنٹی دیتے ہیں کہ وہ قلم کو اٹھائیں انشاء اللہ ہم جگہ دیں گے۔ اور وہ بھی پہلے ماہ ہی ارسال کرنا تحریریں بالکل آسان ہے آپ اردو میں مسیج لکھ کر مسیج میں بھی لکھ کہ سینڈ کر سکتے ہیں۔ داستان دل کے بارے آپ کو کوئی بھی معلومات لینی ہو تو 03225494228 پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ ایڈیٹر

داستان دل کی ٹیم سے رابطہ کا ذریعہ

فیس بک:03377017753

ای میل:abbasnadeem283@gmail.com

واٹس اپ:03225494228

شاعری

ظفر اقبال.....منڈی بہا الدین.....کے نام

بھول جاتا ہے ساری دنیا کا حسن

حسین چہرے جو آنکھوں میں سجا کرتے ہیں

تیری زندگی میں خوشیوں کی بہار آئے

ہم خدا سے یہی دعا کرتے ہیں

شاعر: صداقت علی.... منڈی بہاالدین

،،،،،،،،،،،،

غزل

اب بھی مشتاق ہیں مگر ان سے ہمسائیگی نہ رہی

جو چاہت تھی اپنی اس میں تشنگی نہ رہی

نہ تھی اپنی قسمت جو تیری محبت ملی

جس سے خوش رہے تو وہ زندگی نہ رہی

رحمان تیری نعمتوں پہ شکر تو کرتے ہیں

پر اس دور کی دل میں تازگی نہ رہی

الٰہی یہ کیسی دل لگی ہے کہ وہ ہیں ہم سے بیزار

شاید محبت میں پہلے سی شائستگی نہ رہی

کاش ہم بھی ہوتے تیرے غم میں شریک

تیرے درد ہوئے ختم وہ اداسی نہ رہی

اے خدا تو بتا کہ کیوں ہے خفا

کہیں دلوں میں تیری بندگی نہ رہی

علی آج کیوں ہے اداس بیٹھا

اب تو محبوب کی بے رخی نہ رہی

صداقت علی........ منڈی بہاءالدین

،،،،،،،،،،،،

داستان دل کی ٹیم سے رابطہ کا ذریعہ

فیس بک:03377017753

ای
میل:abbasnadeem283@gmail.com
واٹس اپ:03225494228

غزل

اب بھی مشتاق ہیں مگر ان سے ہمسائیگی نہ رہی

جو چاہت تھی اپنی اس میں تشنگی نہ رہی

نہ تھی اپنی قسمت جو تیری محبت ملی

جس سے خوش رہے تو وہ زندگی نہ رہی

رحمان تیری نعمتوں پہ شکر تو کرتے ہیں

پر اس دور کی دل میں تازگی نہ رہی

الٰہی یہ کیسی دل لگی ہے کہ وہ ہیں ہم سے بیزار

شاید محبت میں پہلے سی شائستگی نہ رہی

کاش ہم بھی ہوتے تیرے غم میں شریک

تیرے درد ہوئے ختم وہ اداسی نہ رہی

اے خدا تو بتا کہ کیوں ہے خفا

کہیں دلوں میں تیری بندگی نہ رہی

علی آج کیوں ہے اداس بیٹھا

اب تو محبوب کی بے رخی نہ رہی

صداقت علی........ منڈی بہاءالدین

دستور دنیا ہے کہ،

جب کوئی مر جائے تو،

آنسو بہائے جاتے ہیں،

بین کیے جاتے ہیں،

نوحے لکھے جاتے ہیں،

آوازیں کانپ اٹھتی ہیں ،

درودیوار ہل جاتے ہیں،

دلاسے ، تسلی اور پرسے دیے جاتے ہیں،

رونے کو کندھے پیش کیے جاتے ہیں،

آنسو تمام پوروں پر چنے جاتے ہیں،

لیکن!میں جو تیری یاد کی لاش،

کندھوں پر ٹکائے ایک مدت سے،

یہاں وہاں۔۔۔قبر ڈھونڈ رہا ہوں،

میں جو تیرے نام کے بین کر رہا ہوں،

اپنے درد کی شدت سے،

خاموش ہو گیا ہوں،

میں کسے بتاؤں؟

کسی دکھاؤں؟

کیسے بتلاؤں؟

کہ میرے اندر

مر گیا ہے کوئی۔

ثوبیہ امبر

کاش کہ اترے وہ موسم بھی

میرے آنگن میں نئی سویر کے ساتھ

جب آنکھوں میں سجاوں کوئی خواب

تو مجرم نہ سمجھا جائے

رواجوں کی ڈال کے بیڑیاں میرے پاوں میں

اونچی دیواروں میں قید نہ کیا جائے

قلم,کتاب چھین کر میرے ہاتھوں سے

لاد کر بوجھ فرائض کا کندوں پر

میرا سر نہ جھکایا جائے

کاش کہ اترے وہ موسم بھی

میرے آنگن میں نئی سویر کے ساتھ

اپنے حق کے لیے بولوں تو باغی نہ ٹھرائی جاوں

میرے خاموش لبوں کی صدا کبھی سنا جائے

بیٹی کو بیاہنے کے لیے جہیز بناتے بناتے

باپ کی کمر نہ جھکتی جائے

اور

عمرِرواں کی منڈیر پر

جوانی کا سورج نہ ڈھلتا جائے

کاش کہ اترے وہ موسم بھی

میرے آنگن میں نئی سویر کے ساتھ

جب بیٹی کو بوجھ نہ سمجھا جائے

سعدیہ محسن

ایک لڑکی تھی

محبّت وہ کسی سے کرتی تھی

شاید اسے انتظار تھا کسی کا

ساحل کنارے تنہا بیٹھا کرتی تھی

پیروں کو چھوتی لہروں کو دیکھ کر

دل میں شکوہ وہ کسی سے کرتی تھی

ہنسنے سے شاید ڈرتی تھی

اس لئے پل کیں نم وہ ہمیشہ رکھتی تھی

لوگو کے ہجوم میں وفا ڈھون ڈتی تھی

اکیلے میں بہت روتی تھی جب ناکام ہوتی تھی

وفا کی تلاش میں بیوفائی پاے تھی

اس لئے محبت سے اب وہ ڈرتی تھی

Hadiqa Irfan

لطیفے

ساحر علی

ایک آدمی کا باپ مر گیا تو اس نے اپنے دوست کو فون کیا جلدی سے میرے گھر آ جائو۔

دوست گھر پہنچا تو دیکھا سب رو رہے تھے اس نے پوچھا کیا ھوا دوست نے بتایا اس کے باپ کوماتھے پہ گولی لگی ھے اور وہ مر گیا ھے

دوست کے باپ کو یکھا اور اپنے دوست کو کہا اوئے رو نا شکر کر آنکھ بچ گئی ھے

بیٹا ...امی ،،میں سوچ رھا ھوں ،،شادی کر لوں ...

امی ......بیٹا جب سوچ لو،تو بازار سے آدھا پاؤ دھی لے آنا

کومل تبسم

دوست سردار سے ...کیا آپ کو کبھی کسی سے پیار ھوا ھے؟؟

سردار ...ھاں یار ،،مگر وہ نھیں مانتی ...

دوست،،کیوں کیا کھتی ھے ...

سردار .. کھتی ھے i love u too یار اب پتہ نھیں دوسرا کمبخت کون ھے..

....

اروشمہ خان

ڈاکٹر

کرکٹ کے کھلاڑھی نے ڈاکٹر سے کہا ; میں ایک عجیب مرض میں مبتلا ہوں " ہر وقت سر چکراتا رہتا ہے" نہ مجھ سے رن بنتے ہیں نہ ہی باولنگ ہوتی- فیلڈنگ کرتے وقت میرا دم گھٹنے لگتا کیچ کے وقت بال نظر نہیں آتی -ڈاکٹر

مجھے بتایئے میں کیا کروں- ڈاکٹر نے کہا آپ کرکٹ کھیلنا چھوڑ دیں اس کا

بس یہ ہی علاج ہے- نا ممکن کھلاڑی بولا مجھے تو اب قومی ٹیم میں شامل کیا

جا چکا ہے ----

گرل فرینڈ

یک سردار جی بائیک پر اپنی بہن کو کالج سے گھر واپس لے کے جا رہے تھے

راستے میں ان کو ایک سکھ دوست ملا اور اس نے اونچی آواز میں کہا کیا بات

ہے سردار جی اکیلے اکیلے گرل فرینڈ کے ساتھ موجیں اڑا رہے ہو - سردار

بائیک روک کر غصے میں اترا اور دوست کے منہ پر ایک زوردار گھونسا رسید

کرتے ہوے بولا اوے گرل فرینڈ ہو گی تیری میری تو بہن لگتی ہے

صوفیہ کنول

تیز طوفانی کالی رات تھی اک آدمی کے پیچھے کچھ گُنڈے لگے ہوئے تھے

آدمی گُنڈوں سے بچنے کے لئے اک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھتا جا رہا تھا ساتھ

ساتھ تاریخی طوفانی رات میں مارے خوف کے باربار اک ہی جملہ دھرا رہا

تھا۔

جئے ہو کالی ماتا۔جئے ہو کالی ماتا۔ کہ اچانک کالی ماتا نمودار ہوئی اور

زووووور سے اسکے منہ پر تھپڑ مارا اور بولی۔

دُر فٹے منہ تینوں نئی پتا میں فیئر اینڈ لولی لا کے گوری ہو گئی آ

پٹھان --- گندے کپڑے استری کر رہا تھا

سردار --- گندے کپڑے کیوں استری کر رہے ہو ؟؟؟

پٹھان--- کیونکہ بجلی چلی جائے گی کپڑے تو میں بعد میں بھی دھو لوں گا

) نائیہ ابرش(

....

رپورٹر :جب زلزلہ آیا آپ کیا کر رہی تھیں؟

فیصل آبادی خاتون :انّی دیا میں ہل رہی سی

آویز شایان فرام لاہور

استاد شرارتی کاکے سے

» اتنے دن سے تم کلاس سے غیر حاضر کیوں تھے «

کاکا» :استاد جی وہ میں سخت بیمار تھا تبھی «

استاد»: کل ڈاکٹر کا نسخہ لا دیکھانا«

کاکا» :استاد جی: میں تے} دم {کروایا سی۔

....

اویس ایوب

شوہر بیوی سے -:کرکٹ والا چینل لگاؤ---

بیوی : نہیں لگاؤں گی

شوہر : دیکھ لوں گا۔۔

بیوی غصے سے : کیا دیکھ لو گے ؟

شوہر : یہی چینل جو تم دیکھ رہی ہو

علینہ بنتِ اعجاز

سردار i m going : کا کیا مطلب ہوتا ہے؟

ٹیچر : میں جا رہا ہوں۔۔۔

سردار : اس طرح تو تیرا باپ بھی نہیں جا سکتا پہلے مطلب بتا۔۔۔۔

میری پرنٹ یا الیکٹرونک میڈیا سے میڈیا سے زیادہ وابستگی تو نھیں .....لیکن

اپنے تجرے کی بنیاد پر بتا رھا ھوں سہ پاکستان کے نیوز پیرز میں سب سے

اچھے دو اخبار" نوائے وقت "اور" جنگ "ھیں..

نوائے وقت میں پراٹھے دیر تک گرم رہتے ھیں..جبکہ جنگ اخبار پکوڑوں میں

سے تیل چوسنے میں ثانی نھیں رکھتا

ملائکہ خان

سلطانہ احمد

حسب عادت میاں بیوی جھگڑ رہے تھے۔۔

شوہر اور بیوی میں لڑائی اپنے انجام تک نہیں پہنچ پا رہی تھی

اچانک شوہر بولا : بیگم ہمیں یہ مسئلہ لڑائی سے نہیں عقل و دانش سے حل

کرنا چاہیے.

بیوی غصہ میں چلائی :ہاں ہاں !تاکہ تم پھر سے۔ جیت جاؤ..۔۔

۔۔

*مشہور محاورات کے درست اور سچے مطلب

(1*خود کی جان خطرے میں ڈالنا*

=شادی کرنا

(2*آ بیل مجھے مار*

=بیوی سے پنگا لینا

(3*دیوار سے سر ٹکرانا*

=بیوی کو کچھ سمجھانا

(4*چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات*

بیوی کا مائیکے سے واپس آنا

(5*خود کشی پر ابھارنا *

=شادی کی رائے دینا

(6*دشمنی نبھانا*

=دوستوں کی شادی کروانا

(7*خود کو اسمارٹ سمجھنا*

=شادی نہ کرنا

(8*گناہوں کی سزا ملنا*

=شادی شدہ ہوجانا

(9*لو میریج کرنا*

=خود سے لڑنے کے لیے کوئی لڑاکا ڈھونڈنا

(10*زندگی کے مزے لینا*

=کنوارے رہنا

(11*اوکھلی میں سر دینا*

=شادی کے لیے ہاں کہنا

(12*دو پاٹوں میں پسنا*

=دوسری شادی کرنا

(13*خود کو لٹتے ہوئے دیکھنا*

=بیوی کی فرمائشیں پوری کرنا

= (14*غلطی پر پچھتاوا کرنا*

شادی کی تصویریں دیکھنا

= (15*اپنے پیر پر کلھاڑی مارنا*

بیوی کو گھمانے لے جانا

= (16*خود سے جیل جانا*

شادی کے لیے ہاں کرنا

= (17*بنا جرم کے سزا پانا*

شادی کرنا

.........------

کبھی کبھی بیویاں میاں کی بینڈ بجانے سے پہلے

آفیشل یعنی باقاعدہ اجازت لے لیتی ہیں----

۔

بات سنیں، اگر برا نہ منائیں تو ایک بات کہوں---------

تین سردار ایک ہی چارپائی پر سو رہے تھے ،،

تینوں کو جگہ کم پڑ رہی تھی

ایک سردار اٹھ کر نیچے زمین پر لیٹ گیا تو باقی سردار بولے----

واپس آ جا یار اب جگہ کھلی ہو گئی ہے ----

ارشد قمر فیصل آباد

تمہیں بھلا کے نہ محبت کو پامال کریں

سیرپ اچھی طرح ہلا کر استعمال کریں

دل میرا ٹوٹ گیا اٹھی جب اس کی ڈولی

صبح، دوپہر، شام بس ایک ایک گولی

لوٹ آؤ کہ پھر محبت کا مزہ چکھیں

تمام دوائیں بچوں کی پہنچ سے دور رکھیں

تم سے ملنے کی اب مزید کیا جستجو کریں

طبیعت زیادہ خراب ہو تو ڈاکٹر سے رجوع کریں

دل میرا عشق کرنے پر رضامند رہے گا

جمعہ کے دن کلینک بند رہے گا

ریحانہ اعجاز ۔۔ کراچی ڈیفینس

ساحر علی

ایک آدمی کا باپ مر گیا تو اس نے اپنے دوست کو فون کیا جلدی سے میرے

گھر آجائو۔

دوست گھر پہنچا تو دیکھا سب رو رہے تھے اس نے پوچھا کیا ھوا دوست نے

بتایا اس کے باپ کو ماتھے پہ گولی لگی ھے اور وہ مر گیا ھے

دوست کے باپ کو یکھا اور اپنے دوست کو کہا اوئے رونا شکر کر آنکھ بچ

گئی ھے

ایک لڑکی نے گھر آکر باپ کو بتایا کہ ایک لڑکا روز میرا پیچھا کرتا ہے اور آئی لو یو کہتا ہے۔

باپ نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا پوچھا ''کیا تم چاہتی ہوں کہ وہ تمہیں

کبھی آئی لو یو نہ کہے؟''

لڑکی نے جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''فوراً اُس سے شادی کر لو' ساری زندگی ایسے الفاظ دوبارہ نہیں کہے گا'' باپ نے اطمینان

سے کہا۔

انتخاب ریما نور رضوان

----...........................

بچہ باپ سے: ابو مرد کسے کہتے ہیں؟

باپ: اُس پاور فُل انسان کو جو گھر پر حکومت کرتا ہے۔

بچہ: بڑا ہو کر میں بھی

۔

امی کی طرح مرد بنوں گا...

سارہ خان

کسی اجنبی کے نام

درد کے اس رقص کو کیسے بھول جاؤں

آنکھوں میں چھپے اس عکس کو کیسے بھول جاؤں

جس نے اس بے بس کو جینے کی آرزو دی

دل میں بسے اس شخص کو کیسے بھول جاؤں

عثمان انجم۔۔۔ قبولہ شریف

رانا نوید ارشد صاحب'' (منامہ، بحرین)

مانی ہزار منتیں رد نہ ہوئی بلائے دل

درد کچھ اور بڑھ گیا میں نے جو کی دوائے دل

میری طرح خدا کرے تیرا کسی پہ آئے دل

تو بھی جگر کو تھام کہ کہتا پھرے کہ ہائے دل

غنچہ سمجھ کے لے لیا چٹکی سے یوں مسل دیا

ان کا تو اک کھیل تھا لُٹ گیا میرا ہائے دل

روندو نہ میری قبر کو اس میں دبی ہیں حسرتیں

رکھنا قدم سنبھال کر دیکھو کُچل نہ جائے دل

عاشقِ نامراد کی قبر پہ تھا لکھا ہوا

جس کو ہو زندگی عزیز وہ نہ کہیں لگائے دل

پوچھتے کیا ہو میرے غم ملتے ہیں بے وفا صنم

چھوڑو بُتوں کی دوستی دیتا یہی ہے رائے دل

(شاعر:-نامعلوم)

انتخاب:- فہیم ملک جوگی رحیم یار خان, پنجاب, پاکستان

"عطاء اللہ حیدر سدھار تھنگری کے نام"

عزیمت کے سفر میں بے کسی دیکھی نہیں جاتی

جہاں ایمان زندہ ہو، کمی دیکھی نہیں جاتی

یہ قبروں کے پجاری ہیں خدایا ان کا ساماں کر

مجھے بندوں کی ہی یہ بندگی دیکھی نہیں جاتی

اٹھاؤ امن کا پرچم، بکھیر و پیار کی خوشبو

عداوت کی فضا میں زندگی دیکھی نہیں جاتی

یہ صدیوں سے غلامی پر غلامی کا نتیجہ ہے

کہ اپنے قوم کی ہی بے بسی دیکھی نہیں جاتی

امیری کا نشہ چھاتا ہے جب بے دین لوگوں پر

تو ان سے آخرت کی زندگی دیکھی نہیں جاتی

عبادت کا وہی انداز رب کو خوب بھاتا ہے

کہ جس میں اہل دنیا کی خوشی دیکھی نہیں جاتی

اگر ہمت ہے شب سے راستے کا چاند پیدا کر

سفر میں راہ رو کی روشنی دیکھی نہیں جاتی

چراغ حق جلاؤ کفر کی بستی میں جا جا کر

میاں حیدر، یہ شان حیدری دیکھی نہیں جاتی

محمد امین مقبول

کچھ خود پسند دوستوں کے نام

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے

غالب شرم تم کو مگر نہیں آتی

آبروِ نبیلہ اقبال

زین خان بلوچ ملتان, پنجاب, پاکستان کے نام

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم

امیر سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

(شاعر:-امیر مینائی)

انتخاب:۔ فہیم ملک جوگی رحیم یار

خان، پنجاب، پاکستان

رانا نوید ارشد صاحب منامہ، بحرین

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں....

اِس عاشقی میں عزّتِ سادات بھی گئی....

(شاعر:۔میر تقی میر)

انتخاب:۔ فہیم ملک جوگی رحیم یار

خان، پنجاب، پاکستان

ایک بے وفا کے نام۔۔

تیرا ساتھ ہی منگا تھا بس اپنی کل کائنات مانگی تھی

کس بات کی سزا دی تو نے ایک تیری ہی آرزو چاہی تھی۔۔

انتخاب: آمنہ عبدالغفور شارجہ

داستان دل ڈائجسٹ کے لیے اپنی تحریریں ارسال کرتے ہوئے اپنا نام لکھنا مت بھولیں۔ اور جو اردو فونٹ میں لکھ کے سینڈ کرتے ہیں وہ کو ساتھ کوئی بھی ساتھ پک یا انگریزی ساتھ مت لکھیں ورنہ تحریریں شائع نہیں ہو گی۔۔ مزید معلومات کے لیے 03225494228 پر مسیج کر کے معلومات لے سکتے ہیں

داستان دل کی ٹیم سے رابطہ کا ذریعہ

فیس بک: 03377017753

ای میل: abbasnadeem283@gmail.com

واٹس اپ: 03225494228

داستان دل___

ارباب صاحب سب سے پہلے تو آپ کو خوش آمدید اور بہت ممنون کہ اپ نے اپنی مصروفیت سے وقت نکالا اور ھمارے کچھ سوالوں کے جواب عنایت فرمائے..

مہمان___

بہت شکریہ جناب اپ کا شکرگزار ھوں کہ آپ نے اس قابل سمجھا..

داستان دل_____

سب سے پہلا سوال یہ ھے کہ آپ کو پولیس کی ملازمت میں کون سی چیز لائی.

محض اتفاق.

شوق

یا کوئی اور وجہ؟؟

مہمان___

میرے شہید والد صاحب ایک بہت بہادر پولیس آفیسر تھے.

ان کی شادی کو صرف دو سال ھوئے تھے

میں ان کا اکلوتا بیٹا ھوں. میری عمر صرف 4 مھینے تھی کہ میرے والد صاحب مجرموں کا مقابلہ کرتے ھوئے پیٹ میں گولی کھا کر صرف 28 سال کی عمر میں شھید ھوگئے..

ان کو پولیس کا سب سے بڑا بہادری کا ایوارڈ پہلا تمغہ شجاعت ملا اور باقاعدہ سرکاری اعزاز کے ساتھ دفنایا گیا

میں نے باپ کے نام پہ ان کی چند

پکچرز دیکھیں.

جن میں وہ وردی پہنے ھوئے تھے.

جب ھوش سنبھالا تو

اسی وردی کے خواب دیکھنا شروع کیے.

میری والدہ کی عمر بھر کی کمائی میں تھا.

جب مجھے پولیس جاب ملی تو والدہ نے اعتراض کیا مگر میں نے انھیں راضی کر لیا..

کہ یہ وردی جو بابا کے جسم پہ ھے یہ میرا جنون ھے..

داستان دل ___ سوال نمبر(2)

آپ کی پیشہ ورانہ زندگی کا یادگار واقعہ؟؟

مہمان ___

خیبر پختونخواہ برسوں سے دھشت گردوں کا گڑھ بنا ھوا ھے

میں بھی وطن کا اک سپاھی ھوں ھمیں ھر لمحہ موت سامنے نظر آرھی ھوتی ھے.

ایک دفعہ کچھ مھینے پہلی میری پوسٹنگ صوابی میں تھی.. ھمیں اطلاح ملی کہ تھانے کے قریب ھی ایک گھر میں کچھ دھشت گرد چھپے ھوئے ھیں.

اور جلدی چھاپہ ماریں.

میں اور پولیس موبایل میں تین چار سپاھی اے ایس آئی وغیرہ ھم نے چھاپہ مارا.

ھم دروازے کے سامنے کھڑے تھے جبکہ ایک سپاہی دیوار پھاند کر اندر اتر گیا..اس دوران دھشت گردوں نے بھاگنے کی کوشش کی اور گیٹ کھول کر باھر نکلے تو بالکل سامنے چند قدم کے فاصلے ھم کھڑے تھے.

اس نے گرنیڈ اٹھا کر سیدھا میری طرف پھینکا.

اس سے پہلے کہ ھم کچھ کرتے وہ گرنیڈ زور دار دھماکے سے پھٹ گیا..

بچانے والی اللہ کہ ذات تھی

سو بچ گیا.

اسی طرح ایک بار ایک انٹرنیشنل جیب کترا جو خاص طور پہ ھر سال حج یا عمرے کے لیے جاکر مکہ مدینہ میں جیب کاٹتا تھا

پولیس موبایل سے اترتے ھی بازار میں مجھے نظر آ گیا.

اس نے مجھے دیکھ کر دوڑ ماری میں پیچھے بھاگا تو ایک دوکان کا بہت موٹے شیشے والا دروازہ. میری ٹکر سے ٹوٹ کر میرے ھاتھ پہ گر گیا.

میرے سیدھے ھاتھ کی رگیں اور پٹھے سب کٹ گئے .تھے . تین مھینے تک میری انگلیاں حرکت نھیں کرتی تھیں.

کئی گھنٹوں کے آپریشن کے بعد مصنوعی رگیں ڈالی گئیں میرے ھاتھ میں.

مگر وہ جیب کترا پکڑا گیا..

داستان دل(4) ...

آپ پولیس فورس میں شامل ھونے کے خواھش مندوں کو کیا پیغام دینا چاھیں گے....؟؟

مہمان____

پولیس کی جاب آپ سے آپ کا سو فیصد مانگتی ھے.

اور جیسے ھمارے ملک کی سیکیوریٹی کے حالات جا رھے ھیں.

یہ پولیس کے لیے بدترین حالات ھیں.

یہ پھولوں کی راھگزار نھیں ھے بلکہ کانٹوں بھرا سفر ھے.

مثال کے طور پہ ایک واقعہ سناتا ھوں..

پچھلے دنوں دھشت گرد اک دو منزلہ مکان میں چھپے ھوئے تھے.

اور میں اپنی فورس کو لیڈ کر رھا تھا.

یقین کریں ھم نے 16 گھنٹے مسلسل ان دھشت گردوں پہ فایرنگ کی..

ایک درخت کی اوٹ میں میرا مورچہ تھا.

میں ایک ھی گھٹنے کے سہارے زمیں پہ بیٹھ کر جھکے ھوئے مسلسل 16 گھنٹے مقابلہ کرتا رھا.

اگر سر اٹھاتا تو اوپر سے گولی کا نشانہ بنتا.

اور جب تمام دھشت گرد مارے جا چکے تو

ھمارے ھاتھ پاوں بلکل سن ھو چکے تھے..

ھفتوں تک ھڈیاں اور پٹھے اپنی جگہ پہ نھیں آسکے..

پولیس کی نوکری کو پہلے رشوت اور بے ایمانی سے جوڑا جاتا تھا.

بلاشبہ ھر محکمے کی طرح پولیس میں بھی گندی بھیڑیں ھیں اور رھیں گی.

مگر پولیس والے اپنا چین آرام یہاں تک کہ پوری زندگیاں دے دیتے ھیں..

اس طرح جانیں دے کر اب ذرا پولیس اور عوام کی قریب ائے ھیں

اور جتنی شھادتیں پولیس کے حصے میں آئی ھیں وہ کسی اور کے حصے میں نھیں آئیں..

کیونکہ فوجی تو ھر گلی ھر چوراھے پہ نھیں کھڑے ھوتے.

ان تک پہنچنا بھی آسان نھیں ھوتا

یہ تو پولیس ھے جو ھر جگہ موجود ھے..

داستان دل(5)..

رشوت سے کیسے بچتے ھیں؟

کیونکہ کہاوت مشہور ھے.کہ

کویلوں کے کاروبار میں ھاتھ تو کالے ھوتے ھیں..؟؟

مہمان__

میری ساری عبادت میرا ایک فعل کھا جائے تو اس سے اچھا یہ ھے کہ میں اس فعل سے بچوں.

دوسرا حرام کا حساب آنے والی نسل دیتی ھے..

میں اپنے بچوں کو طیب رزق کھلاتا ھوں کیونکہ.

حرام رگوں سے احساس کو کھا جاتا ھے...

مجھے اپنی آنے والی نسل پاکیزہ چاھئے....

کیونکہ نیک اولاد اپ کے لیے صدقہ جاریہ کی صورت

قبر میں روشنی کا ذریعہ ھے. ...

داستان دل

.1 پسندیدہ کھانا؟

ھر چیز بیگم کے ھاتھ کی پکی ھوئی..

___2پسندیدہ شہر؟؟

پاکستان میں ایبٹ آباد

بیرون ملک بہت سے شہر دیکھے مگر مدینے کی گلیاں

سب سے زہادہ

پسند ھیں..

پسندیدہ موسم؟؟

مہمان ___ سردی کا موسم___

رنگ.. ؟؟ سفید

خوشبو. ؟؟؟ مختلف مواقع کے لیے مختلف خوشبو..

داستان دل_____

اپ کی فٹس کا راز؟؟

کم خوراک اور ورزش.

میں ھمیشہ صبح ناشتہ اور رات کو کھانا کھاتا ھوں سارا

دن کچھ نھیں کھاتا سوائے ایک آدھ پیالی چائے کے

اور روزانہ دو گھنٹے جم میں گزارتا ھوں...

پولیس یونیفارم بڑھی ھوئی توند پہ نھیں سجتی...

داستان دل____

کوئی ایسا لمحہ جس کا تصور خوف زدہ کر دیتا ھو..؟؟

مہمان..

نھیں میں سوائے اللہ کی ذات کے کسی سے نھیں

ڈرتا..

مگر ایک نھیں بلکہ بہت سے لمحات میری زندگی میں

ایسے ھیں کہ

جو مجھے نئ زندگی سے گئے..

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

کچھ سال پہلے جب میں ایس ایچ او تھا یہ ان دنوں کا واقعہ ھے..

رمضان کا مھینہ تھا افطار کے لیے بیٹھے تھے آذان ھوئی ابھی میں منہ کھجور رکھی تھی کہ شدید فایرنگ شروع ھو گئی.

وایرلیس پہ کال چلنے لگی کہ قریب ھی دو خاندانوں کے درمیان تنازعہ مستورات پہ کراس فایرنگ ھو رھی ھے.

شہری علاقہ تھا چند راھگیر بھی زخمی ھو گئے تھے.

میں نے صرف کھجور کھاتے ھوئے.

علاقے کا رخ کیا.

میں بے گناہ راھگیروں اور آس پاس کے لوگوں کو بچانے کی خاطر درمیان پہ کھڑا ھو کر سئیز فایر کا حکم دینے لگا.

اتنے میں مجھے محسوس ھوا کہ میری ٹانگ پہ گولی لگ گئی ھے.

لیکن میں نے پرواہ نھیں کی اور بار بار اعلان کرتا رھا.

پولیس والے دوسرے زخمیوں کو اٹھا رھے تھے.

میں نے اپنے بوٹ کے اندر محسوس کیا کہ پانی سے بھر گیا ھے.

نیچے جھک کر دیکھا تو وہ بوٹ سارا خون سے بھر چکا تھا.

اور میری ٹانگ سے خون فوارے کی طرح نکل رھا تھا..

میں نے جیب سے رومال نکال کر زخم پہ باندھا اور اکیلے گاڑی ڈرائیو کر کے 15 منٹ کے فاصلے پہ ھاسپٹل پہنچا.

راستے میں ایک دوبار زیادہ بلیڈنگ کی وجہ سے آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا.

اور مجھے لگا کہ اب بے ھوش ھو جاوں گا.

میں نے گاڑی میں سے بیوئی کو فون ملا کر کہا کہ ایک
گڑھے میں گرنے سے چوٹ لگی ھے پاوں پہ فکر نہ
کرنا اور گھر میں سے کسی کو اسپتال بھیج دو

اتفاق ایسا ھوا کہ جیسے ھی لفٹ میں چڑھا اوپر
ایمرجنسی پہنچنے کے لیے.

لفٹ میں سرجن صاحب بھی موجود تھے.

انھوں نے میری حالت دیکھ کر جلدی جلدی اسٹریچر
پہ ڈال کر سیدھا اپریشن تھیٹر کا رخ کیا

اور گولی جو ھڈی میں پیوست تھی آپریشن کر کے
نکال لی..

یہ لمحات یاد آتے ھیں تو اپنی زندگی معجزہ لگتی ھے

کیونکہ میرے والد صاحب بھی ایسی ھی سچویشن میں
صرف ایک گولی پیٹ کے نچلے حصے میں مثانے کے
پاس لگنے سے شھید ھوئے تھے.

بس مجھے لگنے والی گولی ذرا سی نیچے تھی...

داستان دل__

اپ کے مشاغل ؟؟

مہمان..

ھنستے ھوئے.

فارغ ٹایم بہت مشکل سے ملتا ھے.

لیکن جب بھی ملے شکار کے لیے جاتا ھوں.

تیتر مرغابی اور مچھلی کا شکار.

شوق سے کرتا ھوں..

شکار کے لیے بھی اور ویسے بھی کتے پال رکھے ھیں.

بہت اعلی نسل کے کتے میرے پاس ھیں...

اور اس کے علاوہ اچھی موسیقی سنتا ھوں...

داستان دل...

اگر آپ کو ایک دن کی بادشاھت مل جائے تو؟؟

مہمان.

تمام سیاست دانوں کو اک بحری جہاز میں بیٹھا کر

سمندر کے سفر پہ بھیج دوں گا اور خود دعا کروں گا

کہ ٹائی ٹینک کی طرح یہ جہاز بھی ڈوب ھی جائے...

داستان دل____

کوئی پیغام ھمارے قارئین کے نام ؟؟؟

مہمان...

نیک خواھشات آپ کی کامیابی کے لیے..

اور سب لوگوں سے درخواست کے ذرا سا اپنے اندر

برداشت کا جذبہ پیدا کریں عدم برداشت نے

معاشرے میں جرایم کو بہت زیادہ بڑھا دیا ھے.

معمولی سی بات پہ جھگڑے قتل اور انتقام کی آگ

میں خاندانوں کے خاندان برباد ھو جاتے ھیں..

لوگوں کو عقل دوسروں کے تجربات سے نھیں آتی.

بلکہ خود سب کچھ کر کے سیکھتے ھیں.

ھمارے پاس ایسے ایسے کیس آتے ھیں کہ افسوس

ھوتا ھے.

اور میں سوچتا ھوں

کاش یہ انسان تھوڑا سا ضبط کر لیتا اور یوں بے شمار

زندگیاں برباد نہ ھوتیں

ارباب صاحب مجھے آپ سے مل کر بہت اچھا لگا

ہمشہ پھولوں کی طرح مسکراتے رہو داستان دل

کی بزم ہمشہ آپکی منتظر رہے گی کچھ دن پہلے کوئٹہ

میں پولیس سنٹر پر جو حملہ ہوا اس میں میرا اک

کلاس فیلو تھا اسے بھی بہت شوق تھا پولیس میں

بھرتی ہونے کا آنکھیں نم ہیں

---------اللہ میرے دوست کو جنت

میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین آپ

سب سے بھی دعا کی اپیل ہے پلیز ان کے لیے

دعا لازمی کریں---ایڈیٹر ندیم عباس ڈھکو

دریا سے موج, موج سے کشتی نکال کر

حیرت زدہ ہوں آپ کو حیرت میں ڈال کر

ہوتی نہیں کسی طرح مدہوش یہ فضا

دیکھا ہے ہم نے بادہ بھی اوپر اچھال کر

اس دوغلے سماج میں رہنے کے باوجود

رکھا ہے تیری یاد میں خود کو سنبھال کر

عالم ترے خیال میں باقی بچے گا کیا

گوری کو لیپ ٹاپ سے باہر نکال کر.

اریبہ ساہیوال

مجھ سے خفا ہو گئی ہو جیسے

یہ زندگی بھی میری نہ رہی

تم پر فدا ہو گئی ہو جیسا

ہر وقت تمھارا کا خیال دل میں

تم دل میں دھڑکن ہو گئے ہو جیسے

ہر لمحہ چہرہ تمھارا آنکھوں میں

تم آنکھوں کی روشنی ہو گئے ہو جیسے

اب گزرتا نہیں وقت تمھارے بغیر

تم سے محبت ہو گئی ہو جیسے

منیب / حسیب ساہیوال

ندیم عباس بھائی کے نام

زندگی تباہ ہو گئی ہو جیسے